جدید فقہی تحقیقات

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۵-۷/مارچ ۲۰۱۱ء کو رامپور میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام
صفحات : ۵۴۷
قیمت : ۲۸۰
سن طباعت (اول) : فروری ۲۰۱۲ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی
۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
فون:011-26981327

مجلس ادارت

۱-حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی

۲-حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳-حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی

۴-حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵-حضرت مولانا عتیق احمد بستوی

۶-حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

ابتدائیہ:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:		۱۳
سوالنامہ:		۱۷
تلخیص مقالات:	مفتی محمد ہارون رشید ندوی	۲۳
عرض مسئلہ:		
سوال نمبر ۱	مفتی اقبال محمد ٹنکاروی	۴۳
سوال نمبر ۲	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۸۰
سوال نمبر ۳	مولانا خورشید احمد اعظمی	۸۸

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام	مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۱۰۳
مختلف شعبوں میں ملازمتوں کے شرعی احکام	مفتی سہیل احمد قاسمی	۱۳۶
مختلف نوع کی ملازمتیں اور ان کا شرعی حکم	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۵۷
مختلف سیکٹروں میں ملازمتوں کے شرعی احکام	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۲۰۰
مختلف اقسام کی ملازمتیں اور ان کے احکام	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۲۱۷
مختلف محکموں میں ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام	مولانا ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی	۲۳۴
مختلف النوع ملازمتیں اور شرعی احکام و مسائل	مفتی اقبال محمد ٹنکاروی	۲۵۲

مختلف پیشےاوران کےشرعی احکام	مولانااشتیاق احمداعظمی	۲۷۸
ملازمتوں کےمختلف اقسام اوران کےشرعی احکام	مولانامظاہرحسین عمادالقاسمی	۳۰۱
حکومت کےمختلف اداروں میں ملازمت کاشرعی حکم	مولاناسلمان پالنپوری قاسمی	۳۱۸
مختلف ملازمتوں کےشرعی احکام	مولانامحمدفاروق	۳۳۴
حکومت کےمحکموں میں ملازمتوں کےشرعی احکام	مولانامحبوب فروغ احمدقاسمی	۳۵۵
مختلف شعبوں میں ملازمتیں اوران کےشرعی احکام	مولاناشمس الدین مظاہری	۳۷۵
مختلف اداروں میں ملازمت کرنےکاشرعی حکم	مولاناعبدالرشیدقاسمی	۳۹۷
مختلف النوع ملازمتیں اوران کےشرعی احکام	مولانامحمدنورالدین بھاگلپوری	۴۲۳
مختلف شعبوں میں ملازمتوں کےشرعی احکام	مولانامحمدجاویدکوثر	۴۳۹

تیسرا باب: مختصر تحریریر

مختلف ملازمتوں کےاحکام	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	۴۶۱
مختلف ملازمتوں کےاحکام ومسائل	مولانااخترامام عادل قاسمی	۴۷۰
مختلف قسم کی ملازمتیں اوران کےشرعی احکام	مولانامحمدظفرعالم ندوی	۴۸۱
ملازمتوں کےاقسام واحکام	ڈاکٹربہاءالدین ندوی	۴۸۹
حکومت کےبعض اداروں میں ملازمت کرنےکاشرعی حکم	مفتی عبداللہ کاوی	۴۹۲
مختلف محکموں میں ملازمتوں کےشرعی احکام	مفتی رضوان الحسن مظاہری	۵۰۲
مختلف ملازمتوں کےشرعی احکام	مولانامحمدقمرعالم قاسمی	۵۱۲
مختلف النوع ملازمتیں اوران کاشرعی حکم	مولاناعبدالتواب اناوی	۵۱۴
مختلف قسم کی ملازمت سےمتعلق شرعی احکام	مولانامحمدمنصف بدایونی	۵۲۶

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ	۵۳۵

☆☆☆

پیش لفظ

کسب معاش کے بنیادی طور پر تین ذرائع ہیں: تجارت، زراعت اور صنعت۔
’تجارت‘ مال کے خریدنے اور بیچنے کا نام ہے، تجارت ہی کے واسطے سے انسان کو تمام ضروریات زندگی مہیا ہوتی ہیں، ’زراعت‘ کاشتکاری اور باغبانی سے عبارت ہے، زراعت ہی کے ذریعہ انسان اور حیوان کی بنیادی غذائی ضرورت پوری ہوتی ہے، ’صنعت‘ قدرتی وسائل کے ساتھ انسانی محنت کو شامل کرکے چیزوں کو وجود میں لانے کا نام ہے، زندگی کی بہت سی ضروریات شروع سے صنعت کے ذریعہ حاصل ہوتی رہی ہیں اور اب اس مشینی دور میں سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک ہر چیز انسان کی صناعی کا شاہکار ہے۔
تجارت ہو یا زراعت یا صنعت، اکثر اوقات تنہا ایک شخص اس کو انجام نہیں دے سکتا، تجارت جتنی بڑی ہوگی، اتنے ہی زیادہ افراد کی ضرورت ہوگی، زراعت کے لئے مزدور کی ضرورت ہے، زراعت کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا، اتنے ہی افراد مطلوب ہوں گے، سب سے زیادہ افرادی وسائل کی ضرورت پیش آتی ہے صنعت میں؛ بلکہ صنعتیں روزگار کے لئے زبردست وسیلہ تصور کی جاتی ہیں؛ اس لئے کسب معاش کا جو بھی شعبہ ہو، اسی میں آجرین اور ملازمین دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔
اسلام چاہتا ہے کہ قدرتی وسائل سے زیادہ اہمیت افرادی وسائل کو حاصل ہو، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار حاصل ہو، مزدوروں کو ان کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملے؛ اس لئے ملازمت کے جائز ہونے میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی؛ لیکن ایک اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ کسی شئ کو وجود میں لانے یا اس کو فروغ دینے میں ملازمین کا نہایت اہم رول ہوتا ہے، اگر ان کی محنت

سے کوئی ایسی چیز وجود میں آتی ہے، جو انسانیت کے لئے نفع بخش ہو اور بہتر نیت کے ساتھ مزدور مزدوری کریں تو وہ کام اس کے لئے باعث اجر ہے اور اگر وہ کسی ایسی چیز کو وجود میں لانے کا سبب بن رہا ہے جو انسانیت کے لئے نقصان دہ ہے، جو اخلاق کے لئے تباہ کن ہے اور جو شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے تو یہی چیز اس کے لئے گناہ اور اللہ کے یہاں پکڑ کا باعث ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ} (المائدۃ: ۲)، اسلامی نقطۂ نظر سے جب ملازمت کے بارے میں غور کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس پہلو کو بھی ملحوظ رکھا جائے، نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ تعاون کے مختلف درجات ہیں اور اسی لحاظ سے اس کے احکام ہوں گے۔

گذشتہ ادوار میں ملازمت کے مواقع کم تھے، اسی لحاظ سے ان کے بارے میں فقہی احکام ملتے ہیں، موجودہ عہد میں ملازمت کی متنوع شکلیں پیدا ہوئی ہیں، پھر جو ملازمتیں گناہ کے کام میں تعاون کا ذریعہ بنتی ہیں، ان کے بارے میں بھی یہ بات قابلِ غور ہے کہ وہ تعاون کے کس درجے میں ہیں؟ کیا وہ قریبی تعاون کے درجہ میں آتی ہیں جس کی ممانعت ہے یا تعاون بعید ہے جس سے بچنا دشوار ہے؟ نیز وہ جس ممنوع کام میں تعاون کا ذریعہ بن رہی ہیں، خود وہ کام حرام ہے یا مکروہ یا خلاف مستحب؟ اور حرام ہے تو حرام لعینہ ہے یا حرام لغیرہ؟ غرض کہ مختلف جہتیں ہیں، جو قابلِ توجہ ہیں؛ اس لئے یہ اس دور کا ایک اہم مسئلہ ہے اور خاص کر اربابِ افتاء اس سلسلہ میں مختلف سوالات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے موضوع کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے بیسویں فقہی سمینار منعقدہ رام پور میں اس موضوع کو بھی شامل کیا، اس کے لئے ایک جامع سوالنامہ جاری کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اکیڈمی کی دعوت پر اہلِ علم توجہ دیتے ہیں اور اس طرح جدید مسائل پر ایک قیمتی علمی ذخیرہ تیار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محبِّ عزیز مفتی محمد سراج الدین قاسمی وفّقہ اللہ کما یحب ویرضاہ کو، کہ انہوں نے بڑی محنت سے اس مجموعہ

کو مرتب کیا اور اس میں مقالات کے ساتھ ساتھ سمینار میں پیش کئے جانے والے عرضِ مسئلہ، مشارکین کے مناقشات اور تجاویز —— جو سمینار کا لب لباب ہیں - کو بھی شامل کیا، اس طرح یہ مجموعہ قارئین کے سامنے ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو امت کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے اور اکیڈمی کی خدمات میں تسلسل کو برقرار رکھے۔

۱۴ر محرم ۱۴۳۳ھ	خالد سیف اللہ رحمانی
۱۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء	(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

۱-الف: فوج کا بنیادی مقصد ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور غیر معمولی حالات میں امن و امان کا قیام ہے، یہ دونوں مقاصد شریعت اسلامیہ میں بھی مطلوب ہیں، اس لیے مصلحت عامہ کے پیش نظر فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لیے جائز ہے، البتہ حتی الامکان غیر شرعی اقدام سے احتراز ضروری ہے۔

ب- پولیس کا محکمہ بھی دراصل امن و امان قائم کرنے اور شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے، اس لئے اس کی بھی ملازمت جائز ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے کسی طرح کا ظلم وستم وغیرہ نہ کیا جائے۔

ج- ملک کی سلامتی، امن و امان کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لیے انٹلی جینس کی ملازمت درست ہے، البتہ ہر ایسے طریقہ کار سے اجتناب لازم ہے جو غیر شرعی اور حقوق انسانی کے خلاف ہو۔

د- عدلیہ کا مقصد انصاف کی فراہمی اور ظلم و حق تلفی کی روک تھام ہے لہذا عدلیہ کی ملازمت درست ہے۔

ھ- حکومت کی طرف سے رعایا کی فلاح و بہبود کی غرض سے مختلف ٹیکس عائد کیے جاتے

ہیں اور ان کے لیے محکمے وادارے قائم ہیں، ایسے اداروں کی ملازمت شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔

۲-الف: بینک کا بنیادی کام سودی لین دین کا ہے، اس لیے اصولی طور پر بینک یا کسی سودی کاروبار کے ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ب: بینک کی ایسی ملازمت جس کا تعلق براہ راست سودی معاملات (سود کے لکھنے اور لینے ودینے وغیرہ) سے نہ ہو ایسی ملازمت کی گنجائش ہے، اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

ج: بینک کے لئے عمارت وغیرہ کا کرایہ پر دینا مکروہ ہے۔

د: انشورنس کمپنیاں عام طور سے سود و قمار کا کام کرتی ہیں لہذا ایسی کمپنیاں جن میں سود و قمار یا کسی ایک کا نظام ہو ان کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ھ: انشورنس کی وہ کمپنیاں جن کا نظام سود و قمار سے پاک ہو ان کی ملازمت درست ہے کہ جان ومال کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔

و: شراب سازی کے کام وکارخانہ میں کسی طرح کی بھی ملازمت ناجائز ہے۔

ز: ایسی اشیاء جن کا استعمال شراب سازی کے لیے کیا جاسکتا ہے ان کا شراب سازی کا کام کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کرنا اور ایسے کاموں کی ملازمت کی گنجائش ہے مگر اس سے بچنا بہتر ہے۔

۳-الف: ایسے سوپر مارکیٹ کی ملازمت جس میں شراب کے علاوہ اکثر جائز اشیاء فروخت ہوتی ہوں اور ملازمت کا تعلق براہ راست شراب سے نہ ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

ب: اسلامی نقطۂ نظر سے مخلوط تعلیمی نظام درست نہیں ہے؛ البتہ جہاں جداگانہ تعلیمی نظام کی سہولت نہ ہو وہاں ضرورۃً اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، اور مخلوط تعلیم گاہ نیز جہاں صنف مخالف کو تعلیم دینے کی نوبت آئے وہاں تدریسی ملازمت کی گنجائش ہے، البتہ شرعی حدود وہدایات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج: یہ سمینار مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جو جداگانہ نظام پر مبنی ہوں اور ان میں شرعی حدود واحکام کی پوری رعایت ہو، نیز تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ معیار کو پورا کرتے ہوں؛ تا کہ مسلمان طلبہ وطالبات ان مفاسد سے بچتے ہوئے تعلیم حاصل کر سکیں جو آہستہ آہستہ عصری تعلیمی اداروں کا حصہ بنتے جارہے ہیں۔

د: پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ہے؛ البتہ غلط مقدمات کی پیروی اور صاحب حق کی حق تلفی کے لیے وکالت اور کذب بیانی وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ھ: طبابت (ڈاکٹری) انسانی خدمات اور آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے، طبیب کا بطور ملازمت کسی ہاسپیٹل میں اجرت پر کام کرنا اور علاج کرنا جائز ہے۔

و: بلا ضرورت کسی مریض کا ٹسٹ کرانا، آپریشن تجویز کرنا یا کسی دوا کا دینا محض اضافۂ آمدنی کے لیے جائز نہیں ہے، ایسا کرنا خیانت اور بد دیانتی ہوگی اور اس طور پر حاصل کیا ہوا مال جائز نہیں ہوگا۔

۲- مرد مریض کے لیے مرد معالج اور خاتون مریض کے لیے خاتون معالج ہونا چاہئے؛ البتہ ضرورت کے موقع پر صنف مخالف کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

۳- بلا ضرورت کسی کے جسم کے ایسے حصے پر نظر کرنا یا مس کرنا جو ستر میں داخل ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ بوقت ضرورت معالج کے لیے مریض کے ایسے قابل ستر حصہ کو جس کا تعلق مرض سے ہے، بقدر ضرورت دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔

۴- ہوٹل کی ملازمت فی نفسہ جائز ہے۔ ہوٹل میں قیام کرنے والے اشخاص کا اپنے طور پر اس میں محرمات کا استعمال ہوٹل مالک کے لیے حاصل ہونے والے کرایہ پر اثر انداز نہیں ہوگا، اس کی اجرت اور کرایہ جائز ہے۔

۵- ہوٹل مالک یا اس کے کسی ملازم کے ذریعہ محرمات کی فراہمی تعاون علی الاثم براہ راست شمار ہوگی اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

سوالنامہ:

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

انسان کی صلاحیتیں منجانب اللہ محدود رکھی گئی ہیں، وہ اپنی تمام ضرورتیں خود پوری نہیں کرسکتا، اسے بہت سی دفعہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور وہ اس کی اجرت ادا کرتا ہے، اس طرح اس شخص کی ضرورت پوری ہوتی ہے، مثلاً اس کا مکان بنتا ہے اس کا کاروبار چلتا ہے، اس کے لئے سفر آسان ہوجاتا ہے وغیرہ، اور دوسرے شخص کے لئے یہی عمل رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے، اسی لئے اجارہ کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے، اور خود قرآن و حدیث سے اس کا واضح ثبوت موجود ہے، لیکن عمل کوئی بھی ہو، ضروری ہے کہ وہ شریعت کے دائرہ میں ہو، اس سے اللہ اور اس کے رسول کا حکم ٹوٹتا نہ ہو اور منہیات شرعیہ کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، چنانچہ قرآن مجید نے جہاں اچھے کاموں کا حکم دیا ہے، وہیں گناہ اور ظلم سے منع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے کاموں کو کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، گناہ میں تعاون کرنا ہے ---- پھر تعاون کا ایک قریبی درجہ ہے، جو براہ راست کسی عمل میں مدد و معاون ہوتا ہے، دوسرا درجہ دور کے تعاون کا ہے کہ جس سے بچنا بعض دفعہ ممکن نہیں ہوتا، اسی لئے فقہاء نے سدّ ذریعہ کے اصول کے ذیل میں وہ عمل جو اکثر یا بکثرت کسی بات کا ذریعہ بنتا ہو اور وہ عمل جس کا ذریعہ بننا شاذ و نادر ہو، فرق کیا ہے۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں، امید کہ کتاب و سنت، شریعت کے مقاصد اور فقہاء کی تشریحات کی روشنی میں ان کے جوابات عنایات فرمائیں گے:

۱- بعض ملازمتوں کا تعلق حکومتوں سے ہوتا ہے؛ لیکن اندیشہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض

دفعہ خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑے گا، اس سلسلہ میں ملازمتوں کی درج ذیل صورتیں قابل توجہ ہیں، اگر اس طرح کی کچھ اور صورتیں بھی آپ کے سامنے ہوں تو ان کو بھی واضح کر دینا مناسب ہوگا:

الف— حکومت کا ایک اہم شعبہ فوج کا ہے، جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن و امان کو قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم و مظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے، اگر چہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے مسلمانوں کے مفاد میں ہے، بہت سی دفعہ اس کی وجہ سے مسلمان فوج کی زیادتی سے بچ سکتے ہیں، نیز یہ روزگار کا ایک وسیع ذریعہ بھی ہے، اس کو چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے معیشت کے وسائل کو محدود کر دینے کے مترادف ہوگا؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

ب— فوج ہی سے قریب دوسرا شعبہ پولس کا ہے، جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن و امان کو قائم رکھنا ہے، پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان بھی اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بد زبان اور ظلم و جور کا خوگر بن جاتا ہے؛ البتہ اگر پولیس میں مسلمان نہ ہوں تو اس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان اور انصاف سے محرومی کا اندیشہ ہے؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

ج— حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس کا بھی ہوتا ہے، ملک کی سلامتی، امن و امان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ اس شعبہ میں ملازمت کرتے ہیں، انہیں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات

محض شبہ کی وجہ سے شریف شہریوں کے خلاف بھی ایسی کارروائی کی ضرورت پڑ جاتی ہے، ان حالات میں کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت کرنا درست ہوگا؟

د– انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لئے عدلیہ کا نظام قائم ہے اور ہر مہذب معاشرہ کے لئے اس نظام کا وجود ناگزیر ہے، عدالتیں بنیادی طور پر دستور کی تشریح اور تصفیہ طلب واقعات میں ان کی تطبیق کا کام کرتی ہیں، اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو بھی منصفانہ نہیں کہا جاسکتا، اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے تو اندیشہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی، ان حالات میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

ھ– کوئی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی، ٹیکس کی ایک صورت وہ ہے جسے انکم ٹیکس کہا جاتا ہے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئی ہیں وہ ظالمانہ ہیں، دوسرے عموماً اس ٹیکس کو ٹھیک طور پر عوامی فلاح پر استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور انہیں دی گئی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کردیا جاتا ہے، پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ انکم ٹیکس کے لئے بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے، لہٰذا کیا انکم ٹیکس کے شعبوں میں مسلمان ملازمت کرسکتے ہیں؟

۲– بعض ملازمتیں ایسی ہیں جن کا سرکاری ہونا ضروری نہیں، لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں، چنانچہ:

الف– بینک اصل میں سودی لین دین کا بنیادی طور پر کاروبار کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بینک کی ملازمت کا کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص بیسہ کے لین دین اور سودی حسابات کو لکھتا نہ

ہو، کوئی اور کام کرتا ہو، جیسے بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، کیا یہ صورتیں بھی سودی معاملات کے تعاون میں شمار کی جائیں گی یا اس نوعیت کی ملازمت جائز ہوگی؟

ب— انشورنس کمپنی کا کاروبار ربا اور قمار پر مبنی ہے، البتہ انشورنس کی ایسی شکلیں جس میں واقعہ پیش نہ آنے کی صورت میں پالیسی ہولڈر کو کوئی رقم نہ ملتی ہو، جیسے میڈیکل انشورنس یا حادثہ انشورنس، یا جو انشورنس جبری نوعیت کا ہو، بعض اہل علم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ انشورنس کمپنی کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ کیا انشورنس کی تمام صورتوں کے لئے ایک ہی حکم ہے یا ان میں کچھ فرق بھی ہے؟ نیز کسی شخص کا انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے یا نہیں؟

ج— شراب کی کمپنی میں کچھ لوگ شراب کی خرید و فروخت کرتے ہیں، کچھ لوگ کمپنی کے لئے بوتل بناتے ہیں، کچھ لوگ شراب کے لین دین میں نہیں رہتے؛ لیکن حساب کتاب لکھتے ہیں یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزا پیش کرتے ہیں، جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے تو شراب کی کمپنی کے ان مختلف کاموں میں ملازمت کا حکم یکساں ہے یا ان میں حکم کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

۳— بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں کاروبار کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے؛ لیکن ضمنی طور پر وہاں حرام کام بھی کئے جاتے ہیں، جیسے:

الف— سپر مارکیٹ ہے، جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات ہوں تو ان کو واضح کیا جائے۔

ب— تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے، لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے، اور استاذ کو بعض اوقات اس طرح

تدریس کا فریضہ انجام دینا ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب لڑکے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اسی طرح لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی کام کرتے ہیں، اور لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ بھی کام کرتی ہیں، ایسی ملازمت جائز ہوگی یا نہیں؟

ج– ایک اہم پیشہ وکالت کا ہے، وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہونچانا ہوتا ہے، مسلمانوں کے اپنے اجتماعی اور انفرادی مسائل کے لئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے، اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی کمی محسوس کی جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے اکثر وکلاء کے یہاں ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا بلکہ بہت سی دفعہ وہ مظلوم کو انصاف سے محروم کردیتا ہے، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات وکلاء اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، اس پس منظر میں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا مسلمان اس پیشہ کو اختیار کرسکتے ہیں؟

د– انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج اور پیشۂ طبابت ہے، لیکن بدقسمتی سے اس شعبہ میں بعض برائیاں در آئی ہیں، جیسے آپریشن مجبوری کی حالت میں کیا جانا چاہئے، لیکن ہاسپیٹل کی انتظامیہ ڈاکٹروں کو تاکید کرتی ہے کہ وہ ہر ماہ کم سے کم اتنی مقدار میں آپریشن یا ٹسٹ لکھے؛ تاکہ ہاسپیٹل کی اور اس کی لیبارٹری کی آمدنی بڑھ سکے؛ اسی طرح سرکاری ہاسپٹلوں کے علاوہ پرائیویٹ ہاسپٹلوں میں بھی مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہے جس کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے تو ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ اور ملازمین کے لئے کیا شرعی حدود ہوں گی؟

ھ– ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لیکر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں، جو شرعاً جائز نہیں ہیں، جیسے: شراب کی

فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ، ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ حرام چیزوں کی فراہمی سے اس کا براہ راست تعلق ہو، یا براہ راست اس سے تعلق نہ ہو۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

مختلف النوع ملازمتیں اوران کے شرعی احکام

تلخیص: مفتی محمد ہارون رشید ندوی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بیسویں فقہی سمینار کا ایک موضوع ''مختلف النوع ملازمتیں اوران کے شرعی احکام'' ہے، تادم تحریر تقریباً اکیڈمی کو ۱۸؍مقالات موصول ہو چکے ہیں، مقالہ نگار حضرات کے اسماءگرامی حسب ذیل ہیں:

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محمد قمر عالم قاسمی۔

موضوع سے متعلق تین سوالات اکیڈمی نے جاری کئے تھے، ان کے جوابات کی تلخیص حسب ذیل ہے:

۱- بعض ملازمتوں کا تعلق حکومتوں سے ہوتا ہے، لیکن اندیشہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض دفعہ خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑے گا، اس سلسلہ میں ملازمتوں کی درج ذیل صورتیں قابل توجہ ہیں، اگر اس طرح کی کچھ اور صورتیں بھی آپ کے سامنے ہوں تو ان کو بھی واضح

☆ سابق رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

کردینا مناسب ہوگا:

الف- حکومت کا ایک اہم شعبہ فوج ہے، جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے، اگر چہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے مسلمانوں کے مفاد میں ہے، بہت سی دفعہ اس کی وجہ سے مسلمان، فوج کی زیادتی سے بچ سکتے ہیں، نیز یہ روزگار کا ایک وسیع ذریعہ بھی ہے، اس کو چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے معیشت کے وسائل کو محدود کر دینے کے مترادف ہوگا؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے مجموعی مفاد اور اجتماعی لحاظ کے پیش نظر فوج کی ملازمت اختیار کرنے کی گنجائش رکھی ہے، کیونکہ بعض اوقات اس شعبہ میں مسلمانوں کی نمائندگی سے خود مسلمان فوج کی بے جا زیادتیوں سے بھی بچ سکتے ہیں اور ایک حد تک اس سے مسلمانوں کی بگڑتی ہوئی معاشی صورت حال کی بھرپائی بھی ہوتی ہے۔

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے ''شرح السیر'' اور ''سیرت ابن ہشام'' کے حوالہ سے اس شعبہ میں ملازمت کو جائز ٹھہرایا ہے، نیز اس شعبہ میں جو خامیاں ہیں اور جو اسلام کی واضح تعلیمات سے متصادم ہوں تو ان کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ ''اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اور جمہوریت میں اس کی گنجائش موجود ہے''۔

جبکہ مولانا سلمان پالنپوری اور مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نے "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما" کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ: فوج اور پولیس میں ملازمت اختیار نہ کرنے کی صورت میں ضرر شدید لاحق ہونے کا خطرہ ہے، تقلیل

ضرر کی نیت سے ملازمت اختیار کی جائے، مفتی ثناء الہدی قاسمی صاحب نے لکھا ہے: چونکہ اس ملازمت میں بالقصد گولی چلانی پڑتی ہے اور حالات کے مدنظر مؤمن یا مسلم کے قتل کا عمداً ارتکاب کرنا پڑتا ہے، لہذا صرف یہ سوچ کر فوج کی ملازمت سے خود کو الگ کر لینے سے معیشت کے وسائل بھی محدود ہوں گے اور بہت سی دفعہ مسلمانوں کے فوج میں ہونے کی وجہ سے مسلمان فوج کی زیادتی سے جو بچ جاتے ہیں یہ بھی باقی نہیں رہے گا، بطور حوالہ انہوں نے فقہی عبارتیں پیش کی ہیں:

"ولا بأس برميهم بالنبال وإن علموا أن فيهم مسلمين من الأسارى والتجار لما فيه من الضرورة" (بدائع الصنائع ۹/۳۰۶)۔

"وكذا إذا تترسوا بأطفال المسلمين فلا باس بالرمي إليهم لضرورة إقامة الفرض لكنهم يقصدون الكفار دون الأطفال فإن رموهم فأصاب مسلما فلادية ولا كفارة" (بدائع ۹/۳۰۷)۔

نیز اگر مدمقابل یقینی طور پر مسلمان ہوں اور مسئلہ اپنے ملک کی سرحد کی حفاظت کا ہو تو بھی کمانڈر کے حکم سے سرتابی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، حضرت عوف بن مالک کی مرفوع حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے: **"ألا من ولي عليه وال فرأه يأتي شيئا من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يدا من طاعته"** (مسلم ۳/۱۲۹) (دیکھئے: مقالہ مولانا مفتی ثناء الہدی قاسمی)۔

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی صاحب نے کہا کہ: "فوج میں مسلمانوں کی نمائندگی یا اس شعبہ میں مسلمانوں کی صحیح ترجمانی وتصویر کشی کا آئینہ دار ہوگی اور وہ وہاں بڑی حکمت کے ساتھ اپنے دین اور ملت کے مفاد کے لئے کام کر سکتے ہیں"، موصوف نے فوج میں ملازمت کرنے کے فوائد اور نہ کرنے کے نقصانات کو حوالوں سے مزین کر کے نمبر وار ذکر کیا ہے: مثلاً اگر مسلمان فوج کو اپنے اور اپنے ملک کی دفاع کے لئے دوسرے ملک کے مسلمان فوج پر حملہ کرنا پڑے یا گولی

چلانی پڑے تو جائز ہے:

"إذا تعرض شخص لإنسان يريد الاعتداء على نفسه أو أهله أو ماله فإن أمكنه رده بأسهل طريقة ممكنة فعل ذلك، وان لم يكن رده إلا بالقتال قاتله فإن قتل المعتدى عليه فهو شهيد وان قتل المعتدى فلا قصاص ولا دية" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۲/۳۱۸)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (بخاری:۲۴۸)۔

نیز موصوف نے اعداد و شمار کے لحاظ سے تخمینہ لگاتے ہوئے عرض کیا کہ اگر مسلمان اپنی فیصد کے اعتبار سے فوج میں شمولیت اختیار کرلیں تو تقریبا دو لاکھ ستر ہزار مسلمانوں کی ملازمت ملنے کی وجہ سے کم از کم چودہ لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کے قیام و طعام اور تعلیم کا مسئلہ حل ہوجائے گا (دیکھئے: مقالہ مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے "قدتراعى المصلحة لغلبتها على المفسدة"، "المشقة تجلب التيسير" اور "الأمور بمقاصدها" جیسے اصول وقواعد کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ "فوجی ملازمت کو ذریعہ معاش بنانے میں اعانت علی المعصیۃ ضرور ہے مگر یہ اسی وقت ممنوع ہوگی جبکہ حقیقتاً یا حکماً اس کا قصد ہو، لہذا ایسی فوج میں ملازمت کرنا جس کا مقصد مسلمانوں سے لڑنا خواہ لڑائی کی نوبت آئے یا نہ آئے جائز نہیں ہے، یا پھر تقرری کے وقت ہی ظلم و زیادتی کو مشروط کردیا جائے تو بھی جائز نہیں، ورنہ اگر معصیت کی نیت نہیں ہے تو فوجی ملازمت میں کچھ حرج نہیں ہے، بلکہ اگر نیت ظلم و جور کو دفع کرنا ہو تو اس میں ثواب بھی ہے" شامی میں ہے: "قوله يؤجر من قام بتوزيعها بالعدل، أي بالمعادلة كما عبر في القنية، أي أن يحمل كل واحد بقدر طاقته، لأنه لو ترك توزيعها إلى الظالم ربما

يحمل بعضهم لا يطيق فيصير ظلما على ظلم ففى قيام العارف بتوزيعها بالعدل تقليل للظلم فلذا يؤجر" (شامی ۲/۳۳۶) (دیکھئے: مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

مولانا فاروق دربھنگوی صاحب نے مسلمان فوج کا اپنے ہم مذہب شخص سے مقابل ہونے کو ایک وہمی امر قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ نہ غالبی ہے اور نہ ضروری، اس لئے واقعی فائدہ کے ہوتے ہوئے صرف امر وہمی کی وجہ سے ملازمت کو نا جائز نہیں کہا جا سکتا، تاہم اگر صرف ہم مذہب شخص کو گولی چلانے کا حکم ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

"**ومعلوم أن من أغار هولاء (الكفار) لايخلو من أن يصيب من ذراريهم ونساء هم المحظور قتلهم، فكذلك إذا كان فيهم المسلمون وجب أن لا يمنع ذلك من شن الغارة عليهم ورميهم بالنشاب وغيره وان خيف عليه إصابة المسلم**" (احکام القرآن للرازی ۳/۵۲۵)۔

"**قال أبو حنيفة وأبويوسف وزفر ومحمد والثورى: لا بأس برمي حصون المشركين وان كان فيها أسارى وأطفال من المسلمين وكذلك أن تترس الكفار بأطفال المسلمين رمي المشركين وان أصاب أحد المسلمين في ذلك**" (ایضاً) (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد فاروق دربھنگوی)۔

جبکہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب نے مسلمان فوجی کا اپنے ہم مذہب شخص پر وار کرنے کو شریعت اسلامیہ کی نظر میں نا جائز قرار دیا ہے، اور کہا کہ اگر ایسی نوبت آ جائے تو پھر اس کام میں شریک ہونا حرام ہوگا، حتی کہ اگر مکرہ ہو تو بھی اس کے لئے مسلمان پر حملہ کرنا حد جواز میں نہیں آ سکتا، بطور دلیل انہوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے:

"**لا يحل دم امري مسلم إلا بإحدى ثلاث: زني بعد إحصان فإنه يرجم، ورجل خرج محاربا لله ولرسوله فإنه يقتل أو يصلب أو ينفى من الأرض، وتقتل نفساً فيقتل بها**" (ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ ۲/۶۱-۱۶۰)۔

نیز "تأملات في سيرة العمل الإسلامي" کے حوالہ سے نقل کیا ہے: "حيث لم يجز أحد من أهل العلم قط لأحد من المسلمين أن يقاتل مسلما أو يقتله بغير حق ولو أكره على ذلك وأتي الإكراه على نفسه لأن نفس المكره ليست بأولى بالعصمة من نفس المسلم الذى يكرهونه على قتله" (ص ۷۷) (دیکھئے: مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے اس سلسلہ میں مزید تنقیح کرتے ہوئے کہا کہ: "اگر مد مقابل مسلمان فوج ظلم وزیادتی پر آمادہ ہو اور اس کا مقصد دنیوی اغراض ومقاصد کا حصول ہو تو اپنے ملک اور عوام کی دفاع میں اس کو مارنا اور اس سے لڑنا دونوں جائز ہوگا"۔

"هذا الوعيد لمن قاتل على عداوة دنيوية أو طلب ملك مثلاً، فأما من قاتل أهل البغي أو دفع الصائل فقتل فلا يدخل في هذا الوعيد لأنه مأذون له في القتال شرعا" (فتح الباری ۱۲/ ۱۹۷)، البتہ اگر اعتداء وابتداء اس مسلمان فوج کی حکومت کی طرف سے ہے تو اس کا اپنے مد مقابل ہم مذہب پر وار کرنا درست نہیں ہوگا، نیز اس معاملہ میں اپنے کمانڈر کا حکم ماننا بھی جائز نہیں ہوگا، "لأنهم أمروه بالمعصية ولا طاعة لمخلوق في معصية الخالق وهو بالإقدام على القتل" (شرح الکبیر ۴/ ۵۰۳)۔

مقالہ نگاران حضرات کی ایک معتد بہ تعداد نے مسلمانوں کی فوجی ملازمت میں شرکت کو خود مسلمانوں کے حق میں نفع آور قرار دیا اور "أهون الشرين" کو متدل بناتے ہوئے اسے استحکام معیشت کا بھی ایک سنہرا ذریعہ بتایا، نیز اس سے کنارہ کشی ودستبرداری کو باعث نقصان ٹھہراتے ہوئے کہا کہ اس سے مزید مسلمانوں پر ظلم وزیادتی بڑھے گی اور بے گناہ مسلمان فوج اور پولیس کی بے جا زیادتیوں کا شکار ہوتے رہیں گے (دیکھئے: مقالہ مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبد الرشید قاسمی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا ظفر عالم ندوی وغیرہ)۔

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی کے الفاظ میں: ہندوستان میں مسلم اقلیت کو جہاں عزت

وآبرو کا مسئلہ ہے وہیں معاشی مسائل بھی درکار ہیں، فوج اور پولیس جیسے شعبہ میں حلت وحرمت، منفعت ومضرت دونوں پہلو ہیں، لہذا اس طرح کی ملازمت بدرجہ مجبوری اختیار کی جائے، مسلمانوں کے نفع کو پیش نظر رکھا جائے، نیز خود کو بھی ظلم سے بچائے اور مظلوم کی حسب استطاعت مدد بھی کرے اور ان شعبوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ضرور ادا کرے (دیکھئے: مقالہ مفتی محمد اقبال ٹنکاروی)۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے **"یجوز ارتکاب أخف الضررین لدفع أعظمهما"** (اشباہ والنظائر ص۸۹) کی بنیاد پر کہا کہ چونکہ فوج میں اکثر بہتر مقاصد کا استعمال ہوتا ہے، لہذا شاذونادر کا اعتبار نہیں ہوگا، نیز اس کے ذریعہ جہاد کی تیاری میں بھی مدد ملتی ہے، **"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل"** (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

مولانا عبدالتواب اناوی کے الفاظ میں: مسلمانوں کا فوج میں حصہ لینا یقینی طور پر مسلمانوں کے لئے باعث نقصان ہوگا، محض شک وشبہات کی بنیاد پر ناحق مسلمانوں کا خون ہوگا، لہذا اسے ترک نہیں کیا جاسکتا، **"الأحکام لاتتغير من الشبهات"** (دیکھئے: مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی)۔

مقالہ نگاران حضرات نے مزید جن دلائل کو اپنے مقالات میں بطور دلیل پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

☆ **"یجوز لشخص دفع کل صائل مسلم وکافر مکلف وغیره علی معصوم من نفس أو طرف أو منفعة"** (فتح المعین مع إعانة الطالبین ۴/ ۲۶۲)، (ڈاکٹر بہاءالدین ندوی)۔

☆ **"وما کان لمؤمن أن یقتل مؤمناً إلا خطأً ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جهنم خالداً فیها"** (نساء: ۹۳-۹۲)۔

☆ حدیث میں ہے: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا (مسلم: کتاب القسامۃ)، (مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

☆ "قوله عليه السلام: انصر أخاک ظالما أو مظلوما قالوا: يا رسول الله! هذا ننصره مظلوما فكيف ننصره ظالماً، قال: تأخذ فوق يديه" (بخاری مع الفتح ۵/۹۸)۔

☆ "لا بأس بأن يتوظف الرجل عملاً في دوائر وزارات الحكومة الأمريكية أو غيرها من حكومات البلاد والكافرة وكذلک لا بأس بقبول مثل هذه الأعمال في مجالات الصناعة الذرية أو الدراسات الاستراتيجيه" (بحوث قضایا فقہیہ معاصرہ ص ۳۴۴-۴۵)(مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

☆ قالوا: "وما لنا أن لا نقاتل في سبيل الله وقد أخرجنا من ديارنا" (سورۂ بقرہ: ۲۴۶)۔

☆ ایک حدیث میں ہے کہ: اطاعت امیر کے حوالہ سے لوگوں کو آگ میں کود جانے کا حکم ملا، بعض لوگوں نے اطاعت کا ارادہ کرلیا، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لو دخلتموها لم تزالوا فيها إلى يوم القيامة، وقال للآخرين قولا حسنا وقال: لاطاعة في معصية الله إنما الطاعة في المعروف" (مسلم: ۱۸۴۰) (مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم" (نسائی: ۳۹۸۶) (مقالہ: مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

ب- فوج ہی سے قریب دوسرا شعبہ پولس کا ہے، جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان بھی اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بدزبان اور ظلم وجور کا خوگر بن جاتا ہے؛ البتہ اگر پولیس میں مسلمان نہ ہوں تو اس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان اور انصاف سے محرومی کا اندیشہ ہے؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

تقریباً تمام ہی مقالہ نگاران حضرات نے شعبہ پولیس کی ملازمت کے سلسلہ میں وہی احکام بیان کئے ہیں جو شعبہ فوج کی ملازمت کے ضمن میں انہوں نے ذکر کیا ہے، مزید ان حضرات نے لکھا ہے کہ اجتماعی، قومی، ملی اور وسیع تر مفاد کے پیش نظر اس شعبہ میں بھی ملازمت جائز ہے، کیونکہ اس میں بجائے خود مسلمانوں کی اپنی ذاتی حفاظت وصیانت کا سامان موجود ہے نیز اس شعبہ میں مسلمانوں کی عدم شرکت خود ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا قمر عالم قاسمی وغیرہ)۔

مولانا محمد شاہجہاں ندوی صاحب کے الفاظ میں: پولیس کی ملازمت میں کچھ ضرر کا اندیشہ ضرور ہے، جیسے صحبت کی تاثیر سے بدزبان اور ظلم وجور کا خوگر بننے وغیرہ، مگر بصورت ترک زیادہ نقصان اور انصاف سے محرومی کا قوی امکان بھی ہے، لہذا "**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**" کے پیش نظر اسے اختیار کرنا جائز ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے ناحق کسی معصوم پر ظلم وزیادتی کو غلط اور ناجائز ٹھہراتے ہوئے یہ حدیث قدسی پیش کی ہے: "**يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرماً فلا تظالموا**" (مسلم: ۲۵۷۷)، نیز بطور حوالہ حدیث کا یہ ٹکڑا بھی نقل کیا ہے: "**اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات يوم القيامة**"، البتہ اگر بڑے فتنہ کی توقع ہو تو مناسب طریقہ قوت کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے، "**يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام**" (اشباہ: ۱۲۱)۔

جبکہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی اور مفتی ثناء الہدی قاسمی صاحبان نے اس شعبہ کے اندر ہونے والی خرابیوں اور برائیوں کو اختیاری اور اپنا ذاتی فعل قرار دیا ہے اور کہا کہ اس کا تعلق اس کی فطری صلاحیت پر منحصر ہے کہ وہ اپنے نفس پر کس قدر قابو رکھتا ہے اور خود کو اسلامی اخلاق وکردار کا خوگر بناتا ہے (دیکھئے: مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی،

مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مفتی ثناءالہدی قاسمی)۔

مولانا مفتی ظفر عالم ندوی صاحب نے اس طرف بطور خاص توجہ دلائی کہ اس ملک میں مسلمان عموماً پولیس کی زیادتیوں کے شکار ہیں، اگر اس شعبہ میں فرض شناس مسلمانوں کی معتدبہ تعداد شامل ہوجاتی ہے تو صرف یہ ملازمت ہی کے لئے نہیں بلکہ ملک اور انسانیت دونوں کی خدمت کا بہترین میدان ہوگا (دیکھئے: مقالہ مولانا ظفر عالم ندوی)۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس شعبہ میں داخل ہونے کی تحریض کی ہے، کہ وہ اپنے کردار وعمل سے لوگوں کے دل جیت سکتے ہیں اور دیگر لوگوں کے مقابلہ میں اپنے قول وعمل کے اعتبار سے بہتر مظاہرہ کرسکتے ہیں اور انشاءاللہ اس کے اچھے اور دوررس نتائج بھی برآمد ہوں گے (دیکھئے: مقالہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

ج- حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس بھی ہوتا ہے، ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ اس شعبہ میں ملازمت کرتے ہیں، انہیں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات محض شبہ کی وجہ سے شریف شہریوں کے خلاف بھی ایسی کارروائی کی ضرورت پڑجاتی ہے، ان حالات میں کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت کرنا درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران حضرات کی کثیر تعداد نے عام حالات میں اس کی اجازت کو موقوف کرکے ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور روزافزوں جرائم کی بیخ کنی جیسے مخصوص حالات میں جواز ٹھہرایا ہے اور اس نیت سے غیبت وتجسس کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب نے چور ڈاکوؤں وغیرہ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے تجسس اور غیبت کو واجب قرار دیا اور بطور حوالہ تبصرۃ الحکام کی یہ عبارت پیش کی:

"وقد يكون التجسس واجباً فقد نقل عن الماجشون أنه قال:

اللصوص وقطاع الطريق أرى أن يطلبوا في مظانهم ويعان عليهم حتى يقتلوا أو ينفوا من الأرض بالهرب وطلبهم لا يكون إلا بالتجسس عليهم وتتبع أخبارهم" (موسوعہ ۱۰/۱۶۲)۔

نیز دوران جنگ بھی ایسا کرنا مباح قرار دیا:"ويباح في الحروب بين المسلمين وغيرهم بعث الجواسيس لتعرف أخبار جيش الكفار من عدد وعتاد" (موسوعہ ۱۰/ ۱۶۲)،لیکن انہوں نے یہ بھی کہا کہ محض شبہ کی بنیاد پر ان چیزوں کا ارتکاب جائز نہیں معلوم ہوتا (دیکھئے: مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

جبکہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے ''فتح الباری'' کی اس عبارت کو متدل بناتے ہوئے بعض غیبت وتجسس کو مستحسن بلکہ واجب قرار دیا،جس کا مقصد صحیح اغراض ومقاصد کا حصول ہو،"قال العلماء: تباح الغيبة في كل غرض صحيح شرعا حيث يتعين طريقا إلى الوصول إليه بها كالتظلم والاستعانة على تغيير المنكر والاستفتاء والمحاكمة والتحذير من الشر الخ" (۱۰/۵۲۷)،(دیکھئے مقالہ:مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

اس شعبہ کا تعلق چونکہ ملک کی سلامتی اورامن وامان کے قیام سے ہے،لہٰذا اس کام میں جستجو کرنے والے تجسس اورغیبت کے گنہگار نہیں ہوں گے،اگر کوئی مسلمان تعاون علی البر والتقوی کے جذبہ سے مخبری وانٹیلیجنس کی ملازمت کرے تو درست بھی ہے اوراس کی نظیر یہ ہے کہ بعض غزوات کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے یہ کام بھی لیا ہے،نیز "المشقة تجلب التيسير"،''الضرورات تبيح المحظورات''، "يختار أهون الشرين''، "إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما''اور''الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف''جیسے بنیادی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، مزید یہ کہ اس شعبہ میں مسلمانوں کی خاطر خواہ نمائندگی سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ناحق پھنس گیا ہو تو تفتیشی حالات میں رعایت ملنے کی توقع کی جاسکتی ہے(دیکھئے: مقالہ

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی وغیرہ)۔

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی نے تجسس کو اصلاً حرام قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ اگر کوئی کافر کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی کرے تو اس کی قباحت اور بڑھے گی، بطور حوالہ انہوں نے ''موسوعہ'' کی یہ عبارت پیش کی ہے:

"الجاسوس علی المسلمین إما أن یکون مسلماً أو ذمیا أو من أهل الحرب......فإن کانوا من أهل الحرب أو من أهل الذمة ممن یؤدی الجزیة من الیهود والنصاری والمجوس فاضرب أعناقهم وإن کانوا من أهل الإسلام معروفین فأوجعهم عقوبة وأطل جسمهم حتی یحدثوا توبة" (۱۶۵/۱۰)۔

لہٰذا انہوں نے محض مجبوری کی بنا پر اس ملازمت کو جائز قرار دیا ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کے الفاظ میں: آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر کفار کے لشکر کے حالات معلوم کرائے تھے، **"یا حذیفة! اذهب فادخل في القوم فانظر ماذا یصنعون"** (سیرت ابن ہشام ۲/ ۱۳۲)۔

موصوف نے مزید کہا: البتہ عمل مخبری تجسس اور غیبت کو مستلزم ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی مذمت وارد ہے، لیکن بعض ملکی اور معاشرتی مفاد کی خاطر احادیث کی شرحوں اور فقہاء کے اقوال میں اس کی اجازت دی گئی ہے، **"اعلم أن الغیبة تباح لغرض صحیح شرعي لا یمکن الوصول إلیه إلا بها وهو ستة أسباب"** (ریاض الصالحین ص ۳۷۴)، (دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

لیکن مولانا محمد شاہجہاں ندوی صاحب نے جہاں یہ کہا کہ ڈاکوؤں کو ان کی ممکنہ جگہوں میں تلاش کرنا مخبری کے بغیر ممکن نہیں، وہیں اس پر بھی زور دیا کہ محض شبہ کی بنیاد پر شریف شہریوں

بالخصوص مسلمانوں کے خلاف تجسس کی کارروائی نہ کی جائے، کیونکہ حضور علیہ نے حضرت امیر معاویہؓ سے فرمایا: "إنک إذا اتبعت عورات الناس أفسدتهم أوكدت أن تفسدهم" (ابوداؤد:۴۸۸۸)، نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إلا أن تتقوا منهم تقاة" ۔

مفتی رضوان الحسن مظاہری صاحب نے کہا کہ چونکہ اس ملازمت میں اکثر غیر شرعی عمل اور ظلم کے احکام کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور بیشتر اوقات جھوٹ اور غیبت کا سہارا لینا پڑتا ہے لہذا مسلمانوں کو ایسی ملازمت سے دور رہنا چاہئے اور اسے اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہئے، "ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون"۔

د- انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لئے عدلیہ کا نظام قائم ہے اور ہر مہذب معاشرہ کے لئے اس نظام کا وجود ناگزیر ہے، عدالتیں بنیادی طور پر دستور کی تشریح اور تصفیہ طلب واقعات میں ان کی تطبیق کا کام کرتی ہیں اور یہ کہ محتاج بیان نہیں کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو بھی منصفانہ نہیں کہا جاسکتا، اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے تو اندیشہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی، ان حالات میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

مولانا شاہجہاں ندوی صاحب نے قرآنی آیت "إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان" اور مشہور فقہی قاعدہ "الضرورات تبيح المحظورات" کو سامنے رکھتے ہوئے محض اضطراری صورت میں اس شعبہ کی ملازمت کو درست کہا ہے کیونکہ نہ اختیار کرنے کی صورت میں مظلومیت کے اور بڑھ جانے کا اندیشہ ہے لیکن دل میں عقیدہ ہو کہ الٰہی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا فرض ہے (دیکھئے مقالہ مولانا شاہجہاں ندوی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے "والأصل أن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة قد باشره الصحابة والتابعون ومضى عليه الصالحون ولكنه فرض كفاية" (عالمگیری ۳/۳۰۶) کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ عہدہ قضا قبول کرنا فرض کفایہ ہے اور کہا کہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کا اس عہدہ پر ہونا پوری مسلم کمیونٹی کے لئے مفید ثابت ہوگا "ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً، في التاتارخانية: الاسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد" (شامی ۸/ ۴۳)، (دیکھئے مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

جبکہ مولانا محمد فاروق صاحب نے ملازمت کو درست قرار دیتے ہوئے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر ظن غالب ہو کہ ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں اس سے ظلم و جور کا ہی صدور رہوگا یا حکومت کی جانب سے اس پر اظہار حق کی پابندی ہوگی تو پھر اجازت نہیں دی جاسکتی ہے اور اس عہدہ کو قبول کرنا حرام ہوگا، "ويجوز تقلد القضاء من السلطان إلا إذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم" (شامی ۸/ ۴۱)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے فقہاء کرام کے حوالوں سے دو طرح کی رائیں نقل کی ہیں: ایک عدم جواز، دوسرا جواز۔ اول الذکر میں تین صورتوں کو عدم جواز کی بنیاد بنایا ہے: (۱) "ماأنزل الله" کے علاوہ کے ذریعہ فیصلہ عمل میں آئے گا، "ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون"۔ (۲) قضاء وحکم کے معاملہ میں کفار کی اعانت لازم آئے گی "مايتضمنه على إعانتهم على باطلهم في الحكم والقضاء" (نوازل فقہیہ: ۶۵)۔ (۳) عملی طور پر طاغوتی اوامر واحکام کا نفوذ لازم آئے گا۔ جبکہ جواز کے لئے چار صورتیں بیان کی ہیں: (۱) ایسے مناصب میں عدم شرکت سے فجار وفساق کے تسلط وغلبہ کا امکان بڑھ جائے گا "لأن ترك هذه المواقع يعني خلوها من الصالحين وتمكين الفجار والأشرار من رقاب المسلمين" (نوازل فقہیہ: ۶۵)۔

۲-بایں طور مسلمان اپنی مشق وممارست جاری رکھ سکتے ہیں اور آئندہ اسلامی مملکت کے قیام کے بعد ان سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۳-مسلمانوں سے مظالم کے دفاع میں مدد ملے گی "مایتضمنه من دفع الظلم عن المسلمین وتقلیل مفاسد القضاء ما أمکن"۔

۴-خصومت کے موقع پر جج کو اسلامی شریعت کی طرف دعوت دینے کا موقع فراہم ہوگا، "مایتضمنه من دعم الدعوة إلى تطبيق الشريعة في مواجهة الخصومة" (نوازل:۶۲)۔

مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے موصوف نے کہا کہ جہاں معصیت کا لزوم واضح ہو وہاں حرام اور جہاں قاضی وجج کو اجتہاد کی گنجائش ہو وہاں عمل کی اجازت ہوگی، لیکن ایسا کرنا بھی احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ بہتر یہ ہے کہ وضعی قوانین کی اسلامی شریعت کے مقابلہ میں بالادستی قبول نہ کی جائے (دیکھئے مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

اس بات کا قوی امکان ہے کہ غیر اسلامی محکمۂ عدلیہ میں شرعی احکام کی خلاف ورزی ہو، لیکن مسلمانوں کی عظیم تر مفادات، مزید حق وانصاف کو ضرر نہ پہونچے، اس خاطر پورا محکمہ کہیں غیر مسلم قانون پر عمل کرنے والا نہ بن جائے اور "درء المفاسد مقدم من جلب المنافع"، "ظنوا بالمؤمنین خیرا" کے تحت مسلمانوں کو اس شعبہ سے وابستہ ہونا چاہئے اور مسلمانوں کے وقار وقدر ومنزلت کو برقرار رکھنے کے لئے بھی یہ ازحد ضروری ہے، اس میں شرکت سے بڑے دور رس نتائج ثابت ہوسکتے ہیں (دیکھئے مقالہ: مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

ھ- کوئی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی، ٹیکس کی ایک صورت وہ ہے جسے انکم ٹیکس کہا جاتا ہے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئی ہیں وہ ظالمانہ ہیں، دوسرے عموماً اس ٹیکس کو ٹھیک طور پر عوامی فلاح پر

استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور انہیں دی گئی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کردیا جاتا ہے، پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ انکم ٹیکس کے لئے بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے، لہٰذا کیا انکم ٹیکس کے شعبوں میں مسلمان ملازمت کرسکتے ہیں؟

بیشتر مقالہ نگاران حضرات نے ملکی مفاد بلکہ مسلمانوں کے عظیم تر مفادات کو نظر میں رکھ کر اس شعبہ میں ملازمت کو جائز قرار دیا ہے، لیکن عام حالات سے مستثنی ہو کر محض مجبوری اور خاص حالات جن میں مسلمانوں کا فائدہ ہو صرف انہی حالات میں اجازت دی ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

یہ حقیقت ہے کہ ٹیکس کی وصولیابی کے لئے حدیث میں سخت وعید وارد ہوئی ہے، اس میں شرح ٹیکس کی زیادتی، عوامی فلاح و بہبودگی پر خرچ میں بے انصافی، ذاتی و نجی دولت پر بے جا تجسس اور ان جیسے بے شمار حق تلفیوں کے باوجود اگر مسلمان اس شعبہ سے بالکلیہ کنارہ کش ہوجائیں، تو بعید نہیں کہ ظلم و زیادتی میں مزید اضافہ ہوجائے، لہٰذا مسلمانوں کے مصالح کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے اس شعبہ میں ملازمت کی اجازت ہونی چاہئے (دیکھئے مقالہ: مولانا سلمان پالنپوری، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا قمر عالم قاسمی وغیرہ)۔

اس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنے کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں حکم لگانے سے پہلے اس کے اغراض و مقاصد پر غور کرنا ضروری ہوگا، فقہی قاعدہ ہے "**العبرة في العقود للمقاصد والمعاني دون الألفاظ والمباني**" (قواعد الفقہ)۔ اور یہ حقیقت ہے کہ شعبہ ٹیکس کا مقصد اصلی حکومتی ضرورتوں کی تکمیل اور عوامی فلاح و بہبودگی ہے جو فی نفسہ بہتر ہے، لہٰذا "**تعاون علی البر**" اور "**کلوا من طیبات مارزقناکم**" نیز "**طلب کسب الحلال فریضة بعد**

الفریضة" کے تناظر میں ملازمت جائز ہے،(دیکھئے مقالہ:مولانا شمس الدین مظاہری)۔

مفتی ثناءالہدی قاسمی صاحب نے اس طرح کے معاملات کواصول وقوانین کے اعتبار سے حرام قراردیا،لیکن ساتھ ہی حضرت تھانویؒ کی اصولی بحث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی اضافہ کیا کہ:شریعت نے ہی ضرورت واضطرار کے وقت ان ضوابط کے برعکس عمل کی اجازت دی ہے، جیسے اکل میتہ،تناول خمراورجبرواکراہ کی صورت میں غصب سے حاصل شدہ مال کا کھانا جائز ہے (امدادالفتاوی ۳/۴۰۸)۔نیز موصوف نے "ردالمحتار" کے حوالہ سے یہ بھی ثابت کیا کہ اگر مقصد دفع مضرت ہواوراس نیت خالص کی بنا پر ملازمت اختیار کرے تو نہ صرف جائز ہوگا بلکہ عنداللہ ماجور بھی ہوگا"ویوجر من قام بتوزیعها بالعدل ...... بأن یحمل کل واحد بقدر طاقته لأنه لوترک توضیعها إلی الظالم ربما یحمل بعضهم مالایطیق فیصیر ظلماً علی ظلم، ففی قیام العارف بتوزیعها بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجر" (۲/۶۲)۔ (مقالہ:مفتی ثناءالہدی قاسمی)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے ٹیکس کی دوقسمیں بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر ٹیکس معقول ہواورعوام الناس کی فلاح وبہبودگی پر خرچ ہوتوٹیکس لینا بھی جائز اورایسے شعبہ میں ملازمت بھی جائز ہوگی"أخذ الضرائب من الرعیة لتلبیة الحاجات الملحة جائزة، إذا کانت موارد الدولة لاتفي بحاجات البلاد من الحراسة والأدویة والتعلیم وإصلاح الطرق والمواني ...... والمرافق وإعانة المسؤلین عن الأمن" (حکم الضرائب:۲۷)،نیز"وأما الحمل في هذه الضرائب فلا بأس به"(ص۲۷)۔برخلاف اس کے اگر ٹیکس ظالمانہ ہواورعوام کی فلاح پرخرچ بھی نہ کیا جاتا ہوتواس قسم کا ٹیکس لینا بھی حرام اور ایسے محکمہ میں ملازمت بھی درست نہیں ہوگی:لقوله علیه السلام: لایدخل الجنة صاحب مکس (ابوداؤد)۔اس قسم کے ٹیکس کی وصولیابی"اخذ أموال الناس بدون حق" اور"أکل أموال الناس بالباطل" کے تحت داخل ہے،جوکہ منہی عنہ ہے اورایک قسم کا ظلم ہے اورظلم حرام

ہے، لہٰذا موصوف نے اس محکمہ کی ملازمت کو درست نہیں قرار دیا ہے۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

جبکہ مفتی رضوان الحسن مظاہری نے مذکورہ صورتوں کے باوجود بدرجۂ مجبوری ملازمت کو جائز قرار دیا اور قانع ہونے کے بجائے دوسری ملازمت تلاش کرنے پر زور دیا (دیکھئے مقالہ: مفتی رضوان الحسن مظاہری)۔

مولانا ظفر عالم ندوی نے کہا کہ چونکہ اس شعبہ میں جواز کے بھی پہلو ہیں، لہٰذا اس محکمہ میں ملازمت جائز ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا محمد فاروق صاحب نے ظلم محض کو بنیاد بناتے ہوئے اس شعبہ کی ملازمت کو نادرست قرار دیا، بطور استدلال موصوف حضرات نے "فتح القدیر" اور "ردالمحتار" کی عبارتیں پیش کی ہیں: "إن أريد بها ماليس بحق كالواجبات المؤظفة على الناس في زماننا ببلاد فارس على الخياط والصباغ وغيرهم للسلطان في يوم أو شهر أو ثلاثة أشهر فإنها ظلم" (فتح القدیر ۶/ ۳۳۲)، "دفع النائبة أي ماينوبه من جهة السلطان من حق أو باطل أو غيره والظلم عن نفسه أولى" (درمختار ۳/ ۲۵۳)۔

۲- بعض ملازمتیں ایسی ہیں جن کا سرکاری ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں، چنانچہ:

الف: بینک اصل میں سودی لین دین کا بنیادی طور پر کاروبار کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بینک کی ملازمت کا کیا حکم ہے، اگر ایک شخص پیسہ کے لین دین اور سودی حسابات کا لکھنے والا نہ ہو، کوئی اور کام کرتا ہو، جیسے بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، کیا یہ صورتیں بھی سودی معاملات کے تعاون میں شمار کی جائیں گی، یا اس نوعیت کی ملازمت جائز ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگاران حضرات نے بینک کے تعلق سے ہونے

والے تمام امور کونا جائز قرار دیا، خواہ وہ کسی بھی طرح کی مرمت سے تعلق ہو، یا کرایہ پر لین دین کی بات ہو، اور بطور دلیل رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو پیش کیا ہے: "لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" (مسلم:۱۵۹۸)۔ نیز اسے تعاون علی الاثم والعدوان کے ضمن میں رکھتے ہوئے حرام قرار دیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی وغیرہ)۔

لیکن مولانا شاہجہاں ندوی اور شمس الدین مظاہری صاحبان نے مسئلہ کی تفریع کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر حالات اضطراری ہو جائیں اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری "إذا سبب الله لأحدكم رزقاً من وجه فلايدعه" (مشکوۃ ۱/ ۲۴۳) کے مطابق ملازمت کر سکتا ہے، لیکن دوسرا حلال ذریعہ معاش کی تلاش جاری رکھے اور اس کے ملتے ہی اسے ترک کردے (دیکھئے مقالہ: مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا شاہجہاں ندوی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی نے "بحر الرائق" کے ایک جزئیہ "وفي المحيط: ذمي استاجر من مسلم أو ذمي بيعة يصلي فيها لم يجز لأن صلاة الذمي معصية وإن كانت طاعة في زعمه" (۸/ ۳۵) کا حوالہ دیتے ہوئے رقم کیا ہے کہ: بینک کو اپنا مکان یا عمارت کرایہ پر دینا درست نہ ہوگا، لیکن ساتھ ساتھ موصوف نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: بینک کے کمپیوٹر، ایرکنڈیشن وغیرہ کی مرمت یا بینک کی عمارت کی تعمیر کی اجرت جائز ہوگی "ولو استأجر الذمي مسلماً ليبني له بيعة أو كنيسة جازويطيب له الأجر كذا في المحيط" (عالمگیری ۴/ ۴۵۰)۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

بعض دیگر حضرات نے بینک سے متعلق ایسے کام کو جو براہ راست سودی لین دین سے متعلق نہ ہوں جواز کے زمرہ میں رکھا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کو اختیار کیا ہے، جبکہ صاحبین کا اس سے اختلاف بھی نقل کیا ہے، مثلاً مولانا عبدالتواب اناوی صاحب نے لکھا

ہے کہ بینک کے جو کام غیر بنیادی ہوں جیسے: بینک کی صفائی، برقی نظام کی مرمت، اس کی رنگائی، اس کے لئے مکان کی تعمیر، یا اس کے لئے دیئے گئے مکان کی اجرت وغیرہ، ان کے بارے میں جواز وعدم جواز کے متعلق فقہاء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے: "**إذا استأجر الذمي من المسلم بيتاً ليبيع فيه الخمر جاز عند أبي حنيفة خلافاً لهما**" (ہندیہ ۴/ ۴۹۴)۔ نیز موصوف نے "رد المحتار" کی عبارت "**ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية في عين العمل**" نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس کے غیر بنیادی کاموں میں ملازمت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا عبد التواب اناوی)۔

اسی طرح مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی صاحب نے چپراسی، کیشیر، کمپیوٹر اور ایر کنڈیشن ٹھیک کرنے والوں کی ملازمت کو تعاون علی المعصیت سے باہر رکھا ہے، نیز مکان کرایہ پر دینا، معماری کا کام اس کے لئے کرنا بھی تعاون کی اس فہرست میں نہیں ہے جو کہ حرام ہے، اس کے جواز کو ثابت کرنے کے لئے موصوف نے "بحر الرائق" کی عبارت نقل کی ہے: "**جاز إجارة البيت لكافر ليتخذ معبداً أو بيت نار للمجوس أو يباع فيه خمر في السواد وهذا قول الإمام، وقالا: يكره كل ذلك لقوله تعالىٰ: "وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" وله: أن الإجارة على منفعة البيت ولهذا تجب الأجرة بمجرد التسليم ولامعصية فيه**" (۸/ ۲۰۳)۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

جبکہ مولانا اقبال احمد ٹنکاروی صاحب نے مرمت کرنے والے، دربان اور ڈرائیوروں کی ملازمت کو جائز قرار دیتے ہوئے اس کا بھی اضافہ کیا کہ اگر مکان کی تعمیر کے وقت اسکو معلوم تھا کہ یہ تعمیر بینک کے لئے تھی تو معصیت میں داخل ہوگا اور اگر معلوم نہ تھا اور بینک یا سودی کاروبار کے لئے استعمال ہونے لگا تو اس وقت اجارہ جائز ہوگا اور وہ تعاون علی المعصیت کا مرتکب نہ ہوگا (دیکھئے مقالہ: مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب نے بینکوں میں ملازمت کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کرام کے حوالوں سے دوطرح کی آراء کا ذکر کیا ہے: ایک علی الاطلاق ناجائز اس وجہ سے کہ اثم وعدوان پر تعاون ہے، نیز اس کی کمائی کسب خبیث ہے اور اس کا نظام طاغوتی مصالح کی ہمت افزائی پر مشتمل ہے "**كون الأجر الذي يحصل عليه العامل في هذه البنوك من الكسب الخبيث لخبث مصدره وهو الربا الذي يمثل النسبة الغالبية على أرباح البنوك**" (نوازل فقہیہ ص ۷۰)۔ جبکہ بعض فقہاء کرام نے یہ بھی کہا کہ اگر سودی لین دین یعنی کتابت وگواہی جیسے اعمال سے خود کو الگ رکھا جائے تو باقی کاموں میں چونکہ اصل حلت ہے اس لئے ایسے اعمال میں ملازمت کی جاسکتی ہے، جیسے حفاظت ونگہبانی، کمپیوٹر یا ایرکنڈیشن کی مرمت وغیرہ۔ موصوف نے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینے کے بارے میں عرض کیا کہ اگر دانستہ طور پر ہو تو مکروہ تحریمی اور ناجائز ہوں گے (دیکھئے مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا سلمان پالنپوری رقم طراز ہیں: ایسی ذمہ داریاں جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہ ہو بلکہ وہ بینک کے دوسرے کام یا اس کی حفاظت پر ملازم ہو تو یہ ملازمت جائز ہوگی، البتہ ایسی ملازمت سے بھی احتراز بہتر ہے...... نیز مکان بینک کو کرایہ پر دینا، مکان کی تعمیر کرنا اور کمپیوٹر وغیرہ کی مرمت کرنا بھی صاحبین کے قول کے مطابق کراہت سے خالی نہیں اس میں بھی یک گونہ تعاون علی المعصیت ہے، جبکہ مولانا محمد فاروق صاحب امام ابوحنیفہ کے قول کو مستدل بناتے ہوئے، کمپیوٹر، ایرکنڈیشن وغیرہ کی مرمت، نیز بینک کی حفاظت، مکان کی تعمیر، اسے کرایہ پر دینا ان سب کو جائز قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر بہاء الدین ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ: اگر کمپیوٹر وغیرہ کی مرمت کی رقم سود کی رقم سے دی جاتی ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں "**ويكره معاملة من بيده حلال وحرام وإن غلب الحرام الحلال نعم إن علم بتحريم ماعقد به حرم وبطل**" (فتح المعین)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی صاحب نے کہا کہ جہاں سودی معاملات میں تعاون اور سودی نفع کے ذریعہ تنخواہوں کا ملنا دو امر مرکب ہوں وہاں تو ملازمت جائز نہ ہوگی، لیکن جہاں صرف ایک چیز سودی نفع سے اجرت کا ملنا ہو، سودی معاملات میں تعاون نہ ہو وہاں اجرت جائز ہوگی، جیسے کمپیوٹر یا ایر کنڈیشن کی مرمت وغیرہ۔

ب: انشورنس کمپنی کا کاروبار ربا اور قمار پر مبنی ہے، البتہ انشورنس کی ایسی شکلیں جس میں واقعہ پیش نہ آنے کی صورت میں پالیسی ہولڈر کو کوئی رقم نہ ملتی ہو، جیسے میڈیکل انشورنس یا حادثہ انشورنس، یا جو انشورنس جبری نوعیت کا ہو، بعض اہل علم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ انشورنس کمپنی کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ کیا انشورنس کی تمام صورتوں کے لئے ایک ہی حکم ہے یا ان میں کچھ فرق بھی ہے؟ نیز کسی شخص کا انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے یا نہیں؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے سود اور قمار پر مبنی انشورنس کمپنی میں ملازمت نیز بحیثیت ایجنٹ کام کرنے کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد فاروق، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی وغیرہ)۔

جبکہ بعض حضرات نے شرعی مجبوری، یا انشورنس نہ کرانے کی صورت میں جان ومال کی حفاظت مشکل ہوجائے، یا فقر وافلاس اس حد تک آجائے کہ معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوجائے تو "الضرورات تبیح المحظورات"، "الضرورة تتقدر بقدرها" کے تناظر میں ملازمت کا شرعاً جواز ہوگا، البتہ جلد از جلد ترک کرنے کا ارادہ ہو اور استغفار کرتا رہے، نیز زائد ملنے والی رقم کو غرباء میں بغیر نیت ثواب خرچ کردیا جائے (دیکھئے مقالہ: مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ثناء الہدی قاسمی)۔

لیکن مولانا سلمان پالنپوری نے بیمہ کمپنی میں ملازمت کو "الضرورات تبیح

المحظورات'' کے دائرہ سے باہر قرار دیا، البتہ اس میں بعض جائز کام کرنے کی اجازت دی، جیسے چوکیداری، یا چپراسی وغیرہ کا کام (دیکھئے مقالہ: مولانا سلمان پالنپوری)۔

بعض حضرات نے انشورنس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں اور ان میں سے بعض کو جائز قرار دیتے ہوئے اس میں ملازمت کو جائز اور بطور ایجنٹ کام کرنے کو بھی مستحسن قرار دیا ہے۔

مولانا اقبال احمد ٹنکاروی صاحب نے دفع ضرر کی غرض سے بعض قیود و شرائط کے ساتھ شرعاً بیمہ کی اجازت دی ہے، نیز انہوں نے کہا کہ: اشیاء کے بیمہ کی اجازت بدرجہ مجبوری ہوگی (دیکھئے مقالہ: مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی صاحب نے حاجت شدیدہ کی وجہ سے ''حادثہ بیمہ''، ''میڈیکل بیمہ'' اور قانونی جبر کی وجہ سے تھرڈ پارٹی بیمہ کو علماء عصر کے حوالہ سے جائز قرار دیا ہے، نیز انہوں نے اس طرح کی بیمہ کمپنیوں میں عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ایجنٹ بننے کی بھی گنجائش رکھی ہے ''**وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به، وإن كان في الأصل فاسداً لكثر التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزه لحاجة الناس**'' (شامی ۶/ ۶۳)۔(دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

مولانا شمس الدین مظاہری اور مولانا عبدالرشید قاسمی نے مزید تفصیل کرتے ہوئے رقم کیا ہے: انشورنس گرچہ سود اور قمار پر مبنی ہوتا ہے، لیکن اس کی بعض صورتیں اس سے خارج ہوتی ہیں، مثلاً سرکاری انشورنس اور تعاون پر مبنی انشورنس، نیز حادثاتی انشورنس، چونکہ اول الذکر میں حکومت جبراً تنخواہ کا ایک حصہ وضع کر لیتی ہے اور بعد میں جو پنشن کی صورت میں اسے بڑھا کر دیتی ہے، جسے تبرع اور احسان کہا جاتا ہے، دوسری صورت میں بھی خطرہ کے پیش نظر مدد کرنا مقصود ہوتا ہے، اور آخر صورت میں جس کے لئے اسلام نے ''نظام معاقل'' رکھا ہے، لہذا ان تینوں جگہوں پر چونکہ ربا اور قمار نہیں ہوتا ہے، لہذا ان مذکورہ صورتوں میں ملازمت اور ایجنٹ بننا دونوں جائز

ہوں گے، اور جہاں ربوا اور قمار عام ہو جیسے تجارتی انشورنس، لائف انشورنس ان جیسی جگہوں میں دونوں چیزیں ناجائز ہوں گی (دیکھئے مقالہ: مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

مولانا ظفر عالم ندوی صاحب ایسے انشورنس کو حرمت کے حکم سے مستثنی رکھا ہے جہاں جبراً سرکاری یا غیر سرکاری ملازموں کو اس میں ملوث ہونا پڑتا ہے، لیکن انہوں نے ایسی کمپنیوں میں ملازمت نیز بحیثیت ایجنٹ کام کرنے کو قطعاً درست نہیں قرار دیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا ظفر عالم ندوی)۔

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی صاحب نے مطلق کہا کہ انشورنس کے جس شعبہ میں ربا اور قمار ہو وہاں ملازمت جائز نہیں اور جہاں نہ ہو وہاں جائز ہے "**الأصل في الأشياء الاباحة**" کی بناپر (دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

مولانا رضوان الحسن مظاہری صاحب نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ہندوستانی حالات کے تناظر میں ضرورۃً علماء نے انشورنس کی اجازت دی ہے، لیکن یہ جائز نہیں کہ خود مسلمان اس کی ایجنسی لیں یا اس کی ملازمت کریں یا اس کا ایجنٹ بنیں (دیکھئے مقالہ: مولانا رضوان الحسن مظاہری)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے "**نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر**" (مسلم ۳/۱۱۵۳) کو بنیاد بناتے ہوئے اس شعبہ میں ملازمت اور ایجنٹ بننے دونوں کو تعاون علی الاثم والمعصیۃ قرار دیا اور ناجائز کہا ہے، البتہ موصوف نے جبری واضطراری انشورنس کی بقدر ضرورت اجازت دی ہے، لیکن اس پر سختی سے زور دیا کہ جمع شدہ رقم سے جو زائد رقم ملے اسے استعمال کرنا جائز نہ ہوگا اور اس کا حکم تصدق علی الفقراء ہوگا "**لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد**" (بحر الرائق ۸/۳۶)۔(دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

ج: شراب کی کمپنی میں کچھ لوگ شراب کی خرید وفروخت کرتے ہیں، کچھ لوگ کمپنی کے لئے

بوتل بناتے ہیں، کچھ لوگ شراب کے لین دین میں نہیں رہتے؛ لیکن حساب کتاب لکھتے ہیں، یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزاء پیش کرتے ہیں، جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے، تو شراب کی کمپنی کے ان مختلف کاموں میں ملازمت کا حکم یکساں ہے یا ان میں حکم کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگاران حضرات نے ''لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة إليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشترى لها والمشتراة له'' (ترمذی: ۱۳۸۳) اور ''إن الله عزوجل قد لعن الخمر وعاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة إليه وبائعها ومبتاعها وساقيها ومستقيها'' (صحیح ابن حبان: ۵۳۵۶) جیسی روایات کی بنیاد پر شراب کی کمپنی یا اس میں کسی بھی طرح کی معاونت والی ملازمت کو ناجائز قرار دیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی وغیرہ)۔

جبکہ بعض حضرات نے شراب کی کمپنی میں حساب کتاب رکھنے یا لکھنے کی ملازمت کو جائز ٹھہرایا ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی نے ''عالمگیری'' کے اس جزئیہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے ''وإن استأجر ليكتب له غناءً بالفارسية أو بالعربية فالمختار أنه يحل لأن المعصية في القرأة'' (۴/۴۵۰)، جبکہ مولانا محمد فاروق صاحب نے امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق اسے جائز قرار دیا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی)۔

بوتل وغیرہ بنانا یا شراب کے اجزاء فروخت کرنے کے تعلق سے مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے یہ کہا ہے کہ ویسے تو جائز ہے ''وقد نص أحمد على مسائل نبه بها على ذلک فقال ...... ومن يخترط الأقداح لايبعها ممن يشرب فيها'' (مغنی

۳۱۹/۶)۔البتہ اگر کوئی کمپنی شراب کےعلاوہ سرکہ یا کوئی دوسرا حلال مشروب بھی بناتی ہوتو پھر اس کے اجزاء کی خرید وفروخت کو جائز لکھا ہے (دیکھئے مقالہ :مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

اس سلسلہ میں مفتی ثناء الہدی قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ شراب کی بوتلیں بنانا یا میٹریل فروخت کرنے کا حکم بلاواسطہ ملازمت کرنے والوں سے مختلف ہوگا، ایسی ملازمت کا حاصل کرنا اور جاری رکھنا دونوں درست ہوگا، کیونکہ اس میں اعانت علی المعصیۃ کے درجات مختلف ہیں اور جواز وعدم جواز بڑی حد تک نیت پر ہے، موصوف نے ''خلاصہ'' کے حوالہ سے استدلال کیا ہے: "إن بيع العصير ممن يتخذ خمراً إن قصد به التجارة فلا يحرم وإن قصد لأجل التخمير حرم"، نیز ذکر کیا ہے: "رجل أجر بيتاً ليتخذ فيه بيت نار أو بيعة أوكنيسة أو يباع فيه الخمر فلا بأس به وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار" (خلاصہ ۳۷۷/۴)۔(دیکھئے مقالہ :مولانا ثناء الہدی قاسمی)۔

اس بارے میں مولانا شمس الدین مظاہری صاحب ومحبوب احمد فروغ قاسمی صاحب کے مطابق بوتلیں بنانا یا دیگر میٹریل دینا جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ شراب ہی میں استعمال ہوں گے تو پھر ملازمت اور تعاون جائز نہ ہوگا، لیکن اگر معاملہ برعکس ہو کہ ان چیزوں سے دوسرے اشیاء بھی بنائے جاتے ہوں تو پھر ان کاموں میں ملازمت جائز ہوگی، کیونکہ یہ چیزیں بذات خود معصیت نہیں ہیں۔"لكن الإعانة هي ماقامت المعصية بعين فعل المعين ولايتحقق إلا بنية الإعانة أو التصريح بها أو تعينها في استعمال هذا الشئ بحيث لايحتمل غير المعصية" (جواہر الفقہ ۳۵۰/۲)۔"وإذا استاجر الذمي مسلماً ليحمل له خمراً ولم يقل ليشرب أو قال: ليشرب جازت الإجارة في قول أبي حنيفةؒ خلافاً لهما" (عالمگیری ۴۴۹/۴)۔(دیکھئے مقالہ: مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

جبکہ مولانا اقبال احمد ٹنکاروی صاحب نے اجزاء فروخت کرنے والے کو نہ ذمہ دار

ٹھہراتے ہوئے شراب بنانے والے کو مورد الزام ٹھہرایا اور کہا کہ یہ اس کا اپنا اختیاری فعل ہے اس میں اجزاء فروخت کرنے والا ذمہ دار نہیں ہے، لیکن موصوف نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر اجزاء فروخت کرنے والے کو علم یقینی ہو کہ وہ شراب ہی بنائے گا تو پھر اسے بیچنا تعاون علی الاثم ہوگا (دیکھئے مقالہ: مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

مولانا عبد الرشید قاسمی صاحب نے "جاز بيع العصير وعنب ممن يعلم أنه يتخذ خمراً لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره" (درمختار ۹/ ۵۶۰) اور "جاز تعمير الكنيسة وحمل خمر ذمي" (۹/ ۵۶۲) میں امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے شراب کے دیگر شعبوں میں ملازمت جائز قرار دی، نیز شیخ وہبہ زحیلی کی کتاب "الفقه الإسلامي وأدلته" (۲۶۸۸/۴) کے حوالہ سے کہا کہ یہاں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کرنے میں راحت ہے، لہٰذا کمپنی کے وہ کام جن میں براہ راست شراب کا پینا پلانا، بیچنا خریدنا نہ ہو تو اس میں ملازمت اور دیگر کام کاج کی اجازت ہوگی (دیکھئے: مقالہ مولانا عبد الرشید قاسمی)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب نے بوتل فروخت کرنے یا حساب کتاب لکھنے کو شراب فروشی کی طرح حرام تو قرار نہیں دیا لیکن مکروہ و ناجائز ضرور کہا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

اسی طرح مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے کہا کہ ویسے تو اس شعبہ میں ملازمت حرام ہے، لیکن جو کام فی نفسہ جائز ہیں ان میں ملازمت بھی جائز ہوگی، جیسے الکٹریشین کا کام، ایر کنڈیشن کی مرمت، چوکیداری وغیرہ (دیکھئے مقالہ: مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

۳- بعض صورتیں ایسی ہیں، جن میں کاروبار کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے، لیکن ضمنی طور پر وہاں حرام بھی کئے جاتے ہیں، جیسے:

الف: سپر مارکیٹ ہے، جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس

سلسلہ میں کچھ تفصیلات ہوں تو ان کو واضح کیا جائے۔

اکثر مقالہ نگاران حضرات نے سپر مارکیٹ میں غالب کا اعتبار کرتے ہوئے فی نفسہ ملازمت کو جائز قرار دیا ہے، نیز کہا کہ اگر خود کو شراب یا دیگر حرام اشیاء کی فروختگی سے دور رکھا جائے تو ایسی جگہوں میں ملازمت کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی صاحب نے کہا کہ اگر ایسے سپر مارکیٹ میں حرام اشیاء کی کثرت ہے تو ملازمت جائز نہ ہوگی "**ما اجتمع الحلال والحرام إلا غلب الحرام**" اور اگر کثرت جائز اشیاء کی ہے تو ملازمت درست ہوگی لیکن حرام اشیاء کے لین دین سے خود کو الگ رکھنا ضروری ہوگا، اگر لین دین بھی متعلق ہو نیز حرام اشیاء کی فروختگی عند العقد مشروط ہو تو تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے ملازمت ناجائز لیکن تنخواہ حلال ہوگی، بطور استدلال انہوں نے "البحر الرائق" کی یہ عبارت نقل کی ہے: "**حمل خمر الذمي بأجر يعني جاز ذلك، وهذا عند الامام، وقالا يكره، لأنه عليه السلام لعن في الخمر عشرة وعد منها حاملها وله أن الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية وإنما المعصية بفعل فاعل مختار**" (۲۰۳/۸)۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

مولانا اقبال احمد ٹنکاروی صاحب نے کہا کہ اگر حرام اشیاء سے بھی تعلق رکھنا پڑتا ہو تو ملازمت مکروہ تحریمی ہے اور احتیاط اولی ہے (مقالہ: مولانا اقبال احمد ٹنکاروی)۔

جبکہ مفتی ثناء الہدی قاسمی صاحب کے مطابق اگر حرام کام ان سپر مارکیٹ یا ہوٹل وغیرہ میں براہ راست نہ کرنا پڑتا ہو یا اس کی نوبت بہت کم آتی ہو تو جواز ہوگا، لیکن اس کے برعکس بلاواسطہ حرام کام کرنا پڑتا ہو تو اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے ملازمت ناجائز ہوگی "**ولاتجوز**

الإجارة علی شئ من الغناء والنوح والمزامیر والطبل وشئ من اللهو وعلی هذا الحداء وقراء ة شعر وغیره لاأجر في ذلک وهذا کله قول أبي حنیفة وأبي یوسف ومحمد" (کتاب الاجارۃ ۴/۴۴۹)۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا ثناءالہدیٰ قاسمی)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی صاحب نے سپر مارکیٹ سے متعلق کئی شکلوں کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اگر شوروم ایسا ہو جہاں ہر چیز کی دکان الگ ہو تو صرف شراب کے شعبہ میں ملازمت جائز نہ ہوگی، لیکن اگر مختلف مجموعوں کا مارکیٹ ہو اور کوئی شخص وہاں بحیثیت کیشیر کام کرے لوگ خود اپنا سامان لے لیں تو ملازمت جائز ہوگی، موصوف نے اس کے علاوہ یہ بھی واضح کیا کہ سپر مارکیٹ میں دکان وشوروم کی سیلس مینی کے علاوہ ملازمت کے درجنوں شعبے ہوتے ہیں چپراسی سے لے کر منیجر تک، ان تمام شعبوں میں ملازمت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں (دیکھئے مقالہ: مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے "فتاویٰ عالمگیری" کی عبارت: "وإذا استأجر الذمي من المسلم داراً لیسکنها فلا بأس بذلک إن شرب فیها الخمر أو عبد فیها الصلیب أوأدخل فیها الخنازیر ولم یلحق المسلم في ذلک بأس لأن المسلم لایواجرها لذلک إنما آجرها للسکنی کذا في المحیط" (۴/۴۵۰) کو مستدل بناتے ہوئے عرض کیا کہ اگر حرام کام سے خود کو بچالیا جائے تو ایسی جگہوں میں ملازمت کرنا جائز ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

جبکہ مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی صاحب نے کہا کہ اگر شراب کے گوشوں کا دوسرے گوشوں سے کوئی تعلق نہ ہو نیز اس کا حساب کتاب بھی الگ ہو تو ملازمت جائز ہوگی (دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

ب: تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے، لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے اور استاذ کو بعض اوقات اس طرح تدریس کا

فریضہ انجام دینا ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب لڑکے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اسی طرح لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی کام کرتے ہیں، اور لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ بھی کام کرتی ہیں، ایسی ملازمت جائز ہوگی یا نہیں؟

بیشتر مقالہ نگاران حضرات نے کہا ہے کہ بہتر تو ہے کہ لڑکوں کے لئے مرد اساتذہ اور لڑکیوں کے لئے عورتیں ہوں، لیکن چونکہ مخلوط تعلیم کا غلبہ ہے، اور تدریس جیسے معزز پیشہ نیز ایک بہتر ذریعہ معاش کو بالکلیہ نادرست قرار دے دینا صحیح نہیں ہے، لہٰذا اگر پردہ کا معقول انتظام ہو، شرعی پردہ کا مکمل لحاظ ہو، نیز نشست کی ترتیب ایسی ہو کہ ایک دوسرے کا سامنا نہ ہو اور لڑکیاں مکمل حجاب میں ہوں اور آخری نشست پر بیٹھتی ہوں، یا اگر مرد استاذ ہوں تو لڑکیوں کا مکمل پردہ کے ساتھ ان کی تعداد تین سے کم نہ ہو اور اپنے قلب ونظر کو گناہ سے محفوظ رکھنے کی مکمل کوشش ہو، غض بصر کا مکمل اہتمام ہو، اور اپنے بہتر کردار وعمل کا اظہار ہو تو ایسے مخلوط تعلیمی اداروں میں مردوں کا لڑکیوں کو اور عورتوں کا لڑکوں کو یا لڑکیوں کے اسکول میں مردوں کا اور لڑکوں کے اسکول میں عورتوں کا تعلیم وتدریس دینا جائز ہوگا (دیکھئے مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا ظفر عالم ندوی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی وغیرہ)۔

مذکورہ حضرات نے حسب ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

☆ **"عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلبنا عليک الرجال، فاجعل لنا يوماً من نفسک فوعدهن يوماً لقيهن فيه فوعظهن وأمرهن"** (بخاری:۱۰۱)۔

☆ **"الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة"** (الاشباہ:۹۱)، (مولانا شاہجہاں ندوی)۔

☆ **"ولايظن من لامظنة عنده إذا قلنا "صوت المرأة عورة" إنا نريد بذلک**

کلامها، لأن ذلک لیس بصحیح فإنا نجیز لکلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلی ذلک" (رد المحتار ۲/۷۹)، (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆ **"یا أیها النبي قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن"** (احزاب:۵۹)

مولانا عبد الرشید قاسمی صاحب نے مخلوط تعلیم کے سلسلہ میں رقم کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ مخلوط تعلیم کی تدریس میں فتنہ کم، بدنگاہی کا احتمال زیادہ ہے، اب اس کی وجہ سے ملازمت ناجائز قرار دے دی جائے تو حرج لازم آئے گا اور معیشت کے وسائل تنگ کرنے کے مرادف ہوگا، اس طرح لاکھوں پروفیسرس، لیکچرس جو اپنی شرافت اور تدین باقی رکھتے ہوئے، بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور جامعات میں تعلیم دیتے ہیں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے، اگر اسے مکروہ بھی قرار دیا جائے تو **"أهون البلیتین"** کے پیش نظر گنجائش دینی ہوگی (دیکھئے مقالہ: مولانا عبد الرشید قاسمی)۔

مولانا شمس الدین مظاہری صاحب نے اولاً کہا کہ اگر تعلیم مخلوط ہو اور پردہ کا نظم نہ ہو تو مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے **"لعن الله الناظر والمنظور إلیه"** (مشکوۃ ۱/۲۷۰) اس کے بعد تعلیم کی دو تقسیم (ایک فرائض وواجبات کی تعلیم، دوسری مستحبات ومباح درجہ کی تعلیم) کرتے ہوئے اول الذکر یعنی فرائض وواجبات کی تعلیم کے بارے میں کہا کہ اگر خلاف شریعت عمل کے ارتکاب سے بچتے ہوئے ملازمت کی جائے تو گنجائش ہوگی **"جواز النظر منها للتعلیم فیما یجب تعلمه وتعلیمه کالفاتحة"**۔ جبکہ آخر الذکر یعنی مستحبات ومباح درجہ کی تعلیم کے لئے بغیر پردہ درس وتدریس کو جائز نہیں قرار دیا ہے اور حوالہ انہوں نے فقہی قواعد سے نقل کیا ہے **"الفرائض أفضل من النفل"** اور **"فرض العین لایترک بالنافلة أو بماهو من فروض الکفایة"** (دیکھئے مقالہ: مولانا شمس الدین مظاہری)۔

مولانا عبد التواب اناوی صاحب نے ملازمت تدریس کی اجرت کو جائز قرار دیا لیکن

ساتھ ہی یہ بھی اضافہ کیا کہ البتہ جس درجہ میں بے پردگی ہوگی اس درجہ کا گناہ بھی ہوگا (دیکھئے مقالہ: مولانا عبدالتواب اناوی)۔

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی نے اس بات پر زور دیا کہ اگر علی الاطلاق مردوں وعورتوں کو مخلوط درسگاہوں میں تدریس سے منع کردیا جائے تو حرج کے ساتھ ساتھ تقریباً ۱۵ لاکھ مسلم اساتذہ کی ملازمت ناجائز قرار پاجائیں گی، لہٰذا "ينظر من الأجنبية ولو كافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة" کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے شرعاً پردہ کے ساتھ تدریس کی اجازت دی جانی چاہئے (دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

مولانا سلمان پالنپوری نے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج کل کے عصری تعلیمی اداروں میں بے پردگی، بے حیائی اور آزادانہ اختلاط کے پیش نظر شرعی پردہ کا لحاظ عنقا معلوم ہوتا ہے (دیکھئے مقالہ مولانا سلمان پالنپوری)۔

جبکہ مولانا قمر عالم قاسمی مخلوط تعلیم نیز مردوں کا عورتوں کو یا عورتوں کا مردوں کو تدریس دینے کو مطلقاً اور شرعاً ناجائز کہا ہے "قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم" (نور: ۳۱-۳۰)۔قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الشيطان يجرى من الإنسان مجرى الدم (متفق علیہ)، (دیکھئے: مقالہ مولانا قمر عالم قاسمی)۔

ج: ایک اہم پیشہ وکالت کا ہے، وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہوتا ہے، مسلمانوں کے اپنے اجتماعی اور انفرادی مسائل کے لئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی کمی محسوس کی جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے اکثر وکلاء کے یہاں ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، بلکہ بہت سی دفعہ وہ مظلوم کو انصاف سے محروم کردیتا ہے، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات وکلاء اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، اس پس منظر میں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا مسلمان اس پیشہ کو اختیار کرسکتے ہیں؟

بیشتر مقالہ نگاران حضرات نے مسلمانوں کی اجتماعی وانفرادی ضرورت کے پیش نظر اس پیشہ کواختیار کرنے کی اجازت دی، کیونکہ اس شعبہ میں مسلمانوں کی خاطر خواہ نمائندگی نہ صرف اس پیشہ کی توقیر میں اضافہ کرے گا بلکہ مظلوموں کوان کا صحیح حق ملے گااور ظالموں کو کیفر کردار تک پہونچایا جائے گا۔

اکثر حضرات نے اس بات کوواضح کیا کہ اس پیشہ کے اندر جوخرابیاں ہیں، اس کا سبب خارجی اور ذاتی اسباب کی بنا پر ہیں، بلکہ اگر مظلوموں کوانصاف دلانے اوران کی نصرت واعانت کی نیت سے اس کواختیار کیا جائے تو نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحسن اور کار ثواب عمل ہوگااوراس راہ میں اگر فریق ثانی یعنی ظالم کوزیر کرنے کے لئے چرب زبانی، حیلہ سازی اور بعض اوقات جھوٹ کا بھی سہارا لینا پڑے تو بعض حضرات نے اسے بھی گوارا کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے "إن اللہ یحب المقسطین" (دیکھئے مقالہ: مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا شاجہاں ندوی، مولانا قمر عالم قاسمی وغیرہ)۔

☆ "وفيه الحيل في التخلص من الظلمة، بل إذا علم أنه لايتخلص إلا بالكذب جاز له الكذب الصريح، وقد يجب في بعض الصور بالاتفاق لكونه ينجي نبياً أو ولياً ممن يريد قتله أو لنجاة المسلمين من عدوهم، وقال الفقهاء: لوطلب ظالم وديعة الإنسان ليأخذها غصباً وجب عليه الإنكار والكذب في أنه لايعلم موضعها" (عمدۃ القاری ۱۲/ ۳۶)۔

☆ "واتفقوا على جواز الكذب عند الاضطرار كما لوقصد قتل رجل وهو مختف عنده فله أن ينفي كونه عنده ويحلف على ذلک ولا يأثم" (فتح الباری:۵/ ۳۶۴)۔

مولانا محمد فاروق دربھنگوی صاحب نے قانونی مشورہ کوسرے سے مالِ متقوم میں نہ شمارہ کرتے ہوئے اس کی اجرت کو جائز نہیں کہا ہے "رجل ضل له شئ فقال: من دلني على كذا فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذلک على سبيل العموم بأن قال: من دلنی فالإجارة باطلة لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر" (شامی ۹/ ۱۱۱)،لیکن انہوں نے وضاحت کی کہ چونکہ آج کل صرف قانونی مشورہ نہیں دینا پڑتا ہے، بلکہ عدالت جانا، بحث و مباحثہ کرنا، ثبوت جمع کرنا، ان سب کاموں میں بہت سارا وقت صرف ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح قاضی وحاکم محبوس فی أمور العامة کے تحت نفقہ کے مستحق ہوتے ہیں، اسی طرح وکیل بھی ہوسکتا ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد فاروق صاحب)۔

مولانا مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب نے "تصح الوكالة بأجر أو بغير أجر لأن النبي ﷺ كان يبعث عماله تقبض الصدقات ويجعل لهم عمولة ...... ولأن الوكالة عقد جائز ...... فيجوز أخذ الأجرة فيها بخلاف الشهادة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱۴۵۸/۵) کے حوالہ سے انصاف کی راہ میں جدوجہد کو جائز قرار دیا، ساتھ ہی موصوف نے جھوٹے اور ناحق مقدموں کی پیروی نیز ظالم کی اعانت والی وکالت کی آمدنی کو ناجائز قرار دیا "لاتجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي" (مجمع الانہر: ۳۸۴)، (دیکھئے مقالہ: مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی)۔

اس سلسلہ میں مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب نے فقہاء کرام کے حوالہ سے وکیل کے لئے بطور خاص چند شرائط کا ذکر کیا ہے کہ وکیل متعین ہو مبہم نہ ہو، تصرف کا اہل ہو، پیشۂ وکالت سے اس کا مقصد حق وانصاف کو واضح کرنا ہو، ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی فریادرسی کرنا ہو، نیز انہوں نے کہا کہ ناجائز امور میں ظالم اور باطل کی طرف سے وکالت ناجائز ہوگی لقوله تعالىٰ: "ولاتكن للخائنين خصيما۔ ولاتجادل عن الذين يختانون أنفسهم" (المحاماۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ ۸۴-۸۳-۵۸۲)، (دیکھئے مقالہ: مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے ”لكل من المدعي والمدعى عليه أن يوكل من شاء بالخصومة ولايشترط رضا الآخر“ (شرح المجلۃ رقم:۱۵۱۶) کے حوالہ سے وکیل بننے اور اجرت لینے دونوں کو جائز قرار دیا، لیکن شہادت زور کو کبائر میں شمار کرتے ہوئے مؤکل کو جھوٹ بولنے کی تربیت دینے اور ترغیب دینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔”عن أبي بكرةؓ قال: كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر (ثلاثاً) الإشراك بالله وعقوق الوالدين وشهادة الزور“ (مسلم:۱۴۳)۔(دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

د: انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج اور پیشۂ طبابت ہے، لیکن بدقسمتی سے اس شعبہ میں بعض برائیاں در آئی ہیں، جیسے آپریشن مجبوری کی حالت میں کیا جانا چاہئے، لیکن ہاسپٹل کی انتظامیہ ڈاکٹروں کو تاکید کرتی ہے کہ وہ ہر ماہ کم سے کم اتنی مقدار میں آپریشن یا ٹسٹ لکھے، تاکہ ہاسپٹل کی اور اس کی لیبارٹری کی آمدنی بڑھ سکے، اسی طرح سرکاری ہاسپٹلوں کے علاوہ پرائیوٹ ہاسپٹلوں میں بھی مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہے، جس کا تعلق قابل ستر حصہ سے ہے، تو ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا، اور ملازمین کے لئے کیا شرعی حدود ہوں گی؟

تقریباً تمام ہی مقالہ نگاران حضرات نے پیشہ طبابت کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے اور مجبوری کی صورت میں عورتوں کا علاج مردوں کے ذریعہ یا مردوں کا علاج عورتوں کے ذریعہ کرانے کو درست قرار دیا ہے، بایں صورت کہ اگر مرض بڑھ جانے کا خدشہ ہو یا ہلاک ہوجانے کا خطرہ ہو، نیز بغیر ضرورت ٹسٹ لکھ کر مریض کو پریشان کرنے کو سب نے نفاق، خیانت، ظلم، اکل بالباطل، تعاون علی العدوان اور زیادتی بتاتے ہوئے ناجائز عمل قرار دیا اور اس خرابی کو پیشہ کی خرابی نہ بتا کر ذاتی عمل بتایا ہے، (دیکھئے مقالہ: مولانا شاجہاں ندوی،

مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی وغیرہ)۔

ان حضرات نے حسب ذیل دلائل کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

☆ "لتاكلوا فريقا من أموال الناس بالاثم وانتم تعلمون" (شاہجہاں ندوی)۔

☆ "والطبيب إنما يجوز له ذلک إذا لم يوجد امرأة طبيبة فلو وجدت فلايجوز له أن ينظر لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف" (تکملۃ بحر الرائق ۹/ ۵۳-۳۵۲)، (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی)۔

☆ "إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج، يجوز النظر إليه عند الدواء لأنه موضع ضرورة، وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلم امرأة تداويها، فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلک أو يصيبها وجع لاتحتمله يستروا منها كل شئ إلا موضع العلة، ثم يداويها الرجل، ويغض بصره ما استطاع إلا عن موضع الجرح والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب" (رد المحتار ۹/ ۵۳۳)، (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا محمد فاروق دربھنگوی)۔

☆ "ينظر الطبيب إلى موضع مرضها بقدر الضرورة، إذا الضرورات تتقدر بقدرها" (الدر المختار ۹/ ۵۳۲)، (مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

☆ "لايكلف الله نفساً إلا وسعها" (مفتی ثناء الہدی قاسمی)۔

☆ "ولايجوز النظر إليه بشهوة أى إلا لحاجة أومداواتها إلى موضع المرض بقدر الضرورة" (شامی ۱/ ۸۰-۷۹)، (شمس الدین مظاہری)۔

☆ "ويجوز النظر إلى الفرج ...... وللطبيب عند المعالجة ويغض بصره

مااستطاع'' (ہندیہ ۵/ ۳۳۰)۔

مولانا شمس الدین مظاہری صاحب نے کہا کہ اگر مسلمان اس پیشہ سے زیادہ وابستہ ہوں گے تو حتی الامکان دوسروں کے مقابلے میں پردہ کی رعایت زیادہ کریں گے اور گویا یہ ایک طرح کا کارِ خیر میں تعاون ہوگا۔

مولانا محمد فاروق صاحب نے آپریشن یا جانچ کی شرط کو مقتضائے عقد کے خلاف قرار دیا اور ایسی ملازمت کو ناجائز کہا ہے ''الفاسد ما عرض عليه من الجهالة أو اشترط شرطاً لايقتضيه العقد كما في الشامي'' (۹/ ۵۹)، (دیکھئے مقالہ: مولانا محمد فاروق)۔

۵- ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں، جو شرعاً جائز نہیں ہیں، جیسے: شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ، ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ حرام چیزوں کی فراہمی سے اسکا براہ راست تعلق ہو یا براہ راست تعلق نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہوٹل کی ملازمت میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں ہے، اگر مسلم ملازم اس چیز کا التزام کرے کہ حرام اشیاء کی فراہمی، نیز خلاف شرع امور سے خود کو الگ رکھے اور براہِ راست اس سے اسکا تعلق نہ ہو تو ایسی جگہ میں ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا سلمان پالنپوری، مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا قمر عالم قاسمی وغیرہ)۔

لیکن مولانا سلمان پالنپوری صاحب نے کہا کہ اس میں کئی دینی خطرات ہیں، لہٰذا احتراز بہتر ہے، نیز اقبال احمد ٹنکاروی صاحب نے بھی احتیاط ہی کو ترجیح دی ہے۔

جبکہ مولانا مظاہر حسین صاحب نے جواز کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ حرام کاموں کا حساب کتاب الگ ہو، نیز ہوٹل کی اکثری تجارت حرام کاموں کے ذریعہ نہ ہو (دیکھئے مقالہ: مولانا مظاہر عماد قاسمی)۔

مولانا محمد فاروق صاحب نے حدیث پاک ''فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه'' (مشکوۃ ۲۴۱) کے حوالہ سے کہا کہ ایسے ہوٹلوں کی ملازمت سے احتراز کریں۔ (دیکھئے مقالہ: مولانا فاروق صاحب)۔

مذکورہ حضرات نے جن دلائل کا ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

☆ ''ماحرم أخذه حرم إعطاء ه'' (الاشباہ ۱/ ۱۲۲)۔

☆ ''ولايسقي أباه الكافر خمراً ولايناوله القدح'' (عالمگیری ۵/ ۳۲۰)۔

☆ ''وقال أصحابنا: لايجوز الانتفا ع بالميتة على أي وجه ولايطعمها الكلاب والجوارح'' (عالمگیری ۵/ ۳۲۲)، (محبوب احمد فاروق قاسمی)۔

☆ ''لكن المعصية هي ما قامت المعصية بعين فعل المعين ولايتحقق إلا بنية الإعانة أو التصريح بها أو تعينها في استعمال هذا الشئ بحيث لايتحمل غير المعصية'' (جواہر الفقہ ۲/ ۳۵۰)، (شمس الدین مظاہری)۔

☆ ''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن الله الخمر وشاربها وساقيها'' (ابوداؤد: ۳۶۷۴)۔

☆ ''وعلى هذا يخرج الاستيجار على المعاصي أنه لايصح لأنه استيجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعاً كاستيجار الإنسان للعب واللهو

كاستيجار المغنية والنائحة للغناء والنوح" (بدائع الصنائع ۴/۳۹)۔

☆ "لاتصح الإجارة لأجل المعاصي مثل الغناء والنوح والملاهي"(درمختار: ۹/۷۵)،(اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا شاہجہاں ندوی صاحب نے کہا کہ ہوٹل کی ملازمت میں اگر حرام چیزوں سے ملازم کا براہ راست تعلق ہو تو حرام ہے، لیکن اگر براہ راست تعلق نہ ہو تب بھی مکروہ تنزیہی قرار پائے گی، انہوں نے ملازمت کو بدرجہ مجبوری اختیار کرنے کو کہا ہے نیز موصوف نے قرآن وحدیث وفقہ کے اصول سے استدلال کیا ہے: "يا أيها الذين آمنوا لاتتبعوا خطوات الشيطان ومن يتبع خطوات الشيطان فإنه يامر بالفحشاء والمنكر" (النور: ۲۱)، رسول اللہ علیہ السلام کا ارشاد ہے: "ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه" (مسلم: ۱۵۹۹)، "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر" (ترمذی: ۲۸۰۱)، (دیکھئے مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی)۔

مولانا ظفر عالم ندوی صاحب نے ایسے منکرات سے پر ہوٹلوں میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی (ہند) نے اپنے بیسویں فقہی سمینار کا ایک موضوع **"مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام"** منتخب کیا ہے، اس موضوع میں کل ۳رسوالات اٹھائے گئے ہیں، جن میں اجزاء وشقیں مذکور ہیں، احقر کو مذکورہ موضوع کے پہلے سوال کا عرض مسئلہ پیش کرنے کا مکلّف بنایا گیا ہے۔

اس موضوع سے متعلق مرسلہ وتیار کردہ سوال نامہ کے جواب میں اکیڈمی کی طرف سے مجھے کل ۱۷رمقالات بھیجے گئے تھے، ان میں سے چند مقالات تفصیلی ومبسوط ہیں، اکثر مختصر ہیں اور بعض مقالات میں مقالہ نگار نے صرف اپنی رائے ظاہر کردی ہے۔

مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ،مولانا سلمان پالن پوری ،مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی ،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ،مولانا محمد ظفر عالم ندوی ،مولانا فاروق بارڈولی ،مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا ثناءالہدی قاسمی ،مولانا عبدالرشید قاسمی ،مولانا عبد التواب اناوی ،مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی ،مولانا خورشید احمد

☆ مہتمم واستاذ حدیث: جامعہ اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا عیدگاہ روڈ، بھروچ، گجرات۔

اعظمی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا قمر اعظم قاسمی اور، راقم الحروف اقبال محمد ٹنکاروی۔

جوابات کی نوعیت یہ ہے کہ بعض حضرات نے اجمالی جوابات پر اکتفاء کیا ہے اور بعض حضرات نے ہر دفعہ کا وضاحت وصراحت سے جواب دیا ہے، عرض میں کوشش کی گئی ہے کہ کوئی رائے چھوٹنے نہ پائے اور نہ کسی رائے کے اخذ کرنے میں غلطی ہو؛ مگر بشر ہوں، براءت کا دعوی نہیں کرسکتا۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے ابتداءً کسب معاش اور رزق حلال وطیب کے فضائل اور اسی کو اختیار کرنے پر روشنی ڈالی ہے، ان کے نام یہ ہیں: مولانا سلمان پالن پوری، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی۔

ان حضرات نے جو آیات کریمہ واحادیث مبارکہ پیش کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

[١] ومامن دابة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا۔(ہود:٦)۔

[٢] یاایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیباً ۔(البقرۃ:١٦٠)۔

[٣] کلوا من طیبات مارزقناکم۔(الاعراف:١٦٠)۔

[٤] طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة۔(مشکوۃ شریف:١/٢٤٢)۔

[٥] لو انکم توکلتم علی اللّٰہ حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا۔(ابن ماجہ:٣/٢٥٢)۔

مولانا فاروق باڑولی اور مولانا خورشید احمد اعظمی نے ان ملازمتوں کو اجارہ قرار دیتے ہوئے اس کی تفصیل، اقسام اور شرائط بیان کئے ہیں۔

شرائط حسب ذیل ہیں:

- وہ عمل معصیت اور حرام نہ ہو۔
- اس عمل سے کسی ظلم یا گناہ کی اعانت نہ ہو۔
- شریعت کی نظر میں وہ عمل لغو اور لایعنی نہ ہو۔

- مدت مقرر اور اجرت معلوم ہو۔
- ملازم کی طرف سے عمل میں کوتاہی اور بددیانتی نہ ہو۔
- مستأجر کی طرف سے اجرت کی ادائیگی میں ظلم اور بدعہدی نہ ہو۔

مولانا عبدالتواب اناوی نے اجارہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے اجارہ علی العمل کی صورتیں ذکر کی ہیں اور آخر میں قاعدہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر ناجائز عمل جائز عمل پر غالب ہے تو اجارہ کی یہ صورت باتفاق علماء عظام ناجائز ہے؛ البتہ ناجائز عمل پر جائز عمل غالب ہے تو فقہاء کے یہاں اس صورت میں اختلاف ہے۔'' (دیکھئے مقالہ)

موضوع مذکور کے سوال اول کے جزء (ا) میں ذکر کیا ہے کہ حکومت کا ایک شعبہ فوج ہے، جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے، اگرچہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے مسلمانوں کے مفاد میں ہے، بہت سی دفعہ اس کی وجہ سے مسلمان فوج کی زیادتی سے بچ سکتے ہیں، نیز یہ روزگار کا ایک وسیع ذریعہ بھی ہے، اس کو چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے معیشت کے وسائل کو محدود کر دینے کے مترادف ہوگا؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

اس کے جواب میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے کہا ہے کہ اشد الضررین کو دفع کرتے ہوئے اور اخف الضررین کو اختیار کرتے ہوئے حالات کے پیش نظر اس ملازمت کو بدرجۂ اولی قبول کرنا جائز ہوگا۔

اس نکتہ پر بھی اکثر حضرات کا اتفاق ہے کہ فوجی کے لئے کسی پر ظلم کرنا جائز نہ ہوگا، ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا قمر عالم رانچی، مولانا عبد التواب اداوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سلمان پالن پوری، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا فاروق باڑدولی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی۔

ان حضرات نے درج ذیل قواعد فقہیہ کی روشنی میں شرکت وترک ملازمت میں ضرر ثابت کیا ہے:

[۱] الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف.

[۲] اذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما.

[۳] المصلحة العامة مقدمة على المصلحة الخاصة.

نیز مولانا عبد الرشید قاسمی 'مجموعة الفتاوى' کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: ان الشريعة جاء ت بتحصيل المصالح وتكميلها وتعطيل المقاصد وتقليلها ، فانها ترجح خير الشرين وتحصل اعظم المصلحتين بتثبيت ادناه وتلفع اعظم المفسدتين باحتمال ادناه.

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اور راقم الحروف کی بھی یہی رائے ہے کہ فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ ساتھ موثر اعمال، پاکیزہ اخلاق وکردار اور دین داری اختیار کرے تاکہ لوگوں کے لئے ذریعہ اصلاح بن سکے اور دین کا مبلغ اور داعی بنے۔

مولانا سلمان پالن پوری لکھتے ہیں: جہاں تک ہو سکے خلاف شرع عمل کے ارتکاب سے بچنے کی کوشش کرے اور استغفار کرتا رہے۔

مولانا مظاہر حسین صاحب فرماتے ہیں: اس شعبہ میں بڑی حکمت سے دین اور ملت کے مفاد کے لئے کام کرے۔

راقم الحروف (اقبال ٹنکاروی) کی رائے یہ ہے کہ اس ملازمت میں شرکت جمیع المسلمین کے جلب مصالح اور دفع مضرات کی نیت سے ہو، نہ کہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور تشہیر کے لئے۔

تو دوسری طرف مولانا رضوان الحسن مظاہری فرماتے ہیں: مسلمانوں کو اپنی تشخیص، دینی تہذیبی اور دنیوی مفادات کے تحفظ کے لئے کوشش کرنی چاہئے، جس سے وہ سیاسی اعتبار سے مفلوج اور دینی و مذہبی لحاظ سے مجبور نہ ہو جائے، اس لئے مسلمانوں کا فوج، پولس اور محکمۂ عدلیہ میں ملازمت درست اور صحیح ہے؛ لیکن عدل و انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

ڈاکٹر بہاؤ الدین ندوی صاحب فرماتے ہیں: ایک آدمی فوج میں ملازم ہو سکتا ہے، بشرطیکہ غیر اسلامی عمل کا مرتکب نہ ہو۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی رقم طراز ہیں: فوجی ملازمت کو ذریعۂ معاش بنانے میں اعانت علی المعصیت ضرور ہے؛ مگر اسی وقت ممنوع ہوگی جب کہ حقیقۃً یا حکماً اس کا قصد ہو، لہذا ایسی فوج میں بھرتی ہونا جس کا مقصد مسلمانوں سے لڑنا ہو؛ خواہ لڑائی کی نوبت آئے یا نہ آئے جائز نہیں، یا پھر تقرری کے وقت ہی ظلم و زیادتی کو مشروط کر دیا جائے تو بھی جائز نہیں؛ ورنہ اگر معصیت کی نیت نہیں ہے تو فوجی ملازمت میں کچھ حرج نہیں۔

رہی بات کمانڈر کے حکم کی تابعداری کرتے ہوئے ظالم و مظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنے کی، تو مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی فرماتے ہیں: اگر مدمقابل مسلمان اپنے مطالبہ اور دعوی میں حق پر ہے، اور اس نے کوئی ظلم نہیں کیا، تو اس صورت میں مسلمان مدمقابل سے لڑنا جائز نہیں ہے اور اس نے تعدی اور ظلم کیا ہے تو اس سے لڑنا جائز ہے۔

مولانا قمر عالم صاحب فرماتے ہیں: ظلم میں اپنے کمانڈر کی اطاعت ضروری نہیں لانہ لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق.

مولانا فاروق بارڈولی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ظالم و مظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا

اگر عدم تمیز اور سدأ لباب الفتنہ ہوتو اس کی گنجائش ہے؛ تا کہ معاملہ فرو ہوجائے، اور بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا ہم مذہب سے مقابل ہونا وہمی امر ہے جو نہ غالبی ہے اور نہ ضروری، اس لئے واقعی فائدہ کے ہوتے ہوئے صرف امر وہمی کی وجہ سے ملازمت کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، تاہم صرف ہم مذہب پر گولی چلانے کا حکم ہوتو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی رقم طراز ہیں: اگر ایسے حالات آئیں کہ مسلمان فوجی کو مسلمان فوجی یا مسلم عوام پر حملہ کی نوبت آئے تو مسلمان فوجی کو ایسے کام میں شریک ہونا حرام ہوگا؛ حتی کہ اگر مکرہ بھی ہوتو بھی اس کے لئے مسلمان پر حملہ کرنا حد جواز میں نہیں آسکتا۔

مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں: کسی بھی مسلمان کے لئے ناحق قتل کی اجازت نہیں اور امیر اور کمانڈر کی اطاعت ایسے امور میں درست اور جائز نہیں جس میں شریعت کی خلاف ورزی لازم آئے۔

مولانا شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں: ’’فوجی اپنے کمانڈر کا تابع ہوتا ہے اور بعض دفعہ ہم مذہب پر وار کرنا پڑتا ہے‘‘ کو نظر انداز کرتے ہوئے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر فوج کی ملازمت کرے؛ البتہ کسی مظلوم خصوصا مسلمان مظلوم کے خون سے ہاتھ رنگین کرنے سے بچے، خواہ اس کے لئے نقصان ہی کیوں اٹھانا نہ پڑے۔

مولانا عبد التواب اناوی کے الفاظ میں: کمانڈر کے حکم کی پابندی اور بغیر تحقیق کے وار کی صورتیں کبھی کبھار ہوتی ہیں، جن کی مقدار اصل کام کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہیں۔

راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ حتی المقدور خود تو ظلم سے بچنا ہی ہے، چاہے مقابل مسلمان ہو یا غیر؛ لیکن غیر ظلم کرے تو اس وقت بھی حسب استطاعت مظلوم کی مدد اور ظالم کو ظلم سے روکنا ہے۔

سوال نامہ کا دوسرا جز (**ب**) یہ ہے کہ فوج ہی سے قریب دوسرا شعبہ پولیس کا ہے، جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک میں امن وامان قائم رکھنا ہے، پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر

گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان بھی اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بدزبان اور ظلم وجور کا خوگر بن جاتا ہے؛ البتہ اگر پولیس میں مسلمان نہ ہوں تو اس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان اور انصاف سے محرومی کا اندیشہ ہے؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تمام ہی مقالہ نگاروں کا کچھ شرائط کے ساتھ سابق میں ذکر کردہ قواعد فقہیہ کی روشنی میں جواز پر اتفاق ہے، ہاں! مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ کسی کو اپنے بارے میں ظن غالب ہے کہ اسلامی حدود کی پاسداری اس کے بس میں نہیں رہ پائے گی تو اس کے لئے اس عہدے سے اجتناب لازم ہے، نیز مولانا محمد نثار الہدی قاسمی تحریر فرماتے ہیں: کیا ان محکموں (پولیس اور فوج) میں عورتوں کے لئے ملازمت کی اجازت ہوگی؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ان ملازمتوں میں عورتیں شرعی حدود کے ساتھ اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتیں، اس لئے عورتیں نہ ہی پولیس محکمہ میں اور نہ ہی ٹریفک پولیس میں بحال ہوسکتی ہیں، کیوں کہ ان محکموں میں مردوں کے عمومی اختلاط سے بچا نہیں جاسکتا اور نہ ہی پردہ کے ساتھ امور کی انجام دہی کی جاسکتی ہے۔

تمام حضرات نے جو شرائط ذکر کی ہیں؛ وہ مجموعی طور پر درج ذیل ہیں:

- مسلمانوں کی حفاظت وصیانت نیز مسلمانوں سے دفع مضرت وجلب منفعت کے طور پر یہ ملازمت گوارا کرے۔ (مولانا فاروق بارڈولی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)
- غیر اسلامی نظام کو حالات کے پیش نظر بدرجہ مجبوری گوارا کرے۔ (مولانا رضوان الحسن مظاہری، راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)
- ظلم وزیادتی سے پرہیز کرے۔ (مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا قمر عالم رانچی اور مولانا محبوب

فروغ احمد قاسمی)

❁ انصاف سے کام لے۔(فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ،مولانا قمر عالم رانچی ،مولانا رضوان الحسن مظاہری)

❁ رشوت سے پرہیز کرے۔(مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)

❁ بدکلامی،بدزبانی اور غیر شرعی امور سے اجتناب کرے۔(مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا شاہ جہاں ندوی)

❁ قول وعمل ،حسن کردار اور موثر افعال سے عوام اور اس شعبہ کو فائدہ پہنچائے ۔(مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ،مولانا اشتیاق احمد اعظمی) تاکہ لوگوں کے لئے ذریعہ اصلاح وہدایت بن سکے۔(راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

❁ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔(ڈاکٹر بہاؤالدین ندوی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

❁ کسی کو غلط مقدمات میں پھنسانے یا غلط رپورٹ درج کروانے سے پرہیز کرے (مولانا خورشید احمد اعظمی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

❁ عہدے کا استعمال حمایت حق کے لئے کرے۔(مولانا ثناءالہدی قاسمی)

❁ خلاف شریعت عمل سے اجتناب کرے اور استغفار کرتا رہے۔(مولانا سلمان پالن پوری)

❁ اس میں شرکت کو ذاتی اغراض ومقاصد اور تشہیر کا ذریعہ نہ بنائے ۔(راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

مولانا محمد قمر عالم رانچی لکھتے ہیں :ظلم میں پولیس کے اعلی افسر کی اطاعت ضروری نہیں ، لانہ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق.

سوال نامہ کا تیسرا جز (ج) یہ ہے کہ حکومت کا ایک شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس بھی ہوتا ہے،

ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ اس شعبہ میں ملازمت کرتے ہیں، انہیں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات محض شبہ کی وجہ سے شریف شہریوں کے خلاف بھی ایسی کارروائی کی ضرورت پڑ جاتی ہے، ان حالات میں کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت کرنا جائز ہوگا؟

مولانا قمر عالم رانچی اور مولانا نثار الہدیٰ قاسمی مطلق بغیر کسی قید و شرط کے اس ملازمت کے جواز کے قائل ہیں۔

جب کہ درج ذیل حضرات المشقة تجلب التيسير ، الضرورات تبيح المحظورات ، اذا تعارض مفسدتان روعى اعظمهما ضررا بارتكاب اخفهما اور الضرر الاشد يزال بالضرر الاخف جیسے قواعد فقہیہ کی روشنی میں کچھ شرائط کے ساتھ جواز کے قائل ہیں:

مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا فاروق بارڈولی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی۔

مذکورہ بالا حضرات جن شرائط کے ساتھ جواز کے قائل ہیں، وہ یہ ہیں:

- دفع شر یا تقلیل شر کی نیت سے ملازمت کرے۔ (مولانا سلمان پالن پوری، مولانا عبدالتواب اناوی)
- مسلمانوں کے لئے جلب مصالح اور دفع مضرات کی نیت سے اس شعبہ میں شرکت کرے۔ (مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)
- محض ادنی شبہ کی وجہ سے شہریوں اور مسلمانوں کے خلاف کارروائی نہ کرے اور بے قصوروں کو پھنسانے کے لئے فرضی رپورٹیں درج نہ کرے۔ (مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا شاہ جہاں ندوی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

* جرائم پیشہ لوگوں کی روک تھام کے لئے اور امن وامان قائم کرنے کی نیت سے اس شعبہ میں شرکت کرے۔(مولانا فاروق بارڈولی)
* غلط تجسس اور غیبت کا ارتکاب نہ کرے۔(مولانا ظفر عالم ندوی)

تو دوسری طرف مولانا رضوان الحسن مظاہری عدم جواز کے قائل ہیں، خود ان ہی کے الفاظ میں: جس نوکری یا ملازمت میں پابندی اجراء احکام غیر شرعیہ اور اجراء احکام ظلم وغیرہ کی ہو اور اس نوکری کرنے میں اکثر اوقات جھوٹ اور غیبت کا سہارا لینا پڑتا ہے، اس لئے مسلمان خاص طور پر اس ملازمت کو نہ اپنائے۔قرآن مجید میں ہے: ومن لم يحكم بما انزل الله ، فأولئک هم الظالمون.(دیکھئے مقالہ)

نیز مولانا فاروق بارڈولی افساد اور فتنہ پروری کی نیت سے اس شعبہ میں ملازمت کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

رہا مسئلہ اس شعبہ میں غیبت اور تجسس کا جو شریعت کی رو سے ممنوع ہے، تو مجوزین حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ یہ دونوں عام حالات میں ممنوع ہے، البتہ وہ حالات جس میں غیبت وتجسس کی فی الحقیقت ضرورت ہو اور ان حالات کا اثر متعدی ہو، لازم نہ ہو تو اس وقت غیبت وتجسس کی اجازت ہوگی۔

ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب فرماتے ہیں: شرعی مصالح اور ملکی امن وامان کی خاطر مخبری کرنا اور جو لوگ مفاسد کی اصلاح پر قادر ہوں ان تک فساد پسند عناصر کی اطلاع پہنچانا جائز ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں: اعلم ان الغيبة تباح لغرض صحيح شرعي، لا يمكن الوصول اليه الا به، وهو ستة اسباب. (ریاض الصالحین) نیز محمد بن سلمہ کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ سیدنا عمرؓ کے دور میں جانچ اور تحقیق کے منصب پر مقرر تھے۔(الخلفاء الراشدون)

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی تحریر فرماتے ہیں: قال العلماء :تباح الغيبة في كل

غرض صحیح شرعا حیث یتعلق طریقا الی الوصول الیه بها کالتظلم والاستعانة علی تغییر المنکر والاستفتاء والمحاکمة والتحذیر من الشر، ویدخل فیه تجریح الرواة والشهود،واعلام من له ولایة عامة بسیرة من هو تحت یده ...(فتح الباری: ۱۰/ ۵۴۷ کتاب الادب)

سوال مذکور کا چوتھا جز (د) یہ ہے کہ انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لئے عدلیہ کا نظام قائم ہے اور ہر مہذب معاشرہ کے لئے اس نظام کا وجود ناگزیر ہے، عدالتیں بنیادی طور پر دستور کی تشریح اور تصفیہ طلب واقعات میں ان کی تطبیق کا کام کرتی ہیں، اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ علیہ ﷺ پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو بھی منصفانہ نہیں کہا جاسکتا، اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے تو اندیشہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی، ان حالات میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات کچھ شرائط کے ساتھ جواز کے قائل ہیں، نیز اس نکتہ پر بھی اکثروں نے روشنی ڈالی ہے کہ مذکورہ ملازمت مسلمانوں کے جلب منفعت ودفع مضرت کے لئے اختیار کرے، ان حضرات کے اسمائے گرامی ہیں:

مولانا قمر عالم رانچی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا فاروق بارڈولی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا سلمان پالن پوری، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا عبدالرشید قاسمی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی۔

ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

[۱] يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافرا. (درمختار)۔

[۲] يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام .

[۳] حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: جولوگ ان حکومتوں اور عہدوں کواختیار کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ ان کے قبول نہ کرنے سے خود ان کو یا عام اہل اسلام کو کوئی ضرر شدید لاحق ہوتا غالب ہے یا نہیں؟ پہلی صورت میں ان کا قبول کرنا جائز ہے، اور دوسری صورت میں اگر دفع ضرر ہو تو جائز اور اگر مالی یا جاہی نفع کے لئے ہو تو ناجائز۔

مذکورہ بالا حضرات نے جو شرائط ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

- انصاف کی فراہمی اور ظلم وحق تلفی کی روک تھام کے لئے ہو۔(مولانا قمر عالم رانچی، مولانا فاروق بارڈولی، مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا رضوان الحسن مظاہری)
- رشوت اور جانبداری جیسے امور سے اجتناب کرتا ہو اور ظالم یا کافر حکومت کی طرف سے اس پر کوئی دباؤ نہ ہو۔(مولانا خورشید احمد اعظمی)
- غیر اسلامی نظام کی طرف سے ایک چبھن اور بے اطمینانی ہو اور موجودہ حالات کو مجبوری کے طور پر گوارہ کرے۔(مولانا سلمان پالن پوری، مولانا رضوان الحسن مظاہری اور راقم الحروف اقبال محمد ٹنکاروی)
- غیر خدائی قانون کو ناپسند کرے اور دل میں یہ سمجھے کہ ہم اضطراری حالت میں کام کررہے ہیں۔(مولانا شاہ جہاں ندوی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)
- مؤثر اعمال واخلاق اختیار کرے اور فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فراموش نہ کرے، نیز منصب کو اپنے ذاتی اغراض ومقاصد اور تشہیر کا ذریعہ نہ بنائے۔(راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

مولانا شمس الدین مظاہری رقم طراز ہیں: اگر نیت میں فساد نہ ہو، ممکن حد تک اسلامی

قوانین کے مطابق عمل کرنے کا پختہ ارادہ ہو، شریعت مطہرہ کے خلاف عمل کے ارتکاب سے اجتناب کی پوری کوشش ہو اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا پورا پورا عزم ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں: غیر اسلامی عدالت کی ملازمت بھی جائز ہے، اس کا اصل مقصد انصاف دلانا ہے، نہ کہ ظلم کرنا، ظلم وعدوان قانون ملکی کی خلاف ورزی ہے، اس لئے اصل مقصود انصاف کی فراہمی ہے؛ جو نیک مقصد ہے۔

لہذا اسی نیت سے یا محض کسب معاش کی غرض سے ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؛ البتہ خلاف اسلامی قانون برتنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ ہر ایسے مرحلہ پر دوسرے کسی غیر مسلم عہدہ دار کو سپرد کر دیا جائے وہی اس قانون کو نافذ کرے؛ تا کہ کسی مسلم کی طرف سے معاونت نہ پائی جائے، درمختار میں ہے: يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا.

ہاں! اگر ظن غالب ہے کہ اس پیشہ کو قبول کرنے سے وہ غیر اسلامی قانون اختیار کرنے پر مجبور ہوگا تو پھر جائز نہیں کہ اس پیشہ کو اختیار کرے، فلو كان غالب ظنه انه يجور في الحكم ينبغي ان يكون حراماً. (شامی: ۵/ ۳۶۷)۔

مولانا فاروق بارڈولی بھی ظلم وجور کے ظن غالب ہونے یا اظہار حق سے حکومت کے مانع ہونے کی صورت میں عدم جواز کے قائل ہیں، مولانا خورشید احمد بھی اظہار حق سے روک ہونے یا دباؤ ہونے کی صورت میں حرمت کے قائل ہیں، الا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم. (شامی: ۸/ ۴۴)۔

جب کہ دوسری طرف مولانا اشتیاق احمد اعظمی محکمۂ عدلیہ کی ملازمت میں جواز کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے معاصر علماء کے ۳ طرح کے اقوال ذکر کئے ہیں: جواز، عدم جواز اور تفصیل بین الجواز وعدمہ، مذکورہ تیسری صورت یہ ہے کہ جن صورتوں میں معصیت کا لزوم واضح ہو وہاں عمل حرام ہوگا اور جن مواقع میں قاضی اور جج کے اجتہاد کی گنجائش ہو؛ اس میں عمل کی

گنجائش ہوگی۔

مولانا اشتیاق احمد صاحب اسی تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کیوں کہ حکم بما انزل اللہ واجب ہے، اور بغیر ما انزل اللہ والا حکم ناجائز اور حرام ہوگا، اس لئے غیر مسلم عدالتوں میں منصب قضاء کا قبول کرنا بہر حال احتیاط کے خلاف ہے، اولی اور احوط یہی ہے کہ وضعی قوانین کی اسلامی شریعت کے مقابلہ میں بالادستی قبول نہ کی جائے۔

سوال کا پانچواں جز (ھ) یہ ہے کہ کوئی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی ٹیکس کی ایک صورت وہ ہے جس کو انکم ٹیکس کہا جاتا ہے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئی ہیں؛ وہ ظالمانہ ہیں، دوسرے عموماً اس ٹیکس کو ٹھیک طور پر عوامی فلاح پر استعمال نہیں کیا جاتا؛ بلکہ آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور انہیں دی گئی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کردیا جاتا ہے، پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ انکم ٹیکس کے لئے بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے، لہذا کیا انکم ٹیکس کے شعبوں میں مسلمان ملازمت کرسکتے ہیں؟

مولانا قمر عالم رانچی اور مولانا ظفر عالم ندوی اس شعبہ میں مطلقاً ملازمت کے جواز کے قائل ہیں، ثانی الذکر فرماتے ہیں: اس میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں، عدم جواز کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے، شرحوں کا زیادہ ہونا یہ حکومت کی زیادتی تصور کی جائے گی؛ لیکن اہم ضروریات کے پیش نظر ٹیکس لیا جاتا ہے، اس لئے اس میں جواز کے بھی پہلو ہیں، لہٰذا اس محکمہ میں ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اکثر حضرات نے کچھ شرائط وقیود کے ساتھ اس شعبہ میں ملازمت کی اجازت دی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

❁ الامور بمقاصدها۔

❁ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں اصولی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البتہ کلام ضرورت میں ہے اور یہی اہم ہے، سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ ضرورت عرفی کی دو قسمیں ہیں: ایک تحصیل منفعت، خواہ دینی ہو یا دنیوی، اپنی ہو یا غیر کی، دوسری دفع مضرت، اسی تعمیم کے ساتھ، سو تحصیل منفعت کے لئے تو ایسے افعال کی اجازت نہیں، اور دفع مضرت کے لئے اجازت ہے (امداد الفتاوی: ۴۰۸/۳)۔

❁ ویوجر من قام بتوزیعها بالعدل بان یحمل کل واحد بقدر طاقته لأنه لو ترک توزیعها إلی الظالم ربما یحمل بعضهم مالا یطیق فیصیر ظلما علی ظلم، ففی قیام المعارف بتوزیعها بالعدل تقلیل للظلم، فلذا یوجر۔ (ردالمحتار: ۹۲/۲)

❁ راقم الحروف نے مذکورہ تمام شعبوں کے لئے ایک دلیل وہ بھی پیش کی ہے، جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے احکام القرآن (سورۂ قصص) میں ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

واما فی زماننا الذی اشتد علی الناس الاجتناب من الحرام الصریح لتسلط الکفار والفجار علی سائر المکاسب، و المسلمون مضطرون الی رخص یترخصون بها فی کسب المعاش حذرا من الوقوع فی اشد منه۔

وحاصل کلام حکیم الامة رحمه اللّٰه تعالی فی "صائب الکلام": أن اختیار هذه المناصب الحرمة لجلب المنفعة لنفسه اولغیره حرام کما هو حقیقة هذه المناصب، الا انه ان ارید به دفع المضرة عن نفسه وعن المسلمین، فیرجی ان لا یلحقه به اثم، لکونه اختیارا لأهون البلیتین واخف الضررین کما هو معروف فی قواعد الاشباه والنظائر۔

والحاصل ان الاجتناب عن الخدمة الظلمة والکفرة اية خدمة کانت اولی واحفظ لدین الرجل ما امکن دفع الضرر عن نفسه والمسلمین بدونها، واما عند الاضطرار فالمرجو من کرمه سبحانه وتعالی ان لایوخذ به عباده، ولا سیما فی الخدمات التی لیست من قبیل الاعانة، ولا من قبیل التسبب بالسبب القریب؛ بل لها تسبب فی المعصیة بالسبب البعید۔ والله الموفق للصواب السداد۔

ان حضرات نے جو دلائل ذکر کئے ہیں؛ وہ ملاحظہ ہوں:

- اس میں شرکت جمیع المسلمین کے جلب مصالح اور روفع مضرات یا تقلیل مضرات کے لئے ہو۔(مولانا سلمان پالن پوری، مولانا عبدالتواب اناوی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)
- بلاوجہ لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس نہ کریں اور عدل وانصاف کی پابندی کریں۔(مولانا شاہ جہاں ندوی)
- جہاں تک ہوسکے خود تو ظلم سے بچنا ہی ہے، لیکن دوسرا کوئی ظلم کرے تو مظلوم کی مدد اور ظالم کو ظلم سے روکنا ہے، اور رشوت سے بھی بچے۔(مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی اور راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)
- انکم ٹیکس کی شرحیں کم کروانے کی کوشش کریں اور اس کے صحیح استعمال کی طرف بھی حکام کو توجہ دلائیں۔(مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی)
- فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ ساتھ مؤثر اعمال واخلاق اختیار کرے؛ تاکہ لوگوں کے لئے ذریعۂ اصلاح وہدایت بن سکے اور اس ملازمت کو اپنے ذاتی اغراض ومقاصد اور تشہیر کا ذریعہ نہ بنائے ، اس ملازمت کی وجہ سے مسلم معاشرہ یا اپنے علاقہ کے لوگوں کا استحصال نہ کریں۔(راقم الحروف اقبال ٹنکاروی)

مولانا رضوان الحسن مظاہری علی وجہ الظلم اس شعبہ میں ملازمت کے عدم جواز کے قائل ہیں، لیکن ایک صورت میں وہ جواز کے قائل ہیں، خود ان کے الفاظ میں: ’’اس شخص کے لئے جو معاشی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو، کوئی دوسرا ذریعۂ معاش حاصل نہ ہو، اور اگر وہ ملازمت ترک کردے تو فاقہ کا اندیشہ ہو، ہاں! یہ مجبوری کے درجہ میں ہے، متبادل مل جانے پر ترک کردے۔‘‘

تو دوسری طرف بعض حضرات نے علی وجہ الظلم وتعاون علی ترویجہ اس ملازمت میں شرکت کو ناجائز قرار دیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا فاروق بارڈولی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا خورشید احمد اعظمی ۔

انہوں نے درج ذیل دلائل کی روشنی میں ممنوع قرار دیا ہے:

- دفع النائبة ای مایتوجه من جهة السلطان من حق اوباطل اوغیره .
- والظلم علی نفسه اولی. (درمختار)۔
- ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان.
- لایدخل الجنةصاحب مکس. (سنن ابوداود)

مولانا فروغ احمد لکھتے ہیں: اگر حکومت ٹیکس وصول کرے لیکن صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو ایسے ادارے سے انسلاک تعاون علی المعصیۃ ہے، اس کو برداشت اسی وقت کیا جا سکتا تھا جب کہ مفاد عامہ میں ہوتا، لیکن یہ مفاد عامہ کے حق میں نہیں ہے، اس لئے ایسی ملازمت جائز نہیں۔

مولانا شاہ جہاں ندوی صاحب ایک صورت میں اس شعبہ میں ملازمت کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں: البتہ اگر ظالمانہ شرح ٹیکس اور اس کے غلط استعمال کا کسی کو یقین ہو تو اس کے حق میں یہ ملازمت درست نہیں ہے۔

☆☆☆

مختلف النوع ملازمتیں اوران کے شرعی احکام

سوال- ۲(الف،ب،ج)

مفتی محمد ثناءالہدیٰ قاسمی ☆

الحمد لله رب العالمين و الصلوٰة و السلام علی رسوله الكريم امابعد!

''مختلف النوع ملازمتیں اور انکے شرعی احکام کے سوال نمبر ۲ ''الف،ب،ج''میں ان ملازمتوں سے متعلق سوالات اٹھائے گئے تھے،جن کا سرکاری ہونا ضروری نہیں،لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں،اس سوال سے متعلق کل اٹھارہ مقالات(مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی،مولانا سلمان پالن پوری قاسمی،مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی،ڈاکٹر بہاءالدین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مولانا ظفر عالم ندوی،مولانا اقبال احمد ٹنکاروی،مولانا محمد فاروق، مولانا شمس الدین مظاہری،مولانا عبدالرشید قاسمی،مولانا عبدالتواب اناوی،مفتی رضوان الحسن مظاہری،مولانا اشتیاق احمد اعظمی،مولانا خورشید احمد اعظمی،مولانا شاجہاں ندوی،مولانا قمر عالم قاسمی،مفتی جنید عالم ندوی اور راقم الحروف محمد ثناءالہدیٰ قاسمی کے)اسلامک فقہ اکیڈمی کوموصول ہوئے۔

ان مقالہ نگاروں میں مولانا قمر عالم قاسمی نے سوال نمبر ۲ کے کسی بھی شق کا اور ڈاکٹر بہاءالدین ندوی نے اس سوال کے شق ''ب''اور''ج'' کا جواب تحریر نہیں فرمایا ہے،بقیہ تمام مقالہ نگاراس بات پر متفق ہیں کہ ایسے اداروں کی ملازمت جن کا کام بنیادی طور پر محرمات پر مبنی

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

ہے اور بلاواسطہ اس ملازمت کے نتیجہ میں حرام کاموں میں شمولیت ہوتی ہے، درست نہیں ہے، اور یہ تعاون علی الاثم کے ذیل میں آتا ہے۔ مقالہ نگاروں نے عمومی طور پر ان آیات اور احادیث کا ذکر کیا ہے۔

☆ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔(بقرۃ:۲۷۵)۔

☆ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُو الرِّبٰوا اَضْعَافاً مُضَاعَفاً۔(آل عمران:۱۳۹)۔

☆ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا(بقرۃ:۲۷۸)۔

☆ عن جابرؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا ومؤكله و كاتبه و شاهديه و قال: هم سواءٌ(مسلم ۲/۲۷)مولانا شمس الدین مظاہری، محبوب فروغ احمد قاسمی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، سلمان پالن پوری۔

☆ درهم ربوا يأكله الرجل و هو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنيةٍ(مجمع الزوائد ۴/۱۷)شمس الدین مظاہری۔

☆ كون الاجر الذى يحصل عليه العامل في هذه البنوک من الكسب الخبيث لخبث مصدره و هو الربوا الذى يمثل النسبة الغالبية على ارباح البنوک(نوازل فقہیہ ص ۷۰)مولانا اشتیاق احمد اعظمی

☆ العبرة في العقود للمقاصد و المعاني دون الالفاظ و المباني(قواعد الفقہ ص ۹۱)شمس الدین مظاہری

سوال میں یہ بھی پوچھا گیا تھا کہ اگر ایک شخص پیسے کے لین دین اور سودی حسابات کو لکھتا نہ ہو بلکہ کوئی اور کام کرتا ہو جیسے: بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، کیا یہ صورتیں بھی سودی معاملات کے تعاون میں شمار کی جائیں گی یا اس نوعیت کی ملازمت جائز ہوگی؟

مولانا اقبال احمد ٹنکاروی کی رائے ہے کہ بینک کی نوکری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، خواہ اس کا ضمیر اس پر مطمئن نہ ہو۔ ان کی رائے میں کسی اسٹاف کے نوکری چھوڑ دینے سے اس سودی نظام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور غیر مسلموں کا غلبہ ہو جائے گا، جو خطرناک ہے۔ جبکہ مولانا شمس الدین مظاہری نے بینک کی ہر قسم کی ملازمت کو ناجائز اور کم از کم مکروہ لکھا ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ شریعت مطہرہ میں ذرائع اور وسائل کو عین شی کا حکم دیا جاتا ہے۔ شامی میں ہے "وما كان سبباً لمحظورٍ فهو محظور" (شامی ج ۶ ص ۳۵۰)۔ شاہ جہاں ندوی، مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد فاروق اور مفتی ظفر عالم ندوی کی بھی یہی رائے ہے۔

ان کے علاوہ بیشتر مقالہ نگاروں نے بینک کی ایسی ملازمت کو جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہ ہو جائز لکھا ہے۔ (محبوب فروغ احمد قاسمی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، عبد الرشید قاسمی، رضوان الحسن مظاہری، خورشید احمد اعظمی، عبد التواب اناوی، سلمان پالن پوری، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مفتی جنید عالم ندوی)

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ رجل آجر بيتاً ليتخذ فيه بيت نارٍ او بيعةٍ او كنيسة او يباع فيه الخمر فلا بأس فيه و كذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار۔ (خلاصۃ ج ۴ ص ۳۷۷) محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، اقبال احمد ٹنکاروی، عبد التواب اناوی۔

☆ و جاز تعمير كنيسةٍ و حمل خمر ذمي بنفسه او دابته باجرٍ۔ (درمختار ۹/ ۵۶۲) مفتی جنید عالم ندوی، عبد الرشید قاسمی۔

☆ ولو استأجر الذمي مسلماً ليبني له بيعةً او كنيسةً جاز و يطيب له الاجر كذا في المحيط (عالمگیری ج ۴ ص ۴۵۰ کتاب الاجارۃ) مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، خورشید احمد اعظمی۔

☆ اذا استأجر الذمي من المسلم بيتاً ليبيع فيه الخمر جاز عند ابي حنيفة

خلافاً لهما (عالمگیری کتاب الاجارۃ ۴/ ۴۹۴) مولانا عبدالتواب اناوی۔

☆ ولو اٰجر نفسه ليعمل في الكنيسة و يعمر ها لا بأس به لانه لا معصية فى عين العمل (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۴۷۷) مولانا عبدالتواب اناوی۔

☆ لان المسلم لا يواجرها لذالک انما آجر ها للسكنى كذا فى المحيط (عالمگیری ۴/ ۴۵۰) خورشید احمد اعظمی۔

☆ ما لم يتصل بهٰذه العقود بوجه كا لعمل فى مجال تغيير العملة او تقديم الخدمات العامة للبنك كالحراسة والصيانة ونحو ذٰلک فالسواد الاعظم من المفتيين على الترخص في ذٰلک عند الحاجة و التورع عند انعدامها (نوازل فقہیہ ص ۴۷) اشتیاق احمد اعظمی۔

ڈاکٹر بہاء الدین ندوی نے لکھا ہے کہ کمپیوٹر کی مرمت کی اجرت بینک اگر سود کی رقم سے دیتا ہے تو حرام ہے، کیوں کہ فقہاء لکھتے ہیں: " ويكره معاملة من بيده حلالٌ و حرامٌ وان غلب الحرام الحلا ل نعم ان علم بتحريم ما عقد به حرم و بطل۔" (فتح المبین)۔

جن حضرات نے براہ راست سودی کاروبار کے علاوہ کی ملازمت کو جائز لکھا ہے، ان کے نزدیک آیات قرآنی و احادیث مقدسہ کا تعلق ان افراد سے ہے جو براہ راست سودی معاملات سے جڑے ہوئے ہوں، البتہ ان حضرات کے یہاں بھی ایسی ملازمتوں سے احتراز بہتر اور احوط ہے۔ کئی مقالہ نگاروں نے ابتداءً ایسی ملازمتوں کے حصول سے احتراز کو بہتر قرار دیا ہے، البتہ بقاءً ایسی ملازمتوں کو جب تک کوئی دوسری سبیل حصول معاش کی نہ نکل آئے ترک کرنے سے منع کیا ہے۔

اس سوال کے دوسرے شق "ب" میں دریافت کیا گیا تھا کہ انشورنس کمپنی کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ کیا انشورنس کی تمام صورتوں کے لیے ایک ہی حکم ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

نیز کسی شخص کا انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس شق کے جواب میں بیشتر مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ انشورنس کمپنی کا کاروبار ربوا اور قمار پر قائم ہے اور ان دونوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔اس لیے انشورنس کمپنی کی ملازمت اور اس کا ایجنٹ بننا گناہ کے کاموں میں تعاون دینے کی وجہ سے ناجائز اور باعث گناہ ہے۔(مفتی جنید عالم ندوی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، اشتیاق احمد اعظمی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، سلمان پالن پوری قاسمی، خورشید احمد اعظمی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد فاروق، ظفر عالم ندوی، محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

اس سلسلہ میں دوسری رائے یہ ہے کہ انشورنس کی وہ صورتیں جو ربوا اور قمار پر مبنی نہیں ہیں، ان میں ملازمت جائز ہے اور اسکا ایجنٹ بننا بھی درست ہے(مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا شمس الدین مظاہری، مولانا عبدالتواب اناوی، عبدالرشید قاسمی، محبوب فروغ احمد قاسمی)

مولانا شمس الدین مظاہری نے سرکاری انشورنس جو جبراً تنخواہ سے وضع کر لی جاتی ہیں اور حادثہ سے متعلق انشورنس کا شمار ان صورتوں میں کیا ہے جن میں ربوا اور قمار نہیں پایا جاتا ہے۔

بظاہر یہ دو نقطۂ نظر ہیں؛ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شق کے جواب میں مقالہ نگاروں کے مابین اصولی اختلاف نہیں ہے، جو لوگ انشورنس کمپنیوں کی ملازمت اور ایجنٹ بننے کے عدم جواز کے قائل ہیں، وہ اس کی علت ربوا اور قمار کو قرار دیتے ہیں، اس لیے جن صورتوں میں ربوا و قمار فرضی نہیں، بلکہ حقیقی طور پر نہیں پایا جائے تو یہ صورت ان کے یہاں بھی جائز ہوگی کیوں کہ عدم جواز کی جو علت تھی وہ نہیں پائی جارہی ہے۔اسی طرح جن مقالہ نگاروں نے بعض صورتوں میں جواز کی رائے دی ہے اگر ربوا و قمار ان صورتوں میں بھی متحقق ہو تو ان کے نزدیک بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔البتہ ضرورتاً اور بقاءً ملازمت کرتے رہنے اور ایجنٹ بنے رہنے کی اجازت ہوگی اور کہا جائے گا کہ متبادل ملازمت کی تلاش خلوص سے جاری رکھے اور توبہ و استغفار کرتا رہے(مفتی جنید عالم ندوی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی)۔

اس سوال کے شق ''ج'' میں دریافت کیا گیا تھا کہ کچھ لوگ شراب کی کمپنی میں شراب کے لین دین میں نہیں رہتے ہیں، لیکن حساب کتاب لکھتے ہیں یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزاء پیش کرتے ہیں جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے توشراب کی کمپنی کے ان مختلف کاموں میں ملازمت کا حکم یکساں ہے یا ان میں حکم کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ شراب کی کمپنی میں کسی بھی قسم کی ملازمت خواہ وہ بوتل بنانے کی ہو نا جائز ،حرام اور باعث گناہ ہے،اور سب کا حکم یکساں ہے۔(مفتی جنید عالم ندوی،ڈاکٹرمحمد شاہجہاں ندوی،سلمان پالن پوری قاسمی،اشتیاق احمد اعظمی)اس لیے کہ حرام تک پہونچانے والا وسیلہ بھی حرام ہے۔(ظفر عالم ندوی)شراب کی تیاری میں کسی طرح کا بھی تعاون صرف ایک کام میں تعاون نہیں بلکہ شراب کے نشے میں وقوع پذیر ہونے والے بہت سارے حرام کاموں میں تعاون ہے(مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

☆ یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ،فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُون (المائدۃ:۹۰) مظاہر حسین عماد قاسمی

☆ عن انس بن مالک : لعن رسول اللّٰه ﷺ فی الخمر عشرةً عاصرهاو معتصرها و شاربها وحاملها و المحمول الیه و ساقیها و بائعهاو آکل ثمنهاو المشتری لها و المشتریٰ له(مولانا محمد فاروق، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، شمس الدین مظاہری)

☆ عن جابرٍ : انه سمع رسول الله ﷺ یقول عام الفتح و هو بمکة: إن الله و رسوله حرم بیع الخمر (مشکوۃ:۱/ ۲۴۲)شمس الدین مظاہری۔

☆ بیع اشیاء لیس لها مصرف إلا فی المعصیة ---ففی جمیع هٰذه الصور قامت المعصیة بعین هٰذا العقد، و العاقد ان کلاهما

آثمان (جواہر الفقہ ۲/ ۴۴۸) شمس الدین مظاہری

اس سلسلہ میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بالواسطہ ملازمت درست ہوگی یعنی شراب میں استعمال ہونے والی اشیاء کی شراب کی کمپنیوں کے ساتھ تجارت، ایسی کمپنی میں ملازمت؛ جس میں شراب کے لیے بھی بوتلیں تیار ہوتی ہیں اور بوتل بنانے والے کی نیت معصیت کی نہ ہو تو یہ صورت جائز ہوگی اور احناف کے یہاں اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ اس صورت میں فعل معصیت کا ارتکاب فاعل مختار سے نہیں ہو رہا ہے۔ (محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، محبوب فروغ احمد قاسمی، عبدالرشید قاسمی، مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا عبد التواب اناوی)۔

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ **و اذا استاجرالحربی مسلماً لیحمل له خمراً و لم یقل لیشرب أو قال: لیشرب جازت الاجارة فی قول ابی حنیفةؒ خلافاً لهما۔** (عالمگیری ۴/ ۴۴۹) محبوب فروغ احمد قاسمی، خورشید احمد اعظمی، اقبال احمد ٹنکاروی۔

☆ **جازبیع العصیر من خمار، لأن المعصیة لا تقوم بعینه بل بعد تغییره** (البحرالرائق ۸/ ۲۰۲) محبوب فروغ احمد قاسمی۔

☆ **و لا بأس ببیع العصیر ممن یعلم انه یتخذه خمراً لأن المعصیة لاتقام بعینه بل بعد تغییره بخلاف بیع السلاح فی ایام الفتنة لأن المعصیة تقوم بعینه--- و قال: و من آجر بیتا لیتخذ فیه بیت نار أو کنیسة أو بیعة أو یباع فیها الخمربالسواد فلا بأس به وهٰذا عند ابی حنیفة**(ہدایہ ۴/ ۴۵۶، در مختار مع الشامی ۹/ ۵۶۰) مولانا اقبال احمد ٹنکاروی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، عبدالرشید قاسمی۔

☆ **ان بیع العصیر ممن یتخذه خمراً و ان قصد به التجارة فلا یحرم و ان قصد به لاجل التخمیر حرم**(الاشباہ والنظائر ص ۴۳) مفتی جنید عالم ندوی،

مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی۔

☆ و له ان الاجارة علی الحمل و هو ليس بمعصية ولا سبب لها و إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار و ليس الشرب من ضرورات الحمل لان حملها قد يكون للاراقة أو للتخليل (شامی ۹/۵۶۲) مفتی جنید عالم ندوی، خورشید احمد اعظمی، عبدالرشید قاسمی۔

☆ لكن الإعانة في ما قامت المعصية بعين فعل المعين و لا يتحقق الابنية الإعانة أو التصريح بها أو تعيينها في استعمال هذا الشئی بحيث لا يحتمل غير المعصية (جواہر الفقہ: ۲/۳۵۰) شمس الدین مظاہری۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کے نزدیک شراب کی کمپنی میں حساب کتاب لکھنے کی ملازمت کرنا بھی جائز معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس سے براہ راست شراب نوشی کا تعاون نہیں ہوتا۔

" وان استأجر ليكتب له غنا بالفارسية أو بالعربية فالمختار انه يحل لان المعصية في القرأة۔" (عالمگیری ۴/۴۵۰)

جو کام فی نفسہ جائز ہیں ان میں شراب کی کمپنیوں میں بھی ملازمت جائز ہوگی، جیسے الیکٹریشین کی ملازمت، اے سی وغیرہ کے کام یا چوکیداری، یہ کام بذات خود جائز ہیں، لہٰذا ان کی اجرت بھی جائز ہوگی (مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی)۔

ان آراء اور دلائل کی روشنی میں سیمینار کو طے کرنا ہے کہ " اعانة علی المعصية" کے ذیل میں کون کون سی ملازمت اور کس قسم کا تعلق آتا ہے، نیز کون کون سی صورتیں اعانت کے سبب بعید ہونے کی وجہ سے جائز ہوں گی۔ بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ: "ان في الاعانة درجات متفاوتة و اختلاف الاحكام بحسب اختلاف الدرجات۔"

☆☆☆

مختلف النوع ملازمتیں اوران کے شرعی احکام

سوال نمبر ۳

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کے بیسویں فقہی سمینار کے ایک موضوع ''مختلف النوع ملازمتیں اوران کے شرعی احکام'' کے سوال نمبر ۳ کا تعلق کچھ ایسے کاروبار کی ملازمتوں کے حکم سے ہے جن کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے، لیکن ضمنی طور پر اس میں حرام کام بھی کئے جاتے ہیں، جیسے:

الف: سپر مارکیٹ جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ کی ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

اس موضوع پر کل سترہ مقالے موصول ہوئے، جن میں سے پندرہ اصحاب مقالہ نے اس ملازمت کے متعلق اپنی آراء ظاہر کی ہیں جو جواز اور عدم جواز دونوں پر مشتمل ہیں، اور عدم جواز کی وجوہات الگ الگ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱-سپر مارکیٹ میں خاص گوشہ شراب کی ملازمت، اس کے عدم جواز کی صراحت اگر چہ صرف دو مقالہ نگار، مولانا محمد فاروق اور مولانا عبدالرشید صاحبان نے کیا ہے، لیکن بقیہ حضرات کے مقالات میں مذکور تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم متفق علیہ ہے اور عدم جواز کی وجہ ظاہر ہے۔

۲-دوسرا قول عقد ملازمت کے اعتبار سے ہے، یعنی عقد ملازمت میں یہ بھی شرط ہو کہ

☆ 　محلہ رگھوناتھ پورہ، مئو۔

دیگر امور کے ساتھ شراب بھی فروخت کرنی ہوگی تو ملازمت جائز نہیں، مولانا محمد فاروق صاحب کے نزدیک عقد مخلوط بالمعصیۃ ہونے کی وجہ سے اور مولانا محبوب فروغ نے لکھا ہے کہ تعاون علی الاثم کی وجہ سے ملازمت ناجائز لیکن تنخواہ حلال ہوگی، جواز کے لئے بطور دلیل البحر الرائق کی عبارت: "**وحمل خمر الذمي بأجر يعني جاز ذلک وهذا عند الإمام**"، اور اس کی توجیہ "**وله أن الإجارة علی الحمل وهو ليس بمعصية**" ذکر کی گئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ عقد ملازمت میں بیع خمر کا معاملہ ہے نہ کہ حمل خمر کا، اور بیع خمر پر اجرت کا جواز شاید امام سے منقول نہ ہو، نیز بیع خمر معصیت ہے، اور معصیت پر اجارہ جائز نہیں، "**ولا لأجل المعاصي مثل الغنا والنوح والملاهي ولو اخذ بلا شرط يباح**" (درمختار ۹/۷۵)۔

۳- تیسرا قول ملازم کے عمل کے اعتبار سے ہے، یعنی اس قول کے حاملین نے نوعیت عقد کا ذکر کئے بغیر اپنی رائے اس طور پر ظاہر کیا ہے کہ سپر مارکیٹ میں حلال اور مباح اشیاء کے ساتھ، شراب یا حرام اشیاء کی فروخت وغیرہ کا کام بھی کرنا پڑے تو ملازمت جائز نہیں، ورنہ جائز ہے، یہ رائے مولانا اقبال احمد صاحب کی اس صورت میں جبکہ سپر مارکیٹ کا مالک غیر مسلم ہو، مولانا عبد التواب صاحب نے لکھا ہے کہ شراب کی خرید وفروخت سے ملازمت میں شبہ ہوگیا، اور مفتی رضوان الحسن نے عدم جواز کی وجہ تعاون علی الاثم قرار دیا ہے، جبکہ مولانا شاہجہاں ندوی نے بطور دلیل اس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں شراب، اس کے پینے والے، اٹھانے والے اور بیچنے والے وغیرہم پر لعنت کا ذکر ہے، مولانا اشتیاق احمد صاحب نے تعاون علی الاثم اور مذکورہ حدیث کے ساتھ حدیث پاک "**إن الذی حرم شربها حرم بيعها**" کا بھی ذکر کیا ہے، اور مولانا شمس الدین صاحب نے ان سب کے ساتھ آیت کریمہ "**انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه**"، نیز فقہی عبارت "**وما كان سببا لمحظور فهو محظور**" سے اپنے قول کو مؤید کیا ہے، مولانا سلمان قاسمی نے شراب کا گوشہ بھی ملازم سے متعلق ہونے کی صورت میں ملازمت کو ناجائز لیکن خالص ناجائز ملازمت سے غنیمت قرار دیا

ہے، اور یہ تعبیر انہوں نے فتاوی محمودیہ کے ایک فتوی سے مستعار لیا ہے جو پریس میں جائز چیزوں کے ساتھ تصاویر چھاپنے سے متعلق ہے، اور مولانا مظاہر حسین عماد نے اس صورت میں بھی ملازمت کو نا جائز کہا ہے جبکہ سپر مارکیٹ کے حلال وحرام دونوں گوشوں کا حساب وکتاب ایک ہی ہو، اس لئے کہ یہ تعاون علی الاثم ہے، مولانا کی یہ رائے تقوی پر محمول ہونا زیادہ اقرب ہے، ورنہ تو مخلوط مال میں اعتبار غالب کا کیا گیا ہے۔

۴-چوتھا قول مولانا اقبال احمد صاحب کا ہے جنھوں نے دوکان مالک کا بھی لحاظ کیا ہے، لکھا ہے کہ اگر یہ سپر مارکیٹ مسلمان کا ہے تو وہاں کسی طرح کی ملازمت جائز نہیں، مولانا نے مسند الفردوس کی حدیث: "الخمر حرام وبیعها حرام وثمنها حرام"، نیز المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی کی ایک عبارت نقل کیا ہے جس کا ایک فقرہ ہے: "لأنه (بيع الخمر والخنزير) حرام لعينه، ألا ترى انه لو وجد من المسلم كان حراما ومعصية"، نیز فتاوی محمودیہ سے ایک فتوی بھی نقل کیا ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ "یہ کارخانہ اگر مسلمان کا ہے تو اس کی سب ملازمتیں حرام ہوں گی"، مگر یہ فتوی ایک ایسے استفتاء کا جواب ہے جس میں خالص شراب کے ایک کارخانہ کی ملازمت کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے، جس میں شراب تیار اور اس سے سپلائی کی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ کاروبار اصلا خالص حرام کاروبار پر مبنی ہے، اور یہاں سوال ایسے مارکیٹ کی ملازمت کا ہے جس کا اصل یا اکثر کاروبار جائز اور حلال اشیاء کا ہے اور اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، اور فقہ کی کتابوں میں یہ صراحت ملتی ہے کہ جس کا اکثر مال حلال ہو اس کی ضیافت اور ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔

"لان اموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب" (عالمگیریہ ۳۴۲/۵) "مالم يتعين انه من حرام" (فتاوی بزازیہ علی ہامش العالمگیریہ ۳۶۰/۶)، لہذا سپر مارکیٹ جس میں اکثر جائز اشیاء کے ضمن میں شراب بھی فروخت ہوتی ہے، اس کا مالک مسلمان ہو تب بھی اگر ملازم شراب کی فروخت کا کام نہ کرتا ہو تو یہ ملازمت اور اس کی اجرت

درست ہونی چاہئے۔

۵-بقیہ جن مقالہ نگاروں نے اس ملازمت کے جواز کا قول نقل کیا ہے انہوں نے ملازم کے اکثر عمل یا مارکیٹ کی اکثر اشیاء کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ غالب کاروبار کے جائز اور مباح ہونے اور اس کے ضمن میں بعض ممنوع چیزیں ہونے کی وجہ سے **"للاکثر حکم الکل"** کے ضابطہ سے گنجائش کی بات کہی ہے۔

مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا عبد الرشید صاحبان نے سیلس مین کے علاوہ دیگر ملازمتوں کو بلا مضائقہ قرار دیا ہے، مفتی ثناء الہدی قاسمی نے لکھا ہے کہ ان (ممنوعہ) کاموں کو براہ راست نہ کرنا پڑتا ہو یا بہت کم اس کی نوبت آتی ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے، استشہاد میں فتاوی محمودیہ کا ایک فتوی ذکر کیا گیا ہے کہ "اگر جائز کام کے مقابلہ میں دوسرا کام کم ہے تو اپنی ملازمت ترک نہ کریں"، مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی صاحب نے سپر مارکیٹ کی ملازمت کو فی نفسہ جائز کہتے ہوئے ملازم کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے گوشت شراب سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا ہے، اور خورشید احمد اعظمی نے بھی ملازمت کو اور ماہانہ اجیر ہونے کی وجہ سے اس کی اجرت کو جائز کہا ہے، البتہ شراب کی خرید وفروخت اور حمل ونقل کا ارتکاب کیا تو گنہگار ہوگا، اور حدیث میں مذکور وعید کا مورد ہوگا، لیکن اجرت جائز ہوگی کیونکہ ملازمت فی نفسہ جائز کاموں کے لئے ہے۔

خلاصہ عرض یہ ہے کہ ایسے سپر مارکیٹ میں ملازم کا کام گوشت شراب سے متعلق نہیں ہے، تو تقریباً سبھی مقالہ نگار کا اتفاق ہے کہ ملازمت جائز ہے، مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے برائی کے مشاہدہ کی جگہ ملازمت کو مکروہ تنزیہی کہا ہے، **"فان مشاهدة الباطل مشاركة فيه: قول القاضي في تفسير قوله تعالى: والذين لا يشهدون الزور"** (البحر الرائق ۷؍۲۱۳)، اگر چہ کبھی اسے گوشت شراب کا بھی کام نبھانا پڑ جائے، کیونکہ فقہاء نے **"اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام"** سے اموال الناس کو مستثنی کیا ہے، اور اس میں غالب کا اعتبار کیا ہے (دیکھا جائے الأشباہ والنظائر، فتاوی بزازیہ، فتاوی عالمگیریہ)۔

ب–دوسرا مسئلہ ملازمت تدریس کا ہے، ایسے اداروں میں جن میں مخلوط تعلیم کا نظام ہو یا جنس مخالف کو تعلیم دینا ہو۔

۱–اس ملازمت کے بارے میں ایک قول تو عدم جواز کا ہے، جس کے قائل مولانا قمر عالم قاسمی صاحب ہیں، عدم جواز کا سبب برائیوں میں ابتلاء کا قوی امکان ہے، اور دلیل کے طور پر آیت غض بصر، نیز آیت کریمہ: "**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" اور احادیث رسول "**إن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم، النظر سهم مسموم من سهام إبليس**" کے ساتھ رسم المفتی کی عبارت "**العمل بالعرف مالم يخالف الشرع**" کا ذکر کیا ہے، یعنی مخلوط تعلیم یا غیر جنس کی تدریس کا کثرت سے رواج اس کے جواز کی گنجائش نہیں نکال سکتا، لیکن اگر یہ تعلیم غض بصر اور پردہ کے ساتھ ہو تو گنجائش ہے یا نہیں؟ مولانا نے اس کے متعلق خاموشی اپنائی ہے۔

۲–دوسرا قول جواز کا ہے، مولانا عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں: تدریس ہی کیوں؟ کون سی ایسی جگہ ہے جہاں اختلاط نہ پایا جاتا ہو، عدم جواز کا حکم وسائل روزگار کو بند کردے گا، مخلوط تعلیم کی تدریس میں فتنہ کم، بدنگاہی کا احتمال زیادہ ہے، جائز نہیں کہنے میں حرج عظیم ہے، اہون البلیتین کے پیش نظر کراہت تنزیہی کے ساتھ گنجائش دینا ہوگا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بدنگاہی تو خیر بدنگاہی ہے محتاط نگاہ بھی کچھ کم گل نہیں کھلاتی۔

مولانا رضوان الحسن، مولانا فضیل الرحمٰن صاحبان نے بھی غض بصر اور خلوت سے اجتناب کے ساتھ اس طرح کی تعلیم وتدریس کو بدرجہ مجبوری گوارا کر لینے کا مشورہ دیا ہے، مولانا ظفر عالم صاحب نے تفصیل کیا ہے، مرد اساتذہ کے متعلق لکھا ہے کہ مجبوری میں کامل پردہ نہ کرنے والی طالبات کو پڑھانے میں اپنے کو محفوظ رکھتے ہوئے کوئی حرج نہیں، اور خواتین اساتذہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ کوئی ادارہ بغیر پردہ کے پڑھانے پر مجبور کرے تو وہاں خواتین کے لئے ملازمت درست نہ ہوگی، مولانا نے اس فرق کی کوئی وجہ تحریر نہیں کی۔

مولانا عبدالتواب صاحب نے بے پردگی کو کونا جائز اور موجب گناہ قرار دیتے ہوئے ملازمت اور اجرت علی العمل کو جائز کہا ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی نے بھی پردہ کے ساتھ مخلوط تعلیم اور غیر جنس کی تدریس کو جائز کہا ہے، اور شامی میں مذکور ابو العباس القرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ: "فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك"، نیز صحابہ کرام کا امہات المومنین رضی اللہ عنہم جمیعا سے احادیث اخذ کرنا اور مسائل معلوم کرنا معروف ومشہور رہے، پردہ کا اہتمام نہ کرنا نا جائز ہے، بے پردہ مخلوط تعلیم باعث گناہ ہے، لیکن نفس تدریس کی اجرت جائز ہوگی۔

مولانا محبوب فروغ صاحب نے بھی ناگزیر حالات میں اسلامی حدود وقیود کے ساتھ جواز کا اشارہ دیا ہے۔

۳-تیسرا قول تفصیل کا ہے، یعنی ہم جنس استاذ کے فراہم نہ ہونے پر، پردہ کے اہتمام، خلوت سے احتراز اور غض بصر کے ساتھ، خاتون اساتذہ کا لڑکوں کو اور مرد اساتذہ کا لڑکیوں کو تعلیم دینا جائز ہے ورنہ یہ ملازمت جائز نہیں، یہ موقف ہے مولانا سلمان قاسمی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، اور مولانا اقبال احمد صاحب کا، مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب نے اپنے اس موقف کے لئے غض بصر، حجاب اور عدم نظر إلی الاجنبیہ کے مفہوم کی متعدد آیات واحادیث کا ذکر کیا ہے، مولانا محمد فاروق صاحب نے بھی بے پردہ تعلیم کو نا جائز قرار دیتے ہوئے پردہ کے ساتھ تعلیم کے جواز کے لئے شامی کی عبارت "يجوز الكلام المباح مع امرأة اجنبية" کو نقل کیا ہے، اور مولانا مظاہر حسین عماد صاحب نے "الضرورات تبيح المحظورات بقدر الضرورات" کے اصول کو سامنے رکھا ہے، مولانا شاہجہاں ندوی نے مخلوط تعلیم کے عدم جواز پر حدیث پاک: "قالت النساء للنبي ﷺ غلبنا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسك" کو مستدل بنایا ہے، اور مولانا شمس الدین صاحب نے فرائض اور مباح کی تعلیم میں فرق کیا ہے، مباحات ومستحبات کی تعلیم بے پردگی کے ساتھ جائز نہیں، اور فرائض کی تعلیم کی

ملازمت اگر نیت میں فساد اور خلاف شریعت کام کا ارتکاب نہ ہو تو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے اسی مفہوم کی صرف ایک عبارت تحفۃ المحتاج سے نقل کیا ہے، کہ ضرورت کے وقت واجبات کی تعلیم پردہ اور منع خلوت کے ساتھ جائز ہوگی۔

عارض مسئلہ کی رائے ہے کہ پردہ کے اہتمام اور دیگر احتیاط کے ساتھ جنس آخر کی تعلیم مرد و زن ہر ایک کے لئے جائز ہونی چاہئے، اور اگر کوئی استاذ اس کا اہتمام نہیں کرتا تو معصیت کا مرتکب ہوگا، لیکن عمل تدریس کی وجہ سے اس کی اجرت مباح ہونی چاہئے کیونکہ تدریس فی نفسہ جائز ہے، اور پردہ کا لحاظ نہ کرنا عمل تدریس سے خارج شے ہے جس کی وجہ سے کراہت ہو سکتی ہے، مگر اس سے اجارہ اور ملازمت فاسد نہیں ہونا چاہئے، جیسا کہ بیع الحاضر للبادی، اور بیع عند اذان الجمعہ سے منع کیا گیا ہے پھر بھی کوئی ایسی بیع کرلے تو اسے فاسد نہیں کہا گیا ہے، "لأن الفساد في معنى خارج زائد لا في صلب العقد ولا في شرائط الصحة" (ہدایہ ۳؍۵۱ کتاب البیوع فصل فیما یکرہ)۔

ج-تیسرا مسئلہ پیشہ وکالت کا ہے، صورت حال یہ ہے کہ اکثر وکلاء کے یہاں ظالم و مظلوم کا فرق کئے بغیر ہر ایک کی وکالت قبول کرلیجاتی ہے، اور اپنے موکل کے حق میں فیصلہ کے لئے اسے جھوٹ کی تربیت دی جاتی ہے، اس پس منظر میں مسلمان اس پیشہ کو اختیار کرسکتے ہیں یا نہیں؟۔

اس ماحول اور پس منظر میں بھی مسلمان اس پیشہ کو اختیار کرسکتا ہے، پیشہ وکالت اور اس پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ جھوٹ اور مظلوم کی حق تلفی وکالت کا جزو لازم نہیں ہے، اس کے جواز پر سبھی مقالہ نگار کو اتفاق ہے، اور سبھی مقالہ نگار نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ وکیل کو ظالم کی حمایت، غلط مقدمات کی پیروی اور جھوٹ سے اجتناب کرنا چاہئے، اور اس پیشہ میں در آئی خرابیوں اور نقائص کو اپنے عمل اور کردار سے سدھارنا چاہئے، جن حضرات نے مذکورہ طور پر محض نفس جواز کا ذکر اپنے مقالہ میں کیا ہے، ان کے اسماء یہ ہیں: مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی، مولانا مظاہر حسین عماد، مولانا عبد التواب، مولانا محمد ظفر عالم، اور مولانا محمد شاہجہاں ندوی، آخر الذکر

نے بطور دلیل "تعاونوا علی البر والتقوی"، نیز "انصر اخاک ظالما أو مظلوما " کا ذکر کیا ہے۔

مقالہ نگار کی دوسری جماعت نے اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ مظلوم کی حمایت اور مستحق کو اس کا حق دلانے کے لئے جھوٹ کی ضرورت پیش آئے، تو جھوٹ کا سہارا لیا جاسکتا ہے، بلکہ بتقاضاء احوال واجب ہوگا، مولانا رضوان الحسن صاحب نے اس سلسلہ میں درمختار کی عبارت "الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه" اور اس کے تحت علامہ شامی کی تفصیل کو ذکر کیا ہے، اور مولانا محبوب فروغ صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول "هذه اختی" اور اس کے تحت علامہ عینیؒ کی تفصیل "بل إذا علم انه لا یتخلص إلابالکذب جازله الکذب" اور حافظ ابن حجرؒ کے قول "واتفقوا علی جواز الکذب عند الإضطرار" کے ساتھ فتاوی عالمگیریہ کی عبارت "والکذب محظور إلافی القتال......وفی الصلح......وفی دفع الظالم عن الظلم" کو نقل کیا ہے، اور مولانا عبدالرشید صاحب نے "الأمور بمقاصدها" کا حوالہ دیا ہے۔

بقیہ مقالہ نگار نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر وکیل غلط مقدمات کی پیروی کرے گا، ظالم کی حمایت کرے گا، مظلوم کو اس کے حق اور انصاف سے محروم کرے گا، اور اس کے لئے جھوٹ کا استعمال کرے گا تو اس کی وکالت ناجائز ہوگی، یہ قول ہے مولانا سلمان قاسمی، مولانا شمس الدین اور مولانا عبد الرشید کا، مولانا اشتیاق احمد صاحب نے دلیل میں آیت کریمہ "ولا تکن للخائنین خصیما"، نیز حدیث پاک: "من أعان علی خصومة بظلم أو یعین علی ظلم لم یزل فی سخط الله حتی ینزع" کا ذکر کیا ہے۔

مولانا اقبال احمد صاحب نے کافی تفصیل سے وضاحت کیا ہے اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا ایک فتوی بھی ذکر کیا ہے کہ جھوٹے مقدمات کی پیروی سے جو آمدنی حاصل ہوگی وہ حرام ہے، بشرطیکہ وکیل کو جھوٹ کا علم ہو، مفتی ثناء الہدی صاحب نے مفتی محمود صاحبؒ کے ایک

فتوی کے حوالہ سے مجمع الانہر کی عبارت "لا تجوز اخذ الأجرة علی المعاصی" کا ذکر کیا ہے، مولانا محمد فاروق صاحب نے بھی مقدمہ کے معصیت پر مبنی ہونے کی وجہ سے اجرت کے جائز نہ ہونے کی صراحت کی ہے، اسی طرح مولانا خورشید احمد اعظمی نے بھی ظالم کی اعانت اور حقدار کو محروم کرنے کی وکالت اور اس کی اجرت کو نا جائز لکھا ہے اور دلیل میں اللہ تعالی کا ارشاد "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان"، نیز حدیث نبوی "ملعون من ضار مومنا أو مکربه" (ترمذی) نقل کیا ہے۔

اس مسئلہ کے عرض کا خلاصہ یہ ہے کہ وکالت کا پیشہ فی نفسہ جائز اور اس کی اجرت حلال ہے، حصول انصاف اور دفع ظلم کے لئے بوقت ضرورت جھوٹ جائز ہے، ظالم کی حمایت اور مظلوم کی حق تلفی کے لئے وکالت کرنا، نا جائز اور اس کی اجرت د آمدنی حرام ہے۔

د: چوتھا مسئلہ پیشہ طبابت کا ہے اس صورت حال میں کہ سرکاری یا پرائیوٹ ہاسپٹلوں کی انتظامیہ، محض اضافہ آمدنی کے لئے ڈاکٹر کو تاکید کرتی ہے کہ وہ غیر ضروری آپریشن یا ٹسٹ بھی لکھا کرے، یا مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض یا خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے امراض کے علاج پر مجبور کیا جائے جس کا تعلق قابل ستر حصہ سے ہو، ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کا حکم اور ملازمین کے لئے شرعی حدود کیا ہوں گی؟

جنس مخالف مریض کے علاج اور اس کی شرعی حدود کے متعلق بعض مقالہ نگار کے علاوہ اکثر نے تحریر کیا ہے اور سبھی کا اس پر اتفاق ہے کہ خاتون مریض کا علاج خاتون ڈاکٹر اور مرد مریض کا علاج مرد ڈاکٹر سے ہی کرانا چاہئے، اور اگر اس مرض کے لئے ہم جنس ڈاکٹر موجود نہ ہو تو ضرورۃً دوسری صنف کا ڈاکٹر علاج کر سکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ اگر مریض عورت ہے اور ڈاکٹر کے لئے ممکن ہے کہ اس کا علاج کسی نرس یا دایہ کے واسطہ سے کر سکتا ہے تو ایسا ہی کرے، نیز اگر مرض کا تعلق قابل ستر حصہ سے ہے اور بغیر کسی حائل کے اس کا چھونا یا دیکھنا ضروری ہو تو موضع مرض کے علاوہ سے غض بصر کرتے ہوئے بقدر ضرورت کشف ستر سے کام لے، اور خلوت میں علاج

سے اجتناب کرے، اس کے لئے جن دلائل سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک تو آیت غض بصر ہے اور دوسری فقہی عبارات ہیں مثلاً درمختار کی عبارت "ینظر الطبیب إلی موضع مرضها بقدر الضرورة،" اور فقہی قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات"، نیز البحر الرائق کی عبارت: "والطبیب إنما یجوز له ذلک إذا لم یوجد إمراة طبیبة"۔

ڈاکٹروں کے محض اضافہ آمدنی کے لئے بلاضرورت آپریشن یا ٹسٹ لکھنے کو مولانا عبدالتواب، مولانا محبوب فروغ نے ظلم و عدوان، مولانا سلمان قاسمی نے گورکھ دھندا، مولانا شاہجہاں ندوی اور مولانا اشتیاق احمد صاحبان نے ناجائز، مولانا اقبال احمد نے باطل طریقہ پر مال کھانا اور مولانا محمد فاروق نے خیانت سے تعبیر کیا ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی نے بھی اس حرکت کو "المستشار مؤتمن"، نیز "الدین النصیحة" کے پیش نظر خیانت اور باطل طریقہ پر مال کھانے سے تعبیر کیا ہے۔

اس پس منظر میں سرکاری یا پرائیوٹ ہاسپٹل کی ملازمت کے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے، مولانا مظاہر حسین عماد نے تعاون علی الاثم والعدوان کی وجہ سے، مولانا اقبال احمد اور مولانا خورشید احمد اعظمی نے "لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" کی دلیل سے، اور مولانا محمد فاروق صاحب نے غیر ضروری آپریشن وغیرہ کی شرط کو شرط فاسد ہونے کی وجہ سے اور مولانا اشتیاق احمد، مولانا محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا عبدالرشید نے لکھا ہے کہ اسپتال کی ایسی شرط پر ڈاکٹر اسے چھوڑ دیں اور پرائیوٹ پریکٹس کریں۔

مولانا سلمان قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر اس اسپتال میں مسلمان زیادہ آتے ہیں اور ڈاکٹر کے اسپتال چھوڑنے سے ان کا نقصان ہو تو تقلیل ضرر کی نیت سے ملازمت کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

مولانا شمس الدین، مولانا محمد ظفر عالم اور مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے ڈاکٹر کی ملازمت کو جائز کہا ہے اور مفتی ثناءالہدی قاسمی نے ضرورۃً

ملازمت کو درست قرار دیا ہے اور دوسری ملازمت مل جائے تو ترک کو اولی قرار دیا ہے، عارض مسئلہ کا خیال ہے کہ چونکہ اس ملازمت سے دوسروں کا ضرر وابستہ ہے اور ڈاکٹر کے لئے کسب معاش کے طور پر بدل پرائیوٹ پریکٹس موجود ہے، اس لئے ایسی ملازمت کو اپنانا یا اس پر برقرار رہنا درست نہ ہونا چاہئے۔

ھ: پانچواں اور آخری مسئلہ ایسے ہوٹلوں کی ملازمت کا ہے جن کا بنیادی مقصد تو قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، اس کے ساتھ اگر شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص و موسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ کا بھی نظم ہو تو ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا، جبکہ حرام چیزوں کی فراہمی سے اس کا براہ راست تعلق ہو یا براہ راست تعلق نہ ہو۔

مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ ہوٹل کی ملازمت میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں، شرعی حدود میں رہ کر اپنی ملازمت کو انجام دینا چاہئے، خرابیوں کے اس دور میں تمام جزئیات کو سامنے رکھنے سے بہت دشواریاں ہوں گی، اس لئے اضطراری حالت کو عمومی حالت پر قیاس نہ کرنا چاہئے، غالباً مولانا کا منشاء یہ ہے کہ اگر کسی کو مجبوری میں ایسے ہوٹلوں کی ملازمت ہی کرنی پڑے، کسب معاش کا جائز ذریعہ اس کے پاس نہ ہو تو اس کے لئے گنجائش ہونی چاہئے، ورنہ تو کسب معاش کے ذرائع اتنے تنگ نہیں ہیں کہ حالت کو اضطراری قرار دیا جائے، اور خمر و خنزیر جن کی حرمت اور ان سے اجتناب کا حکم نصوص قطعیہ سے ہے ان کی ترویج واشاعت میں شریک کار ہوا جائے، مولانا عبدالتواب صاحب کی رائے ہے کہ ملازمت اگر اصلاً جائز امور کی ہے لیکن کچھ ناجائز کام بھی کرنے پڑیں تو ملازمت جائز ہوگی، ناجائز کاموں کا گناہ ہوگا، مولانا نے کسی دلیل کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بقیہ اکثر مقالہ نگار نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر ان امور محرمہ کو انجام دینے میں ملازم کا

تعلق براہ راست نہ ہوتو ملازمت درست ہوگی اور براہ راست تعلق ہوتو جائز نہ ہوگی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سلمان پالنپوری، اور مولانا رضوان الحسن نے تعاون علی الاثم کی وجہ سے ناجائز کہا ہے، مولانا محمد قمر عالم صاحب نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں شراب اور ان کے متعلقین پر لعنت کی گئی ہے۔

مولانا ثناء الہدی قاسمی نے عالمگیریہ سے "ولا تجوز الإجارة علی شئ من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشئ من اللهو" کا ذکر کیا ہے اور مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اسی مفہوم کو درمختار سے نقل کیا ہے، مولانا شمس الدین صاحب نے تعاون علی الاثم کے ساتھ فقہی قاعدہ "درء المفاسد اولی من جلب المنافع" کو بھی دلیل بنایا ہے، اور مولانا عبدالرشید صاحب نے الفقہ الاسلامی وادلتہ سے "للمسلم إذا لم يجد عملا مباحا شرعا العمل في مطاعم الكفار بشرط أن لا يباشر بنفسه سقي الخمر أو حملها أو صناعتها أو الإتجار بها وكذلك بالنسبة لتقديم لحوم الخنازير ونحوها من المحرمات" کو نقل کیا ہے۔

مولانا اقبال احمد صاحب نے لکھا ہے کہ ہوٹل کا مالک مسلمان ہو یا ان اشیاء سے ملازم کا تعلق براہ راست ہو تو ملازمت جائز نہیں، مولانا مظاہر حسین عماد نے یہ تفصیل کیا ہے کہ اکثر تجارت حرام کام کی نہ ہو اور حساب کتاب الگ الگ ہو تو ملازمت جائز ورنہ حرام ہوگی۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے "من وقع في الشبهات وقع في الحرام نيز من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر" کے ساتھ البحرالرائق سے "فإن مشاهدة الباطل شركة فيه" کی دلیل سے براہ راست تعلق نہ ہو جب بھی ملازمت کو مکروہ تنزیہی کہا ہے، مولانا محمد فاروق صاحب نے بھی احتیاطا ایسے ہوٹلوں کی ملازمت سے اجتناب کا مشورہ دیا ہے، مولانا محبوب فروغ نے "ما حرم اخذه حرم اعطاءه" اور

"**لا يسقى اباه الكافر خمرا ولا يناوله قدحا**" کے حوالہ سے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے، اور مولانا محمد ظفر عالم ندوی نے منکرات کی وجہ سے ایسے ہوٹلوں کی ملازمت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

مختلف النوع ملازمتیں اوران کے شرعی احکام

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

فوج کی ملازمت:

فوج کی ملازمت کے سلسلے میں جب غور کرتے ہیں تو اس میں کچھ نفع سمجھ میں آتا ہے اور کچھ نقصان بعض اعتبار سے یہ ملازمت جائز اور ضروری معلوم ہوتی ہے اور بعض اعتبار سے ناجائز معلوم ہوتی ہے۔

بعض دفعہ فوجیوں کو اپنے کمانڈر کے حکم سے مسلمانوں پر گولیاں چلانی پڑتی ہیں اور ان مسلمان فوجیوں کی گولیوں کے شکار مسلمان ہوتے ہیں، نیز بعض دفعہ جن پر گولیاں چلائی جاتی ہیں وہ مجرم اور ظالم کے بجائے مظلوم اور معصوم ہوتے ہیں، ایسے مظلوم اور معصوم پر گولی چلانے کی اجازت کیسے ہوگی؟ یہ اور اس طرح کی دیگر خرابیوں کی وجہ سے فوج کی ملازمت ناجائز معلوم ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف بہت ساری حکمتیں و مصلحتیں اور بہت سارے نکات ہیں جن سے فوج کی ملازمت جائز ہی نہیں بلکہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔

الف: حلال روزی کمانا شرعاً جائز و درست ہی نہیں بلکہ باعث اجر وثواب ہے اور حلال روزی استعمال کرنے سے عمل صالح کی توفیق ملتی ہے، کسب معاش بعض دفعہ فرض ہوجاتا ہے، کتب فقہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اتنی مقدار کمانا فرض ہے جو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے لئے کافی ہو، اسی طرح دیون کی ادائیگی کے لئے کمانا فرض ہے۔ ہر شخص کے پاس اتنے

☆ صدر مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

پیسے نہیں ہوتے کہ وہ تجارت کرسکے اور ملازمت بھی جلدی نہیں ملتی ہے۔اگر مسلمانوں کے لئے فوج کی نوکری سے روک لگادی جائے تو گویا کہ ان کو ایک جائز ذریعہ معاش سے روکا جارہا ہے۔

"فرض وهو الكسب بقدر الكفاية لنفسه وعياله وقضاء ديونه الخ"

(الفتاوی الہندیہ الباب الخامس عشر فی الکسب ۵/۳۴۸-۳۴۹)۔

(ب)-فوجیوں کا اصل کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت ہے اور حسب ضرورت ملک کے اندر امن وامان قائم رکھنا ہے اور حفظ جان، حفظ مال وحفظ عرض شریعت کے اہم اصول ہیں جن کی رعایت ضروری ہے۔ان کے پیش نظر ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور ملک میں امن وامان قائم رکھنا شرعاً محمود وپسندیدہ ہی نہیں بلکہ ضروری ہے ورنہ اگر دوسرے ملک نے حملہ کرکے قبضہ کرلیا تو جان بھی جائے گی اور مال بھی نیز عزت بھی خطرے میں پڑجائے گی۔اس اعتبار سے بھی فوج کی ملازمت ضروری ہے۔

(ج)-مسلمان عموماً سرکاری ملازمتوں میں کم ہیں،جس تناسب سے ان کو ملازمت ملنی چاہئے اس تناسب سے نہیں ملتی ہے، خاص طور سے فوج میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے اور بعض دفعہ فوجیوں کا غلط رویہ مسلمانوں کے خلاف ہوتا ہے مسلمان ان کے ظلم کے شکار ہوجاتے ہیں، اگر مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت کو بالکلیہ ناجائز قرار دیا جائے تو پھر مسلمانوں کے خلاف ظلم وبربریت کا بازار مزید گرم ہوجائے گا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ فوج کی ملازمت میں کچھ نقصان بھی ہے اور کچھ نفع بھی اور یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ نفع زیادہ ہے اور نقصان کم ہے۔جواز کے دلائل مضبوط معلوم ہوتے ہیں عدم جواز کے مقابلہ میں اور قرآنی اصول ہے: **"واثمهما اكبر من نفعهما"** جس سے یہ واضح ہے کہ اگر نفع بڑھا ہوا ہو تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز-نیز کتب اصول فقہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ جب دو خرابیاں ٹکرا جائیں تو جس میں کم نقصان ہو اس کو اختیار کرکے بڑے نقصان کو دور کیا جائے گا،اسی کو فقہاء اھون البلیتین سے تعبیر کرتے ہیں، "الاشباہ والنظائر" میں ہے:

"إذا تعارض مفسدتان، روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما، وقال الزيلعي: ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلي ببليتين وهما متساويان، ياخذ بأيتهما شآء وان اختلفاه يختار أهونهما، لأن مباشرة الحرام لاتجوز الا لضرورة" (الاشباہ والنظائر ۱/۱۴۵)۔

(جب دو خرابیاں ٹکرا جائیں تو ان میں سے جس میں نقصان کم ہو اس کو اختیار کر کے زیادہ نقصان والی خرابی کو دور کیا جائے گا- اور زیلعی نے کہا کہ اس جیسے مسائل میں اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو مصیبتوں کا شکار ہو اور وہ دونوں مصیبتیں برابر ہیں تو ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے اور اگر دونوں مختلف ہوں تو ان میں سے جس میں کم خرابی ہو اس کو اختیار کرے، اس لئے کہ حرام کا ارتکاب ضرورت کی بنیاد پر جائز ہے)، اس کے علاوہ الضرر یزال، الضرورات تبیح المحظورات اور اس جیسے دیگر مسلمہ اصول بھی فوج کی ملازمت کے جواز کی طرف مشیر ہیں۔

رہا یہ معاملہ کہ بعض دفعہ مسلمانوں پر گولیاں چلانی پڑتی ہیں اور مسلمان ہی ان گولیوں کے شکار ہوتے ہیں تو اس کی نظیر کتب فقہ میں ملتی ہے۔ فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر دشمن مسلمان بچوں کو ڈھال بنالیں تو ان پر تیر پھینکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے البتہ تیر پھینکتے وقت ان مسلمان بچوں کا قصد نہ ہو بلکہ کفار و مشرکین کا قصد کر کے تیر پھینکا جائے، فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اس صورت میں اگر کسی مسلمان کو تیر لگ جائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو کسی طرح کی دیت اور کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ اگر کفار کے غول میں مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر ہوں تو ان پر تیر پھینکنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ان مسلم قیدی اور تجار کا قصد نہیں ہوگا بلکہ کفار کا قصد کر کے تیر پھینکا جائے گا- بدائع الصنائع میں ہے:

"ولاباس برميهم بالنبال وإن علموا أن فيهم مسلمين من الاسارى والتجار لما فيه من الضرورة ...... ولكن يقصدون بذالك الكفرة دون المسلمين لأنه لاضرورة في القصد الى قتل مسلم بغير حق" (بدائع الصنائع ۹/۳۰۶)۔

"وكذا إذا تترسوا بأطفال المسلمين فلا بأس بالرمي إليهم لضرورة إقامة الفرض، لكنهم يقصدون الكفار دون الأطفال فإن رموهم فأصاب مسلما فلادية ولا كفارة" (حوالہ مذکور ۹/۳۰۷)۔

فقہاء کی اس صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر اپنے ملک کی حفاظت اور امن وامان کی بقا وتحفظ کے لئے مسلمان فوجی مد مقابل پر گولیاں چلائے اور مد مقابل میں مسلمان بھی ہوں تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی جبکہ گولی چلانے والے کی نیت مسلمان پر چلانے کی نہ ہو-البتہ پریشانی اس وقت زیادہ بڑھ جاتی ہے جبکہ مد مقابل صرف مسلمان ہوں اور کمانڈر کا حکم ہوجائے گولی چلانے کا تو پھر یہ مسلمان فوجی کیا کرے گا؟ کیا وہ اپنے کمانڈر کی بات مان کر گولی چلائے گا یا حکم نہ مان کر راہ فرار اختیار کرے گا؟ اس سلسلے میں راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے ملک نے حملہ کیا ہے جس کی فوج میں مسلمان ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ حملہ اپنے ملک کی توسیع کے لئے ہے، یہ کوئی کفر واسلام کی جنگ نہیں ہے اس لئے اپنے ملک کی سالمیت کے لئے ان پر گولی چلانے کی گنجائش ہوگی، اسی طرح اگر اندرون ملک میں کوئی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوا ہے جس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہیں ہے تو وہ باغی ہے اور اپنے ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے گولی چلانے کی اجازت ہوگی۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت شرعاً جائز ودرست ہے، البتہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ کسی پر کسی طرح کا ظلم نہ ہو اور خلاف شرع امور کے ارتکاب سے بہر حال اجتناب کریں۔

پولیس کی ملازمت:

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے پولیس کی ملازمت جائز ہے؟ اس سلسلے میں تقریباً وہی تمام تفصیلات ہیں جو فوج کی ملازمت کے سلسلے میں گزریں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حالات وضرورت کے پیش نظر مسلمانوں کے لئے شرعاً یہ جائز ہوگا کہ وہ پولیس کی ملازمت

اختیار کریں، البتہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ کسی پر ظلم نہ کریں، کسی کو ناحق نہ ستائیں، گالی گلوج، بدزبانی، بدسلوکی، ناروا سلوک اور دیگر شرعی منکرات ومنہیات سے مکمل اجتناب کریں اور اپنے عہدہ کا غلط استعمال نہ کریں، ان کا جو بھی قدم اٹھے وہ رضاء الٰہی کے لئے ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور ملک کی بقاء وسالمیت کے لئے اٹھے اور اسلامی نمونہ پیش کر کے وہ دنیا والوں کو بتادیں کہ مسلمان فوج اور مسلمان پولیس اس طرح اعلیٰ اخلاق وکردار کی ہوتی ہے۔

اس مقام پر اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارے ملک میں فوج اور پولیس میں عورتوں کی بحالی بھی بہت تیزی سے ہورہی ہے، عورتیں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہورہی ہیں تو کیا مسلمان عورتیں فوج اور پولیس کی ملازمت اختیار کرسکتی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ شریعت میں عورتوں کے لئے بھی کسب معاش جائز ہے، اس کے لئے کتاب وسنت میں واضح دلائل موجود ہیں۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں لکھا ہے:

”ومع ذالک فالإسلام لایمنع المرأۃ من العمل فلها أن تبیع وتشتری وأن توکل غیرها وان تتاجر بمالها ولیس لأحد منعها من ذالک مادامت مراعیة أحکام الشرع وأدابه“ (الموسوعۃ الفقہیہ ۷/ ۸۷)۔

(اور اس کے باوجود اسلام عورتوں کو کام کرنے سے نہیں روکتا ہے، عورتوں کو بیع وشراء اور تجارت کا حق ہوگا، وہ کسی دوسرے کو وکیل بناسکتی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کو وکیل بناسکتے ہیں اور کوئی شخص عورتوں کو کام کرنے سے نہیں روک سکتا ہے جب تک کہ وہ احکام شرع اور اس کے آداب کی رعایت کرتی رہیں)، البتہ عورتیں کام کرنے میں بالکل آزاد نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ کچھ قید وبند بھی ہے، ان کے کام کے لئے ضروری ہے کہ پردۂ شرعی کی مکمل رعایت کریں، اگر کسی جگہ پردۂ شرعی کی رعایت ممکن نہ ہو تو پھر وہاں کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، جو کام کریں وہ معصیت اور گناہ کا کام نہ ہو، اپنے کام کے لئے زیب وزینت کے ساتھ نہ نکلیں جس سے ان کی طرف لوگوں کی کشش ہو، اجنبی مردوں کے ساتھ تنہائی میں نہ رہیں سفر پر کسی غیر محرم

کے ساتھ نہ جائیں۔فوج یا پولیس کی ملازمت میں ان قیود وحدود کی رعایت عورتوں کے لئے ممکن نہیں ہے، اس لئے مسلمان عورتوں کے لئے فوج اور پولیس کی ملازمت شرعاً جائز نہیں ہے، ان پر اس سے احتراز لازم ہے۔

انٹلیجنس کی ملازمت:

تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے حکومت کے شعبہ مخبری اور انٹلیجنس میں ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کام میں غیبت اور تجسس کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے اور یہ دونوں شرعاً ممنوع وحرام ہیں۔قرآن کریم میں ان دونوں کی ممانعت صراحت کے ساتھ آئی ہے، ارشاد ربانی ہے:

"ولاتجسسوا ولايغتب بعضكم بعضا أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتاً فكرهتموه" (سورہ حجرات:۱۲)۔

(اور تجسس نہ کرو اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردار بھائی کے گوشت کو کھائے ظاہر ہے کہ تم اس کو ناپسند کروگے) گویا کہ کسی کی غیبت کرنا اپنے مردار بھائی کے گوشت کھانے کے برابر ہے۔دوسری طرف ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے، اس پس منظر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان کیا کریں، اس کی ملازمت کو اختیار کریں یا نہ کریں؟

اس سوال کے جواب سے قبل تجسس اور غیبت کے سلسلے میں تفصیلات جان لینا ضروری ہے کہ تجسس اور غیبت کسے کہتے ہیں اور کیا یہ دونوں ہر حال میں ممنوع وحرام ہیں یا کسی حال میں جائز بھی ہیں، اس سلسلے میں تفصیلات درج ذیل ہیں:

غیبت:

فقہاء کرام نے غیبت کی تعریف یوں کی ہے کہ:

کوئی شخص کسی شخص کی خرابی اور اس کی برائی کو اس کے غائبانہ میں اس طرح بیان

کرے کہ اگر وہ سنے تو اس کو تکلیف ہو اور وہ اس کو ناپسند کرے، خواہ یہ خرابی دینی و نسبی اعتبار سے ہو یا بدنی اعتبار سے، خواہ اس کے قول و فعل میں ہو یا اس کے کپڑے، مکان اور سواری میں ہو۔ علامہ علاء الدین الحصکفی اپنی شہرۂ آفاق کتاب الدر المختار میں رقم طراز ہیں:

''الغيبة أن تصف أخاک حال كونه غائبا بوصف يكره إذا سمعه''

علامہ ابن عابدین شامی اس ذیل میں فرماتے ہیں:

''سواء كان نقصا في بدنه أو نسبه أو خلقه أو فعله أو قوله أو دينه حتى في ثوبه أو داره او دابته كما في تبيين المحارم الخ'' (الدر المختار مع رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۵/ ۲۶۳)۔

غیبت کی مذکورہ تعریف کی بنیاد وہ حدیث پاک ہے جس کی روایت امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے کہ: حضور علیہ السلام نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کے اندر کی خرابی کو اس طرح بیان کرے جس کو وہ ناپسند کرے تو یہ غیبت ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! اگر اس کے اندر وہ خرابی موجود ہو پھر بھی اس کے بیان کرنے پر وہ غیبت میں شمار ہوگا؟ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی صورت میں وہ غیبت ہوگا، اگر وہ خرابی اس کے اندر نہ ہو اور اس کو تم بیان کرو تو وہ بہتان ہے جو غیبت سے بڑھا ہوا ہے۔

''عن ابي هريرة ان رسول الله ﷺ قال: أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله اعلم قال: ذكرک أخاک بمايكره قيل: أفريت إن كان في أخي ماأقول؟ قال: إن كان فيه ماتقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه فقد بهته'' (الصحیح لمسلم باب تحریم الغیبۃ ص ۲/۳۲۲)۔

غیبت کا شرعی حکم:

یہ تو غیبت کی تعریف ہوئی، جہاں تک اس کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو علامہ ابن عابدین

شامی نے فقیہ ابواللیث کی کتاب تنبیہ الغافلین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غیبت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) کفر (۲) نفاق (۳) معصیت (۴) مباح

کفر:

غیبت کرنے والا اس کو جائز و حلال سمجھ کر کرے تو یہ کفر ہوگا، اس لئے جس غیبت کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے اس کو وہ حلال سمجھ رہا ہے اور یہ کفر ہے۔

نفاق:

اگر کوئی شخص کسی کا نام لئے بغیر اس شخص کے سامنے غیبت کرے جو یہ سمجھ رہا ہے کہ کس کی غیبت ہو رہی ہے تو غیبت کرنے والا اگر چہ یہ سمجھے کہ میں غیبت نہیں کر رہا ہوں پھر بھی وہ حقیقت میں غیبت کرنے والا ہوگا اور چونکہ اس صورت میں ظاہر باطن کے خلاف ہے، اس لئے یہ صورت نفاق کی ہوئی۔

معصیت:

اگر کوئی شخص کسی متعین شخص کی غیبت کرے اور غیبت کو وہ معصیت اور گناہ بھی سمجھے تو یہ معصیت ہے، ایسے شخص پر توبہ و استغفار لازم ہے۔

مباح:

کسی فاسق کے فسق ظاہر کو یا کسی بدعتی کی بدعت کو بیان کرنا تا کہ لوگ سمجھ لیں اور دھوکہ نہ کھائیں یہ شرعاً جائز و درست ہے، اس پر ممنوع و حرام غیبت کا اطلاق نہیں ہوگا۔

"وفي تنبيه الغافلين للفقية أبي الليث الغيبة على أربعة أوجه: هي كفر بأن قيل له: لا تغتب فيقول: ليس هذا غيبة لأني صادق فيه فقد استحل ما حرم با لأدلة القطعية وهو كفر، و في وجه هي نفاق بأن يغتاب من لا يسميه عند من يعرفه فهو مغتاب ويرى من نفسه انه متورع فهذا هو النفاق، وفي وجه هي معصية وهو أن يغتاب معينا ويعلم أنها معصية فعليه التوبة وفي وجه هي مباح وهو ان يغتاب معلنا بفسقه أو صاحب بدعة وان اغتاب الفاسق ليحذره الناس

يثاب عليه، لأنه من النهي عن المنكر" (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ ص ۵/۲۶۲)۔

کتب فقہ میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص صوم وصلوۃ کا پابند ہو اور لوگوں کو نقصان پہونچاتا ہو تو اس کی اس خرابی کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا تا کہ لوگ اس کی نماز، روزہ اور اس کی ظاہری دینداری سے دھوکہ کھا کر نقصان نہ اٹھائیں غیبت نہیں ہے، اسی طرح کسی حکمت ومصلحت اور اصلاح کی غرض سے رعایا کی خرابیوں کو سلطان اور قاضی کے سامنے یا اولاد کی خرابیوں کو والدین کے سامنے یا کسی ماتحت کی خرابیوں کو اس کے ذمہ دار کے سامنے پیش کرنا جبکہ اصلاح کی امید ہو تو یہ شرعا جائز ودرست ہے، ممنوع اور حرام غیبت میں شامل نہیں ہے (دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار ص ۵/۲۶۲)۔

علامہ نووی نے مسلم کی شرح نووی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت (جو غیبت سے متعلق ہے) کے ذیل میں تفصیل سے لکھا ہے کہ کن کن صورتوں میں غیبت جائز ہے، مثلا: اگر کوئی مظلوم کسی حاکم یا قاضی کے سامنے ظلم کو انصاف حاصل کرنے کے لئے بیان کرے یا کوئی شخص منکرات کو دور کرنے کی غرض سے ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو منکرات کو دور کرنے پر قادر ہوں یا کسی کے ظلم کو بیان کر کے مفتی سے فتوی طلب کیا جائے کہ اس کا شرعی حکم اور اس سے خلاصی کی صورت کیا ہے، یا مسلمانوں کو فتین کے فتنہ اور شر پسندوں کے شر سے بچانا مقصود ہو یا جس کا لقب اعمش، اعرج، ازرق، قصیر، طویل وغیرہ ہو تو اس کے تعارف کے لئے اس کے لقب کے ساتھ ذکر کرنا یہ اور اس طرح کے دیگر امور میں غیبت کی شرعا اجازت ہے (نووی ۲/ ۲۲۲ باب تحریم الغیبۃ)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غیبت ہر حال میں حرام نہیں ہے بلکہ وہ غیبت حرام ہے جس میں دوسروں کی تحقیر، تنقیص اور تکلیف پہونچانا مقصود ہو، اگر کوئی حکمت ومصلحت اور اصلاح مقصود ہو تو وہ غیبت حرام نہیں ہے۔

تجسس کا معنی:

تجسس کا معنی ہے خبروں کو تلاش کرنا، کسی کے ٹوہ میں پڑنا، اسی سے جاسوس ہے، اس

لئے کہ وہ خبروں کو تلاش کرتا ہے اور باطنی امور کی جستجو میں رہتا ہے۔الموسوعۃ الفقہیہ میں المصباح المنیر کے حوالہ سے لکھا ہے:"**التجسس لغة:تتبع الاخبار.....ومنه الجاسوس،لأنه يتتبع الأخبار ويفحص عن بواطن الأمور**"(موسوعہ فقہیہ ۱۰/۱۶۱)۔

تجسس کا شرعی حکم:

الموسوعہ میں تجسس کا حکم شرعی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱)حرام (۲)واجب(۳)مباح

تجسس حرام:

مسلمانوں کے خلاف تجسس اصلاحرام ہے جبکہ مقصود پردہ دری اور تذلیل وتنقیص ہو۔کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت آئی ہے۔

تجسس واجب:

اگر چور ڈاکو اپنے ٹھکانوں میں ہوں اور لوگ ان کی چوری اور ڈکیتی سے پریشان ہوں تو ایسی صورت میں تجسس کرکے ان کو کھوج نکالنا واجب ہے،یہاں تک کہ ان کو قتل کردیا جائے یا جلاوطن کردیا جائے۔

تجسس مباح:

دشمنوں کے لشکر کی تعداد اور ان کے ہتھیار معلوم کرنے اور وہ کہاں ہیں اس کا پتہ لگانے اور اس طرح کی دیگر خبروں سے متعلق جاسوسی شرعاجائز و درست ہے(سابقہ حوالہ)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں تجسس حرام نہیں ہے بلکہ تجسس کا مقصد غلط ہو،کسی کو رسوا کرنا اور ذلیل کرنا مقصود ہوتو وہ تجسس حرام ہے اور جس تجسس کا مقصد کوئی حکمت ومصلحت ہو اور کسی فتنہ سے بچانا مقصود ہوتو وہ جائز و درست ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملک کی سالمیت اور اس کے امن وامان کی بقاو تحفظ کے لئے اور ملک کو فتنوں سے بچانے کے لئے تجسس جائز و درست ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ حکومت کے شعبۂ مخبری اور انٹیلیجنس میں مسلمانوں کے لئے ملازمت شرعاً جائز و درست ہے جبکہ مقصود ملک کی سلامتی، امن و امان کا قیام اور جرائم کی روک تھام ہو۔اس کی بنیاد اسلام میں بھی موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی بعض غزوات میں جاسوس بھیج کر دشمنوں کی خبروں کو معلوم کیا جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر حضرت حذیفہؓ کو دشمنوں کے احوال اور ان کی خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور ان کی خبر پر آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا۔

اس سے واضح ہوا کہ جاسوسی کا عمل فی نفسہ جائز و درست ہے، مسلمان اس ملازمت کو اختیار کر سکتے ہیں، البتہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ خلاف شرع امور کے ارتکاب سے بچتے رہیں۔

واضح رہے کہ چونکہ اس شعبہ میں بھی عورتوں کے لئے پردہ شرعی کی رعایت ممکن نہیں ہے اور عزت و آبرو کو شدید خطرہ لاحق ہے، عموماً مردوں سے اختلاط ہوتا ہے، اس لئے اس شعبہ میں بھی مسلمان عورتوں کے لئے ملازمت جائز نہیں ہے، ان پر اس سے احتراز لازم ہے۔

سرکاری عدالتوں کی ملازمت:

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے سرکاری عدالتوں میں ملازمت جائز و درست ہے؟ یہاں کا دستور اور قانون کتاب و سنت پر مبنی نہیں ہے بلکہ بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں، ان خلاف شرع قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والا مسلم جج بنص قرآنی فاسق، ظالم اور کافر ہوگا، جبکہ انصاف کی فراہمی، ظلم و حق تلفی کی روک تھام کے لئے عدلیہ کا یہ نظام ضروری ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس شعبہ میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے، اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر بالکلیہ ہی مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہو جائے گی اور اس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ سوال ہندوستان جیسے ملک کے لئے ہے جہاں ہم رہتے ہیں، غور کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہاں کی عدالت میں بھی دستوری طور پر مسلمانوں کی

نزاعات ومقدمات اسلامی قوانین کے مطابق فیصل ہوتے ہیں، ان کا کوئی بھی مقدمہ کا اسلامی قانون کے خلاف فیصلہ نہیں ہوتا ہے، اگر ملک کا کوئی قانون ایسا بنتا ہے جس سے شریعت اسلامی میں مداخلت ہوتی ہے تو ہمارے علماء خاص طور سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داران اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور پوری تحریک چلا کر اس قانون میں ترمیم کراتے ہیں۔ اگر کسی جج کا فیصلہ اسلامی قانون کے خلاف ہوتا ہے تو اس کے خلاف لڑائیاں لڑی جاتی ہیں اور چونکہ ہندوستان جمہوری ملک ہے اس لئے ہماری آواز پر توجہ بھی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ غیر مسلموں کے معاملات میں جو قوانین ہوں وہ اسلامی قوانین سے متصادم ہوں، ظاہر ہے کہ ان کا فیصلہ ان کے قانون کے مطابق ہوگا۔ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس وقت رشوت کا بازار ہر طرف گرم ہے، فیصلے بھی خریدے جاتے ہیں، مقدمہ بازوں کے یہ جملے برابر سننے کو ملتے ہیں کہ ہم تو فیصلے خرید لیں گے، یعنی یہ جانتے ہوئے کہ ناحق پر ہیں پھر بھی وہ لڑتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ اپنے حق میں کرالیں گے جس کی وجہ سے صاحب حق کو حق نہیں مل پاتا ہے اور مظلوم کی دادرسی نہیں ہو پاتی ہے، ان حالات میں صاحب تقویٰ، خداترس اور دیندار مسلم ججوں کی ضرورت ہے جو انصاف پر مبنی فیصلے کرسکیں اور اسلامی نمونہ پیش کر کے دنیا والوں کو یہ بتادیں کہ حق، صاحب حق تک کس طرح پہنچتا ہے تاکہ ظالموں کو ظلم کی جرأت نہ ہو۔ تیسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس شعبہ میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے، ججوں کی کرسی پر مسلمان شاید ہی نظر آتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس شعبہ کی ملازمت شرعاً جائز و درست ہے۔ البتہ اگر کسی موقع پر اسلامی قوانین سے کوئی قانون ٹکرائے تو اس وقت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے، اگر ممکن ہو تو جمع وتطبیق کی صورت اختیار کریں۔

انکم ٹیکس کی ملازمت:

سرکاری ملازمتوں میں سے ایک ملازمت انکم ٹیکس کی بھی ہے جس میں مخصوص مقدار سے زاید آمدنی پر حکومت کی طرف سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ ٹیکس

ظالمانہ ہے، اس کی آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور ان کی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کیا جاتا ہے، نیز اس میں لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلے میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا انکم ٹیکس کے شعبوں میں مسلمانوں کے لئے ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی، ہندوستانی حکومت بھی اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے بہت سارے ٹیکس لیتی ہے جس میں سے ایک ٹیکس وہ بھی ہے جس کو انکم ٹیکس کے نام سے جانا جاتا ہے، اس رقم کو بہت سے رفاہی کاموں میں خرچ کرتی ہے، اس ٹیکس کو ناروا اور ظالمانہ ٹیکس کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کو ظالمانہ ٹیکس کہنے کی صورت میں حکومت کے لئے اپنے نظام کو قائم رکھنا دشوار ہوگا- بہر حال! سابقہ تفصیلات کی روشنی میں اس شعبہ کی ملازمت بھی مسلمانوں کے لئے شرعاً جائز و درست ہے اور لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں جو تجسس کرنا پڑتا ہے اس کی بھی گنجائش ہے، جہاں تک اس ٹیکس کی رقم کو حکمرانوں کی عیش کوشی اور غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کرنے کی بات ہے تو یہ ان کا اپنا عمل ہے وہ خود جواب دہ ہوں گے، اس کی وجہ سے دوسروں کے لئے اس شعبہ کی ملازمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بینک کی ملازمت:

جہاں تک ان ملازمتوں کا تعلق ہے جن کے لئے سرکاری ہونا ضروری نہیں ہے لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں جیسا کہ بینک کی ملازمت تو اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ اس کا نظام سودی کاروبار پر قائم ہے اور سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وأحل الله البيع وحرم الربوا" (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا) (قرآن کریم سورہ بقرہ آیت: ۲۷۵)۔

"يمحق الله الربوا ويربى الصدقات" (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے) (قرآن کریم سورہ بقرہ آیت: ۲۷۶)۔

جولوگ سودی کاروبار کونہیں چھوڑتے ہیں ان کے لئے قرآن کریم نے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے سود لینے والے، دینے والے، اس کو لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے سب پر لعنت فرمائی ہے اور گناہ میں سب کو برابر کا شریک قرار دیا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

"لعن رسول الله ﷺ آکل الربوا ومؤکله وکاتبه وشاهديه وقال: هم سواء" (مسلم شریف ۲/۲۷)۔

علامہ نووی نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

"هذا تصريح بتحريم كتابة المبايعة بين المترابيين والشهادة عليهما وفيه تحريم الإعانة على الباطل" (حوالہ مذکور)۔

(یہ اس بات کی صراحت ہے کہ دو سودی کاروبار کرنے والوں کے معاملہ کو لکھنا اور اس کی شہادت دینا اور غلط و ناجائز کاموں میں مدد کرنا حرام ہے)۔

اس لئے سود کی حرمت، اس کی شناعت و قباحت (جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے) کے پیش نظر بینک کی وہ ملازمت جس میں سودی کاروبار لکھنا پڑھنا پڑتا ہے شرعاً ناجائز و حرام ہے، ہر مسلمان پر اس سے احتراز لازم ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ملازمت کر رہا ہے اور اس کے پاس دوسرا جائز ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو اس کے لئے **"الضرورات تبيح المحظورات"** اور **"الضرر يزال"** اور اس جیسے دیگر اصول کے پیش نظر اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ بدرجۂ مجبوری ملازمت کرتا رہے اور دوسرے جائز ذرائع آمدنی کی تلاش میں رہے، جب دوسرا جائز ذریعہ آمدنی مل جائے تو بینک کی ملازمت کو چھوڑ دے اور ملازمت کے دوران توبہ و استغفار کرتا رہے۔

بینک کا وہ کام جس کا تعلق سودی کاروبار لکھنے پڑھنے سے نہ ہو:

اس مقام پر یہ سوال بہت ہی اہم ہے کہ بینک کا وہ کام جس کا تعلق پیسے کے لین دین

اور سودی حسابات کے لکھنے پڑھنے سے نہیں ہے، جیسے بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا یہ اور اس طرح کا دوسرا کام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ان سب کاموں میں ایک طرف تو یہ ہے کہ ان کا تعلق براہ راست سودی معاملات سے نہیں ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سب کام جائز ہوں، لیکن دوسری طرف ان سب کاموں میں سودی معاملات میں کسی نہ کسی درجہ میں تعاون لازم آ رہا ہے اور یہ سب کام معصیت کا سبب بنتے ہیں جبکہ گناہ کے کاموں میں تعاون بنص قرآنی ممنوع وحرام ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سب کام بھی ناجائز اور باعث گناہ ہوں، اس طرح کے بے شمار جزئیات ونظائر کتب فقہ میں موجود ہیں، مثلاً عصیر عنب (انگور کا شیرہ) کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شراب بنائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ومکروہ ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ معصیت خود عصیر عنب کے ساتھ قائم نہیں ہے بلکہ اس میں تغیر کے بعد اس کو شراب بنالیتے ہیں تو معصیت آتی ہے اور یہ فروخت کرنے والے کا عمل نہیں ہے بلکہ خریدار کا عمل ہے اور صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ یہ گناہ کے کاموں میں تعاون دینا ہے، اس لئے ناجائز ومکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

”وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره وقيل يكره لاعانته على المعصية، وفي رد المحتار (قوله جاز أي عنده لاعندهما“ (الدر المختار مع رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۵/۲۵۰)۔

اور اگر امرد کی بیع کسی لوطی سے ہو یا ہتھیار کی بیع باغیوں اور اہل حرب سے ہو تو یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی ممنوع ومکروہ ہے، اس لئے کہ ان صورتوں میں معصیت خود امرد اور ہتھیار کے ساتھ قائم ہے جس کی بیع ہو رہی ہے۔

”بخلاف بيع أمرد لمن يلوط به وبيع سلاح من أهل الفتنة، لأن المعصية تقوم بعينه“ (حوالہ مذکور)۔

اسی طرح یہ جزئیہ بھی موجود ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کنیسہ یا مندر یا غیر مسلموں کی کسی دوسری عبادت گاہ کی تعمیر میں کام کرے یا کسی کی شراب کو اٹھا کر دوسری جگہ لے جائے خواہ اپنے اوپر رکھ کر یا اپنے کسی جانور پر رکھ کر لے جائے، اسی طرح کسی کو اپنا مکان غیر مسلموں کو ان کی عبادت کے لئے دے یا شراب فروخت کرنے کے لئے دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز و مکروہ ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تجارت اور عمل فی نفسہ جائز ہے، اسی طرح اپنا مکان کرایہ پر دینا بھی فی نفسہ جائز ہے، معصیت دوسرے فاعل مختار کے عمل سے آتی ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ گناہ کے کاموں میں تعاون ہے جو جائز نہیں ہے (حوالہ مذکور)۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار مسائل کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں اور کافی الجھے ہوئے اور باہم متعارض ہیں جس کی وجہ سے کوئی حتمی فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہونچنا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو حقیقت ہے کہ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں گناہ کے کاموں میں تعاون لازم آ رہا ہے اور گرچہ یہ اعمال فی نفسہ جائز ہیں، لیکن کسی معصیت کے ارتکاب کا سبب تو ضرور بن رہے ہیں اور کسی گناہ کے کام میں تعاون دینا یا کسی گناہ کا سبب بننا جائز ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس دائرہ کو اگر وسیع کر دیا جائے تو پھر گناہ سے بچنا ممکن نہیں رہے گا، اس لئے کہ کاشتکار جو کھیتی کرتا ہے اور غلہ اگاتا ہے یہ بھی چوروں، ڈاکوؤں، زانیوں اور دوسرے غلط کام کرنے والوں کے کاموں میں تعاون دینے والا سمجھا جائے گا کیونکہ کھیت سے پیدا ہونے والا غلہ ان سب کی خوراک ہوتا ہے۔ اسی طرح ہتھیار بنانا بھی ناجائز رہے گا، اس لئے کہ خریدار بعض دفعہ اس کا غلط استعمال بھی کرتا ہے، لہٰذا اس معاملہ میں بہت زیادہ غور و فکر اور پوری گہرائی و گیرائی کے ساتھ کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ پر اور فقہ و فتاوی کی کتابوں میں ان منتشر اور الجھے ہوئے مسائل پر گہری نظر ڈالنے کے بعد جو تفصیلات سامنے آتی ہیں وہ ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں جن سے ان شاء اللہ مسائل کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور ان کی

پیچیدگی دور ہوگی۔

اس بحث میں دو بنیادی باتیں ہیں:(۱) **تعاون علی المعصیۃ (۲) تسبب للمعاصی۔**

تعاون علی المعصیۃ:

نصوص قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ گناہ کے کاموں میں تعاون دینا ممنوع وحرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"**ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**" (سورہ مائدہ)۔

البتہ یہ کب سمجھا جائے گا کہ گناہ کے کام میں تعاون ہوا؟ اس سلسلے میں یہ واضح رہے کہ اس کا مدار قصد و نیت پر ہے، اگر کام کے وقت معصیت کا قصد وارادہ ہو تو یہ تعاون علی الاثم والعدوان میں شمار ہو کر ممنوع وحرام ہوگا، معصیت کا قصد وارادہ کی صورت یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت ہی گناہ کا قصد وارادہ ہو یا معاملہ کرتے وقت ہی متعاقدین میں سے کسی ایک کی جانب سے گناہ کے کام کی صراحت ہو جائے۔اور حکماً کی صورت یہ ہے کہ وہ چیز گناہ کے کام کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال ہی نہ ہو، جیسے طبلہ، سارنگی اور مختلف قسم کے آلات موسیقی، ان کا بنانا اور فروخت کرنا اگر چہ معصیت کے ارادہ سے نہ ہو پھر بھی حکماً معصیت کا قصد سمجھا جائے گا اور ممنوع ہوگا۔اور اگر معصیت کا قصد نہ حقیقۃً ہو اور نہ ہی حکماً تو گناہ کے کام میں تعاون نہیں سمجھا جائے گا، الاشباہ والنظائر میں نیت کی بحث کے ذیل میں لکھا ہے:

"**ان بیع العصیر ممن یتخذ خمرا ان قصد بہ التجارۃ فلایحرم وان قصد لأجل التخمیر حرم**" (الاشباہ والنظائر:۵۳)۔

(انگور کا شیرہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو شراب بنائے گا اگر اس بیع سے اس کی نیت تجارت کی ہو تو یہ حرام نہیں ہے اور اگر شراب بنانے کی نیت سے ہو تو یہ حرام ہے)۔

کتب فقہ میں جہاں یہ صراحت ہے کہ کسی کی شراب کو منتقل کرنا خواہ خود اٹھائے یا اپنی سواری پر اٹھا کر لے جائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ اجارہ شراب اٹھا کر

لے جانے پر ہے اور یہ نہ تو خود معصیت ہے اور نہ ہی معصیت کا سبب ہے، معصیت تو فاعل مختار کے فعل سے آتی ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ شراب کو منتقل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کا مالک اس کو پیئے ہی بلکہ وہ اس سے سرکہ بھی بنا سکتا ہے اگر پیتا ہے تو یہ اس کا عمل ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ و ممنوع ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے شراب کے سلسلے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ہے، ان میں سے ایک اس کو ڈھونے والا بھی ہے، اس حدیث کا جواب امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ شراب اٹھانے والے سے مراد وہ شخص ہے جو معصیت کے ارادہ سے اٹھائے۔ درمختار میں ہے:

”**وجاز تعمیر کنیسة وحمل خمر ذمی بنفسه او دابته بأجر**“ علامہ ابن عابدین شامی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”**(قوله وحمل خمر ذمی) قال الزیلعي: وهذا عنده وقالا: هو مکروه، لأنه علیه الصلوٰة والسلام لعن في الخمر عشرة وعد منهاحاملها، وله أن الإجارة علی الحمل وهو لیس بمعصیة ولاسبب لها وانما تحصل المعصیة بفعل فاعل مختار ولیس الشرب من ضرورات الحمل لأن حملها قد یکون للإراقة أو للتخلیل فصار کما إذا استأجره لعصر العنب أو قطعه والحدیث محمول علی الحمل المقرون بقصد المعصیة** (الدرالمختار مع ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۵/۲۵۱)۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص معصیت کے قصد و ارادہ سے شراب کو منتقل کرتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی ناجائز ہوگا۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی نے اس مسئلہ پر کہ انگور کو نچوڑ کر شیرہ تیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بحث کرتے ہوئے جواز اور عدم جواز کی دونوں رائیں ذکر کی ہیں اور ان دونوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ولعل المراد هنا عصر العنب علی قصد الخمریة فإن عین هذا الفعل معصیة بهذا القصد" (الدر المختار مع رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۵/۲۵۱)۔

یعنی انگور کا نچوڑنا فی نفسہ جائز ہے اور جو لوگ اس کو نا جائز قرار دیتے ہیں شاید ان کی مراد یہ ہو کہ انگور کو شراب بنانے کے قصد و ارادہ سے نچوڑا جائے، اس لئے کہ اس نیت سے انگور کو نچوڑنے کا عمل معصیت و گناہ ہے۔

مذکورہ بالا فقہی عبارتوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تعاون علی المعصیۃ کا مدار معصیت کے قصد و ارادہ پر ہے اور اس طرح کے تمام مسائل میں اگر معصیت کا قصد و ارادہ ہو تو بالاتفاق وہ تعاون علی المعصیۃ میں شمار ہو کر ناجائز و حرام ہوگا۔ اور اگر معصیت کا قصد و ارادہ نہ ہو تو وہ اعانۃ علی المعصیۃ میں شامل نہیں ہوگا۔

تسبب للمعصیۃ:

البتہ اس سے ملتی جلتی ایک چیز تسبب ہے، یعنی اگر کوئی شخص لوگوں کے لئے اچھے کام کا سبب بنتا ہے، کوئی اچھا راستہ اختیار کرتا ہے جس پر لوگ چل کر اچھے بنتے ہیں تو جتنے لوگ وہ اچھے کام کریں گے اس کا ثواب ان کو بھی ملے گا، اور جو سبب بنا ہے اس کو بھی ملے گا۔ اور اگر کوئی غلط اور گناہ کے کام کا سبب بنے، کوئی غلط راستہ اختیار کرے تو جتنے لوگ اس غلط راستہ پر چلیں گے ان سبھوں کو اس کا گناہ ہوگا اور جو شخص اس کا سبب بنا ہے اس کو بھی گناہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها" (سورہ نساء: ۸۵)۔

(جو شخص اچھی سفارش کرے تو اس کو اس کا حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے تو اس کو اس کا حصہ ملے گا)۔

مشکوۃ شریف میں مسلم شریف کی روایت ہے:

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ: من دعا إلی هدیً کان له من الأجر مثل أجور من تبعه لاینقص ذالک من أجورهم شیئا، ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الإثم مثل آثام من تبعه لاینقص ذالک من آثامهم شیئا" رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص:۲۹، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول)۔

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات وروایات سے یہ بات واضح ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کا ذریعہ وسبب بنے تو اس کو بھی گناہ ہوگا ایک کام فی نفسہ جائز ہے، لیکن وہ دوسرے گناہ کا ذریعہ بن رہا ہے تو وہ جائز کام بھی ناجائز ہوجائے گا، فقہاء کرام نے اس کو سد ذرائع سے بھی تعبیر کیا ہے، البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ سبب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سبب قریب (۲) سبب بعید۔

پھر سبب قریب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ سبب ہے جو گناہ کے لئے محرک ہو یعنی وہ سبب ہی بہ ظاہر گناہ کے صادر ہونے کا ذریعہ ہو، اگر وہ سبب نہ ہو تو گناہ کے صادر ہونے کی کوئی ظاہری وجہ نہ ہو۔

(۲) سبب قریب کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ گناہ کے لئے محرک نہ ہو بلکہ معصیت کسی فاعل مختار کے اپنے فعل سے صادر ہو۔

سبب قریب کی پہلی قسم:

سبب قریب کی پہلی قسم جو گناہ کے لئے محرک ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کے اسباب معصیت کا ارتکاب کرنے والا درحقیقت معصیت ہی کا مرتکب سمجھا جائے گا، درمیان میں کسی فاعل مختار کے حائل ہوجانے سے معصیت کی نسبت اس سے منقطع نہیں ہوگی بلکہ معصیت کی نسبت اسی کی جانب کی جائے گی-جیسا کہ قرآن کریم میں معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ ان کے ماننے والے بھی ہمارے معبود حقیقی کو برا بھلا کہیں گے-گویا کہ یہ ایسا سبب ہے جو معصیت کا محرک بن رہا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم"

(سورہ انعام:۱۰۸)۔

(اور تم ان کو برا نہ کہو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہیں پھر یہ لوگ اللہ کو بغیر سمجھے محض دشمنی میں برا کہنے لگیں گے)۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

اس سے ایک اصول یہ نکل آیا کہ جو کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز بلکہ کسی درجہ میں محمود بھی ہو مگر اس کے کرنے سے کوئی فساد لازم آتا ہو یا اس کے نتیجہ میں لوگ مبتلائے معصیت ہوتے ہوں تو وہ کام بھی ممنوع ہوجاتا ہے کیونکہ معبودان باطلہ یعنی بتوں کو برا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہےاور ایمانی غیرت کے تقاضہ سے کہا جائے تو شاید اپنی ذات میں ثواب اور محمود بھی ہو مگر چونکہ اس کے نتیجہ میں یہ اندیشہ ہوگیا کہ لوگ اللہ جل شانہ کو برا کہیں گے تو بتوں کو برا کہنے والے اس برائی کا سبب بن جائیں گے، اس لئے اس جائز کام کو بھی منع کر دیا گیا (معارف القرآن ۳/۴۲۱)۔

اسی طرح قرآن کریم میں امہات المومنین کو نرم گفتگو کرنے سے منع کیا گیا جس کے سبب منافقین اور فساق و فجار کو غلط امیدیں بندھ جائیں۔اور عورتوں کو زیب و زینت کے ساتھ بن سنور کر نکلنے سے منع کیا گیا، اس لئے کہ یہ گناہ کے لئے محرک ہے۔اسی طرح حدیث شریف میں دوسروں کے ماں باپ کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب بنے گا۔

کتاب وسنت کی مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو کام فی نفسہ جائز ہوں لیکن دوسرے ناجائز اور گناہ کے کام کے لئے محرک اور اس پر ابھارنے والے ہوں تو وہ بھی ناجائز ہوں گے، خواہ اس میں معصیت کا قصد ہو یا نہ ہو۔

سبب قریب کی دوسری قسم:

اس کے علاوہ وہ اسباب معصیت کے لئے محرک اور اس پر ابھارنے والے نہ ہوں بلکہ کسی فاعل مختار کے فعل سے سرزد ہوں جیسے عصیر عنب کو کسی شراب بنانے والے کے ہاتھ فروخت کرنا یا شراب کو ڈھونے کے لئے اپنے آپ کو یا اپنی کسی سواری کو اجارہ پر دینا، یا اپنا مکان کسی کو کرایہ پر دینا اور وہ اس میں اپنے دھرم کے مطابق عبادت کرے یا اس میں شراب فروخت کرے، یہ اور اس طرح کے دیگر مسائل میں یہ اسباب معصیت کے لئے محرک نہیں ہیں بلکہ خریدار یا کرایہ پر لینے والا شخص اپنے اختیار سے معصیت کا مرتکب ہوتا ہے، اس قسم کے اسباب معصیت کا حکم یہ ہے کہ:

الف: اگر معاملہ کرتے وقت ہی معصیت کی صراحت ہو جائے یعنی معاملہ کرتے وقت ہی خریدار کہہ دے کہ میں یہ عصیر عنب شراب بنانے کے لئے خرید رہا ہوں یا شراب کا مالک کہہ دے کہ میری اس شراب کو میرے گھر تک پہنچا دو میں پیوں گا یا مکان کرایہ پر لیتے وقت ہی کرایہ دار کہہ دے کہ میں اس کو بت خانہ بناؤں گا تو ایسی صورت میں معصیت کا قصد ہونے کی وجہ سے یہ معاملات نا جائز ہوں گے۔

ب: اس طرح کی صراحت معاملہ کرتے وقت تو نہ ہو البتہ یہ معلوم ہو کہ عصیر عنب خریدنے والا شراب بنائے گا یا امرد کو خریدنے والا اس سے سیہ کاری کرے گا یا شراب منتقل کرانے والا اس کو پئے گا یا مکان کرایہ پر لینے والا اس کو بت خانہ بنائے گا یا اس میں شراب فروخت کرے گا تو یہ مکروہ ہوگا، البتہ مکروہ تنزیہی ہوگا یا مکروہ تحریمی؟

اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر معصیت خود اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو تو ایسی صورت میں مکروہ تحریمی ہوگا جیسا کہ امرد کو کسی لوطی کے ہاتھ فروخت کرنا یا ہتھیار کسی باغی اور حربی کے ہاتھ فروخت کرنا کہ معصیت خود امرد اور ہتھیار کے ساتھ قائم ہوتی ہے ان کی حقیقت بدلنے کے بعد معصیت نہیں آتی ہے۔ اور اگر معصیت خود اس کی ذات کے ساتھ قائم نہ ہو بلکہ اس میں

تغیر وتبدل کے بعد معصیت آئے تو ایسی صورت میں مکروہ تنزیہی ہوگا جیسا کہ انگور کے شیرہ کو فروخت کرنا، اس میں معصیت انگور کے شیرہ میں نہیں آتی ہے بلکہ اس کی ہیئت اور حقیقت بدلنے کے بعد آتی ہے- درمختار میں ہے:

"أن ماقامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً و الافتنزيها" (الدرالمختار علی ہامش ردالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۲۵۰/۵)۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ یہ کیسے سمجھا جائے گا کہ معصیت شئ کی ذات کے ساتھ قائم ہوئی یا اس میں تغیر کے بعد آئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس حالت میں شئ کو لیا ہے اسی حالت میں معصیت کا ارتکاب کرنا پڑے تو کہا جائے گا کہ معصیت اس شئ کی ذات کے ساتھ قائم ہوئی اور اگر اس حالت میں تغیر وتبدل کے بعد دوسری حالت پیدا ہوگئی پھر معصیت آئی تو کہا جائے گا کہ شئ کے ساتھ معصیت قائم نہیں ہے بلکہ اس میں تبدیلی کے بعد معصیت آئی- جیسا کہ ردالمختار میں ہے:

(قوله لاتقوم بعينه الخ) يؤخذ منه أن المراد بما لاتقوم المعصية بعينه مايحدث له بعد البيع وصف اٰخر يكون فيه قيام المعصية وإن ماتقوم المعصية بعينه ماتوجد فيه عن وجه لموجود حالة البيع كالامرد والسلاح" (الدرالمختار علی ہامش ردالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۲۵۰/۵)۔

ج:- اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ خریدار یا کرایہ پر لینے والا کیا کرے گا تو ایسی صورت میں بلا کراہت جائز ہے، جیسا کہ کوئی غیر مسلم مکان کرایہ پر رہنے کے لئے لے اور کرایہ پر لینے کے بعد اس میں اپنے دھرم کے مطابق عبادت کرے یا اس میں شراب فروخت کرے یا عصیر عنب خریدا اور فروخت کرنے والے کو معلوم نہیں کہ خریدار کیا کرے گا تو ایسی صورت میں یہ معاملات بالاتفاق بلا کراہت جائز ہوں گے۔ ردالمختار میں ہے:

"(قوله لمن يعلم) فيه اشارة إلى أنه لو لم يعلم لم يكره بلاخلاف"

(حوالہ مذکور)۔

سبب بعید:

اور اگر کام فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود کسی معصیت کا سبب بن رہا ہو، لیکن دور کا سبب ہو جیسا کہ لوہا کسی باغی یا حربی کے ہاتھ یا انگور کسی شراب بنانے والے کے ہاتھ یا اینٹ اور لکڑی کسی مندر بنانے والے کے ہاتھ یا غلہ کسی چور اور ڈاکو کے ہاتھ فروخت کرنا یا ٹیلی ویژن کی مرمت یا کسی بینک کے کمپیوٹر اور ایر کنڈیشن کی مرمت یا بینک کے مکان کی حفاظت، یہ اور اس طرح کے دیگر جائز کام ارتکاب معصیت کے لئے سبب بعید ہیں- ان کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ خریدار یا کرایہ پر لینے والا شخص غلط استعمال کرے گا تو پھر یہ کام مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور اگر معلوم نہ ہو کہ خریدار یا کرایہ دار کیا کرے گا تو بلا کراہت جائز و درست ہوگا۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ جلد دوم میں تفصیلی بحث کی ہے جو بہت ہی قیمتی ہے۔ دو رسالے ہیں، ایک عربی میں جو بہت ہی تفصیلی ہے اور ایک اردو میں ہے جو مختصر ہے۔ ان دونوں رسالوں کا مطالعہ بہت ہی مفید ہے، میں نے اس مسئلہ میں ان دونوں رسالوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

بینک کے کمپیوٹر، ایئر کنڈیشن کی مرمت اور اس کی حفاظت اور بینک کے مکان کی تعمیر کا شرعی حکم:

ان مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ بینک کے کمپیوٹر، اس کے ایئر کنڈیشن کی مرمت اور بینک کی حفاظت کا کام، اسی طرح بینک کے مکان کی تعمیر کرنا شرعاً جائز و درست ہے، اس لئے کہ یہ سب کام فی نفسہ جائز ہیں اور ارتکاب معصیت کے لئے سبب بعید کا درجہ رکھتے ہیں، زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ جانتے بوجھتے یہ سب کام کرنا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے ''کتاب الفتاویٰ'' میں بینک کی ملازمت کے سلسلے میں ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے بینک کی اس ملازمت کو ناجائز لکھا ہے جس میں

سودی کاروبار لکھنا پڑھنا پڑتا ہو۔اس کے علاوہ بینک کی وہ ملازمت جس میں معاملات سے کوئی تعلق نہیں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

البتہ نیچے درجہ کی ملازمت (مثلاً جاروب کش، چوکیدار وغیرہ جن کا کاروبار اور معاملات سے تعلق نہیں، نفس عمارت کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہیں) جائز ہے (کتاب الفتاوی ۵/ ۳۹۰)۔

بینک کو مکان کرایہ پر دینا:

جہاں تک بینک کو اپنا مکان کرایہ پر دینے کی بات ہے تو مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مکان کرایہ پر لینے والا شخص اجارہ کا معاملہ کرتے وقت ہی وضاحت کردے کہ یہ مکان بینک کے لئے لے رہا ہوں تو ایسی صورت میں تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے ناجائز ہوگا،اس طرح اپنا مکان بینک کھولنے کے لئے کرایہ پر نہیں دے سکتے ہیں۔اور اگر معاملہ کرتے وقت کرایہ دار بینک کھولنے کی وضاحت نہ کرے لیکن یہ معلوم ہو کہ وہ اس مکان میں بینک کھولے گا تو اس صورت میں مکروہ تحریمی ہوگا۔اور اگر کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کرے گا تو بلا کراہت جائز ہوگا،البتہ بینک کھولنے کے بعد مکان مالک کی ذمہ داری ہوگی کہ اس معاملہ کو ختم کرنے کی کوشش کرے، اگر کوشش کے باوجود بھی مدت کے اندر ختم کرنا ممکن نہ ہو تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس طرح کے ایک سوال کا جوب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ایسے سودی قرض فراہم کرنے والے اداروں کو شو روم میں جگہ فراہم کرنا ایک سودی معاملہ میں تعاون کرنا ہے،اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے'' (حوالہ مذکور ص:۵/ ۴۰۹)۔

مفتی محمد شفیع صاحب اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اس لئے اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ اجارہ پر لینے والا اس میں بینک بنائے گا تب تو

بلا کراہت جائز ہے اور اگر علم ہے تو مکروہ ہے...... اور یہ اس وقت ہے کہ تنبیہ کے بعد بھی اس پر اصرار کرے اور اگر تنبیہ کے بعد توبہ کرلی مگر فسخ اجارہ قدرت میں نہیں تو اپنی پوری سعی فسخ اجارہ میں کر لینے کے بعد امید ہے کہ معذور سمجھا جائے گا (جواہر الفقہ ۲/۴۵۶)۔

انشورنس کمپنی کی ملازمت یا اس کا ایجنٹ بننا:

انشورنس کمپنی کا کاروبار بھی سود اور جوا پر قائم ہے اور ان دونوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اس لئے اس کمپنی کی وہ ملازمت جس میں سودی کاروبار لکھنا پڑھنا پڑتا ہو شرعاً ناجائز اور باعث گناہ ہے، اس لئے کہ یہ گناہ کے کاموں میں تعاون دینا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، نیز حضور اکرم ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے اس کو لکھنے والے اور اس کی شہادت دینے والے سب پر لعنت فرمائی ہے اور ان سبھوں کو گناہ میں برابر کا شریک قرار دیا ہے جیسا کہ اس سے قبل مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت جابرؓ کی روایت گزر چکی ہے، انشورنس خواہ جبری ہو یا اختیاری دونوں کی ملازمت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جبری انشورنس کا جواز تو انشورنس کرانے والوں کے لئے ہے نہ کہ انشورنس کرنے والوں کے لئے، ان کے لئے تو ان کا یہ اختیاری عمل ہوگا۔

اسی طرح انشورنس کمپنی کا ایجنٹ بننا بھی گناہ کے کاموں میں تعاون دینے کی وجہ سے ناجائز اور باعث گناہ ہوگا، مسلمانوں پر اس سے احتراز لازم ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص پہلے سے ملازمت کر رہا ہو اور اس کے پاس دوسرا جائز ذریعہ آمدنی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری وہ ملازمت کرتا رہے اور دوسرے ذرائع آمدنی کی تلاش میں رہے، جب دوسرا ذریعہ آمدنی مل جائے تو اس کو اختیار کر کے انشورنس کمپنی کی ملازمت کو چھوڑ دے اور اس ملازمت کے دوران توبہ واستغفار کرتا رہے۔

واضح رہے کہ انشورنس کمپنی کی وہ ملازمت جس میں سودی کاروبار لکھنا پڑھنا نہ پڑتا ہو جیسے کمپیوٹر، ایرکنڈیشن کی مرمت، جاروب کشی یا کمپنی کی حفاظت وغیرہ شرعاً جائز و درست ہے۔ اس لئے کہ یہ سب کام ارتکاب معصیت کے لئے سبب بعید ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔

شراب کی کمپنی کی ملازمت:

شراب کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اس کی حرمت متفق علیہ ہے۔ حدیث شریف میں شراب کو ام الخبائث یا ام الفواحش یعنی تمام برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے، اس میں دینی، دنیوی، جسمانی اور روحانی ہر طرح کی خرابیاں اور مفاسد پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے اس کی سخت مذمت فرمائی ہے، جو درج ذیل ہیں: (۱) نچوڑنے والا (۲) بنانے والا (۳) پینے والا (۴) پلانے والا (۵) شراب لادکر لانے والا (۶) جس کے لئے شراب لادکر لائی جائے (۷) شراب فروخت کرنے والا (۸) خریدنے والا (۹) جس کے لئے خریدا جائے (۱۰) اس کی آمدنی کھانے والا۔

حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہو:

"عن انس قال: لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة إليه وساقيها وبايعها وآكل ثمنها والمشترى لها والمشترى له رواه الترمذى وابن ماجه (مشکوۃ شریف کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال الفصل الثانی ۲۴۲)۔

لہذا شراب کی کمپنی میں ملازمت شرعاً جائز نہیں ہے، مسلمانوں پر اس سے احتراز لازم ہے، خواہ شراب کی خرید وفروخت کریں یا کمپنی میں رہ کر شراب رکھنے کے لئے بوتل بنائیں یا اس کا حساب وکتاب لکھیں یا شراب بنانے کے لئے اجزاء پیش کریں۔ یہ تمام صورتیں تعاون علی الاثم والعدوان میں شامل ہوکر ناجائز وحرام اور باعث گناہ ہوں گی اور سب کا حکم یکساں ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص شراب کی کمپنی کے علاوہ دوسری کمپنی میں رہ کر بوتل بنائے جہاں سے مختلف کمپنیوں کو بوتل کی سپلائی ہوتی ہو جس میں سے شراب کی کمپنی بھی بوتل لیتی ہو اور بوتل بنانے والے کی نیت معصیت کی نہ ہو تو ایسی صورت میں بوتل بنانے کی شرعاً اجازت ہوگی۔

سپر مارکیٹ کی ملازمت:

اب ان صورتوں کو بیان کیا جارہا ہے جن میں کاروبار کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر وہاں حرام کام بھی کیے جاتے ہیں، جیسے سپر مارکیٹ ہے، جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، اس کے علاوہ دیگر شرعی ممنوعات کا ارتکاب بھی بسا اوقات کرنا پڑتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کے مارکیٹ کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے مارکیٹ کا وہ کام جو شرعاً حرام ہے جیسے شراب کی خرید وفروخت، خنزیر یا دیگر حرام اشیاء کی خرید وفروخت، یہ اور اس طرح کی دیگر ملازمتیں شرعاً حرام ہیں، مسلمانوں پر اس سے احتراز لازم ہے، اور وہ کام جو ازروئے شرع جائز ہیں ان میں حرام اور ممنوع اشیاء کی خرید وفروخت نہیں ہوتی یا خلاف شرع امور کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے تو ان کی ملازمت شرعاً جائز و درست ہے، البتہ ان ملازمین پر لازم ہوگا کہ حتی الامکان خلاف شرع امور کے ارتکاب سے اجتناب کریں۔

مخلوط نظام تعلیم میں تدریس کا حکم:

تدریس ایک معزز پیشہ ہے اور اگر نیت صحیح و درست ہو تو بہت بڑا ثواب بھی ہے، حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک اہم وصف معلم ہونا بھی ہے، آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تعلیم کا بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بعثت انا معلما" میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس لئے تدریسی خدمات انجام دینا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر اور صحیح نیت کے ساتھ باعث ثواب بھی ہے، البتہ پریشانی وہاں بڑھ جاتی ہے جہاں مخلوط نظام تعلیم ہو، ایک ہی ساتھ لڑکے اور لڑکیاں بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں، یا لڑکیوں کی درسگاہ میں مرد اور لڑکوں کی درسگاہ میں عورتیں تعلیم دیں، ایسی صورت میں پردۂ شرعی کی رعایت ممکن نہیں ہے اور فتنہ کا قوی امکان ہے، جبکہ پردۂ شرعی کی رعایت ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے، لہٰذا مخلوط نظام تعلیم قائم کرنا اور اس میں تدریسی خدمت انجام دینا شرعاً ناجائز اور باعث گناہ ہوگا۔ اسی طرح لڑکیوں کی درسگاہ

میں مرد کے لئے اور لڑکوں کی درسگاہ میں عورتوں کے لئے پردہ شرعی کی رعایت کئے بغیر پڑھانا جائز نہیں ہوگا، اس طرح کی ملازمت اختیار نہیں کرسکتے ہیں بلکہ اس سے احتراز لازم ہوگا۔ البتہ اگر نشست گاہ اس انداز سے بنے کہ لڑکے ایک طرف ہوں اور لڑکیاں دوسری جانب اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے اور معلم یا معلّمہ سے بھی پردہ رہے، اسی طرح مخصوص درسگاہ میں بھی پردۂ شرعی کی مکمل رعایت رہے کہ پڑھنے اور پڑھانے والے ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہوگی۔

پیشۂ وکالت:

ہمارے مقالہ کا ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ کیا مسلمان پیشۂ وکالت کو اختیار کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس سوال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر وکلاء کے یہاں ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا بلکہ بسا اوقات وہ مظلوم کو انصاف سے محروم کردیتے ہیں، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات وکلاء اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہونچانا ہے اور مسلمانوں کو اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں وکیل کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ پیشۂ وکالت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

یہ تو حقیقت ہے کہ یہ پیشہ فی نفسہ جائز ہے، اس کے جواز پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے، اس کی مشروعیت قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور احادیث نبویہ سے بھی۔ مشروعیت کے دلائل کتاب وسنت میں بھرے پڑے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے لے کر اب تک وکالت کے جواز پر امت کا اجماع رہا ہے۔

"الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ہے:

"أما الاجماع فقد أجمع الفقهاء على جواز الوكالة ومشروعيتها منذ

عصر رسول اللہ ﷺ الیٰ یومنا ھذا ولم یخالف فی ذالک أحد من المسلمین" (الموسوعۃ الفقہیہ ۸/۴۵ وکالۃ)۔

(بہر حال حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے لے کر اب تک وکالت کے جواز پر اجماع رہا ہے اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اس سلسلہ میں مخالفت نہیں کی ہے)۔

الموسوعۃ میں ایک ورق پہلے ہے:

"اتفق الفقھاء علی أن الوکالۃ جائزۃ ومشروعۃ واستدلوا علیٰ ذلک بالقرآن الکریم والسنۃ المطھرۃ والإجماع والمعقول" (حوالہ مذکور ۴۵/۶-۷)۔

(فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وکالت جائز ومشروع ہے، فقہاء نے اس پر کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے استدلال کیا ہے) عقلی طور پر بھی وکالت کا جواز سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کہ ہر آدمی ہر کام نہیں کرسکتا ہے، ہر آدمی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اپنے حقوق کا مطالبہ اچھے ڈھنگ سے کرسکے یا اپنی بات کو پوری قوت کے ساتھ اچھے انداز میں پیش کرکے ظلم سے نجات پاسکے، بہت سارے لوگ اپنے معاملات میں وکیل کے محتاج ہوتے ہیں، اگر وکالت کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر حرج عظیم لازم آئے گا۔ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"وأما المعقول فلأن الحاجۃ داعیۃ إلی مشروعیۃ الوکالۃ فإنہ لایمکن لکل واحد فعل مایحتاج إلیہ بنفسہ فدعت الحاجۃ إلیھا" (حوالہ مذکور ۴۵/۸)۔

چونکہ وکالت فی نفسہ جائز ہے، اس لئے اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے جبکہ اجرت طے ہو، مجہول نہ ہو، اگر کوئی وکیل اجرت نہیں لیتا ہے تو اس کو اس کا اختیار رہوگا۔ کتب فقہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں وکالت پر اجرت کے جواز کی صراحت موجود ہے۔

نفس وکالت پر اجرت لینے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وکیل اپنے مؤکل کے کام کے لئے اپنے آپ کو محبوس کردیتا ہے، اپنا وقت صرف کرتا ہے اور حبس وقت کی اجرت لینا جائز ہے، لہٰذا ان تفصیلات کی روشنی میں پیشہ وکالت کے سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ یہ پیشہ فی نفسہ

جائز ہے، مسلمان وکلاء اس پیشہ کو اختیار کر سکتے ہیں اور اپنی محنت کی اجرت بھی طے کر کے لے سکتے ہیں اور اس کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں شرعاً جائز ودرست ہوگا، البتہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ صحیح مقدمہ لیں غلط مقدمہ لینے، جھوٹ بولنے اور اس کی تعلیم دینے نیز خلاف شرع امور کے ارتکاب سے مکمل اجتناب کریں۔

اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اگر سچے مقدمہ میں با قاعدہ کام اور اجرت معین کر کے وکالت کی جائے اور کوئی کام خلاف شرع اس میں نہ کیا جاوے تو نفس وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا درست ہے (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۵۰، کتاب الوکالۃ)۔

امداد الفتاوی میں ہے:

''حاصل یہ ہے کہ پیشۂ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو''

(امداد الفتاوی ۳/ ۴۲۰، کتاب الوکالۃ)۔

البتہ یہ واضح رہے کہ اگر جھوٹے اور ناحق مقدمات لئے جائیں اور ان کی پیروی کی جائے اور ظالم کی مدد کر کے مظلوم کو اس کے حق سے محروم کیا جائے تو ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہوگی، اس لئے کہ یہ حرام عمل ہوگا اور حرام عمل کی اجرت بھی حرام ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

''اور جس وکالت میں معصیت پر اجرت لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جائے اور ظالم کی اعانت کی جائے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے''۔

''لایجوز أخذ الأجرة علی المعاصی کالغناء والنوح والملاهي، لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر وإن أعطاه الأجر أو بعضه لايحل له ويجب عليه رده'' (مجمع الأنہر کتاب الاجارۃ ۳/ ۵۳۳، فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۵۳)۔

پیشہ طبابت:

انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج پیشہ طبابت بھی ہے، مریضوں کا علاج کر کے ان کو راحت و آرام پہونچانا، ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کو خوش رکھنا بہت بڑا کار ثواب ہے، اس لئے مسلمان ڈاکٹروں کے لئے یہ پیشہ اختیار کرنا اور اس طرح کی سرکاری ملازمت کرنا شرعاً جائز و درست اور بصحیح نیت کے ساتھ کار ثواب بھی ہے- البتہ بہتر یہ ہے کہ مرد ڈاکٹر مرد مریضوں کا علاج کرے اور عورت ڈاکٹر عورت مریضوں کا علاج کرے۔ اگر کسی جگہ مجبوری ہو، ایسا مرض ہو کہ اس مرض کے علاج کے لئے عورت مریضوں کے واسطے عورت ڈاکٹر اور مرد مریضوں کے علاج کے واسطے مرد ڈاکٹر نہ ملے تو بدرجہ مجبوری بوقت ضرورت عورتیں مرد ڈاکٹر سے اور مرد، عورت ڈاکٹر سے علاج کرا سکتے ہیں، لیکن ضروری ہوگا کہ حتی الامکان ستر کا خیال رکھیں، اگر قابل ستر حصہ کا دیکھنا ضروری ہو تو صرف اسی حصہ کو دیکھیں اور بقیہ حصہ پر کپڑے وغیرہ ڈال دیں، بغرض علاج ضرورۃً قابل ستر حصے کو دیکھنا جائز و درست ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

”وقال في الجوهرة: إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر عند الدواء لأنه موضع ضرورة وإن كان في موضع الفرج فينبغي ان يعلم امرأة تداويها فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلک أو يصيبها وجع لاتحتمله يستروا منها كل شئ إلا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ماا ستطاع إلا عن موضع الجرح فتأمل والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب“ (رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس ۵/ ۲۳۷)۔

(اور جوہرہ میں کہا ہے کہ جب شرمگاہ کے علاوہ پورے بدن میں مرض ہو تو علاج کے وقت اس کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ اس جگہ ضرورت ہے اور اگر مرض شرمگاہ کی جگہ میں ہو تو مناسب ہے کہ کسی عورت کو تعلیم دیدے اور وہ علاج کرے اور اگر ایسی عورت نہ ملے اور اس کی ہلاکت کا یا نا قابل برداشت درد ہونے کا اندیشہ ہو تو مرض کی جگہ کے علاوہ پورے جسم کو ڈھانک

کرکوئی مرد علاج کرے اور اپنی قدرت بھر اپنی نگاہ جھکا کر رکھے، البتہ زخم کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں ینبغی کا لفظ وجوب کے لئے ہے)۔

واضح رہے کہ مسلمان ڈاکٹروں کی ذمہ داری ہوگی کہ بلاضرورت جانچ لکھنے اور بلاضرورت آپریشن کرنے سے مکمل اجتناب کریں، مریضوں کو بے جا پریشان کر کے ان کی بد دعا نہ لیں، اللہ رازق ہے، اس کی صفت رزاقیت پر اعتماد کرتے ہوئے اس طرح کی غلط حرکت سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی۔

ہوٹلوں کی ملازمت:

جہاں تک اس دور پُرفتن میں ہوٹلوں کی ملازمت کا سوال ہے، خاص طور سے بڑے بڑے ہوٹلوں کی ملازمت ہے جہاں بہت سارے خلاف شرع امور کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ کام جو شرعاً جائز ودرست ہیں جس میں خلاف شرع امور کا ارتکاب لازم نہیں آتا ہے، مثلاً ہوٹل میں ٹھہرنے والوں کو کھانا کھلانا، ان کے بستر کو درست کرنا، ان کی دیگر جائز ضروریات کا خیال رکھنا یا اور اس طرح کے دیگر جائز کاموں کی ملازمت شرعاً جائز ہے۔ اور وہ کام جو خلاف شرع ہیں، مثلاً شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص، موسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ یا اور اس طرح کے دیگر خلاف شرع امور کی ملازمت شرعاً حرام ہے، مسلمانوں پر اس طرح کی ملازمت سے اجتناب لازم ہے۔ هذا ما عندی و الله اعلم و علمه أتم و أحکم۔

☆☆☆

مختلف شعبوں میں ملازمتوں کے شرعی احکام

مفتی سہیل احمد قاسمی ☆

کیا مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت جائز ہے؟

صیغۂ فوج: یہ حکومت کا اہم ترین شعبہ ہے جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان کو قائم کرنا ہے، کبھی اندرون ملک حالات بگڑ جائیں تو امن وامان کے قیام کے لئے بھی ہنگامی حالات میں ان کی خدمات لی جاتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت، ملک میں رہنے والوں کو بیرونی خطرات سے بچانا، عزت وآبرو اور جان ومال کی حفاظت، اور ملک میں امن وامان قائم رکھنا شرعاً محمود وپسندیدہ ہی نہیں بلکہ بہت ضروری ہے، فقہاء نے جن امور کے لئے جنگ وجدال اور قتال کو جائز کہا ہے ان میں جان ومال اور وطن کی حفاظت بھی ہے۔

اس طرح فوج کی ملازمت، فوجی کی ذمہ داریاں اور خدمات کی روشنی میں جب گہرائی کے ساتھ اور حالات کے تناظر میں غور کرتے ہیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں نفع ونقصان دونوں ہے، بعض اعتبار سے یہ ملازمت نہ صرف یہ کہ جائز ودرست ہے بلکہ غیر معمولی اہم اور ضروری معلوم ہوتی ہے اور بعض اعتبار سے ناجائز - چونکہ کبھی کبھی فوجیوں کو اپنے کمانڈر کے حکم سے مسلمانوں پر گولیاں چلانی پڑتی ہیں اور مسلمان ہی ان کی گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں، بسا اوقات بے قصور اور معصوم ومظلوم لوگ بھی ان کی گولیوں کی زد میں آجاتے ہیں یہ اور اس

☆ مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

طرح کے دیگر نقصان دہ خرابیوں کی وجہ سے فوج کی ملازمت ناجائز معلوم ہوتی ہے۔لیکن دوسری طرف بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں ایسی ہیں جن سے فوج کی ملازمت نہ صرف جائز ومباح ہے بلکہ مستحب وضروری معلوم ہوتی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان سرکاری ملازمتوں میں بہت ہی کم ہیں خاص طور پر فوج اور دیگر اہم محکمہ میں تو معدود چند ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض دفعہ فوجیوں کا غلط رویہ مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے، مسلمان ان کی زیادتیوں اور ظلم وبربریت کا شکار ہوکر ہر طرح مفلوج ہوجاتے ہیں، ان سنگین حالات کے تناظر میں فوج کی ملازمت کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر مسلمانوں کے خلاف ظلم وبربریت کا بازار مزید گرم ہوگا اور امت مسلمہ کو غیر متلافی نقصان پہنچے گا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فوج کی ملازمت میں کچھ نقصان بھی ہے اور نفع بھی ہے، لیکن یہ واضح ہے کہ نفع زیادہ ہے اور نقصان کم ہے، عدم جواز کے مقابلہ میں جواز کے دلائل مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔

قرآنی اصول ہے: "**واثمهما أكبر من نفعهما**" جس سے یہ واضح ہے کہ اگر نفع بڑھا ہوا ہو تو جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا، نیز کتب اصول فقہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ جب دو خرابیاں باہم متعارض ہوں تو جس میں کم نقصان ہو اس کو اختیار کرکے بڑے نقصان سے بچا جائے گا جس کو أهون البليتين کہا جاتا ہے۔

"إذا تعارض مفسدتان، روعي أعظمهما ضرار بارتكاب أخفهما، وقال الزيلعي: ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلي ببليتين وهما متساويان، ياخذ بأيتهما شاء وان اختلفاه يختار أهونهما، لأن مباشرة الحرام لاتجوز الا لضرورة" (الاشباہ والنظائر ۱/۲۶۱)۔

(جب دو خرابیاں باہم متعارض ہوں تو جس میں نقصان کم ہو اس کو اختیار کرکے زیادہ نقصان والی خرابی سے پرہیز کیا جائے گا، اور زیلعی فرماتے ہیں کہ اس طرح کے مسائل میں اصل

یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں پھنس جائے اور دونوں مصیبتیں برابر ہوں تو ان میں سے جس کو چاہے اختیار کرے، اس لئے کہ حرام کا ارتکاب ضرورۃً ہی جائز ہے)، اس کے علاوہ الضرر یزال اور ''الضرورات تبیح المحظورات'' اور اس جیسے دیگر مسلمہ اصول بھی فوج کی ملازمت کے جواز کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اب رہا یہ معاملہ کہ کبھی کبھی مسلمانوں پر گولیاں چلانی پڑتی ہیں اور مسلمان ہی ان کی گولیوں کی زد میں آتے ہیں، یہ یقینی اور کثیر الوقوع نہیں ہے کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے لیکن اگر ایسا ہے بھی تو اس کی مثال فقہ کی کتابوں میں بصراحت موجود ہے کہ:

اگر دشمنوں نے مسلمان بچوں کو ڈھال بنالیا ہے تو ان پر تیر چلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ تیر چلاتے وقت کفار ومشرکین کی نیت کر کے چلایا جائے۔ مسلمان بچوں کا قصد نہ ہو، ایسی صورت میں اگر کسی مسلمان کو تیر لگ جائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو کسی طرح کی دیت اور کفارہ واجب نہیں ہے۔

اسی طرح یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ اگر کفار ومشرکین کی بھیڑ میں مسلمان قیدی یا تاجر ہوں تو ان پر تیر چلانے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ کفار کا قصد کر کے تیر چلایا جائے۔

بدائع میں ہے:

''إذا تترسوا بأطفال المسلمین فلا بأس بالرمي إلیهم لضرورة اقامة الفرض، لکنهم یقصدون الکفار دون الأطفال فان رموهم فأصاب مسلما فلادیة ولا کفارة'' (بدائع الصنائع ۹/۳۰۷)۔

''ولابأس برمیهم بالنبال، وإن علموا أن فیهم مسلمین من الأساری والتجار لما فیه من الضرورة ولکن یقصدون بذالک الکفرة دون المسلمین لانه لاضرورة فی القصد الی قتل مسلم بغیر حق'' (بدائع ۹/۳۰۶)۔

البتہ مشکل ترین مرحلہ وہ ہے جبکہ مد مقابل صرف مسلمان ہوں اور کمانڈر کا حکم گولی

چلانے کا ہو جائے تو پھر یہ مسلمان فوجی کیا کرے گا؟

کمانڈر کا حکم مان کر گولی چلائے گا؟

حکم عدولی اور انکار کرے گا؟

دکھلانے کے لئے صرف ہوا میں گولی چلائے گا؟

یا پھر راہ فرار اختیار کرے گا؟

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ فوجیوں کا نظم وضبط اور دستور وقانون بہت ہی سخت اور مثالی ہوتا ہے، اس کے اندر صرف اور صرف بلکہ جنون کی حد تک اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ حکم عدولی، یا فرار، قانوناً سنگین ترین جرم ہے، ایسی صورت میں اس کو فوجی عدالت ہی میں مقدمات کے دشوار گزار مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔

ملک و وطن کا غدار قرار دے کر موت کی سزا بھی دی جاسکتی ہے اور اس ملک میں جہاں اقتدار اعلی اور کلیدی عہدہ ومنصب غیر مومن کے ہاتھوں میں ہو، پوری امت کا اعتماد مجروح ہوگا، مسلمانوں کے لئے فتنے کا طوفان اٹھ کھڑا ہوگا، ملازمت کی راہ بند ہوگی جس کے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے اور مشکلات میں اضافہ ہوگا۔

اس لئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے ملک کی فوج نے حملہ کیا ہے جس کی فوج میں مسلمان ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ حملہ ہوس ملک گیری اور اپنے ملک کی توسیع یا جذبات کی تسکین کے لئے ہے یہ کوئی کفر واسلام کی جنگ نہیں ہے، اس لئے اپنے ملک کی حفاظت وبقا کے لئے ان پر گولی چلانے کی شرعاً گنجائش ہے اور یہ ایک فوجی کا فرض منصبی ہے کہ پوری ہمت وجرأت کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت کرے اور الامور بمقاصدہا کے تحت اپنے ملک کے خلاف حملہ آور فوج سے قتال کرنا جائز اور درست ہے خواہ مقابلہ میں کفار ہوں یا مسلم۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحسن اور ضروری ہے، البتہ ان کی ذمہ داری ہے کہ حتی الامکان کسی پر ظلم

نہ ہو اور خلاف شرع امور سے بہر حال پرہیز کریں۔ اپنے پاکیزہ کردار و عمل سے یہ ثابت کریں کہ وہ سچے مسلمان فوجی، رات کے عابد و زاہد اور دن کے بہادر فوجی اور محبِّ ملک و ملت ہیں۔

پولیس کی ملازمت:

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے پولیس کی ملازمت جائز ہے؟

اس سلسلہ میں تقریباً تمام تفصیلات وہی ہیں جو فوج کی ملازمت کے سلسلہ میں بیان کی جاچکی ہیں، ہندوستان کے مخصوص حالات اور مسلمانوں کے مفادات کے پیش نظر مسلمانوں کا پولیس میں ہونا نہایت ہی ضروری ہے، مسلمانوں کے لئے شرعاً جائز ہے کہ وہ پولیس کی ملازمت اختیار کریں بلکہ اس کے حصول کے لئے ممکن حد تک جدوجہد کریں، چونکہ اندرون ملک امن وامان کے قیام، لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور دیگر بہت سارے مواقع پر پولیس کا اہم رول رہتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے پولیس کی ملازمت نہ صرف یہ کہ جائز و درست ہے بلکہ نہایت ہی ضروری ہے، البتہ ان کی ذمہ داری ہوگی کہ گالی، گلوج، ظلم و زیادتی اور دیگر شرعی منکرات سے پرہیز کریں اور اپنی ذات سے حتی الامکان قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور مظلوم کی مدد کرے۔

فوج اور پولیس میں عورتوں کی ملازمت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے چونکہ شرعی حدود و قیود کی رعایت کرتے ہوئے ان ملازمتوں میں عورتیں اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتیں، اس لئے مسلمان عورتوں کے لئے فوج اور پولیس کی ملازمت شرعاً جائز نہیں ہے، ان پر اس سے احتراز لازم و ضروری ہے۔

مخبری اور جاسوسی کی ملازمت:

تیسرا اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے حکومت کے شعبہ مخبری اور محکمہ جاسوسی میں ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے؟

محکمہ فوج کا ہو یا پولیس کا امن وامان کے قیام، مجرموں تک رسائی کے لئے مخبر اور

جاسوس کا ہونا ضروری ہے،موجودہ حالات میں جس ملک کا جاسوسی نظام جتنا زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگا وہ ملک اسی اعتبار سے طاقتور اور مضبوط و مامون ہوگا۔لیکن اس کام میں غیبت اور تجسس کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے جوشرعاً ممنوع وحرام ہے قرآن کریم میں ان دونوں کی ممانعت واضح طور پر موجود ہے:''**ولاتجسسوا ولایغتب بعضکم بعضا**'' (سورہ حجرات)۔

دوسری طرف ملک کی سلامتی ،امن وامان کا قیام اور جرائم کے سدباب کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے،اس پس منظر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان کیا کریں۔اس کی ملازمت کریں یا نہ کریں۔

غیبت کہتے ہیں کسی شخص کی خرابی اورعیب کواس کے غائبانہ میں اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ سنے تواس کو تکلیف ہو اور وہ اس کو ناپسند کرے خواہ یہ خرابی دینی ونسبی اعتبار سے ہو یا شکل وصورت یا عادات واخلاق سے متعلق ہو،ماں باپ سے متعلق ہو یا بیوی وخدام سے یا چال ڈھال یا اموال وغیرہ سے متعلق ہو غیبت ہے۔

''**الغیبة أن تصف أخاک حال کونه غائبا بوصف یکرہ إذا سمع۔ سواء کان نقصافي بدنه أو نسبه أو خلقه أو فعله أو قوله أو دینه حتی في ثوبه أو دارہ أو دابته کما في تبیین المحارم** ''(درمختار مع ردالمحتار ۵/ ۲۶۳)۔

حضرات فقہاء کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ غیبت وتجسس کی ممانعت وحرمت بالعموم نہیں ہے،اصل میں یہ احکام،مقاصد ونتائج کے تابع ہیں اگر کسی شرعی مصلحت کی بنیاد پر غیبت،تجسس اور افشاء راز کی ضرورت وحاجت ہوتو پھر یہ کام بھی جائز اور کبھی بتقاضائے مصلحت واجب وضروری ہوجاتا ہے۔اگر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کے لئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہوجائے، یا اس کے علاوہ کسی شرعی،اخلاقی، یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہوتو اس شخص کا یا گروہ کی برائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہیں ہوگا جوشرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے

بلکہ بعض حالتوں میں یہ کارثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا۔

دھوکہ باز کی حالتوں سے لوگوں کو باخبر کرنا تا کہ لوگ اس کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا۔

دین وشریعت کے محافظ علماء کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا۔

منکر ومعاصی کے ازالہ کی نیت سے ایسے شخص سے بیان کرنا جو اس کے ازالہ پر قدرت رکھتا ہو۔

استفتاء کے طور پر کسی کے عیوب کو بیان کرنا۔

کسی کے شر سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے بیان کرنا۔

مسلمانوں کو فتین کے فتنہ اور شر پسندوں کے شر وضرر سے بچانا مقصود ہو۔

یا کسی مصلحت کے تحت لوگوں کے تعارف کے لئے ناپسندیدہ صفت ولقب بیان کرنا جیسے اعمش، اعرج، اعمی، قصیر، طویل وغیرہ۔

حضرات صحابہ کرام سے بھی کسی مصلحت یا اصلاح کے لئے بعض لوگوں کی خامیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کرنا ثابت ہے، اسی لئے فقہاء نے ازالہ ظلم، دفع ضرر، اور کسی جائز مقصد کے حصول کے لئے غیبت کی اجازت دی ہے۔

مذکورہ بالا وضاحتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ غیبت ہر حال میں حرام نہیں ہے بلکہ وہ غیبت حرام ہے جس میں دوسروں کی تحقیر وتنقیص وایذا رسانی مقصود ہو۔ اگر کوئی حکمت ومصلحت اور اصلاح وترقی مقصود ہو تو وہ غیبت میں داخل ہوکر حرام نہیں ہوگا بلکہ مستحسن اور کار ثواب ہوگا۔

تجسس کا معنی ہے خبروں کی تلاش وجستجو کرنا، کسی کی ٹوہ میں رہنا، اسی سے جاسوس بھی ہے، اس لئے کہ وہ بھی خاموشی سے خبروں کی جستجو اور واقعات کی تحقیق کرتا ہے، مخفی امور کی جستجو میں رہتا ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں المصباح المنیر کے حوالہ سے لکھا ہے:

"التجسس لغۃ تتبع الاخبار ...... ومنه الجاسوس لانه يتبع الاخبار ويفحص عن باطن الامور" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۰/۱۶۱)

لیکن یہ واضح ہے کہ تجسس ہر حال میں حرام نہیں ہے بلکہ وہ تجسس حرام ہے جس کا مقصد غلط ہو، کسی کی پردہ دری، اور تنقیص وتذلیل یا کسی کو رسوا کرنا مقصود ہو، جس کی تجسس کا مقصد کوئی حکمت ومصلحت ہو فتنہ وضرر سے بچنا مقصود ہو تو وہ جائز ہے، اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ملک کی سالمیت اور اس کے حفظ وبقا اور امن وامان کے قیام کے لئے اور ملک اور شہریوں کو فتنہ وفساد سے بچانے کے لئے تجسس جائز ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ناچیز راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ صیغہ مخبری وجاسوسی میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا شرعاً جائز ودرست ہے جبکہ مقصود ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام، جرائم کا سدباب اور فتنہ وفساد کا روکنا ہو، خود حضور علیہ السلام نے بعض غزوات وسرایا میں جاسوسوں کی خدمات لی ہیں اور ان کی رپورٹ پر فیصلے فرمائے ہیں، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے، غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت حذیفہؓ کو دشمنوں کے احوال معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور آپ کی خبر پر آپ علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا (مسلم شریف باب غزوۃ الاحزاب ۲/۱۰۷)۔

اس سے واضح ہے کہ جاسوسی کا عمل فی نفسہ جائز ودرست ہے، مسلمان اس شعبہ میں ملازمت کرسکتے ہیں، البتہ ان کی ذمہ داری ہے کہ خلاف شرع امور سے پرہیز کریں۔

واضح رہے کہ اس محکمہ میں بھی عورتوں کے لئے ملازمت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ عزت وآبرو اور جان کو شدید خطرہ لاحق ہے عموماً مردوں سے اختلاط ہوتا ہے، اجنبی لوگوں سے تنہائی میں ملاقات کرنی ہوتی ہے شرعی پردہ کی رعایت بالکل ممکن نہیں ہے، اس لئے مسلمان خواتین کے لئے اس کی ملازمت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے ان پر اس سے احتراز لازم ہے۔

سرکاری عدالتوں میں ملازمت:

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے سرکاری عدالتوں میں ملازمت جائز و درست ہے، جہاں کا دستور اور قانون کتاب وسنت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں، ان خلاف شرع قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والا مسلم جج بنص قرآنی فاسق، ظالم اور کافر ہوگا، جبکہ انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام کے لئے عدلیہ کا یہ نظام ضروری ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس شعبہ میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے، اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر بالکلیہ ہی مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے گی اور اس سے مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ سوال ہندوستان جیسے ملک کے لئے ہے جہاں ہم رہتے ہیں، غور کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہاں کی عدالت میں بھی دستوری طور پر مسلمانوں کے نزاعات ومقدمات اسلامی قوانین کے مطابق فیصل ہوتے ہیں، مسلمانوں کا مقدمہ عموما اسلامی قانون کے خلاف فیصل نہیں ہوتا ہے، اگر ملک کا کوئی قانون ایسا بنتا ہے جس سے شریعت اسلامی میں مداخلت ہوتی ہے تو ہمارے علماء خاص طور سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داران تحریک چلا کر اس قانون میں ترمیم کراتے ہیں اور چونکہ ہندوستان جمہوری ملک ہے اس لئے ہماری آواز پر توجہ بھی دی جاتی ہے اور مفید نتائج سامنے آتے ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر عدلیہ سے مسلمان بالکلیہ الگ ہوجائیں تو یہ پورا محکمہ غیر مسلم قانون دانوں سے بھر جائے گا، نیز عدالت کا رویہ مسلمانوں کے سلسلہ میں غیر منصفانہ اور جانبدارانہ ہوتا ہے ایسی صورت میں مسلمانوں کو ظلم وجور کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ بھی صحیح ہے کہ آزادی کے بعد مسلمانوں کو جتنا نقصان مسلم ججوں سے پہونچا ہے دوسروں سے نہیں پہنچا، اس لئے ان حالات میں صاحب تقوی، خداترس اور دیندار مسلم ججوں کی سخت ضرورت ہے جو حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرکے عدل اسلامی کی حقانیت وصداقت اور مثالی رول کا نمونہ پیش

کر سکے۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے شعبہ عدالت میں ملازمت کرنا شرعاً جائز و درست ہے بلکہ موجودہ حالات میں کوشش کر کے حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے، ساتھ ہی اگر صاحب حق کو حق دلانے اور مظلوموں کی مدد کرنے کی نیت ہو تو انشاء اللہ اس کا ثواب بھی ملے گا۔

ہاں اس کا خیال رہے کہ اگر کسی موقع پر اسلامی قوانین سے کسی قانون میں ٹکراؤ سامنے آئے تو ممکن حد تک جمع و تطبیق کی کوشش کرے اور احتیاط سے کام لے۔

محکمۂ انکم ٹیکس کی ملازمت:

حکومت کوئی بھی ہو اپنے نظام کو چلانے اور ترقیاتی کاموں کو انجام دینے کے لئے مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ رقم حاصل کرتی ہے جس کو انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، روڈ ٹیکس وغیرہ ناموں سے جانا جاتا ہے، بعض حضرات ان ٹیکسوں کو ناروا اور ظالمانہ کہتے ہیں، اس کی آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کے آرام و راحت اور عیش کوشی اور غیر معمولی سہولتوں میں خرچ کیا جاتا ہے، نیز اس میں لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت بھی کیا جاتا ہے، لوگوں کے سرمایہ میں تجسس بھی ہے تو شرعی اعتبار سے اس محکمہ کی ملازمت جائز ہے یا نہیں۔

یہ تو صحیح ہے کہ کوئی حکومت ٹیکس لئے بغیر اپنی ضروریات اور ترقیاتی منصوبوں کو مکمل نہیں کر سکتی ہے۔

ہندوستانی حکومت بھی اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنے شہری اور لوگوں سے ٹیکس لیتی ہے، جس کو دفاعی اور ترقیاتی کاموں میں خرچ کرتی ہے اس ٹیکس کو ناروا اور ظالمانہ کہنا محل غور ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں حکومت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور انتظامی دشواریاں پیدا ہوں گی -اس لئے محکمہ انکم ٹیکس میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا شرعاً جائز و درست ہے جہاں تک ذاتی معاملات میں مداخلت اور تجسس کی بات ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

اب رہی بات حکمرانوں کی عیش کوشی اور غیر معمولی سہولتوں میں خرچ کرنے کی اگر واقعۃً ایسا ہے تو یہ ان کا عمل ہے وہ خود اس کے جواب دہ ہوں گے۔ اس سے دوسروں کی ملازمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن یقینی طور پر یہ کہنا بہت ہی دشوار اور مشکل ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کہ یہ رقم مخصوص طریقہ پر حکمرانوں کی آرام وراحت اور غیر ضروری سہولیات میں خرچ ہوتی ہیں۔

بینک کی ملازمت:

بینک کا نظام سودی لین دین پر مبنی ہے جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے:

"أحل الله البيع وحرم الربوا، يمحق الله الربوا ويربى الصدقات"

(سورہ بقرہ آیت: ۲۷۵، ۲۷۶)۔

(اللہ تعالیٰ بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیتا ہے، اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے)۔

حضور اقدس ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، لکھنے والے، گواہ بننے والے، سب کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر سب پر لعنت فرمائی ہے:

"لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه قال: هم سواء" (مسلم شریف: ۲۷)۔

اس کے علاوہ بھی بہت ساری حدیثوں میں سود کی قباحت اور اس کی سنگینی کو بہت ہی سخت انداز میں بیان کیا گیا ہے جس کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اس لئے بینک کی وہ ملازمت اور خدمت جس میں سودی معاملات لکھنا، پڑھنا اور حساب وکتاب کرنا پڑتا ہے شرعاً حرام اور باعث گناہ ہے اور ہر مسلمان کے لئے اس سے بچنا اور پرہیز کرنا لازم وضروری ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص بینک کی ملازمت کر رہا ہے اور اس کے پاس دوسرا جائز ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو اس کے لئے بدرجہ مجبوری اس بات کی گنجائش ہے کہ فی الحال ملازمت ترک نہ کرے

بلکہ ملازمت کرتا رہے اور کوئی حلال و پاکیزہ ذریعہ آمدنی تلاش کرتا رہے اور جب جائز ذریعہ حاصل ہوجائے تو بینک کی ملازمت سے علیحدہ ہوجائے اور دوران ملازمت توبہ واستغفار کرتا رہے۔

بینک کا وہ کام جس کا تعلق سودی معاملات سے نہ ہوں:

یہ سوال بھی اپنی جگہ بہت زیادہ اہم ہے کہ بینک کا وہ کام جس کا تعلق براہ راست سودی حساب کتاب اور معاملات سے نہ ہو جیسے بینک کے کمپیوٹر اور ایرکنڈیشن کی مرمت، بینک کے لئے مکان تعمیر کرنا، بینک کی حفاظت، بینک کو اپنا مکان کرایہ پر دینا وغیرہ ذالک یہ سب جائز ہے یا نہیں، چونکہ اس کا تعلق براہ راست سودی معاملات سے نہیں ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ سب کام جائز ہونا چاہئے، لیکن دوسری طرف کسی نہ کسی طرح سودی معاملات میں تعاون دینا بھی سمجھ میں آتا ہے جو معصیت وگناہ کا سبب بنتے ہیں جبکہ گناہ کے کاموں میں تعاون دینا بھی بنص قرآنی ممنوع اور باعث گناہ ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ سب کام بھی ناجائز وحرام اور باعث گناہ ہوں۔

کتب فقہ میں ایسے نظائر اور جزئیات موجود ہیں جیسے عصیر عنب ایسے آدمی سے فروخت کرنا جو شراب بناتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز وممنوع ہے۔

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ معصیت عصیر عنب میں نہیں ہے بلکہ تبدیلی کے بعد جب شراب بنالیا جاتا ہے تو برائی اور معصیت آتی ہے جو بائع کا نہیں مشتری کا عمل ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ یہ گناہ کے کاموں میں تعاون دینا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

''جاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا، لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره وقيل: يكره لإعانته على المعصية – وفي رد المحتار (قوله جاز) اى عنده لاعندهما'' (کتاب الفتاوی ۵/ ۳۹۰)۔

اسی طرح یہ جزئیہ بھی موجود ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مندر یا کنیسہ کی تعمیر میں کام کرے یا شراب اٹھا کر دوسری جگہ پہنچائے خواہ جس طرح بھی ہو یا اپنا مکان کسی کو شراب بیچنے یا غیر مسلموں کو عبادت کے لئے دے تو حضرت امام صاحبؒ کے یہاں جائز ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک ناجائز ومکروہ ہے۔

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ عمل فی نفسہ جائز ہے اور مکان بطور اجارہ کرایہ پر دینا بھی جائز ہے، معصیت دوسرے کے عمل سے آتی ہے اور حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ گناہ کے کاموں میں تعاون دینا ہے جو جائز نہیں ہے۔

اب یہاں پر قابل توجہ امور یہ ہیں کہ تعاون دینا کب سمجھا جائے گا؟

تو واضح یہ ہے کہ اس کا مدار قصد ونیت پر ہے، اگر کام کے وقت ہی نیت معصیت کی ہو تو یہ تعاون علی الاثم والعدوان میں شامل ہو کر ممنوع وحرام ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔

یا یہ کہ وہ سامان گناہ کے علاوہ کسی دوسرے کام میں استعمال ہی نہ ہو جیسے طبلہ، سارنگی، ڈھول، باجہ وغیرہ اسکا بنانا اور خرید وفروخت کرنا گرچہ معصیت کے قصد وارادہ سے نہ ہو لیکن حکما معصیت ہی کا قصد وارادہ سمجھا جائے گا اور ممنوع ہوگا، اور اگر معصیت کا قصد وارادہ نہ تو حقیقۃ ہو اور نہ حکما تو گناہ کے کام میں تعاون نہیں سمجھا جائے گا اور جائز ہوگا۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ تعاون علی المعصیت کا مدار نیت وارادہ پر ہے اگر نیت معصیت کی ہے تو تعاون علی المعصیت کی بنیاد پر حرام ہوگا اور اگر معصیت کی نیت نہیں ہے تو اعانت علی المعصیت میں شمار نہیں ہوگا اور جائز ہوگا۔

مذکورہ بالا تفصیلات وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بینک کے کمپیوٹر وایر کنڈیشن کی مرمت اور بینک کے ملازمین سے اس کو فروخت کرنا، حفاظت کی ذمہ داری کو انجام دینا، بینک کے لئے مکان تعمیر کرنا یہ سب کام شرعاً جائز ہے چونکہ سب کام فی نفسہ جائز ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بینک کی ملازمت کو ناجائز لکھتے ہوئے نیچے

درجہ کی ملازمت وخدمت کو جائز قرار دیا ہے جس کا تعلق سودی معاملات سے نہیں ہے جیسے جاروب کش، چوکیدار وغیرہ۔

بینک کے حساب وکتاب کو آڈٹ کرنا:

سودی معاملات ہوجانے کے بعد جولوگ آڈٹ کرتے ہیں اور گزشتہ دنوں کے تمام حسابات اور کارگزاری اور رپورٹیں وغیرہ لکھتے ہیں یہ کام ان کے لئے جائز ہے جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے درس ترمذی میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

وکاتبہ:

اس کی تفصیل میں حافظ ابن حجرؒ نے یہ لکھا ہے کہ کاتب سود سے مراد وہ شخص ہے جو کہ عقد سود کے وقت سود وغیرہ کا حساب لکھ کر عاقدین کی اس عقد میں معاونت کرتا ہے وہ اس وعید میں داخل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص عقد سود کے انعقاد کے وقت یہ حساب وکتاب نہیں لکھتا بلکہ عقد کے بعد جب وہ پچھلے عرصہ کے تمام حسابات اور کارگزاری اور رپورٹیں وغیرہ لکھتا ہے تو اس کے ذیل میں سود کے حسابات بھی اسے لکھنے پڑتے ہیں، غرض یہ کہ اس حساب وکتاب سے عقد سود میں معاونت نہیں ملتی، تو وہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔ اگر اس تفصیل کو پیش نظر رکھا جائے تو اس سے ان حضرات کی الجھن دور ہوسکتی ہے جن کا کام اکاؤنٹس اور آڈٹ وغیرہ کا ہے، ان لوگوں کو مختلف فرموں، اداروں اور کمپنیوں کے پورے سال کے حسابات لکھنے پڑتے ہیں اور اس کی چیکنگ کرنی ہوتی ہے، اس میں انہیں سود وغیرہ جس کا کمپنی نے عقد کیا ہوتا ہے، اسے بھی لکھنا پڑتا ہے لیکن ان کا یہ لکھنا محض ایک سالانہ رپورٹ اور کارگزاری کی حیثیت رکھتا ہے اس سے کمپنی کے سودی لین دین میں کوئی معاونت نہیں ہوتی، لہٰذا یہ حضرات اس وعید میں داخل نہیں ہوں گے۔

انشورنس کمپنی کی ملازمت:

انشورنس کا معاملہ بھی سود وقمار اور جوا پر مبنی ہے اور ان دونوں کی حرمت بھی نص سے

ثابت ہے، اس لئے اس کمپنی کی بھی وہ ملازمت جس کا تعلق سودی حساب کتاب اور سودی معاملات سے ہو شرعاً جائز نہیں ہے، اور بطور ایجنٹ، یا کمیشن پر کام کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص قبل سے ملازمت کر رہا ہو اور اس کے پاس دوسرا جائز ذریعہ آمدنی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ملازمت کرتا رہے فی الفور ترک نہ کرے بلکہ دوسرا حلال ذریعہ معاش تلاش کرتا رہے، جب حلال ذریعہ حاصل ہو جائے تو انشورنس کمپنی کی ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لے اور دوران ملازمت توبہ واستغفار کرتا رہے۔

شراب کی کمپنی میں ملازمت:

شراب کی حرمت بھی نص قطعی سے ثابت ہے، شراب دینی، روحانی اور جسمانی مفاسد وخرابی کی بنیاد اور مجموعہ ہے، آنحضور ﷺ نے اسکوام الخبائث یا ام الفواحش فرمایا ہے، اور احادیث میں بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے شراب کے معاملہ میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے: (۱) نچوڑنے والا (۲) بنانے والا (۳) پینے والا (۴) پلانے والا (۵) شراب لادکر لانے والا (۶) جس کے لئے شراب لائی جائے (۷) شراب فروخت کرنے والا (۸) شراب خریدنے والا (۹) جس کے لئے ہبہ کیا جائے (۱۰) شراب کی آمدنی کھانے والا۔

"عن أنس قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها واكل ثمنها والمشترى لها والمشترى له" رواه الترمذى وابن ماجه(مشکوۃ شریف کتاب البیوع: ۲۴۲)۔

ملا علی قاری نے مشکوۃ المصابیح کی شرح مرقاۃ المفاتیح میں اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ طیبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ صرف دس ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ان تمام لوگوں پر حضور ﷺ

کی لعنت ہے جو شراب کے معاملہ میں کسی طرح کا معاون بنیں: ''قال الطیبی رحمہ اللہ: لعن من سعی فیھا سعیا ما علی ماعدد من العاصر والمعتصر ومااردفھما وانما اطنب فیہ یستوعب من زاولھا مزاولۃ مابأي وجہ کان''(مرقات المفاتیح ۳/۲۹۷)۔

لہٰذا شراب کی کمپنی میں ملازمت کسی بھی حال میں شرعاً جائز نہیں ہے، مسلمانوں پر اس سے احتراز لازم ہے، خواہ شراب کی خرید وفروخت کرے یا کمپنی میں رہ کر شراب کے لئے بوتل بنائے یا اس کا حساب وکتاب لکھے، یہ تمام صورتیں تعاون علی الاثم والعدوان میں شامل ہوکر ناجائز وحرام اور باعث گناہ ہوں گی اور سب کا حکم یکساں ہوگا، البتہ اگر کوئی دوسری کمپنی میں رہ کر بوتل بنائے جہاں سے مختلف کمپنیوں کو بوتل کی سپلائی ہوتی ہو جس میں شراب کی بھی بوتل بنتی ہو اور بوتل بنانے والے کی نیت معصیت کی نہ ہو تو بوتل بنانے کی اجازت ہوگی۔

سپر مارکیٹ کی ملازمت:

یہاں پر ان اداروں اور جگہوں میں ملازمت کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جس کا کاروبار اصلاً حرام نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر وہاں منکرات ومنہیات اور حرام کاموں کا ارتکاب ہوتا ہے، جیسے سپر مارکیٹ جہاں روزمرہ اور ضروریات زندگی کی مختلف چیزیں فروخت کی جاتی ہیں لیکن اس میں شراب بھی فروخت ہوتی ہے اور دیگر شرعی ممنوعات کا معاملہ بھی ہوتا ہے خنزیر کا گوشت اور بعض حرام اشیاء بھی فروخت کی جاتی ہیں۔

اسی طرح ہوٹل بھی لوگوں کی ایک ضرورت ہے، سیر وتفریح اور سیاحت کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور مسافروں کی رہائش کی ضرورت کے پیش نظر یہ ایک نفع بخش تجارت کی شکل اختیار کر گیا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شراب وشباب، عیاشی وفحاشی سیون اسٹار، اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کی شناخت بن گئی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان محرمات ومنکرات اور منہیات کے باوجود ایسے اداروں کی ملازمت درست ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہی دیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کی مارکیٹ اور ہوٹلوں میں جو ذمہ داریاں

اس کے سپرد کی جائیں ان میں براہ راست وہ کام کرنا پڑتا ہو جو حرام اور باعث گناہ ہے جیسے شراب اور خنزیر کا گوشت وغیرہ تو یہ ملازمتیں حرام ہیں۔مسلمانوں کے لئے اس سے بچنا اور پرہیز کرنا ضروری و لازم ہے،اور اگر براہ راست ممنوع و حرام کاموں کا ارتکاب نہ کرنا پڑتا ہو تو ایسی ملازمت شرعاً جائز ہے۔

مفتی محمود الحسن علیہ الرحمہ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ کی اصل آمدنی تو جائز تھی لیکن اب آپ کو اپنی جائز ملازمت میں کچھ ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں، جائز کام کے مقابلہ میں اگر دوسرا کام کم ہے تو اپنی ملازمت ترک نہ کریں اگر جائز کام کم ہو اور دوسرا کام زائد ہو تب بھی فوراً ملازمت ترک نہ کریں، مبادا کہ پریشانی کا سامنا ہو جو قابل برداشت نہ ہو، البتہ دوسری جائز کسب معاش تلاش کرتے رہیں جب وہ میسر آجائے تب اس موجودہ ملازمت کو ترک کردیں۔استغفار بہر حال کرتے رہیں نیز اللہ پاک سے حلال کسب معاش کی دعاء میں لگے رہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں گے۔

مخلوط نظام تعلیم وتدریس:

درس وتدریس بہت مقدس اور پاکیزہ پیشہ اور کار نبوت ہے، حضور اقدس ﷺ کے اوصاف حمیدہ میں اہم ترین وصف آپ کا معلم ہونا بھی ہے، آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تعلیم بھی ہے، اس لئے تدریسی خدمات دینا جائز ہی نہیں بلکہ اگر نیت صحیح ہو تو باعث اجر وثواب بھی ہے۔

لیکن موجودہ دور میں مخلوط نظام تعلیم نے اس مقدس پیشہ کو جائز و ناجائز کا موضوع بحث بنا دیا ہے آج کی صورتحال بہت نازک ہے ایک ہی جگہ لڑکے اور لڑکیاں تعلیم حاصل کرتے ہیں، لڑکیوں کی تعلیم گاہ میں مرد اساتذہ، لڑکوں کی درسگاہ میں عورتیں تعلیم دیتی ہیں جس کے نتیجے میں اختلاط مرد وزن عام ہے، شرعی حدود وقیود کی رعایت ناپید و ناممکن ہے روز بروز سماجی اور معاشرتی

برائیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

لہٰذا مخلوط تعلیم گاہ قائم کرنا اور اس میں تدریسی خدمت انجام دینا نا جائز اور باعث گناہ ہے، لڑکیوں کی تعلیم گاہ میں مرد کے لئے اور لڑکوں کی درسگاہ میں عورتوں کے لئے پردۂ شرعی کی رعایت کے بغیر تعلیم دینا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔

البتہ اس طرح کا انتظام کیا جائے کہ نشست گاہ دونوں کی ایسی ہو کہ دوسرے کا سامنا نہ ہو اور اختلاط سے بچایا جائے، پردہ شرعی کی رعایت ہو، معلم اور معلّمہ بھی پردہ میں ہوں تو اس طرح تعلیم دینے کی اور ملازمت کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

پیشہ وکالت:

کسب معاش کے مختلف ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ پیشہ وکالت بھی ہے، اس کا مقصد ظالموں کو سزا دلانا، مظلوموں کو عدلیہ سے انصاف دلانے کی کوشش کرنا ہوتا ہے جہاں دوسرے لوگوں کو اپنے مقدمات کے سلسلہ میں وکیلوں کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح مسلمانوں کو بھی اپنے انفرادی واجتماعی معاملات میں وکیلوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اکثر وبیشتر اچھے وکلاء کی تلاش ہوتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وکلاء حضرات ظالم ومظلوم میں کوئی فرق نہیں کرتے، مظلوم کی مدد کرنے کے بجائے ظالم کی مدد کرکے صاحب حق کو محروم کروادیتے ہیں، وکلاء اپنے موکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے کذب بیانی کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، ان حالات میں پیشہ وکالت کا شرعاً کیا حکم ہے جائز ہے یا نہیں؟

پیشہ وکالت کی مشروعیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس لئے فی نفسہ پیشہ وکالت شرعاً جائز ہے اور اس کے جواز میں حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر اب تک فقہاء کا اس پر اتفاق اور امت کا اجماع ہے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی ہے۔

"أما الاجماع فقد أجمع الفقهاء علی جواز الوكالة ومشروعيتها منذ عصر رسول الله ﷺ إلی يومنا هذا ولم يخالف في ذالک احد من المسلمين" (الموسوعة الفقهية ۴۵/۸)۔

عقلاً بھی اس کا جواز سمجھ میں آتا ہے، اس لئے کہ ہر آدمی میں اچھے انداز سے اپنے حقوق کے مطالبہ کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے اور پوری قوت سے اپنی بات کہنے کی ہمت بھی نہیں کرپاتا ہے، اس لئے یہ لوگوں کی ضرورت ہے اور مشکلات و دشواری سے بچنے اور سہولت و آسانی کی راہ ہے۔

"وأما المعقول فلأن الحاجة داعية إلى مشروعية الوكالة فانه لايمكن لكل واحد فعل مايحتاج إليه بنفسه فدعت الحاجة إليها" (حوالہ بالا)۔

خلاصہ یہی ہے کہ پیشہ وکالت شرعاً جائز و درست ہے اور اجرت لینا بھی درست ہے جبکہ اجرت طے ہو، سچے مقدمات کی پیروی کرے، جھوٹ اور دیگر خلاف شرع امور سے پرہیز کرے۔

حضرت مفتی محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر سچے مقدمات میں باقاعدہ کام اور اجرت معین کرکے وکالت کی جائے اور کوئی کام خلاف شرع اس میں نہ کیا جائے تو نفس وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا درست ہے" (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۵۰)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو (امداد الفتاوی ۳/ ۳۲۰)۔

اگر غلط مقدمات کی پیروی کی جائے، یا ظالم کی مدد کرکے مظلوم کو حق وانصاف سے محروم کرنے کی کوشش ہو تو ایسی وکالت اور اس کی آمدنی شرعاً ناجائز ہے، اس لئے یہ حرام ہے اور حرام کام کی اجرت بھی حرام ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اور جس وکالت میں معصیت پر اجرت لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جائے اور ظالم کی اعانت کی جائے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۵۳)۔

"لايجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر وان أعطاه الأجر أو بعضه لايحل له ويجب عليه رده" (مجمع الانہر ۳/ ۵۳۳، کتاب الاجارہ)۔

پیشہ طبابت وڈاکٹری:

انسانیت کی خدمت کا بہت بڑا ذریعہ پیشہ طبابت وڈاکٹری ہے، بیمار اور مریض انسانوں کا علاج کرکے اس کو آرام اور راحت پہنچانا اجر وثواب کا ذریعہ ہے، اس لئے مسلمانوں کا یہ پیشہ اختیار کرنا شرعاً جائز ودرست ہے، سرکاری یا غیر سرکاری ہاسپیٹل میں ملازمت کرنا اور اس کی تنخواہ لینا شرعا جائز ودرست ہے، اور اگر خدمت خلق کا جذبہ اور نیت صحیح ہو تو اجر وثواب کا ذریعہ بھی ہے اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا باعث بھی ہے–البتہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد ڈاکٹر مرد مریضوں کا علاج کرے اور عورت ڈاکٹر عورت مریضوں کا علاج کرے، لیکن بسا اوقات ایسے ماہر ڈاکٹر دستیاب نہیں ہوتے یا مرض ایسا ہو کہ مریض عورت کے لئے خاتون ڈاکٹر اور مریض مرد کے لئے مرد ڈاکٹر نہ ہوں تو بدرجہ مجبوری بوقت ضرورت مرد عورت ڈاکٹر سے اور عورتیں مرد ڈاکٹر سے علاج کرا سکتے ہیں لیکن ضروری ہوگا کہ حتی الامکان ستر کا خیال رکھا جائے۔نیز بغرض علاج ضرورت کی حد تک قابل ستر حصے کا دیکھنا بھی شرعاً جائز ہے۔علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"وقال في الجوهرة: إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر عند الدواء لأنه موضع ضرورة، وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلم امرأة تداويها فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلك أو يصيبها وجع

لاتحتمله ليستروا منها كل شئ إلا موضع العلة، ثم يداويها الرجل ويغض بصره مااستطاع إلاعن موضع الجرح فتأمل والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب"

(ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس ۵/۲۳۷)۔

(اور جوہرہ میں کہا ہے کہ جب شرمگاہ کے علاوہ پورے بدن میں مرض ہو تو علاج کے وقت اس کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ اس جگہ ضرورت ہے اور اگر مرض شرمگاہ کی جگہ میں ہو تو مناسب ہے کہ کسی عورت کو تعلیم دیدے اور وہ علاج کرے اور اگر ایسی عورت نہ ملے اور اس کی ہلاکت کا یا نا قابل برداشت درد ہونے کا اندیشہ ہو تو مرض کی جگہ کے علاوہ پورے جسم کو ڈھانک کر کوئی مرد علاج کرے اور اپنی قدرت بھر اپنی نگاہ جھکا کر رکھے، البتہ زخم کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ینبغی کا لفظ وجوب کے لئے ہے)۔

واضح رہے کہ مسلمان ڈاکٹروں کی ذمہ داری ہوگی کہ غیر ضروری آپریشن اور جانچ سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں اور محض مالی منفعت کے لئے مریضوں کو بیجا پریشان کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆

مختلف نوع کی ملازمتیں اوران کے شرعی احکام

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

انسانی معیشت کا نظام بھی رب العالمین کی حکمت اور شان ربوبیت کا ایک خاص مظہر ہے، کہ یہ انسان خواہ کتنی بھی برتری حاصل کرلے، اعلی سے اعلی منصب پر فائز ہوجائے، جسمانی، مالی اورافرادی قوت کی انتہاء کوپہنچ جائے، سائنسی ترقیات اور مشینی ایجادات کے ذریعہ خودکفیل ہونے کی ہرممکن کوشش کرے، پھربھی رب العالمین کی غیرت غنانے اس کواحتیاج سے بے نیاز نہیں کیا، کتنی ہی ضروریات زندگی ایسی ہیں کہ ہر طرح کی آسائش وسہولیات مہیا ہونے، اور بظاہر دوسروں سے مستغنی ہونے کے باوجود، انسان ان کی تکمیل اورانجام دہی کے لئے اپنے غیر کا محتاج ہوتا ہے، ان کو پورا کرنے کے لئے دوسرے سے مدداور تعاون لیتا ہے، اوراس کے عمل یا اس کی ملکیت سے نفع حاصل کرنے کا معاوضہ ادا کرتا ہے، اس طرح اس ربانی نظام سے دو آدمیوں کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، ایک کی درپیش حاجت انجام پاتی ہے، اور یہی عمل دوسرے کے لئے رزق اورآمدنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اجارہ اوراس کاثبوت:

اس باہم احتیاج ناس کے پیش نظر ''اجارہ'' کو جائز کہا گیا ہے، حالانکہ عقد اجارہ کے وقت، عوضین میں سے ایک، یعنی منفعت معدوم ہوتی ہے، اگرچہ صحت اجارہ کے لئے اس کا معلوم ہونا ضروری ہے، عقد اجارہ، کتاب اللہ، سنت رسول اورتعامل صحابہ سے ثابت ہے، اللہ تعالی

☆ محلہ رگھوا تھ پورہ، مئو۔

کاارشاد ہے:

"فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن"(سورۂ طلاق:۶)(پھر اگر وہ عورتیں تمہارے لئے (تمہارے بچوں کو) دودھ پلائیں توان کوان کی اجرت ادا کرو)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں مذکور ہے:

"قال إني أريد أن أنكحک احدى ابنتي هاتين على أن تاجرني ثماني حجج...... "(سورۂ قصص:۲۷)((حضرت شعیب علیہ السلام) نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کردوں، اس شرط پر کہ آپ میری مزدوری کریں آٹھ سال)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

"قال احتجم النبي ﷺ واعطى الحجام اجره"(صحیح بخاری مع فتح الباری۴/۵۸۴، حدیث ۲۲۷۸)(نبی ﷺ نے فصد کھلوائی، اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجرت عنایت فرمائی)۔

ان مذکورہ آیات واحادیث سے اجرت پر کام کرنے اور ملازمت کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

اجارہ کی تعریف:

اجارہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"عقد يرد على المنافع بعوض"(ہدایہ ۲۷۷/۳)(ایسا معاملہ جو عوض پر منافع حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے)۔

"تمليک نفع مقصود من العين بعوض"(درمختار ۴/۹)(معاوضہ پر ایسی منفعت کا مالک بنانا جو شئی سے مقصود ہوتی ہے)۔

"بيع المنفعة المعلومة بعوض معلوم"(شرح المجلہ ۱/۲۳۳ نیز کنز الدقائق مع البحر ۵/۸)

(منفعت معلومہ کو عوض معلوم یا اجرت معلوم پر فروخت کرنا)۔

یعنی بیع وشراء کے مثل اجارہ بھی ایک معاملہ ہے جس کا مقصد کسی انسان کے عمل یا اس کی ملکیت سے منفعت حاصل کرنا ہوتا ہے، اور شخص آخر کو اس منفعت کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے، جو باہمی رضامندی سے ہونا چاہئے، اسی لئے اس کے ارکان بھی ایجاب وقبول ہی ہیں، خواہ بالمشافہ بذریعہ گفتگو ہوں، یا بالمکاتبہ، بذریعہ تحریر، اور باہمی رضامندی کے لئے نزاع کے اسباب کا دور رہنا ضروری ہے، اسی لئے اس معاملہ کے صحیح ہونے کے لئے منفعت اور اجرت دونوں کا معلوم اور متعین ہونا شرط ہے۔

''وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين لأن جهالتهما تفضي إلى المنازعة'' (شامی ۹/۷)۔

''وعن أبي سعيد رضی اللہ عنہ قال: إذا استاجرت اجيرا فأعلمه أجره'' (سنن النسائی ۷/۳۲) (جب تم کسی مزدور (یا ملازم) سے اجرت پر معاملہ کرو، تو اس کی اجرت اسے بتلا دو)۔

نیز وہ منفعت جس کے حصول کے لئے معاملہ اور عقد ہوتا ہے، شریعت اور ارباب نظر کی نگاہ میں اس کا مقصود اور مطلوب ہونا بھی شرط ہے، کوئی ایسی منفعت نہ ہو جو شرعاً یا عقلاً درست نہیں۔

''ثم انه يشترط في المنفعة أن تكون مقصودة من العين في الشرع ونظر العقلاء'' (شرح المجلہ ۱/۲۳۳) (پھر منفعت کے بارے میں یہ شرط ہے کہ وہ شریعت اور عقلاء کی نگاہ میں شئی سے مقصود ہو)۔

مثلاً محض آرائش اور زینت کے لئے کپڑے یا برتن کا اجارہ، یا محض اس ارادہ سے کوئی جانور کرایہ پر لینا کہ دروازہ پر بندھا رہے گا اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ صاحب حیثیت ہیں، ان کے پاس یہ مویشی بھی ہے، درست نہیں ہے، اور اسی لئے معصیت پر اجرت لینا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی شرعاً مقصود نہیں ہوتی۔

"لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد" (البحر ۸/۳۵) (کیونکہ عقد کی وجہ سے معصیت کا حق ہونا متصور نہیں)۔

معقود علیہ یعنی منفعت کے اعتبار سے اجارہ کی دو انواع ہیں:

۱-"عقد الإجارة الوارد على منافع الأعيان" (اجارہ کا وہ معاملہ جو اشیاء سے منفعت حاصل کرنے کے لئے ہو) جیسے مکان، دوکان، برتن، کپڑے، گھوڑا گاڑی وغیرہ کرایہ پر لینا دینا)۔

"عقد الإجارة الوارد على العمل" (شرح المجلہ ۱/۲۳۶) (کام اور عمل پر اجرت لینے دینے کا معاملہ کرنا)۔

اس دوسری نوع کے اعتبار سے اجرت پر کام کرنے والے شخص کو اجیر سے تعبیر کرتے ہیں، اجیر کی دو قسم ہیں:

۱-اجیر مشترک: اس اجیر کو کہتے ہیں جو صرف مستأجر کے کام کا ہی پابند نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کے کام کرنے کا بھی مجاز ہوتا ہے، اس کے لئے کسی وقت یا مدت کی تخصیص یا پابندی نہیں ہوتی، جیسے خیاط، موچی، حمال وغیرہ۔

"هوالذى لم يقيد بشرط عدم العمل لغير المستاجر" (شرح المجلہ ۱/۲۳۶) (اجیر مشترک وہ شخص ہے جو پابند نہ کیا گیا ہو غیر مستاجر کے کام نہ کرنے کا)۔

ایسے اجیر کا حکم یہ ہے کہ جب وہ مستاجر کے عمل کو انجام دے گا تو اجرت کا مستحق ہوگا۔

۲-اجیر خاص: "وهو الذى استوجر على أن يعمل للمستاجر فقط عملا موقتا بمدة معلومة كالخادم مشاهرة" (ایضا) (وہ اجیر ہے جس سے اجرت کا معاملہ اس طور پر کیا گیا ہو کہ وہ صرف مستاجر کا کام کرے گا، متعینہ مدت میں مقررہ کام، جیسے ماہانہ خدمت کرنے والا (ملازم، نوکر))۔

اجیر خاص کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت اجارہ میں حاضر ہو اور اس کی طرف سے عمل میں کوئی

مانع نہ ہوتو یہ اجرت کا مستحق ہوجائے گا، اگرچہ عمل انجام نہ پائے، اجیر خاص کو عرف میں ملازم سے تعبیر کرتے ہیں اور اس نوع کے اجارہ کو ملازمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مستاجر اور عمل کے لحاظ سے ملازمت کی مختلف صورتیں ہیں: بعض ملازمتیں سرکاری اداروں کی ہوتی ہیں، اور بعض پرائیویٹ کمپنیوں اور افراد کی، لیکن ان ساری ملازمتوں میں یہ امور ملحوظ رہنے چاہئیں کہ وہ عمل جس کے لئے ملازمت کی جاتی ہے معصیت اور حرام نہ ہو، اس عمل سے کسی ظلم یا گناہ کی اعانت نہ ہو، شریعت کی نظر میں وہ عمل لغو اور لایعنی نہ ہو، مدت مقرر اور اجرت معلوم ہو، ملازم کی طرف سے عمل میں کوتاہی اور بددیانتی نہ ہو، اور مستاجر کی طرف سے اجرت کی ادائیگی میں ظلم اور بدعہدی نہ ہو، ان امور کی رعایت کے ساتھ کوئی ملازمت بھی جائز ہوسکتی ہے، علی سبیل المثال چند ملازمت کی اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱-الف: شعبہ فوج کی ملازمت:

یہ ملازمت عقد الاجارۃ علی العمل کی نوع سے ہے، فوجی ملازم اجیر خاص ہوتا ہے، اور مستاجر (حکومت) کی طرف سے متعینہ مدت کے لئے معلوم اجرت پر معاملہ کا پابند ہوتا ہے، اس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان قائم رکھنا اور عوام کی مدد کرنا ہوتا ہے، اور یہ امور شرعی طور پر ممنوع نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ ﷺ: "**من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد**" (سنن النسائی ۱۱۶/۷)۔

(جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے اہل کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے دین کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنی جان بچانے میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے)۔

اس کی رو سے مسلمان فوجی شہید کا مرتبہ پانے کا مستحق ہے، کیونکہ اپنے ملک کی حفاظت اور اس پر حملہ آور کا مقابلہ کرنا درحقیقت اپنے نفس، اہل اور مال کا تحفظ اور دفاع کرنا

ہے، کسی شہری کی اپنے مسکن اور وطن سے محبت طبعی ہے، اور آیت کریمہ:

"قالوا ومالنا أن لا نقاتل في سبيل الله وقد أخرجنا من ديارنا...... "
(سورۂ بقرہ:۲۴۶) (ان لوگوں نے کہا: اور کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ کے راستہ میں قتال نہ کریں، حال یہ ہے کہ ہم اپنے دیار سے نکالے بھی گئے)، سے حب وطن کی تائید بھی ہوتی ہے، نیز ایک روایت جس کی صحت میں محدثین کو کلام ہے، اس میں وارد ہے:

"حب الوطن من الإيمان" قال السخاوی: لم أقف عليه ومعناه صحيح (المقاصد الحسنہ رص ۱۹۵)، نیز فوج میں مسلمانوں کا وجود اور ان کی کثرت، مسلمان باشندگان وطن کی قدر ومنزلت، شان وشوکت اور وجاہت ودبدبہ کا سبب بھی ہے، اس لئے مسلمانوں کا فوج میں ملازمت کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

فوج کی ملازمت میں کبھی ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ مسلمان فوجی کا مدمقابل اس کا ہم مذہب شخص ہو، اور حدیث میں وارد ہے: **"سباب المسلم فسوق وقتاله كفر"** (صحیح مسلم کتاب الإیمان حدیث ۱۱۶/۶۴) (مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے (ناحق) قتال کرنا کفر ہے)۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے: **"إذا التقى المسلمان بسيفيهما، فالقاتل والمقتول في النار"** (صحیح بخاری مع الفتح ۱۲/ ۱۹۲، حدیث ۶۸۷۵، ۷۰۸۳) (جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ مدمقابل ہوتو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں (داخل ہونے کے مستحق) ہیں)۔

لیکن ظاہر ہے کہ حدیث میں مذکور وعید ہر ایک کے لئے نہیں ہوسکتی، کیونکہ قرآن میں یہ بھی مذکور ہے:

"والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون" (شوریٰ:۳۹) (اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں)۔

”ولمن انتصر بعد ظلمه فأولئک ماعلیهم من سبیل“ (شوریٰ:۴۱) (اور جس نے اپنے مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو ان پر کوئی الزام نہیں)۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے مذکور حدیث کی شرح میں علامہ خطابی کا یہ قول نقل کیا ہے:

”ھذا الوعید لمن قاتل علی عداوۃ دنیویۃ أو طلب ملک مثلا، فأمامن قاتل أھل البغي أو دفع الصائل، فقتل فلا یدخل في ھذا الوعید، لأنه مأذون له في القتال شرعا“ (فتح الباری ۱۲/۱۹۷) (یہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو دنیاوی عداوت یا طلب حکمرانی کے لئے قتال کرے، اور وہ شخص جو اہل بغاوت سے قتال کرے یا حملہ آور کو دفع کرے اور قتل کرے تو اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ یہ شرعی طور پر قتال کے لئے مجاز ہے)۔

اور صاحب فتح القدیر علامہ ابن الہمام نے بھی یہی توجیہ کیا ہے لکھتے ہیں:

”فمحمول علی اقتتالھما حمیة وعصبیة، کما یتفق بین اھل قریتین ومحلتین أو لأجل الدنیا والمملکة“ (فتح القدیر مع الکفایہ ۵/۳۳۶) (روایت محمول ہے ان دونوں کے تعصب اور حمیت پر مبنی آپسی قتال پر، جیسا کہ دو گاؤں یا دو محلوں کے درمیان واقع ہوتا ہے، یا دنیا اور سلطنت کی خاطر)۔

لہذا مسلمان فوجی کا مدمقابل اگر ایسا مسلمان ہے جس کی طرف سے ظلم وزیادتی ہے، وہ حملہ آور ہے تو پھر اس مسلمان فوجی کو اس حملہ آور کے روکنے اور اپنے ملک کا دفاع کرنے کا شرعی وقانونی جواز ہوگا، اس پر یہ ماجور ہوگا، اور ہلاک ہوگیا تو شہید ہوگا، اور اگر اعتداء وابتداء مسلمان فوجی کی حکومت کی طرف سے ہے تو اس کا اپنا مدمقابل ہم مذہب پر وار کرنا درست نہیں ہوگا، اور اگر اس نے کمانڈر کے حکم سے اپنے مدمقابل پر حملہ کیا تو مذکورہ وعید کا مستحق ہوگا، کیونکہ شرعی طور پر صرف اس قتال کی اجازت ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہو، یا اپنی جان، مال، دین اور اہل وعیال کی طرف سے دفاع کے لئے ہو۔

البتہ اس صورت میں امیر کی اطاعت سے انحراف اور اس کے حکم سے سرتابی لازم آتی

ہے، جبکہ حدیث میں سمع وطاعۃ کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور اس نافرمانی کی صورت میں خود اپنے لئے مصیبت کو دعوت دیتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود وہ کمانڈر کی اطاعت نہیں کرے گا، کیونکہ جہاں خالق کی معصیت ہو ایسے امر میں مخلوق کی طاعت کا جواز نہیں، اگر اس نے کمانڈر کا حکم مانتے ہوئے اپنے ہم مذہب کو ماردیا تو قتل ناحق کا مرتکب ہوگا۔

''ولو قالوا لأسیر مسلم: اقتل لنا هذا الأسیر المسلم أو لنقتلنک لم یسعه أن یقتله، لما جاء فی الأثر لیس فی القتل تقیة'' (اگر کفار نے کسی مسلمان قیدی سے کہا کہ تم اس (دوسرے) مسلمان قیدی کو قتل کرو، ورنہ ہم تم کو قتل کرڈالیں گے تو اس کو (دوسرے مسلم قیدی کو) قتل کرنے کی گنجائش نہیں (جائز نہیں) کیونکہ حدیث میں وارد ہے: قتل میں تحفظ نہیں ہے)۔

علامہ سرخسیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ولأنهم أمروه بالمعصیة ولاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق، وهو بالإقدام علی القتل یجعل روح من هو مثله فی الحرمة وقایة لروحه و یقدم علی ماهو من مظالم العباد ولارخصة فی ذلک'' (شرح السیر الکبیر ۴/۱۵۰۳) (اور اس لئے کہ ان (کفار) نے اس کو معصیت کا حکم دیا ہے اور خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، اور وہ (مسلمان قیدی) قتل پر اقدام کرکے ایک ایسے شخص کی روح کو جو حرمت واحترام میں اسی کے مثل ہے اپنی جان کے لئے ڈھال بنارہا ہے، اور مظالم عباد پر اقدام کررہا ہے، جس کی رخصت واجازت نہیں ہے)۔

وجہ استشہاد یہ ہے کہ جب ایک مسلمان قیدی جس کو یہ دھمکی دی جارہی ہے کہ یا تو اپنے ہم مذہب قیدی کو قتل کرے ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا، تو اس کو یہ اجازت نہیں کہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ہم مذہب کو قتل کرے، تو پھر اس ملازم فوجی کو یہ اجازت بدرجہ اولی نہیں ہوگی، زیادہ سے زیادہ یہ ملازمت سے برخاست کیا جائے گا، یا کسی سزا کا مستحق گردانا جائے گا جو

بہر حال قتل سے اہون ہے، الاشباہ والنظائر کی اس عبارت:

"**وقالوا: الکافر إذا تترس بمسلم، فإن رماہ مسلم فإن قصد قتل المسلم حرم، وإن قصد قتل الکافر لا**" (ص۴۶، قاعدہ لا مور بمقاصدہا) (اور فقہاء نے کہا ہے کہ کافر جب کسی مسلمان کو آڑ اور ڈھال بنا لے، تو اگر کوئی مسلمان اس کو مسلم کے قتل کے ارادہ سے مارے تو حرام ہے، اور اگر کافر کے قتل کا ارادہ کیا تو حرام نہیں) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا، اس پر حملہ کرنا درست اور جائز نہیں۔

اطاعت امیر کی ایک حد شریعت میں مقرر ہے، جس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک امیر لشکر کو لشکر کی کسی بات سے ناراضگی ہوئی، انہوں نے آگ جلوائی اور اطاعت امیر کے حوالہ سے لوگوں کو اس آگ میں کود جانے کا حکم دیا، بعض لوگوں نے اطاعت امیر میں اس کا ارادہ کرلیا، اور بعض لوگوں نے اس سے انکار کردیا، رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کرلیا تھا فرمایا:

"**لم تزالوا فیہا إلی یوم القیامۃ وقال للآخرین: قولا حسنا وقال: لاطاعۃ في معصیۃ اللہ إنما الطاعۃ في المعروف**" (صحیح مسلم کتاب الإمارۃ حدیث: ۱۸۴۰) (اگر تم لوگ اس میں کود گئے ہوتے تو قیامت تک اسی میں رہتے، اور دوسرے لوگوں کے بارے میں آپ نے اچھی بات کہی اور فرمایا: اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں، بلکہ اطاعت خیر اور معروف کاموں میں ہے)۔

لہذا ظلماً کسی بھی مسلمان پر وار کرنا درست نہیں، اگر چہ کمانڈر کے حکم کی خلاف ورزی لازم آئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

☆ سرحد اور ثغور کی حفاظت ایک متوارث اور معروف عمل ہے۔

☆ اس عمل کے لئے فوج کی ملازمت اور اس پر اجرت لینا جائز ہے۔

☆ شرعی طور پر صرف اسی قتال کا اعتبار و جواز ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ اور جان و مال، اور

دین واہل کے تحفظ اور دفاع کے لئے ہو۔

☆اسلام میں عہد ومعاہدہ کے ایفاء کی بڑی تاکید ہے،حکومتوں کا باہمی معاہدہ بھی اس میں داخل ہے۔

☆مسلمان فوجی کے لئے اپنے ملک کے دفاع میں ایسے مسلمان پر وار کرنا جائز ہوگا جس نے دنیوی غرض سے اس کے ملک پر حملہ اور چڑھائی کی ہو۔

☆کسی بھی مسلمان کے لئے ناحق قتل کی اجازت نہیں،لہذا اگر تعدی اور غدر اس کی فوج اور ملک کی طرف سے ہوتو اس مسلمان فوجی کے لئے اپنے مدمقابل ہم مذہب پر حملہ اور وار کرنا جائز نہیں ہوگا۔

☆امیر اور کمانڈر کی اطاعت ایسے امور میں درست اور جائز نہیں جس میں شریعت کی خلاف ورزی لازم آئے۔

ب-شعبہ پولیس کی ملازمت:

اس شعبہ کی ملازمت بھی جائز ہے، کیونکہ اجرت (مشاہرۃ)معلوم ہوتی ہے، اور پولیس ملازم کام کے لئے حاضر ہوتا ہے،اور اس کا عمل،اندرون ملک امن وامان کوسنبھالنا وقائم رکھنا،معصیت بھی نہیں ہے، بلکہ جائز عمل ہے،بدزبانی یا ظلم وزیادتی اس ملازمت کا حصہ نہیں ہے،اور ایک مسلمان کے لئے ان امور سے بچنا ممکن ہے،اور اس کے لئے ان سے احتراز کرتے ہوئے اس ملازمت کوانجام دینا لازم ہے،اور اس شعبہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام شہریوں کے لئے باعث راحت ورحمت ہے،نیز مسلمان پولیس اپنی اسلامی شناخت کے ساتھ اس شعبہ کی ملازمت کے ذریعہ اس شعبہ کی اصلاح اور سدھار کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

پولیس اور فوج کا محکمہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں قائم ہو چکا تھا،اور آپ نے ان کی تنخواہیں بھی مقرر کررکھی تھیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ، نیز الفاروق مصنفہ علامہ شبلی نعمانی ۲/ ۴۷، ۹۶)۔

مظلوم پر گولی کا استعمال:

اسلام میں کسی پر ظلم کرنے یا اسے ناحق قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے،قرآن کریم میں متعدد جگہ "انه لا يحب الظالمين" اوراس کے مثل وعیدیں مذکور ہیں،حدیث نبوی میں بھی ظلم کی مذمت وقباحت کا ذکر کثرت سے وارد ہے،ایک طویل حدیث قدسی جس میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

"یاعبادی إنی حرمت الظلم علی نفسي وجعلته بينكم محرما فلا تظالموا......الحديث" (صحیح مسلم کتاب البر والصلہ حدیث ۲۵۷۷) (اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کررکھا ہے اورتمہارے مابین بھی اسے حرام کیا ہے، لہذا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو)۔

اس لئے پولیس والوں کا بھی کسی پر گولی چلانا درست نہیں،مگر یہ کہ عوام یا مدمقابل کی طرف سے تعدی اور زیادتی ہو یا کسی بڑے فتنہ اور نقصان کا اندیشہ ہوتو حسب موقع مناسب طریقہ اور قوت کا استعمال کرنا ضروری ہوگا۔

"يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام" (الأشباہ ص ۱۲۱۵) (نقصان عام کو دور کرنے کے لئے خاص نقصان کو برداشت کیا جائے گا)،اس قاعدہ کے تحت تفریع میں مذکور ہے:

"جواز الرمي إلى كفار تترسوا بصبيان المسلمين" (ایضا) (ایسے کفار کی جانب تیر چلانے کا جائز ہونا جنہوں نے مسلمان بچوں کو ڈھال بنا رکھا ہے)۔

اور ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے پولیس کا گولی استعمال کرنا ناگزیر ہوتب ہی اس کی اجازت ہوگی ورنہ اس سے پیشگی بقیہ تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

اقبال جرم کے لئے ایذارسانی:

ملک اور شہروں میں نظم ونسق اور امن وامان کا قیام شعبہ پولیس کا بنیادی مقصد ہے،اور

معاشرہ میں شیطانی عنصر کی ریشہ دوانی بھی معاشرہ کا ایک حصہ ہے جس کے سبب بدنظمی اور جرائم وجود میں آتے ہیں، اور حقیقی مجرم تک رسائی کے لئے شعبہ پولیس کو بسا اوقات بڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے، اور کبھی مجرم سے اقبال جرم کے لئے اس کے ساتھ سخت رویہ اپنانا پڑتا ہے، ظاہر ہے کہ مجرم آسانی سے اپنے جرم کا اعتراف نہیں کرے گا۔

لیکن اس مہم کے لئے شعبہ پولیس کو مطلق العنان آزادی نہیں دی جاسکتی، انسانیت پر مبنی حقوق انسانی کا پابند ہونا اس کے لئے ضروری ہے، ہر کس و ناکس کو گرفت میں لینا اور اس پر انسانیت سوز حربے استعمال کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اسلامی شریعت کے اعتبار سے کسی کو شبہ میں گرفتار کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے خلاف گواہی ہو، للقاضی تعزیر المتہم کے تحت شامی میں مذکور ہے:

"إن التهمة تثبت بشهادة مستورين أو واحد عدل، فظاهره أنه لو شهد عند الحاكم واحد مستور وفاسق بفساد شخص ليس للحاكم حبسه" (ردالمحتار ۶/۱۲۶) (تہمت دو مستور یا ایک عادل کی گواہی سے ثابت ہوگی، لہٰذا اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر حاکم کے پاس ایک مستور اور ایک فاسق کسی کے فساد (جرم) کی گواہی دیں تو حاکم کے لئے اس کو قید کرنا جائز نہ ہوگا)۔

اور جس پر جرم کی تہمت ہو اس سے اقبال جرم کے لئے مناسب سختی بھی کی جاسکتی ہے، مگر اس کے لئے ہر آدمی کے ساتھ یکساں سلوک نہیں کیا جائے گا، اور نہ انسانیت سوز تشدد کا معاملہ کیا جائے گا۔

"الذی علیه جمهور الفقهاء فی المتهم بسرقة ونحوها أن ینظر، فإما أن یکون معروفا بالبرلم تجز مطالبته ولا عقوبته وهل یحلف قولان، ومنهم من قال: یعزر متهمه، واما أن یکون مجهول الحال فیحبس حتی یکشف امره، قیل: شهرا وقیل: باجتهاد ولی الأمر، وان کان معروفا بالفجور فقالت طائفة

يضربه الوالي أو القاضي" (ردالمحتار ۱۴۸/۶) (چوری یا اس کے مثل میں متہم شخص کے بارے میں وہ قول جس پر جمہور فقہاء ہیں یہ ہے کہ دیکھا جائیگا، یا تو وہ شخص صلاح و شرافت میں معروف ہوگا تو اس شخص کا مطالبہ یا اس کو سزا دینا جائز نہیں، اور کیا اس سے قسم لی جائے گی؟ اس بارے میں دو قول ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ایسے متہم کی بھی تعزیر کی جائے گی، اور یا تو وہ مجہول الحال ہوگا تو اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے، قید کی مدت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک مہینہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ولی الامر کی صوابدید پر ہے اور اگر وہ متہم شخص فسق و فجور میں معروف ہوگا تو ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ والی یا قاضی اس کی پٹائی کرے گا)۔

اور حسن بن زیاد سے منقول ہے: "**مالم يقطع اللحم لاتبين العظم**" (حوالہ سابق) (جب تک سختی نہیں ہوگی بات واضح نہیں ہوگی)۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ بھی مجرم سے اقبال جرم کے لئے اس کی ضرب کے قائل ہیں:

"**إلا أن العلماء جوزوا في أيامنا هذه الإمتحان بالضرب وبماشاء من التهديد، لما رأوا من تفويت الحقوق واتلافها لولا ذلك، وكان فيما مضى من الزمان يكتفي باليسيرمن التهديد في اعتراف السارق**" (بذل المجہود فی حل أبی داؤد ۱۳۱/۵) (مگر علماء نے ہمارے اس زمانہ میں مارپیٹ اور جو دھمکی بھی مناسب ہو اس کے ذریعہ تفتیش کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ انہوں نے محسوس کیا حقوق کے تلف اور فوت ہونے کو اگر ایسا نہ ہو، اور گزشتہ ادوار میں چور کے اعتراف میں معمولی دھمکی پر بھی اکتفاء کیا جاتا تھا)۔

اور علامہ ابن القیمؒ بھی تفتیش کے سلسلہ میں عادی مجرم اور مہذب شہری کے مابین فرق اور ان میں سے بعض کے ساتھ سختی کے قائل ہیں:

"**ولو حلفنا كل واحد منهم وأطلقناه مع العلم باشتهاره بالفساد في**

الأرض وكثرة سرقاته وقلنا لاناخذه إلا بشاهدی عدل كان مخالفا للسياسة الشرعية" (ردالمحتار ۶/۱۲۶) (اور اگر ہم ہر شخص سے قسم لیں اور چھوڑ دیں، جانتے ہوئے اس کی چوریوں کی کثرت، اور زمین میں فتنہ وفساد میں اس کے مشہور ہونے اور ہم اس کو بغیر دو عادل گواہوں کے گرفتار نہ کریں تو یہ شرعی سیاست کے خلاف ہوگا)۔

ان عبارتوں سے اقبال جرم کے لئے مجرم پر سختی کے استعمال کی اجازت معلوم ہوتی ہے، لیکن واضح رہے کہ اس غرض سے ایذا رسانی اور سختی اس کے جرم کی حقیقی سزا سے متجاوز نہ ہو، اور اس پر ایسا تشدد نہ کیا جائے جو انسانیت کے لئے شرمناک ہو، مثلاً برف پر رکھنا، کرنٹ اور بجلی لگانا، سخت دھوپ یا سخت سردی میں رکھنا وغیرہ درست نہیں، ہشام بن حکیم بن حزامؓ سے منقول ہے:

"**قال: مربالشام علی أناس، وقد أقيموا فی الشمس وصب علی رؤسهم الزيت، فقال: ماهذا؟قيل: يعذبون فی الخراج فقال: أما إنی سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الله لعذب الذين يعذبون فی الدنيا**" (صحیح مسلم ۴/۲۰۱۷، کتاب البر والصلہ حدیث ۲۶۱۳) (وہ شام میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو دھوپ میں کھڑے کئے گئے تھے اور ان کے سروں پر تیل ڈال دیا گیا تھا، انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو بتایا گیا کہ خراج کے سلسلہ میں سزا دی جارہی ہے، تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو لوگ دنیا میں عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا کریں گے)۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ:

☆ شعبہ پولیس کی ملازمت جائز ہے۔

☆ کسی پر ظلم کرنا یا مظلوم پر گولی چلانا، یا کسی کے خلاف غلط زبان کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔

☆ کسی معصوم شہری کو کسی جرم میں گرفتار کرنا درست نہ ہوگا جب تک اس پر تہمت اور

شبہ کی گواہی نہ ہو۔

☆اقبال جرم کے لئے کسی متہم شخص پر مناسب قابل تحمل سختی کی جا سکتی ہے، اس کے لئے ایسی سزا اور ایذا رسانی کا جواز نہیں ہے جو اس جرم کی سزا سے زائد ہو، نیز اس سلسلہ میں عام شہری، شرفاء اور فساق وفجار (جن کا ریکارڈ صحیح نہ ہو) کے مابین فرق کا اعتبار لازم ہے۔

ج-انٹلیجنس اور شعبہ مخبری کی ملازمت:

مخبری کا شعبہ، نظام سلطنت کا ایک حصہ ہے، رعایا کے احوال سے واقفیت، ان کی ضروریات وحوائج کی تکمیل، مجرموں اور فساق کی سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں سے باخبر رہنے اور ان کے ممکنہ فساد فی الارض اور دہشت گردی کے خطرات سے بچنے کے لئے اس شعبہ کی ضرورت ہے، جس کا صحیح استعمال، ایک پر امن نظام سلطنت کے لئے بہترین مدد ومعاون ہے، رسول اللہ ﷺ سے غزوات کے موقع پر اس کا ثبوت، اس کے بوقت ضرورت استعمال وجواز کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے، حضرت حذیفہؓ کو آپ نے غزوہ خندق کے موقع پر کفار کے لشکر میں حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

”فقال:یاحذیفة! اذهب فادخل في القوم فانظر ماذا يصنعون…… الخ“(سیرت ابن ہشام ۱۳۲/۲)(حذیفہ جاؤ، اور قوم (کفار) میں گھس جاؤ اور دیکھو کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں)۔

”وعن أنسؓ قال: بعث-يعني النبي ﷺ بسبسة عينا ينظر ماصنعت عير ابی سفيان“ (سنن ابی داؤد ۳۸/۳ حدیث ۲۶۱۸)(حضرت انسؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے بسبسہ نامی شخص کو بطور جاسوس روانہ کیا تھا تا کہ وہ جائزہ لے کہ ابوسفیان کے قافلہ نے کیا کیا)۔

البتہ یہ عمل مخبری تجسس اور غیبت کو مستلزم ہے، اور قرآن وحدیث میں اس کی مذمت وارد ہے، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

"یاأیها الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، إن بعض الظن اثم، ولاتجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب أحدکم أن یأکل لحم اخیه میتا فکرهتموه واتقوا الله إن الله تواب رحیم" (سورۂ حجرات:۱۲)(اے لوگو جو ایمان لائے! بہت گمان (تہمت، بدگمانی) سے پرہیز کرو، کیونکہ کچھ گمان گناہ ہیں، اور ٹوہ میں مت پڑو، اور تم میں کا بعض بعض کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، جس سے تم کو کراہت اور نفرت ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

نیز ہمام بن الحارث سے مروی ہے فرماتے ہیں:

"کنا جلوسا مع حذیفة في المسجد فجاء رجل حتی جلس إلینا فقیل لحذیفة: إن هذا یرفع إلی السلطان أشیاء، فقال حذیفة: إرادة أن یسمعه: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لایدخل الجنة قتات" (صحیح مسلم ۱/۱۰۱ کتاب الایمان حدیث ۱۷۰، ۱۰۵) (ہم لوگ حضرت حذیفہؓ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور ہمارے قریب میں بیٹھ گیا، تو حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ یہ شخص حاکم تک کچھ باتیں پہنچاتا ہے، تو حضرت حذیفہؓ نے اس کو سنانے کی غرض سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ چغلی کرنے والے جنت میں نہیں جائیں گے)۔

لیکن بعض وہ احادیث جن سے عمل مخبری کا ثبوت ملتا ہے، ان کے پیش نظر علماء نے ان احادیث کی شرح میں تفصیل و توجیہ کی ہے جن میں تجسس اور غیبت سے منع کیا گیا ہے، اور بظاہر غیبت کی بعض صورتوں کو غیبت قرار نہیں دیا ہے، امام راغب اصفہانیؒ نے غیبت کی یہ تعریف کی ہے:

"والغیبة أن یذکر الإنسان غیره بمافیه من عیب من غیر أن أحوج إلی ذکره" (مفردات ص ۳۶۷) (اور غیبت یہ ہے کہ انسان اپنے غیر کا ذکر اس عیب کے ساتھ کرے

جواس میں ہے،بغیراس کے کہ محتاج کیا گیا ہواس کے ذکر کا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت کسی کے عیب کو ذکر کرنا غیبت ہے،اور اگر کسی مصلحت اور ضرورت کے تحت کسی کے عیب کو ذکر کیا جائے تو وہ غیبت میں شمار نہیں،امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"**اعلم أن الغيبة تباح لغرض صحيح شرعي، لا يمكن الوصول إليه إلا بها وهو ستة أسباب**" (ریاض الصالحین ص ۳۷۴)(معلوم ہونا چاہئے کہ غیبت مباح ہے،ایسے صحیح شرعی غرض کے لئے جس تک بغیر غیبت کے پہنچنا ممکن نہ ہو،اور وہ چھ اسباب ہیں)۔

پھر انہوں نے ان چھ اسباب کی تفصیل بیان کی ہے،اور صحیح غرض کے لئے اس کے جواز پر دلالت کرنے والی چند احادیث ذکر کی ہیں جن میں زید بن ارقمؓ سے مروی ایک حدیث ہے:

"**قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ في سفر أصاب الناس فيه شدة، فقال عبد الله بن أبي: لاتنفقوا على من عند رسول الله حتى ينفضوا، وقال: لئن رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعزمنها الأذل، فأتيت رسول ﷺ فأخبرته بذلك**" (ریاض الصالحین ص ۳۷۶)(فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے،جس میں لوگوں کو کچھ دشواریاں پیش آئیں،تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے والے ہیں ان پر خرچ نہ کرو (ان کی امداد نہ کرو) تاکہ وہ لوگ الگ ہوجائیں،نیز یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو ہم میں کا عزت والا کمتر کو اس سے نکال کر باہر کرے گا،تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ کو اس کی خبر دی)۔

نیز حضرت حذیفہؓ سے مروی حدیث "**لايدخل الجنة قتات**" کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"اور نمیمہ کے بارے میں یہ سب مذکور وعیدیں اس وقت ہے جب کہ اس میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو (بلکہ علی وجہ الفساد ان کا وقوع ہو) اور اگر کوئی ضرورت اس کی داعی ہو تو پھر وہ

ممنوع نہیں، جیسے اس کو یہ خبر دے کہ کوئی آدمی اس کو یا اس کے اہل کو، یا اس کے مال کو ہلاک کرنا چاہتا ہے یا کسی ذمہ دار یا حاکم کو یہ بتلائے کہ فلاں آدمی ایسا کرتا ہے، اور کسی فساد کے درپے ہے، اور صاحب منصب پر اس کی تفتیش کرنا اور اس کا ازالہ کرنا لازم ہے، تو یہ اور اس جیسی صورتیں حرام نہیں ہیں، بلکہ موقع محل کے لحاظ سے ان میں سے بعض واجب اور بعض مستحب ہوں گی" (شرح صحیح مسلم للإمام النووی ۱؍ ۱۱۳)۔

نیز محمد بن مسلمہؓ کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ سیدنا عمرؓ کے دور میں جانچ اور تحقیق کے منصب پر مقرر تھے۔

"**كان عمر قد أقام محمد بن مسلمة مفتشاعاما يرسله إلى كل بلد اشتكى على أميره**" (الخلفاء الراشدون لعبد الوہاب النجار، ص ۲۳۲) (حضرت عمرؓ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو انسپکٹر جنرل بنایا تھا، ان کو (معائنہ کے لئے) ہر اس علاقہ کی طرف بھیجتے تھے جہاں کے لوگوں نے اپنے حاکم کی شکایت کی ہوتی)۔

ان ساری عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ بلا ضرورت تجسس اور غیبت گناہ عظیم ہے جس سے احتراز لازم ہے۔

☆ شرعی مصالح، اور ملکی امن و امان کی خاطر مخبری کرنا اور جو لوگ مفاسد کی اصلاح پر قادر ہوں ان تک فساد پسند عناصر کی حرکات کی اطلاع پہنچانا جائز ہے۔

☆ تجسس اور مخبری صرف اسی حد تک جائز ہے جتنے سے ضرورت پوری ہو جائے۔

☆ اصلاح اور امن و امان کی غرض سے انٹیلجنس اور مخبری کے شعبہ کی ملازمت جائز ہے، کیونکہ اس مقصد سے یہ عمل معصیت نہیں ہوگا، نیز اس ملازمت میں بھی مدت متعینہ کی اجرت معلوم ہوتی ہے، فقہی قاعدہ ہے: "**الأمور بمقاصدها**"۔

د- شعبہ عدلیہ کی ملازمت:

نزاع باہم جو بسا اوقات پورے معاشرہ کے فساد اور بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے، ایسے

نزاع کو دور کرنے، مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے، حقدار تک اس کا حق پہنچانے کے لئے کسی بھی معاشرہ اور حکومت میں عدلیہ کا نظام ہونا ضروری ہے، شرعی طور پر قضاء کا حکم فرض کفایہ کا ہے۔

"والأصل أن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة قد باشره الصحابة والتابعون ومضى عليه الصالحون ولكنه فرض كفاية" (عالمگیریہ ۳/۳۰۶) (اور اصل یہ ہے کہ قضا ایک ثابت شدہ فریضہ اور سنت متوارثہ ہے، صحابہ اور تابعین نے اسے انجام دیا ہے اور صالح لوگوں کا طریقہ رہا ہے، البتہ یہ فرض کفایہ ہے)۔

لہذا اگر کسی کو قاضی اور جج ہونے کی پیشکش ہو، اور اس علاقہ میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا اہل نہ ہو (یا کسی دوسرے کے اس منصب پر مقرر ہونے سے انصاف نہ ملنے کا خوف ہو) تو اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا لازم ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کے اہل موجود ہوں، تو اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا ضروری نہیں۔

"إذا عرض القضاء على من يصلح له من أهل البلد ينظر إن كان في البلد عدد يصلحون لا يفترض عليه القبول بل هو في سعة من القبول والترك" (بدائع الصنائع ۵/۴۴۰) (جب شہر کے کسی صاحب لیاقت شخص پر قضا کا عہدہ پیش کیا جائے، تو وہ دیکھے گا کہ شہر میں اگر کچھ اور لوگ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اس پر اس عہدہ کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ قبول کرنے اور نہ کرنے کی گنجائش میں ہے)۔

البتہ عہدہ قضا کا طلب کرنا مستحسن نہیں ہے، بلکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

"عن النبي ﷺ قال: من ابتغى القضاء وسأل فيه شفعاء وكل إلى نفسه ومن اكره عليه أنزل الله عليه ملكا يسدده" (سنن الترمذی ۳/۶۰۵ کتاب الأحکام حدیث ۱۳۲۴) (رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے کہ جس کسی نے قضا کو طلب کیا اور اس میں سفارشی طلب کئے تو اسی کے سر ڈال دیا جاتا ہے اور جو اس پر مجبور کر دیا جائے (قبول کرنے پر) تو اللہ

تعالی اس پر (مدد کے لئے) ایک فرشتہ نازل کرتے ہیں جو اسے راہ راست پر لگائے رہتا ہے)۔

قضا کا عہدہ ظالم یا کافر حکومت کی طرف سے بھی پیش کیا گیا ہو تو اسے بھی قبول کیا جاسکتا ہے۔

"ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل و الجائر ولو کافرا فی التاتر خانیۃ: الإسلام لیس بشرط فیہ: أی فی السلطان الذی یقلد" (شامی ۸/۴۳)

(اور عادل و ظالم بادشاہ (حاکم) کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا جائز ہے، اگر چہ وہ حاکم کافر ہو، اور تاتارخانیہ میں ہے: اسلام اس کے لئے شرط نہیں ہے، یعنی اس حاکم کا مسلمان ہونا شرط نہیں جو قاضی مقرر کررہا ہے)، لہذا ایسے ممالک جن کے حکمراں غیر مسلم اور کافر ہوں، اور ان حکومتوں کی طرف سے اگر جج اور قاضی کا عہدہ کسی مسلمان کو پیش کیا جائے تو اس کے لئے اس عہدہ کا قبول کرنا جائز ہے، بلکہ ان ممالک میں اس عہدہ پر مسلمانوں کا ہونا پوری عوام کے لئے مفید ہوگا، بشرطیکہ وہ مسلمان جج رشوت، جانبداری وغیرہ سے احتراز کرتے ہوئے اس خدمت کو انجام دے، اور اس شرط کے ساتھ کہ اس ظالم یا کافر حکومت کی طرف سے اس پر دباؤ نہ ہو، اور حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے پر کوئی روک نہ ہو، اور اگر اس طرح کا کوئی دباؤ ہوگا تو پھر اس عہدہ کا قبول کرنا حرام ہوگا۔

"إلا إذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم" (الدرالمختار ۸/۴۴) (مگر یہ کہ وہ حاکم اس کو حق کا فیصلہ کرنے سے روکے تو اس عہدہ کا قبول کرنا حرام ہوگا)۔

کیونکہ اس صورت میں قضا کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوگا (ہدایہ مع فتح القدیر ۶/۳۶۵، عالمگیریہ ۳/۳۰۷)۔

اور ظاہر ہے کہ وہ ممالک جن کے حکمراں کافر ہوں ان کے دستور و قوانین کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی نہیں ہوں گے، اس لئے اگر اس ملک کے بعض قوانین شریعت سے متصادم

بھی ہوں مگر ایک مسلمان جج حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس پر حکومت کی طرف سے دباؤ نہیں ہے تو مسلمانوں کے لئے ان ممالک کے عدلیہ کی ملازمت جائز ہوگی، اور جب عہدہ قضا کے قبول کرنے کا جواز ہوگا تو ایسی عدلیہ میں وکالت اور دیگر عہدوں کی ملازمت بھی درست ہوگی۔

فقہی عبارت سے یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ قضا پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، بلکہ حاکم شہر پر یہ لازم ہے کہ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کردے بلکہ اگر قاضی اور جج مالدار ہو تو اس طور پر بھی بیت المال سے لینا اس کے لئے غیر اولی ہے۔

''فان کان غنیا تکلموا فیه والأولی أن لایاخذ من بیت المال کذا فی فتاوی قاضی خاں'' (عالمگیریہ ۳/۳۲۹) (اور اگر قاضی مالدار ہو تو اس کے بیت المال سے لینے میں کلام کیا ہے اور اولی یہ ہے کہ وہ بیت المال سے بھی نہ لے)۔

''القاضی إذا کان یاخذ من بیت المال شیئا، لا یکون عاملا بالأجربل یکون عاملا لله تعالی ویستوفی حقه من مال الله تعالی وکذا الفقهاء والعلماء والمعلمون الذین یعلمون القرآن'' (عالمگیریہ ۳/۳۲۹) (قاضی جب بیت المال سے کچھ لے رہا ہو، تو وہ اجرت پر عمل کرنے والا نہیں ہوگا، بلکہ وہ اللہ کے لئے عمل کرنے والا ہوگا، اور اپنا حق اللہ کے مال سے حاصل کرے گا، اور ایسے ہی فقہاء، علماء اور وہ معلمین جو قرآن کی تعلیم دیتے ہیں)۔

''وهذا لو بلاشرط، ولوبه کالأجرة فحرام لأن القضاء طاعة فلم تجز کسائر الطاعات'' (الدرالمختار ۹/۵۵۹) (اور یہ (قاضی کا بیت المال سے لینا) اگر بلاشرط ہو، اور اگر شرط کے ساتھ ہو اجرت کی طرح تو حرام ہوگا (لینا) کیونکہ قضا ایک طاعت ہے لہذا سبھی طاعات کی طرح (اس پر اجرت لینا) جائز نہ ہوگا)۔

اسی کے ساتھ یہ وضاحت بھی مذکور ہے:

"يستحق القاضي الأجر على كتب الوثائق والمحاضروالسجلات قدرمايجوز لغيره كالمفتي فانه يستحق أجر المثل على كتابة الفتوى، لأن الواجب عليه الجواب باللسان دون الكتابة بالبنان" (الدرالمختار ۹/ ۱۲۷) (قاضی، دستاویزات، کارروائی اور ریکارڈ کو لکھنے پر اجرت لینے کا مستحق ہوگا، اتنی مقدار جتنا اس کے غیر کے لئے جائز ہے جیسے مفتی کہ وہ فتاوی کی تحریر پر اجر مثل کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ اس پر واجب زبان سے جواب دینا ہے، لکھنا واجب نہیں)۔

جس سے قاضی کے لئے فیصلہ لکھنے پر اجرت لینے کا جواز ملتا ہے اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ نفس قضا پر اجرت لینا حرام کہا گیا ہے، اجرت کے طور پر قاضی کے کچھ لینے کو امام احمد اور امام شافعیؒ نے بھی پسند نہیں کیا ہے۔

"وقال أحمد: لا يعجبني أن ياخذ على القضاء اجرا وان كان فبقدر شغله......فاما الإستئجار عليه فلا يجوز، قال عمرؓ: لا ينبغي لقاض المسلمين أن ياخذ على القضاء اجرا وهذا مذهب الشافعي ولا نعلم فيه خلافا" (المغنی لابن قدامہ ۱۴/ ۱۰) (امام احمدؒ نے فرمایا کہ: مجھے پسند نہیں کہ قضا پر اجرت لے، اور اگر ہو بھی تو اس کی مصروفیت کی بقدر......اور بہر حال اس پر اجرت لینا تو جائز نہیں، سیدنا عمرؓ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کے قاضی کو زیب نہیں دیتا کہ قضا پر اجرت لے، اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں)۔

لہذا قاضی کے لئے نفس قضا پر تو اجرت لینا جائز نہیں، لیکن اگر وہ اس فیصلہ اور کارروائی کو تحریر کرتا ہے، اس عمل کے لئے عدالت میں حاضر ہوتا ہے، تو اس عمل پر اسے اجرت لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ھ-شعبہ انکم ٹیکس کی ملازمت:

انسانی معیشت میں مال کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے کیونکہ اسی پر ساری معیشت

قائم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:**"ولاتؤتوا السفهاء أموالكم التي جعل الله لكم قياما"** (سورۂ نساء:۵) (اور تم نادانوں کو اپنے وہ مال مت دو جسے اللہ نے تمہارے لئے قیام معیشت کا ذریعہ بنایا ہے)۔

انسان جو کچھ کماتا اور حاصل کرتا ہے شرعی طور پر اس کا مالک ہوتا ہے، اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر کسی دوسرے کو اس مال کے کھانے اور استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

"ولاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (اور اپنے مال اپنے درمیان باطل اور ناجائز طور پر مت کھاؤ)۔

لہذا کسی بھی فرد، کمپنی یا حکومت کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے فرد یا رعایا کے مال کو اس کی رضا کے بغیر، جبر و اکراہ کے ذریعہ طلب کرے، ایسا کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے، حضرت انسؓ سے مرفوعاً منقول ہے:**"لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه"** (سنن دارقطنی ۳/۲۶، ۷) (کسی بھی مسلمان کا مال اس کی رضا کے بغیر حلال نہیں)۔

حکومتیں اپنی رعایا سے جو محصول وصول کرتی ہیں، وہ اگر کسی ایسی شے سے متعلق ہے جس سے عام رعایا کی مصلحت اور مفاد وابستہ ہے، تو اس محصول کا وصول کرنا ان کے لئے درست ہوگا، فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے:

"وأما النوائب فإن أريد بها مايكون بحق ككرى النهر المشترك وأجرة الحارس والموظف لتجهيز الجيش وفداء الأسارى وغيرها جازت الكفالة بها على الاتفاق" (ہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۳۳۲) (اور بہر حال نوائب تو اگر مراد لیا جائے اس سے اس کو جو کسی حق کی وجہ سے ہو جیسے عام لوگوں کے لئے مشترک نہر کے کھودنے اور حارس کی اجرت، تجہیز جیش کے لئے ملازم کی اجرت اور قیدیوں کے فدیہ وغیرہ کے لئے تو اس کی کفالت بالاتفاق جائز ہے)۔

علامہ ابن الہمام اس کے تحت لکھتے ہیں:

"**لأنها واجبة على كل مسلم موسر بايجاب طاعة ولي الأمر فيما فيه مصلحة المسلمين ولم يلزم بيت المال أولزمه ولاشئ فيه**"(فتح القدیر ۶/ ۳۳۲)

(کیونکہ یہ ہر مالدار مسلمان پر واجب ہے کہ حاکم کی اطاعت کے واجب کئے جانے کی وجہ سے اس امور میں جن میں مسلمانوں کی مصلحت ہے اور وہ بیت المال پر لازم نہیں ہے یا اس پر لازم ہو مگر اس میں کچھ موجود نہ ہو)۔

اور وہ محصول جو حکومتیں اپنی رعایا، سے کسی جائز حق کے عوض کے علاوہ وصول کرتی ہے مثلاً آمدنی اور انکم پر ٹیکس وصول کرنا یہ درست اور جائز نہیں اس کو ظلم سے تعبیر کیا جائے گا۔

"**وان أريدبها ماليس بحق كالجبايات الموظفة على الناس في زماننا ببلادفارس على الخياط والصباغ وغيرهم للسلطان في كل يوم أو شهر أو ثلاثة اشهر فانها ظلم**"(فتح القدیر ۶/ ۳۳۲)(اور اگر ان (نوائب) سے مراد لی جائیں وہ وصولیاں جو مقرر کی گئی ہیں ہمارے زمانہ میں بلاد فارس میں خیاط، صباغ وغیرہ پر بادشاہ کے لئے روزانہ یا ہر ماہ یا ہر تین ماہ پر تو وہ ظلم ہے)۔

لہذا آج کل کی حکومتیں جو عوام کی آمدنی میں اس طور پر مداخلت کرتی ہیں کہ ایک مقررہ مقدار آمدنی پر وہ اس پر ٹیکس عائد کرتی ہیں جس کو انکم ٹیکس سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ جائز نہیں یہ حکومتوں کا رعایا پر ایک طرح کا ظلم ہے، اور ظلم کی ترویج ونفاذ پر تعاون کرنا تعاون علی الاثم ہوگا۔

"**تعاونوا على البروالتقوى ولاتعاونوا على الإثم والعدوان**"(نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کا تعاون کرو اور ظلم ومعصیت پر باہم تعاون مت کرو)۔

اس لئے شعبہ انکم ٹیکس میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا درست نہ ہوگا، ٹیکس وصول کرنے والے کے بارے میں سخت وعید وارد ہے، عقبہ بن عامرؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

’’لایدخل الجنة صاحب مکس‘‘(سنن ابوداؤد ۳/ ۱۳۳، کتاب الخراج باب فی السعایہ علی الصدقہ حدیث ۲۹۳۷)(ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔

’’وقال الأصمعي: الماکس: العشار واصله الجبایة والمکس: الذی یأخذه وقال غیره......وصاحب المکس هو الذی یعشر أموال المسلمین ویاخذ من التجار إذا مروابه باسم العشر، ولیس هذا بالساعی الذی یاخذ الصدقات‘‘(معالم السنن مع مختصر سنن ابو داؤد ۴/ ۱۹۸)(اصمعی نے کہا کہ: ماکس عشر وصول کرنے والا ہے اور اس کی اصل جبایہ(ٹیکس) ہے اور مکس وہ چیز ہے جس کو وہ وصول کرتا ہے، اور ان کے علاوہ نے کہا:......صاحب مکس وہ شخص ہے جو مسلمانوں کے مال سے عشر لیتا ہے، اور جو تجار اس کے پاس سے گزرتے ہیں ان سے عشر کے نام پر لیتا ہے، اور اس سے ساعی مراد نہیں ہے جو صدقات وصول کرتا ہے)۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ وعید اس شخص کے لئے نہیں ہوسکتی جو جائز طور پر صدقات اور عشر وصول کرتا ہے، بلکہ صاحب مکس سے مراد وہی شخص ہوسکتا ہے جو بطور ظلم لوگوں سے وصول کرتا ہو، القاموس المحیط میں ’’مکس‘‘ کے تحت مذکور ہے:

’’والمکس: النقص والظلم ودراهم کانت توخذ من بائعی السلع فی الأسواق فی الجاهلیة أو درهم کان یاخذه المصدق بعد فراغه من الصدقه‘‘(القاموس المحیط ۴/ ۲۷۲ مادہ مکس)(اور مکس کا معنی نقص اور ظلم ہے، اور وہ دراہم جو بازار میں سامان بیچنے والوں سے زمانہ جاہلیت میں لئے جاتے تھے یا وہ درہم جس کو صدقہ وصول کرنے والا صدقہ سے فارغ ہونے کے بعد وصول کرتا تھا)۔

’’وقد غلب استعمال المکس فیما یاخذه أعوان السلطان ظلما عند البیع والشراء‘‘(المصباح المنیر ص ۵۷۷)(اور مکس کا استعمال غلبہ پاگیا ہے، ان(اموال) کے بارے میں جس کو بادشاہ کے گماشتے بیع وشراء کے وقت بطور ظلم وصول کرتے ہیں)۔

ان تشریحات سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ حدیث:"لایدخل الجنة صاحب مکس" سے مراد وہ عامل نہیں ہے جو حکومت کی طرف سے عشر وخراج وصول کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ عشر وخراج شرعی حق ہے، بلکہ اس حدیث میں مذکور وعید اس شخص کے لئے ہے جو عشر وخراج کے علاوہ بطور ظلم وصول کرے، یعنی شرعی طور پر اس کا مطالبہ نہ ہو اور عامل اپنے عامل ہونے کا دبا وَ ڈال کر وصول کرے۔

اور اس وعید کا مستحق وہ شخص ہے جو لوگوں کی آمدنی پر کسی طرح کا محصول وصول کرے جیسا کہ بیع کے وقت بائع سے وصول کرنا وغیرہ، خواہ یہ وصول انفرادی اور پرائیوٹ طور پر ہو یا اجتماعی اور سرکاری طور پر، اور جب اس طرح کی وصولی کرنیوالے کے لئے وعید وارد ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ عمل معصیت اور عدوان ہوگا، لہذا اس کی ملازمت کرنا معصیت اور عدوان پر تعاون ہوگا، جو جائز نہیں، اس لئے محکمہ انکم ٹیکس کی ملازمت جائز نہیں ہوگی۔

۲-الف-محرمات پر مبنی ملازمتیں:

اللہ تعالی نے سود اور ربا کو حرام کیا ہے، اور اس کے کھانے اور اس کا معاملہ کرنے سے منع کیا ہے، "احل الله البيع وحرم الربوا" (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے سودی معاملہ سے متعلق لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

"عن جابرؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء" (صحیح مسلم باب الربا حدیث) (حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سود کھانے والے، اس کے کھلانے والے، اس کے لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور آپ نے فرمایا کہ وہ سب (گناہگار ہونے میں) برابر ہیں)۔

امام نوویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وفيه تحريم الإعانة على الباطل" (شرح نووی ۲۶/۱۱) (اور اس حدیث میں

باطل پر تعاون کرنے کے حرام ہونے کا ثبوت ہے)۔

اور قرآن کریم میں صراحۃ مذکور ہے:

”**ولاتعاونوا على الإثم والعدوان**“ (گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی اعانت مت کرو)۔

لہذا بینک جو بنیادی طور پر سودی لین دین کا کاروبار کرتا ہے، اس کے کسی ایسے کام کی ملازمت کرنا جس کا تعلق براہ راست سودی معاملہ سے ہو حرام ہوگا، اور اس کا کرنے والا احادیث و قرآن میں مذکور وعیدوں کا مستحق ہوگا۔

بینک کو اپنا مکان یا عمارت کرایہ پر دینا درست نہیں، کیونکہ بینک کا اس عمارت کو لینا سودی لین دین کا جو اس کا بنیادی کاروبار ہے اسی کے لئے ہوگا، اور اس طرح کرایہ پر اپنا مکان دینے والا اس سودی معاملہ پر تعاون کا مرتکب ہوگا۔

”**وفي المحيط: ذمي استاجر من مسلم أو ذمي بيعة ليصلي فيها لم يجز، لأن صلاة الذمي معصية وإن كانت طاعة في زعمه**“ (البحر الرائق ۳۵/۸) (کسی ذمی نے کسی مسلمان سے ۔ یا کسی ذمی سے معبد کرایہ پر لیا تا کہ اس میں وہ نماز پڑھے تو جائز نہیں، کیونکہ ذمی کی صلاۃ معصیت ہے اگر چہ اس کے خیال میں وہ اطاعت اور بندگی ہے)۔

”**ولو استاجر الذمي مسلما ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له الأجر، كذا في المحيط**“ (فتاوی عالمگیریہ ۴۵۰/۴) (ذمی کسی مسلمان سے اس کام کے لئے اجارہ کا معاملہ کرے کہ وہ اس کے لئے ایک معبد یا گرجا گھر تعمیر کردے تو جائز ہوگا اور اجرت اس کے لئے حلال ہوگی)۔

”**وإذا استاجر الذمي من المسلم دارا يسكنها فلا بأس بذلك وإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب**“ (ایضا) (اور جبکہ ذمی مسلمان سے کوئی گھر کرایہ پر لے تو کوئی حرج نہیں اگر چہ وہ اس میں شراب پئے یا اس میں صلیب کی پوجا کرے)۔

بینک کومکان کرایہ پر دینے کے جواز کے لئے شاہد نہیں بن سکتیں، کیونکہ یہاں صورت حال مختلف ہے، بینک کو مکان کرایہ پر دینے کی صورت میں ایک حرام کام کے لئے منفعت کا عوض حاصل کرنا لازم آتا ہے، اوران مذکورہ جزئیات میں یا تو اپنے عمل تعمیر کی اجرت لینا ہوتا ہے یا مکان رہائش کے لئے دینے کی اجرت لینا ہوتا ہے، بقیہ اعمال معصیت ضمناً وجود میں آرہے ہیں، اسی لئے اس اخیر جزئیہ کی تفصیل میں مذکور ہے۔

”**لأن المسلم لا يؤاجرها لذلک انما آجرها للسکنی کذا فی المحیط**“ (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۵۰) (کیونکہ مسلم شخص شراب پینے کے لئے یا صلیب کی پوجا کرنے کے لئے اس مکان کو اجرت پر نہیں دیتا ہے بلکہ رہائش کے لئے دیتا ہے)۔

اور فقہی قاعدہ ہے: ”**الأمور بمقاصدها**“ (الاشباہ والنظائر ص ۴۳)، نیز ان صورتوں میں براہ راست تعاون علی المعصیۃ بھی لازم نہیں آتا جیسا کہ بینک کو اپنی عمارت کرایہ پر دینے میں تعاون علی المعصیۃ لازم آرہا ہے، تعاون علی المعصیۃ کی تفصیل میں مذکور ہے:

”**إن المراد بمالاتقوم المعصية بعينه مايحدث له بعد البيع وصف آخر فيه قيام المعصية، وأن ماتقوم المعصية بعينه ماتوجد فيه على وصفه الموجود حالة البيع**“ (شامی ۹/۵۶۱) (عین (معاملہ) سے قیام معصیت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بیع کے بعد وہ وصف پیدا ہو جس میں معصیت پائی جائے، اور عین (معاملہ) سے معصیت قائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بیع کے وقت وہ وصف موجود ہو جس میں معصیت پائی جائے)۔

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایرکنڈیشن، یا ان جیسے کاموں کی مرمت کی اجرت لینا، یا بینک کی عمارت کی تعمیر کی اجرت لینا جائز ہوگا، اوران اعمال سے تعاون علی الاثم لازم نہیں آئے گا۔

ب-انشورنس کمپنی کی ملازمت:

انشورنس کمپنیاں جو اس اصول پر کام کرتی ہیں کہ انشورنس کرنے والوں سے ایک

متعینہ رقم جمع کراتی ہیں، اور اس مدت میں معہود خطرہ پیش آنے کی صورت میں جمع شدہ رقم سے زائد واپس کرتی ہیں، چونکہ نفس عقد میں زائد رقم کی واپسی مشروط ہوتی ہے، لہذا یہ معاملہ جائز نہیں، شامی (۷/۳۹۵) میں مذکور ہے:

"**كل قرض جر نفعا حرام أي إذا كان مشروطا**" (ہر قرض جو مشروط نفع لائے حرام ہے)۔

اور خطرہ پیش نہ آنے کی صورت میں بھی جمع شدہ رقم کے ساتھ زائد رقم کی واپسی یا جمع شدہ رقم کا واپس نہ ملنا غرر اور قمار پر مشتمل ہے، کیونکہ جن خطرات کے اندیشے کے مدنظر انشورنس کرایا گیا ہے ان کا وقوع محتمل اور غیر یقینی ہے، اور یہی غرر کا مصداق ہے، جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے۔

"**عن أبي هريرةؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر**" (صحیح مسلم ۳/۱۱۵۳ کتاب البیوع حدیث ۴/۱۵۱۳) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع کیا ہے)۔

اور غرر کا معنی ہے خطرہ، ضائع ہونے کا اندیشہ (المصباح المنیر للفیومی)۔

"**وغرر بنفسه تغرير أو تغرة كتحلة عرضها للهلكة والإسم الغرر محركة**" (القاموس المحیط)۔

لہذا جب انشورنس کا کاروبار بھی سود، غرر اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہے تو انشورنس کمپنیوں کی ملازمت، نیز ان کے لئے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا تعاون علی المعصیۃ والإثم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا، "**تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**"۔

وہ انشورنس جو جبری اور اضطراری ہو اس کی اجازت بقدر جبر و ضرورت ہی ہے، "**فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه إن الله غفور رحيم**" (سورۂ بقرہ: ۱۷۳)۔

"**ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها**" (الأشباہ والنظائر ص ۱۱۹)۔

اور ایسے انشورنس جو بالجبر ہوتے ہیں اس میں بھی جمع شدہ رقم سے جائز جو رقم ملے گی وہ انشورنس کرانے والے کے لئے اپنے کسی بھی استعمال میں لانا جائز نہیں، وہ سود ہی ہوگی اور اس کا حکم تصدق علی الفقراء ہے۔

"**لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد**" (البحر الرائق ۸/۳٦۹) (اس لئے کہ خبیث اور حرام کمائی (سے نجات پانے) کا راستہ صدقہ کردینا ہے جبکہ واپس کرنا مشکل ہو)۔

انشورنس کمپنیوں کی ملازمت جس میں براہ راست سودی معاملہ سے واسطہ پڑے جائز نہیں ہے۔

انشورنس کمپنیوں کے لئے بحیثیت ایجنٹ کام کرنا جائز نہیں ہے۔

ج-شراب کی کمپنی کی ملازمت:

شراب ایک نجس اور گندی چیز ہے، اور اس کی حرمت ونجاست منصوص ہے۔

"**يأيها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون**" (سورۂ مائدہ: ۹۰) (اے ایمان والو! بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، لہذا ان سے بچو تا کہ کامیابی پاؤ)۔

"**وكذلك الخمر والدم المسفوح ولحم الميتة......نجس نجاسة غليظة**" (عالمگیریہ ۱/۴٦) (اور ایسے ہی شراب، دم مسفوح، مردار کا گوشت وغیرہ نجس نجاست ہیں)۔

اور حرام شئی کی بیع درست نہیں۔

"**وأما بيع الخمر والخنزير إن كان قوبل بالدين كالدراهم والدنانير**

فالبیع باطل" (ہدایہ) (بہرحال شراب اور خنزیر کی بیع دین کے مقابل میں ہو جیسے درہم، و دنانیر، (رائج سکے) تو بیع باطل ہوگی)۔

لہذا شراب کی خرید وفروخت کرنا یا اس کام کے لئے ملازمت کرنا اور اجرت لینا جائز نہیں ہوگا، اس کام کے لئے ملازمت کرنا، ایک نجس اور حرام شے کی ترویج واشاعت میں تعاون کرنا ہے، اور اس کا اعزاز کرنا ہے، اور حرام ومعصیت پر تعاون کرنے سے صراحۃً منع کیا گیا ہے۔

"**وتعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**" (سورۂ مائدہ:۲) (نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ وزیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون مت کرو)۔

اور ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشا فرمایا:

"**لعن اللہ الخمروشاربھا وساقیھا وبائعھا ومبتاعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا والمحمولۃ إلیہ**" (سنن ابوداؤد ۳/۳۲۶، کتاب الأشربۃ حدیث ۳۶۷۴) (اللہ تعالی نے لعنت کیا ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے تیار کرنے والے پر اور اس کے تیار کرانے والے پر اور اس کے لے جانے والے پر اور جس تک لے جائی جائے، اس پر)۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شراب کے تیار کرنے میں یا اس کو پینے والوں کے لئے مہیا کرنے میں کسی طرح کا تعاون، تعاون علی الاثم ہوگا، اور ایسے شخص پر اللہ کی لعنت ہے۔

لہذا شراب کی کمپنی کو وہ اجزا فراہم کرانا اور پیش کرنا جن سے شراب تیار کی جاتی ہے ناجائز اور حرام ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک کسی مسلمان کے لئے شیرہ انگور فروخت کرنا ایسے شخص کو جو شراب بناتا ہو یا کسی ذمی کی شراب کو کسی جگہ پہنچانے کی اجرت لینا جائز ہے۔

"وجاز أي عنده لاعندهما بيع عصير عنب" (شامی ۹/۵۶۱) (اور جائز ہے ان کے نزدیک نہ کہ ان دونوں کے نزدیک شیرہ انگور کا بیچنا)۔

"وإذا استاجر ذمي مسلما ليحمل له خمرا ولم يقل ليشرب أو قال: يشرب جازت الإجارة في قول أبي حنيفة رحمه الله خلافا لهما" (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۴۹) (اور جب کسی ذمی نے کسی مسلمان کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کی شراب پہنچا دے اور پینے کا تذکرہ نہیں کیا یا یہ کہا کہ وہ پئے گا تو اجارہ جائز ہوگا، ابوحنیفہؒ کے قول میں بخلاف ان دونوں کے)۔

اس سے مراد مطلق بیع یا مطلق اجارہ حمل ہے، لیکن اگر کوئی اس لئے اور اس قصد سے اجزاء شراب کی بیع کرتا ہے تا کہ اس سے شراب تیار کی جائے یا اس لئے شراب کہیں پہنچا تا ہے تا کہ کوئی شراب نوشی کرے تو یہ ان کے نزدیک بھی ان شاء اللہ حرام ہوگا، پھر بھی چونکہ شراب کا استعمال پینے کے لئے ہی ہوتا ہے، اس لئے اس کا اجارہ کرنے والا احادیث کی رو سے وعید کا مستحق ہوگا، چنانچہ "الأمور بمقاصدها" کے تحت مذکور ہے:

"إن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم" (الأشباہ والنظائر ص ۴۳) (بیع عصیر ایسے شخص کے ہاتھ جو اس سے شراب تیار کرے، اگر اس (بیع) سے تجارت کا قصد کیا جائے تو حرام نہیں، اور اگر اس بیع سے شراب بنانے کا قصد کیا جائے تو یہ بیع حرام ہوگی)۔

اور "حمل خمر ذمی" کے تحت علامہ شامیؒ امام ابوحنیفہؒ کے قول جواز کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وله أن الإجارة على الحمل وهو ليس بمعصية ولا سبب لها وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار وليس الشرب من ضرورات الحمل لأن حملها قد يكون للإراقة أو للتخليل" (شامی ۹/۵۶۲) (اور ان کا یہ کہنا ہے کہ اجارہ کا عقد

حمل (پہنچانے) کے لئے ہوا ہے، اور وہ معصیت نہیں ہے اور نہ اس کا سبب ہے، بلکہ معصیت تو اپنے اختیار سے کرنے (پینے) والے کے فعل سے پائی جائے گی، اور پینا شراب کے لے جانے کی ضروریات میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا لے جانا کبھی ضائع کرنے کے لئے ہوگا یا سرکہ بنانے کے لئے)۔

لیکن شراب کی کمپنی کو شراب کی تیاری کے اجزاء فروخت کرنا تو اسی لئے ہوگا کہ وہ کمپنی شراب تیار کرتی ہے، لہذا ان اجزاء کو کمپنی کے لئے پیش کرنا ناجائز ہوگا، اور اسی طرح شراب کی کمپنی کے لئے اس کی ملازمت بھی درست نہیں ہوگی۔

"ان بیع العصیر لمن یعتقد أنه یتخذه خمرا محرم وکرهه الشافعي، وذکر بعض أصحابه أن البائع إذا اعتقد أنه یعصرها خمرا فهو محرم وإنما یکره إذا شک فیه" (المغنی لابن قدامہ ۶/۳۱۷) (عصیر (نچوڑنے) کی بیع اس شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں یقین ہو کہ شراب بنائے گا حرام ہے، اور امام شافعیؒ نے مکروہ کہا ہے، بعض اصحاب شافعیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ بائع کو جب اس کا یقین ہو کہ وہ اس کی شراب بنائے گا تو حرام ہے، مکروہ اس وقت ہے جبکہ اس کے بارے میں شک ہو)۔

نیز ابن قدامہؒ حسن بصری، عطا اور سفیان ثوریؒ کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک ایسے شخص کے ہاتھ کھجور فروخت کرنا جو اس سے شراب تیار کرے گا، جائز ہے، اور دلیل "أحل الله البیع"، "ولأن البیع تم بأرکانه وشروطه" کو نقل کرکے "لا تعاونوا علی الإثم والعدوان"، اور حدیث ابوداؤد "لعن الله الخمر وشاربها...... الحدیث" کے ذریعہ اس کا رد کیا ہے، آگے "وهکذا الحکم في کل ماقصد به الحرام" کے تحت لکھتے ہیں:

"وقد نص أحمدؒ علی مسائل نبه بها علی ذلک فقال......ومن یخترط الأقداح لا یبیعها ممن یشرب فیها" (المغنی ۶/۳۱۹) (اور امام احمدؒ نے چند مسائل کی

صراحت کی ہے جس کے ذریعہ اس پر متنبہ کیا ہے انہیں میں سے ہے کہ جو آدمی پیالے ڈھالتا ہو (بناتا ہو) ان کو اس کے ہاتھ نہیں بیچے گا جو اس میں شراب پئے)۔

ان ساری عبارتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شراب کی کمپنی جس میں شراب ہی تیار ہوتی ہے اس کی ملازمت جو شراب پینے پلانے کے کام سے متعلق ہو یا اس کمپنی کو ایسے اجزاء پیش کرنا یا بیچ کرنا جن سے شراب تیار ہوتی ہے یا شراب کی کمپنی کے لئے مخصوص بوتلیں تیار کرنا یا ان کے ہاتھ فروخت کرنا درست اور جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی کمپنی محض شراب کی تیاری کا ہی کام نہ کرتی ہو بلکہ وہ سرکہ یا دوسرا کوئی حلال مشروب بھی اس سے تیار کرتی ہو تو پھر اس کے ساتھ اس کے اجزاء کی خرید فروخت کو جائز لکھا ہے، چنانچہ المغنی میں ہے:

"فأما إن كان الأمر محتملا، مثل أن يشتريها من لا يعلم حاله أو من يعمل الخل والخمر معا ولم يلفظ بما يدل على ارادة الخمر فالبيع جائز" (المغنی ۶/۳۱۹) (بہر حال صورت حال محتمل ومبہم ہو مثلاً اس عصیر کو ایسا شخص خریدے جس کا حال معلوم نہ ہو یا وہ شخص خریدے جو سرکہ اور شراب دونوں بناتا ہو اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے خمر کے ارادہ پر دلالت ہو تو بیع جائز ہے)۔

شراب کی کمپنی میں حساب کتاب لکھنے کی ملازمت کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔

"وان استاجر ليكتب له غناء بالفارسية أو بالعربية فالمختار أنه يحل لأن المعصية في القراء ة" (عالمگیریہ ۴/۴۵۰) (اور اگر اجرت پر لیا کہ اس کے لئے فارسی یا عربی میں گانا لکھ دے تو قول مختار یہ ہے کہ اجرت حلال ہوگی کیونکہ معصیت گانے میں ہے)۔

اور اس لئے کہ حساب کتاب لکھنے سے براہ راست شراب نوشی کا تعاون نہیں ہوتا۔

۳-الف- سپر مارکیٹ:

ایسی کمپنی یا ادارہ جس کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے، لیکن ضمنا اس میں محرمات کا

کاروبار بھی ہوتا ہے، ایسے کمپنی یا ادارہ میں ملازمت کرنا جائز ہوگا، البتہ ملازم اس حرام کام میں جو ضمناً ہورہا ہے خود کو اس میں ملوث ہونے سے بچائے گا، اور اس ادارہ میں یا کمپنی میں اس کی اجرت ملازمت جائز ہوگی۔

”**وإذا استاجر الذمی من المسلم دارالیسکنها فلا بأس بذلک وان شرب فیها الخمر أو عبدفیها الصلیب او ادخل فیها الخنازیر ولم یلحق المسلم فی ذلک بأس، لأن المسلم لا یواجرها لذلک إنما آجرهاللسکنی کذا فی المحیط**“ (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۵۰) (اور جب ذمی نے مسلمان سے کوئی مکان اجرت پر رہنے کے لئے لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر چہ وہ اس میں شراب پیئے، یا صلیب کی پوجا کرے یا اس میں خنزیر کو داخل کرے، مسلمانوں کو اس سے کوئی حرج لاحق نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان ان کاموں کے لئے اس کو اجرت پر نہیں دیتا ہے، بلکہ اس کو رہنے کے لئے اجرت پر دیا ہے)۔

ایسے ہی سپر مارکیٹ میں سامان کی فروخت کے لئے ملازمت اختیار کیا ہے، تو ممنوعہ اور حرام اشیاء کی فروخت سے احتراز کرتے ہوئے اس مارکیٹ کی ملازمت اختیار کی جاسکتی ہے اور اگر اس نے شراب یا کسی حرام شے کی فروخت کا ارتکاب کیا تو اس کا گناہ اس پر لازم ہوگا، پھر بھی اس کی اجرت اور تنخواہ جائز اور حلال ہوگی۔

”**وکذا فی کل موضع تعلق المعصیة بفعل فاعل مختار**“ (خلاصۃ الفتاوی ۳/۳۴۹، الفصل العاشر فی الحظر والإباحۃ از حوالہ حاشیہ فتاوی محمودیہ ۱۶/۵۶۹) (اور ایسے ہی ہر اس موقع پر جبکہ معصیت باختیار فاعل کے فعل سے متعلق ہو)۔

لہذا ماہانہ اجرت پر سپر مارکیٹ کی ملازمت جائز ہے، اور چونکہ شراب حرام ہے، مال غیر متقوم ہے، اس کے بیچنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے، اس لئے کسی مسلمان کے لئے اس کا بیچنا درست نہیں، اگر اس کی بیع کرے گا تو وعید کا مستحق ہوگا۔

"وإذا كان أحد العوضين أو كلاهما محرما فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم والخنزير والخمر" (ہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۴۳) (اور جب بدلین میں ایک یا دونوں حرام ہوں تو بیع فاسد ہوگی جیسے مردار یا خون یا خنزیر یا شراب کی بیع)۔

ب- پیشہ تدریس:

تدریس پر اجرت لینا جائز اور معمول بہا ہے، خواہ قرآن کی تعلیم ہو یا فقہ و دیگر علوم کی، کیونکہ مدت تدریس کی اجرت معلوم ہوتی ہے، مشاہرۃ، اور اس مدت میں اجیر حاضر ہوتا ہے، اور عمل تدریس کو انجام دیتا ہے۔

"ومشائخ بلخ جوزوا الإستئجار على تعليم القرآن إذا ضرب لذلك مدة وأفتوا بوجوب المسمى وعند عدم الإستئجار اصلا أو عند الإستئجار بدون المدة افتوا بوجوب أجر المثل" (عالمگیریہ ۴/ ۴۴۸) (اور مشائخ بلخ نے جائز قرار دیا ہے قرآن کی تعلیم پر اجیر بنانے کو جبکہ متعین کردی جائے اس کے لئے کوئی مدت اور مقررہ اجرت کے وجوب کا فتوی دیا ہے، اور اجرت کا معاملہ نہ کرنے پر یا بغیر مدت کے اجرت کا معاملہ کرنے پر اجر مثل کا فتوی دیا ہے)۔

لہذا تدریس پر اجرت لینا جائز ہے، البتہ مناسب یہ ہے کہ پڑھنے والے اگر لڑکے ہوں تو ان کے لئے مرد اساتذہ ہوں اور پڑھنے والی لڑکیاں ہوں تو ان کے لئے خواتین اساتذہ ہوں۔

اور اگر پردہ کا نظم ہو تو مرد اساتذہ خواتین طالبات کو درس دے سکتے ہیں اور اس کے برعکس بھی کیونکہ بوقت ضرورت عورتوں سے گفتگو کرنا جائز ہے، امام ابو العباس القرطبی کا قول ان کی کتاب السماع کے حوالہ سے مذکور ہے:

"ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا "صوت المرأة عورة" أنا نريد بذلک كلامها، لأن ذلک ليس بصحيح، فانا نجيز الكلام مع النساء

للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلک" (ردالمحتار ۲/۷۹) (اور نہ خیال کرے وہ شخص جس کے پاس سمجھ نہیں ہے کہ ہم جب کہتے ہیں کہ "صورت المرأة عورة" تو اس سے مراد لیتے ہیں اس کے کلام کو (کہ اس کے لئے بات کرنا درست نہیں) کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ہم ضرورت کے وقت اجنبی شخص کو عورتوں سے گفتگو اور بات کرنے کو جائز کہتے ہیں)۔

نیز حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنینؓ کا صحابہ کرام سے حدیثیں بیان کرنا اور صحابہ کرام کا ان کی آواز کا سننا ثابت ہے، اس لئے پردہ کا نظم ہو تو مرد اساتذہ، عورتوں کو، اور خواتین اساتذہ مردوں کو بھی درس دے سکتی ہیں بوقت ضرورت اور بغیر پردہ کے اس طور پر ایک دوسرے کے لئے درس دینا درست اور جائز نہیں کیونکہ اجنبی عورت پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں، اور نہ عورت کے لئے جائز ہے کہ اجنبی مرد کے سامنے بے پردہ ہو، اگرچہ عمل تدریس پر اجرت جائز ہوگی۔

"**وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة**" (الدرالمختار ۲/۷۹) (اور جوان عورت مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے روکی جائے گی اس لئے نہیں کہ چہرہ عورت ہے بلکہ فتنہ کے خوف سے)۔

قرآن کریم میں مرد اور عورت دونوں کو حکم ہے کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں۔

"**قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم**" (سورۂ نور: ۳۰) (مومنوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں)۔

"**وقل للمومنات يغضضن من أبصارهن**" (ایضا/۳۱) (اور مومن عورتوں سے کہئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)۔

مخلوط تعلیم یعنی ایک ہی کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں بغیر پردہ کے تعلیم حاصل کریں یہ بھی جائز نہیں، اور اگر ایسا نظم ہو کہ درمیان میں پردہ ہو، تو اس طور پر تعلیم اگرچہ جائز ہو سکتی ہے لیکن اس فتنہ کے دور میں احتیاط اولی ہوگی۔

کتب فقہ میں اگرچہ اجنبی عورت کے چہرہ کو دیکھنے کا جواز مذکور ہے لیکن وہ عدم شہوت

کے ساتھ مقید ہے۔

"**النظر إلى وجه الاجنبية إذا لم يكن عن شهوة ليس بحرام لكنه مكروه**" (کذا فی السراجیہ، فتاوی عالمگیریہ ۵/۳۲۹) (اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف بلاشہوت دیکھنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے)۔

اور اس فتنہ کے دور میں چونکہ شہوت اور فسق میں وقوع کا گمان غالب اور اندیشہ قوی ہے، اس لئے اسے حرام ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ گذشتہ صفحہ میں درمختار کے حوالہ سے نقل کیا گیا کہ چہرہ کے ستر نہ ہونے کے باوجود فتنہ کے خوف سے جوان عورت کے اپنے چہرہ کو اجنبی مردوں کے سامنے کھولنے سے روکا جائے گا۔

ج- پیشہ وکالت:

معاشرہ میں باہمی نزاع اور خصومات کا وقوع بھی ہوتا ہے جن کے تصفیہ کے لئے عدلیہ ومحکمہ کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی لئے ہر حکومت میں عدالت اور قضاء کا نظام بھی قائم ہوتا ہے، اور بسا اوقات فریقین اپنے مسائل اور قضایا کی ترجمانی پر قادر نہیں ہوتے، اس لئے اس کی خاطر وکیل کئے جاتے ہیں جو اپنے موکل (فریق) کی طرف سے اس کیس اور مسئلہ کو دیکھتے ہیں، اور اس کے لئے وہ اپنے موکل سے فیس اور اجرت لیتے ہیں، اس طرح مخاصمات میں مدعی ومدعی علیہ دونوں فریق کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنا کوئی وکیل مقرر کریں۔

"**لكل من المدعي والمدعى عليه أن يوكل من شاء بالخصومة ولا يشترط رضا الأخر**" (شرح المجلہ مادہ رقم ۱۵۱۶) (مدعی اور مدعی علیہ ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ جس کو چاہیں مخاصمت کے لئے وکیل بنائیں اور دوسرے کی رضامندی شرط نہیں ہے)۔

لہذا مخاصمات میں وکیل بنا جائز ہوگا، اور وکالت پر اجرت لینا بھی جائز ہے، کیونکہ وکیل اس کے لئے اپنا وقت دیتا ہے اور مقدمات کی تاریخوں پر موجود رہتا ہے، اور اپنے موکل کی طرف سے بحث اور ترجمانی کرتا ہے۔

البتہ وکیل کو اس بات کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ وہ مظلوم کو انصاف دلائے، جان بوجھ

کر کسی ظالم کی وکالت نہ کرے، اور نہ کسی ظالم کا تعاون کرے، کیونکہ ظالم شخص کی وکالت کرنا، اور اس کا تعاون کرنا اعانت علی الاثم ہے، اور مظلوم کو نقصان پہنچانا اور حقدار کو اس کے حق سے محروم کرنا ہے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ میں منقول ہے:

"ملعون من ضار مومنا أو مکربه" (سنن الترمذی ۴/۲،۳۳۲، حدیث ۱۹۴۱) (جو شخص کسی مومن کو ضرر پہنچائے، اور اس کے خلاف سازش کرے اس پر لعنت کی گئی ہے)۔

اور شہادت زور (جھوٹی گواہی) کبائر میں سے ہے، لہذا اپنے مؤکل کو جھوٹ بولنے کی تربیت اور ترغیب دینا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

"عن أبی بکرة قال: کنا عند رسول الله فقال: ألا أنبئکم باکبر الکبائر؟ (ثلاثا) الإشراک بالله وعقوق الوالدین وشهادة الزور (أوقول الزور) وکان رسول الله متکئا فجلس فمازال یکررها حتی قلنا: لیته سکت" (صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۱۴۳/۸۷) (حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپ نے ارشاد فرمایا تین مرتبہ: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (یا جھوٹی بات کہنا) اور رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے (سیدھے) بیٹھ گئے، اور برابر اسے دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے بھی کہا کاش آپ خاموش ہوجاتے)۔

د- پیشہ طبابت:

طبیب کو امانتداری اور دیانتداری سے کام لینا چاہئے، اس کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ مشورہ چاہنے والے کی مصلحت کو چھپا کر اس کے نقصان کی طرف اس کی رہنمائی کرے، یہ اس کے ساتھ خیانت ہوگی، اور اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا ہوگا، جو "الدین النصیحۃ" کے خلاف ہے اور خیانت کرنا نفاق کی علامت ہے، اس لئے کسی بھی ڈاکٹر کا بلا ضرورت شدیدہ، صرف زیادہ آمدنی

کے لئے کسی مریض کے لئے آپریشن، یا ٹسٹ وچیک وغیرہ تجویز کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہوگا، اور ایسا کرنا غش اور خیانت ہوگا اور کسی کے مال کو ناجائز طور پر اس کی رضا کے بغیر کھانا ہوگا جوممنوع ہے قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس سے منع کیا ہے کہ لوگوں کے مال کو غلط طریقہ پر استعمال کیا جائے یا کھایا جائے۔

ایسے ہی معالج پرائیویٹ ملازم ہو، مناسب تو یہ ہے کہ مرد مریض، مرد ڈاکٹر سے اور خاتون مریض خاتون معالج سے علاج کے لئے رجوع کریں، خاص طور سے ایسے امراض کے علاج میں جس کا تعلق قابل ستر حصہ سے ہو، کیونکہ اجنبی مرد اور اجنبی عورتوں کا ایک دوسر کو دیکھنا یا چھونا درست نہیں، جیسا کہ قرآن کریم کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے: "**قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم**" نیز "**وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن**"، لیکن اگر ایسی مجبوری ہے کہ خاتون ڈاکٹر موجود نہیں ہے تو اس صورت میں بقدر ضرورت اجازت دی جاتی ہے۔

"**ينظر الطبيب إلى موضع مرضها بقدر الضرورة، إذالضرورات تتقدر بقدرها**" (الدرالمختار ۹/۲ ۵۳) (مرد معالج، مریضہ کے مرض کی جگہ کو بقدر ضرورت ہی دیکھے گا، کیونکہ ضرورتیں اپنی بقدر ہی مقدر کی جائیں گی)۔

ھ- ہوٹل کی ملازمت:

ہوٹل جن کا بنیادی مقصد، معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، اس کا معاملہ اجارہ درست ہے، جس طرح سے مکان ودوکان کرایہ پر دی جاتی ہیں، اسی کے مثل ہوٹل اور اس کے کمرے وغیرہ بھی ہیں، ان کو بھی کرایہ پر دینا درست ہے، اور جس طرح مکان ودوکان کی ملازمت جائز ہے، اسی طرح ہوٹل کی ملازمت بھی جائز ہے۔

"**صح اجارة الدور والحوانيت بلا بيان ما يعمل فيها والقياس أن لا تجوز هذه الإجارة حتى يبين ما يعمل فيها**" (البحرالرائق ۱۲/۸) (مکانات اور دوکانوں

کوکرایہ پر دینا بغیر اس وضاحت کے کہ اس میں کیا کرے گا صحیح ہے، اور قیاس یہ ہے کہ اس میں عمل کی وضاحت کے بغیر درست نہ ہو)۔

کیونکہ اس میں سکونت وتجارت کے علاوہ دوسرے کام کرنے کا امکان اور صلاحیت بھی ہے، لیکن چونکہ عام طور پر دوکان یا مکان کا کرایہ پر لینا تجارت یا سکونت کے لئے متعارف ہے، اس لئے اس کو بیان عمل کے بغیر بھی جائز کہا گیا ہے، البتہ اس صورت میں کوئی ایسا کام اس میں نہیں کرے گا (کرایہ پر لینے والا) جس سے عمارت خراب اور کمزور ہو۔

"وجه الإستحسان أن العمل المتعارف فيها السكنى والمتعارف كالمشروط، ولأن اجارتها لاتختلف باختلاف العامل والعمل فجاز اجارتها مطلقا" (ایضا)، **"قال صاحب غاية البيان: ......وله أن يعمل فيها كل شئ لا يوهن البناء ولا يفسده"** (ایضا) (وجہ استحسان یہ ہے کہ ان میں عمل متعارف سکونت (اور تجارت) ہی ہے، اور معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے، نیز اس لئے بھی کہ کام کرنیوالے اور کام کے اختلاف سے اس کے اجارہ (یعنی منفعت اور اجرت کے حصول) پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے ان کا مطلقا اجارہ درست ہے، اور اس کے لئے جائز ہے کہ اس میں ہر وہ کام کرے جو عمارت کو کمزور اور خراب نہ کرے)۔

لہذا ان ہوٹلوں میں کمرے کرایہ پر لے کر ان میں قیام کرنے والے اس میں شراب نوشی یا رقص وسرور و دیگر معاصی کے کام بھی کرتے ہیں تو اس سے اجرت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

"واذا استاجر الذمي من المسلم داراليسكنها فلا بأس بذلک وان شرب فيها الخمر أو عبدفيها الصليب أو أدخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم في ذلک بأس، لأن المسلم لا يواجر هالذلک انما آجرها للسكنى كذا في المحيط" (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۵۰) (اور جب ذمی، مسلمان سے کوئی گھر کرایہ پر لے جس

میں وہ رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر چہ وہ اس میں شراب نوشی کرے، یا صلیب کی پوجا کرے یا اس میں خنزیر لے جائے، مسلمان کو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوگا، کیونکہ مسلمان نے اس کو ان کاموں کے لئے اجرت پر نہیں دیا ہے، بلکہ اس کو سکونت کے لئے اجرت پر دیا ہے)۔

یہی حکم سوئمنگ پول یا ان تمام اشیاء کے اجارہ کا ہوگا جن کا استعمال جائز طور پر ہوسکتا ہے، اگر چہ اس کو بطور معصیت استعمال کی بھی گنجائش ہو، جس طرح دوکان مکان کی تعمیر سکونت و تجارت کے لئے ہوتی ہے، اور انہیں کاموں کے لئے عموماً انہیں کرایہ پر لیا جاتا ہے، اسی طرح ہوٹلوں میں سوئمنگ پول کی تعمیر شناوری و تیراکی کے لئے ہوتی ہے، ان کے غلط استعمال کرنے والے کرایہ داروں کی وجہ سے ان کے مالکین کو ان سے حاصل ہونے والی اجرت پر فرق نہیں پڑے گا، بشرطیکہ ان ہوٹلوں وغیرہ کے مالک ان حرام اشیاء کی فراہمی خود نہ کریں۔

اور اگر ان محرمات کی فراہمی انہیں ہوٹل مالکین کی طرف سے ہوگی تو اس صورت میں یہ بھی گنا ہگار ہوں گے، اور اس فراہم کرنے کی اجرت لینا ان کے لئے درست نہ ہوگا۔

"ولا تجوز الإجارة علی شئ من الغناء والنوح والمزامير والطبل وشئ من اللهو وعلی هذا الحداء وقراء ۃ الشعر وغيره، ولا اجر في ذلک وهذا کله قول أبي حنيفة وأبي يوسف و محمد رحمهم الله تعالی کذا في غاية البيان" (فتاوی عالمگیریہ ۴/۴۴۹) (اور نہیں جائز ہے اجارہ گانے اور نوحے پر اور نہ ڈھول باجے پر اور نہ لہو ولعب کی کسی چیز پر اور اسی طرح حدی خوانی اور اشعار وغیرہ کے پڑھنے پر، ان سب کاموں پر کوئی اجرت نہیں ہے، اور یہ سب قول ہے ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ کا)۔

لہذا ہوٹلوں میں قیام پر تو اجرت اور کرایہ لینا جائز ہے، مگر ان کے لئے شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام رقص وموسیقی کی سہولت مہیا کرنا جائز نہ ہوگا، اور نہ ان پر اجرت لینا جائز ہوگا، اور جو ان ہوٹلوں میں ملازم ہوں ان کے لئے بھی جائز نہیں کہ ان محرمات

کو ان قیام کرنے والے اشخاص تک پہنچائیں، یہ سب تعاون علی الاثم ہوگا، اور ان کی فراہمی کے لئے وہ ملازمت پر ہیں تو ان کا اجرت لینا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ براہ راست تعاون ہوگا، اور صرف قیام کے لئے اجرت پر دینا براہ راست تعاون نہ ہوگا، قیام کرنے والا اپنے طور پر شراب نوشی وغیرہ کرے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

☆☆☆

مختلف سیکٹروں میں ملازمتوں کے شرعی احکام

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

معاش کا حصول انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اس کا ایک طریقہ ملازمت بھی ہے، بذات خود ملازمت جائز ہے اور شرعی اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ کرنے میں اللہ کی طرف سے اجر کا وعدہ بھی ہے، مسئلہ اس وقت کھڑا ہوتا ہے جب ہماری ملازمت اور معاشی مشغولیت، شریعت کے بنیادی اصول سے عملی طور پر متصادم ہوجائے اور بات اعانت علی المعصیۃ یا معصیت تک پہونچ جائے، اسی پس منظر میں اس وقت ہماری گفتگو کا محور ومرکز مختلف النوع ملازمتیں ہیں، خصوصاً ایسی ملازمت جو بادی النظر میں اسلامی اصول اور نصوص کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اور جن میں کبھی کبھی دوران ملازمت خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔

(الف) ان میں سے ایک فوج کی ملازمت ہے، اس کا اصل کام تو ملک کی سرحدوں کی حفاظت ہے، کبھی غیر معمولی حالات پیدا ہوجائیں تو اندرون ملک بھی امن وامان کے قیام کے لئے ان کی خدمت لی جاتی ہے، امن وامان کا قیام اور وطن کی حفاظت کا کام شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور فقہاء نے جن امور کے لئے قتال کو جائز کہا ہے ان میں وطن کی حفاظت بھی ہے، کیونکہ یہ اصلاً حفظ جان، حفظ مال اور حفظ عرض کے قائم مقام ہے، اس لئے کہ عدم حفاظت کی صورت میں دشمن ملک میں داخل ہوجائیں گے، ایسے میں نہ جان محفوظ رہے گی، نہ مال اور نہ ہی عزت وآبرو۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں بلقیس کا مکالمہ مذکور ہے:

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ، بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ۔

"قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ" (نمل:۳۴)۔

(کہنے لگی: بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں، اس کو خراب کر دیتے ہیں، وہاں کے سرداروں کو بے عزت کرتے ہیں اور ایسا ہی کچھ وہ لوگ کریں گے)۔

لیکن اس ملازمت کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ کبھی ایک مسلمان فوجی کا مقابل مسلمان ہوتا ہے اور اسے اپنے کمانڈر کے حکم پر بالقصد مسلمان فوجی پر گولی چلانی ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں مؤمن کے قتل عمد کا ارتکاب ہوتا ہے، فوج کی ملازمت میں ایسی صورت حال پیش آتی رہتی ہے، اور اس سے مفر نہیں ہے، مسلمان اگر یہ سوچ کر فوج کی ملازمت سے اپنے کو الگ کر لیں تو معیشت کے وسائل بھی محدود ہو جائیں گے اور بہت سی دفعہ مسلمان کے فوج میں ہونے کی وجہ سے، مسلمان فوج کی زیادتی سے جو بچ جاتے ہیں یہ بھی باقی نہیں رہے گا اور مسلم دشمن ذہنیت کو اس کا پورا پورا موقع ملے گا کہ وہ جس طرح چاہیں کریں، ان حالات میں ہمیں ''أهون البليتين"(دو مصیبتوں میں سے آسان) "الضرر يزال" "الضرورات تبيح المحظورات'' جیسے فقہی اصولوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

''إذا تعارض مفسدتان ، روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما ، وقال الزيلعي: ثم الاصل في جنس هذه المسائل ان من ابتلي ببليتين وهما متساويان ، ياخذبايتهما شاء وان اختلفاه يختارأهونهما ، لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلاالضرورة" (۲۶۱/۱)۔

(جب دو خرابیاں ٹکرا جائیں تو جس میں کم نقصان ہوگا اسے اختیار کیا جائے گا۔ اور زیلعیؒ نے فرمایا کہ اس جیسے مسائل میں اصل یہ ہے کہ اگر کوئی دو مصیبتوں میں گھر گیا اور دونوں کے دونوں برابر ہوں، تو ان میں جن کو چاہے اختیار کرے اور اگر وہ دونوں خرابیاں برابر نہ ہوں تو

جس میں کم خرابی ہو اس کو اختیار کیا جائے ۔اسلئے کہ حرام کا ارتکاب ضرورتاً ہی جائز ہے)۔

ملکی سرحدوں کی حفاظت اور مسلمانوں کو متوقع ظلم سے بچانا یا ایسی شکلیں پیدا کرنا کہ ظالموں کو ظلم کا حوصلہ نہ ہو، شریعت کی نظر میں پسندیدہ امر ہے، اور مؤمن کا مقابل آنا اور گولیاں اس پر چلانا یقینی اور کثیر الوقوع نہیں ہیں، اس لئے فوج میں ملازمت کی اجازت ہوگی، اور ضرورتاً اقامت فرض کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو جائے تو دوسرے فوجیوں کو نشانہ نہ بنانے کی نیت کرے، جیسا کہ مسلم قیدیوں اور تجار کی موجودگی میں کافروں کے غول پر تیر اندازی کی اجازت دی گئی ہے۔

''ولا بأس برميهم بالنبال ، وان علموا ان فيهم مسلمين من الاسارى والتجار لما فيه من الضرورة.......... ولكن يقصد ون بذلک الكفرة دون المسلمين لانه لا ضرورة فی القصد الیٰ قتل مسلم بغير حق'' (بدائع الصنائع ۹/۳۰۶)۔

(اور ان کی جانب تیر اندازی میں کوئی حرج نہیں اگر چہ معلوم ہو کہ ان میں مسلمان قیدی اور تاجر ہیں، اس لئے کہ یہاں تیر اندازی ضرورت کے تحت ہے.....لیکن اس تیر اندازی میں مقصود کافر ہوں نہ کہ مسلمان، اس لئے کہ مسلمانوں کو ارادۃً ناحق قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے)۔

بدائع میں ہی ایک دوسری شکل یہ ذکر کیا ہے کہ کفار نے مسلم بچوں کو ڈھال بنالیا تا کہ وہ تیر وغیرہ کی زد میں آنے سے بچ جائیں، ایسے میں تیر چلانے کا مطلب مسلم بچوں کی جان کو خطرے میں ڈالنا ہے، لیکن فقہاء نے ضرورتاً اس کی اجازت دی ہے، البتہ نیت اس شکل میں بھی کفار کے قتل کی رکھنی ہوگی، مسلمان بچوں کے قتل کی نہیں اس کے باوجود اگر مسلمان بچے کو تیر لگا اور وہ مر گیا تو تیر انداز پر نہ تو دیت لازم ہوگی اور نہ کفارہ۔

''وكذا إذا تترسوا بأطفال المسلمين فلا باس بالرمي اليهم لضرورة

إقامة الفرض ، لکنهم یقصدون الکفار دون الاطفال فان رموهم فأصاب مسلما فلا دیة ولا کفارة'' (۹/ ۳۰۷)۔

(اور ایسے ہی اگر مسلمان کے بچوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا تو فریضہ کی ادائیگی کے پیش نظر ان کی جانب تیراندازی درست ہے۔لیکن اس عمل سے ان کا ارادہ کافروں کی جانب تیراندازی کا ہو نہ کہ مسلم بچوں کا، لہٰذا اگر ان پر تیراندازی ہوئی اور تیر کسی مسلمان کو لگ گئی تو اس پر نہ کوئی دیت ہے اور نہ کفارہ)۔

بڑی پریشانی اس وقت ہوتی ہے جب یقینی طور پر لشکرِ غیر میں مسلمان ہی مسلمان ہوں، ایسے میں میت غیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب اگر احتراز کی کوئی شکل نہ ہو تو یہ سوچ کر کہ یہ ہمارے ملک کے دشمن ہیں اور سرحدوں کی حفاظت ہمارے فرائض منصبی میں داخل ہے، بادل ناخواستہ حملہ کرسکتا ہے اور اس کی حیثیت کمانڈر کے حکم کی وجہ سے جبر واکراہ کی ہوگی، جس کی وجہ سے شریعت کے بہت سارے احکام بدل جاتے ہیں، اور بہت ساری رخصتیں حاصل ہو جاتی ہیں، البتہ اس صورت میں بھی دل سے برا ماننے کے باوجود کمانڈر کے حکم سے سرتابی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خصوصاً اس شکل میں جب لڑائی وطن کی حفاظت کیلئے ہو، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہیں۔حضرت عوف بن مالک کی ایک مرفوع حدیث سے اس سلسلے میں استدلال کیا جاسکتا ہے:

''**الا من ولی علیه وال فراه یاتی شیئاً من معصیة الله فلیکره ما یاتی من معصیة الله ولا ینزعن یدا من طاعته**'' (مسلم ۱۲۹۳)۔

(کسی شخص پر کوئی والی مقرر ہوا تو اس نے اللہ کی نافرمانی کا صدور اس سے دیکھا تو اسے چاہئے کہ معصیت الٰہی کے ارتکاب کو ناپسند کرے البتہ اس کی تابعداری سے باز نہ آئے)۔

(ب) یہی صورت حال پولس کی ملازمت کا ہے ، ہندوستان کے مخصوص حالات میں مسلمانوں کا پولس میں ہونا انتہائی ضروری ہے، اصلاً اس کے ذمہ اندرون ملک امن وامان کا قیام ہے اور یہ کار نیک ہے، لیکن کبھی افسروں کے حکم کی تعمیل اور کبھی حالات کی وجہ سے ان کا رخ

ظلم کی طرف مڑ جاتا ہے، ملزموں سے سچ اگلوانے اور ڈرانے دھمکانے میں گالی گلوج اور بدزبانی کی نوبت بھی آتی رہتی ہے، لیکن ظاہر ہے بدسلوکی، تشدد، گالی گلوج اور بدزبانی اس ملازمت کے لوازمات میں نہیں ہیں، یہ افراد کی کوتاہی اور غلطی ہے جس کی وجہ سے پورا محکمہ ہی بدنام ہوکر رہ گیا ہے۔اس ملازمت میں فوج کی ملازمت سے زیادہ صاف ستھرا انداز اختیار کیا جاسکتا ہے، اور ظلم وزیادتی سے بچا جاسکتا ہے، اس لئے پولس کی ملازمت اختیار کرنی جائز ہے، البتہ مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ہر حال میں منکرات اور منہیات سے بچیں اور اپنے عہدے کا استعمال حق کی حمایت کے لئے کریں۔

ہمارے زمانہ میں محکمہ پولیس میں عورتوں کی بحالیاں بھی ہورہی ہیں اور ایس پی، ڈی ایس پی، آئی جی، ڈی آئی جی تک کے عہدوں پر وہ مامور ہیں، گذشتہ چند سالوں میں ٹریفک پولیس میں گاڑیوں کو کنٹرول کرنے میں ان کی مضبوط حصہ داری سامنے آئی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلم عورتوں کے لئے بھی ان محکموں میں ملازمت کی اجازت ہوگی، اس سوال کا سیدھا جواب ہے کہ ان ملازمتوں میں عورتیں شرعی حدود کے ساتھ اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتیں، اس لئے عورتیں نہ تو پولس محکمہ میں اور نہ ہی ٹریفک پولس میں بحال ہوسکتی ہیں، کیونکہ ان محکموں میں مردوں کے عمومی اختلاط سے بچا نہیں جاسکتا اور نہ ہی پردہ کے ساتھ ان امور کی انجام دہی کی جاسکتی ہے۔

(ج) محکمہ فوج کا ہو یا پولس کا، امن وامان کے قیام اور مجرموں تک رسائی کے لئے مخبر اور جاسوس کا ہونا ضروری ہے، اور اس میدان میں بھی ملازمت کے بڑے مواقع، بڑی تنخواہ اور نسبتاً زیادہ سہولیات کے ساتھ دستیاب ہیں، اس محکمہ میں کام کرنے والوں کو دو منہیات کا ارتکاب لازماً کرنا ہوتا ہے، ایک غیبت اور دوسرے تجسس کا جب کہ ان دونوں کی ممانعت واضح طور پر قرآن کریم میں موجود ہے: ’’وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً‘‘ (الحجرات) (تجسس میں نہ لگو اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو)۔

فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ملکی سالمیت اور بقاء امن وامان کے لئے یہ کام ضروری ہے، خود حضور اکرم ﷺ نے بعض غزوات اور سرایا میں جاسوسوں کی مدد لی اور ان کی رپورٹ پر فیصلے فرمائے، اس سے معلوم ہوا کہ تجسس اور غیبت کی ممانعت عمومی نہیں ہے، کسی اہم مقصد کے لئے ان امور کا ارتکاب جائز اور درست ہوگا، یہی وجہ ہے کہ فن اسماء الرجال میں بہت سارے رواۃ کی کمی اور کمزوریوں کا برملا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ حدیث کی صحت کو پرکھنے اور موضوع احادیث سے اجتناب کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا، اس لئے میری رائے ہے کہ جاسوسی اور مخبری کی ملازمت جائز ہے، البتہ اس محکمے میں بھی عورتوں کو ملازمت کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ بسا اوقات اس کام میں جان کو بھی خطرہ ہوتا ہے اور عزت وناموس کو بھی، مردوں سے اختلاط، اجنبی لوگوں کے ساتھ تنہائی میں ملاقات وغیرہ اس پر مستزاد ہے، اس لئے مسلم عورتوں کو اس شعبے میں ملازمت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

(د) محکمہ پولیس نے جس ملزم کو جاسوس اور مخبروں کی رپورٹ پر گرفتار کیا، اور مقدمہ چلایا، اس کا فیصلہ عدالت میں ہوتا ہے، الزامات ثابت نہ ہوں تو براءت ہوتی ہے اور ثابت ہوگئی تو سزائیں ملتی ہیں، بات مسلم اور اسلامی قانون پر عمل درآمد والے ملک کی نہیں ہے، ہندستان جیسے غیر مسلم ملک کی ہے، جہاں کے بہت سارے قوانین اسلامی اصولوں اور قوانین سے متصادم ہیں، ان حالات میں اس ملک میں جج کی ملازمت درست ہوگی یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے بھی پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں واضح طور پر ان لوگوں کو جو قرآن واحادیث کے خلاف فیصلے سناتے ہیں، کافر ظالم اور فاسق کہا گیا ہے، گویا جج کی کرسی پر بیٹھ کر قرآن واحادیث کے مخالف فیصلے دینا، اس طاغوتی نظام کا حصہ بننا ہے، جسے شریعت پسند نہیں کرتی۔

لیکن اگر عدلیہ سے مسلمان بالکلیہ الگ ہوجائیں تو یہ پورا محکمہ غیر مسلم قانون پر عمل کرنے اور کرانے والوں سے بھر جائے گا، پہلے ہی عدالت کا رویہ مسلمانوں کے حوالہ سے منصفانہ نہیں ہے، اس صورت میں مسلمانوں کو اور بھی ظلم وجور کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن اگر مسلم

جج موجود ہوں تو بجا طور پر ان سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت اپنے علم کے مطابق ممکنہ حد تک اس بات کی کوشش کریں گے کہ اسلامی اصولوں کو سامنے رکھا جائے اور اسلام سے متصادم قانون کے سلسلے میں تطبیق کی ایسی کوئی شکل نکال لی جائے جس سے اسلامی اصولوں سے براہ راست ٹکراؤ کے امکانات کم سے کم ہو جائیں، موجودہ حالات میں اسے خوش فہمی ہی کہا جائے گا لیکن "ظنوا بالمؤمنین خیرا" کے تحت ہمیں ایک مسلمان جج کے بارے میں اچھی رائے رکھنی چاہئے، تاریخ کا ایک سچ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو آزادی کے بعد جتنا نقصان مسلم ججوں سے پہنچا ہے، دوسروں سے نہیں پہونچا، اس کے باوجود ضرورت ہے کہ عدلیہ کی ملازمت میں اپنی حصہ داری قائم رکھی جائے اور ججوں کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اسلامی تناظر میں فیصلے کا مزاج بنایا جائے۔

(ھ) حکومت کی ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ اسے سارے محکموں کو چلانے کے لئے روپے چاہئے، یہ روپے سرکار مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ حاصل کرتی ہے، یہ ٹیکس، انکم ٹیکس، سیل ٹیکس، ویٹ، روڈ ٹیکس اور دیگر ناموں سے جانے جاتے ہیں، ان ٹیکسوں کی مقدار کئی اعتبار سے زائد معلوم ہوتی ہے اور کئی لوگ اسے ظالمانہ کہتے ہیں، اس کے باوجود اس شعبے میں مسلمانوں کی ملازمت درست ہے، اور اس کام کے لئے نجی معلومات اور دولت کے سلسلے میں جو تجسس کرنا ہوتا ہے، شرعی طور پر اس کی اجازت ہے، رہ گئی بات ٹیکس کی رقم کے حکمرانوں کی عیش کوشی پر خرچ کرنے کی، تو یہ حکمرانوں کا اپنا عمل ہے، اس کی وجہ سے پورے محکمہ سے قطع تعلق کرنا درست نہیں ہوگا۔

اس قسم کے سارے مسائل اور معاملات پر غور کرتے ہوئے ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ایسے سارے معاملات اور اعمال جو شریعت کے اصولی وعمومی قوانین وضوابط کے اعتبار سے حرام ہیں، ضرورت اور اضطرار کے وقت شریعت نے ہی نصاً یا اجتہاداً ان قوانین وضوابط کے برعکس عمل کی اجازت دی ہے، مثال کے طور پر اکل میتہ، تناول خمر، بھوک و پیاس کے اعتبار سے اضطرار کی شکل میں اور غصب سے حاصل شدہ مال کا کھانا جبر واکراہ کی صورت میں جائز

ہے حالانکہ یہ سب عام حالات میں جائز نہیں ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اصولی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''البتہ کلام ضرورت میں ہے اور یہی اہم ہے، سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ ضرورت کی دو قسمیں ہیں، ایک تحصیل منفعت، خواہ دینی ہو یا دنیوی، اپنی ہو یا غیر کی، دوسری دفع مضرت اسی تعمیم کے ساتھ، سو تحصیل منفعت کے لئے تو ایسے افعال کی اجازت نہیں۔۔۔۔اور دفع مضرت کے لئے اجازت ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۴۰۸)۔

آگے لکھتے ہیں:

''مگر اس وقت کلام صرف اس درجہ میں ہے جو محض معصیت اور حرام ہے، پس فی نفسہ حرام ہونے کے بعد ان کو اگر جلب منفعت مالیہ یا جاہیہ کی غرض سے اختیار کیا جائے تو کسی حال میں جائز نہیں اور اگر دفع مضرت کی غرض سے اختیار کیا جاوے کہ امت مسلمہ پر کفار کی طرف سے جو مظالم و مضرات پہنچے یہ اہل مناصب بقدر امکان ان کو اگر دفع کرسکیں تو اس صورت میں حکم جواز کی گنجائش ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۴۰۸)۔

اس سلسلے میں فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دفع مضرت کے لئے عہدے مناصب قبول کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس ملازمت کی وجہ سے وہ عند اللہ ماجور بھی ہوگا۔ رد المحتار میں ہے:

''ویؤجر من قام بتوزیعها بالعدل ...... بان یحمل کل واحد بقدر طاقته لانه لو ترک توزیعها الی الظالم ربما یحمل بعضهم ما لا یطیق فیصیر ظلما علی ظلم ففی قیام العارف بتوزیعها بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجر'' (رد المحتار قبیل باب المصرف من کتاب الزکوۃ ۲/ ۶۲ مکتبہ ماجدیہ پاکستان)۔

(جو شخص عدل کے ساتھ تقسیم کا کام انجام دے اور طاقت کے بقدر ہر ایک پر لازم

کرے وہ ماجور ہوگا، اس لئے کہ اگر تقسیم کا کام اس نے ظالم پر چھوڑ دیا تو بسا اوقات وہ کسی پر ان کی طاقت سے زیادہ لازم کردے گا تو یہ ظلم در ظلم ہوگا، پس کسی ایسے آدمی کا ذمہ داری کو قبول کرنا جو عدل کے ساتھ تقسیم کے کام سے واقف ہو، قلت ظلم کا سبب ہوگا، تو یہی وجہ اس کے ماجور ہونے کی ہے)۔

۲۔(الف) ایسے اداروں کی ملازمت جن کا کام بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہے اور بلاواسطہ اس ملازمت کے نتیجے میں حرام کاموں میں شمولیت ہوتی ہے، درست نہیں ہے، مثلاً بینک، بنیادی طور پر سودی لین دین کا کام کرتا ہے، اس کام میں کسی بھی قسم کی شمولیت بحیثیت ملازم جائز نہیں ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدہ:۲) (گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر مدد نہ کرو)۔

اثم وعدوان کی انہیں قسموں میں بینک کی ملازمت ہے، اس ملازمت کا سیدھا اور صاف مطلب سودی حسابات وغیرہ لکھنا ہے جو ممنوع ہے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے سود کھانا، کھلانا، سود کے بارے میں لکھنا اور اس کے لئے گواہ بننا سب کو ایک ہی درجہ میں رکھ کر لعنت فرمائی ہے:

"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا و مؤكله وكاتبه و شاهديه وقال: هم سواء" (صحیح مسلم عن جابر:۲/۲۷، باب الربا)۔

(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے والے، سودی معاملات لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں)۔

(ب) اسی طرح انشورنس کمپنیوں کا کاروبار بھی ربا اور قمار پر مبنی ہے، اس لئے اس کا ایجنٹ بننا اور اس کے لئے کام کرنا قطعاً درست نہیں ہے خواہ وہ اختیاری نوعیت کا انشورنس ہو یا جبری نوعیت کا، کیونکہ اختیار اور جبر کا تعلق انشورنس کرانے والے سے ہے، کرنے والے سے نہیں، ان

کمپنیوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کرنا ہر حال میں اختیاری ہی ہوگا، اس لئے مسلمانوں کو ایسی ملازمت ابتداءً نہیں کرنی چاہئے۔

رہ گئی بات بقاءاً کی تو معاصر فقہاء ومفتیان کرام کی رائے ہے کہ اگر بہ یک وقت اس قسم کی ملازمت ترک کرنے سے فقر وافلاس اور کسی معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور حصول معاش کی کوئی دوسری متبادل شکل سامنے نہ ہو، تو اس مجبوری کی وجہ سے اس ملازمت کو جاری رکھنا "**الضرورات تبیح المحظورات**" نیز "**الضرورۃ تتقدر بقدرھا**" کے فقہی اصول کے مطابق شرعاً جائز ہوگا، البتہ دل میں پختہ ارادہ ہو کہ متبادل ملتے ہی وہ اس ملازمت کو ترک کردے گا اور جب تک ملازمت میں رہے دل میں کراہت محسوس کرتا رہے اور استغفار کرتا رہے۔

(ج) البتہ اگر کوئی شخص بلا واسطہ اس کام میں ملوث نہیں ہوتا بلکہ بالواسطہ طور پر اس کی خدمت سے ان اداروں کو فائدہ پہونچتا ہے جیسے بینک کے کمپیوٹر اور بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جان بوجھ کر بینک کی تعمیر یا اپنا تعمیر شدہ مکان بینک کو کرایہ پر دینا، شراب کی کمپنیوں کے لئے بوتل بنانا، شراب کی کمپنیوں کے ہاتھ میٹریل کی تجارت کرنا، ان کا حکم بلاواسطہ ملازمت کرنے والوں سے مختلف ہوگا، ایسی ملازمت کا حاصل کرنا اور جاری رکھنا دونوں درست ہوگا۔

اس سلسلے میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اعانت علی المعصیۃ کے درجات مختلف ہیں اور ان کے جواز وعدم جواز کا مدار بڑی حد تک نیت پر ہے، الاشباہ والنظائر میں مباحث نیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"**ان بیع العصیر ممن یتخذ خمرا۔ ان قصد به التجارۃ فلا یحرم وان قصد لاجل التخمیر حرم**"۔

(ایسے شخص کے ہاتھ جوس فروخت کرنا جو شراب بناتا ہے اگر بیچنے والے کا مقصد

تجارت ہے تو یہ عمل حرام نہیں اور اگر اس کا ارادہ شراب کشید کا ہے تو یہ عمل حرام ہے)۔

خلاصہ کے ایک جزئیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

"رجل أجر بيتا ليتخذ فيه بيت نارأوبيعة أو كنيسة أو يباع فيه الخمر فلا باس به وكذا كل موضع تعلقت المعصية بفعل فاعل مختار" (خلاصہ ۴/ ۳۷۷)۔

(ایک شخص نے کوئی گھر کرایہ پر لیا تا کہ اس گھر میں آگ کا چولھا یا گرجا گھر یا چرچ بنائے گا یا اس گھر میں شراب بیچے گا تو کوئی حرج نہیں نیز یہی حکم ہر ایسی شکل کا ہوگا جہاں کسی فاعل مختار کا فعل معصیت سے متعلق ہو)۔

بدائع میں ایک جزئیہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حمال کو اجرت پر رکھا کہ وہ اس کے لئے شراب ڈھوئے گا تو امام ابوحنیفہ اس اجارہ کو درست قرار دیتے ہیں اور حمال کے لئے اجرت واجب گردانتے ہیں، صاحبینؒ کے نزدیک اس قسم کا اجارہ مکروہ ہے، اس لئے اجرت واجب نہیں ہوگی کیونکہ اللہ نے اثم اور عدوان میں تعاون سے منع کیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے شراب کے سلسلے میں جن دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے ان میں حامل اور محمول دونوں ہیں:

"عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال : لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الخمرعشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها ومحمولة اليه وساقيها وبائعها واكل ثمنها والمشترى لها والمشترى له" رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثانی ۲۴۲)۔

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شراب کے سلسلے میں دس لوگوں کو ملعون قرار دیا ہے: ۱-شراب بنانے والا، ۲-جسے شراب دیا جائے، ۳-شراب پینے والا، ۴-شراب اٹھانے والا، ۵-وہ شخص جس کے لئے شراب اٹھا کر پہنچایا جائے، ۶-شراب پلانے والا، ۷- بیچنے والا، ۸-شراب کی قیمت استعمال کرنے والا، ۹- شراب خریدنے والا، ۱۰-اور جس کے لئے شراب خریدی جائے)۔

امام ابو حنیفہؒ نفس حمل کو معصیت نہیں سمجھتے اور نہ معصیت کا سبب گردانتے ہیں، کیونکہ محض حمل ضرورات شرب میں نہیں ہے، شرب کا حصول حمل سے الگ فاعل مختار کے فعل سے سر زد ہوتا ہے اور حدیث میں جو لعنت کا ذکر ہے وہ پینے کی نیت سے لے جانے پر ہے نہ کہ حمال کے اجارہ پر۔

بالواسطہ اور بلا واسطہ اعانت علی المعصیۃ کے حکم میں فرق شامی کے اس جزئیہ سے بھی واضح ہے:

" وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم انه يتخذه خمرا لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغييره" (ردالمحتار ۵/۳۸۶)۔

(انگور کا جوس بیچنا جائز ہے اس شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب کشید کرے گا، ایسے شخص کا انگور کا جوس خرید وفروخت کرنا جائز ہے، یہ جواز اس لئے ہے کہ فعل معصیت عین جوس سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ تبدیل کے بعد ہے)۔

۳-(الف) اور (ہ) -یہاں پر بعض ان اداروں کی ملازمت کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جن کا کاروبار اصلاً حرام نہیں ہوتا، لیکن ضمنی طور پر وہاں بعض منکرات اور منہیات کا ارتکاب ہوتا ہے، مثال کے طور پر سپر مارکیٹ یا ہوٹل کے کاروبار کو لیں، سوپر مارکیٹ میں ان چیزوں کی خرید وفروخت ہوتی ہے، جنکا تعلق ضروریات زندگی سے ہے، لیکن اس میں ایک گوشہ شراب کا بھی ہوتا ہے، خنزیر کے گوشت اور بعض حرام اشیاء کی فروختگی بھی کی جاتی ہے، اسی طرح ہوٹل بھی آج سماج کی ضرورت ہے، اور اس نے قدیم سرائے کی جگہ لے لی ہے، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافروں کی رہائش کی ضرورت کی وجہ سے یہ ایک نفع بخش تجارت ہے، بنیادی طور پر ان کا کام معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولت پہونچانا ہے، لیکن ان ہوٹلوں میں رقص وسرود کی محفل بھی سجتی ہے، جام گردش کرتے اور پیالے چھلکتے ہیں، سن باتھ کے نام پر عریانیت کے مناظر بھی سامنے آتے ہیں اور عیاشی وفحاشی سیون اسٹار اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کی پہچان بن گئے

ہیں، ہوٹلوں میں موجود سوئمنگ پول میں تیراکی کا مخصوص لباس پہنے بغیر جایا نہیں جاسکتا اور لوگوں کی بھیڑ میں پردہ اور ستر عورت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، ان حالات میں ان منہیات کے ساتھ ایسے اداروں کی ملازمتیں درست ہوں گی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ملازمت ہوٹل یا سوپر مارکیٹ میں کی جائے اور جو ذمہ داریاں اس کے سپرد ہیں، اس میں ان کاموں کو براہ راست نہ کرنا پڑتا ہو یا بہت کم اس کی نوبت آتی ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمود الحسنؒ صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''آپ کی اصل آمدنی تو جائز تھی، لیکن اب آپ کو اپنی جائز ملازمت میں کچھ ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں، جائز کام کے مقابلے میں اگر دوسرا کام کم ہے تو اپنی ملازمت ترک نہ کریں، اگر جائز کام کم ہو اور دوسرا کام زائد ہو تب بھی فوراً ملازمت ترک نہ کریں مبادا کہ پریشانی کا سامنا ہو جو قابل برداشت نہ ہو، البتہ دوسری جائز کسب معاش تلاش کرتے رہیں، جب وہ میسر آجائے تب اس موجودہ ملازمت کو ترک کردیں، استغفار بہر حال کرتے رہیں، نیز اللہ پاک سے حلال کسب معاش کی دعا میں لگے رہیں، امید ہے اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں گے'' (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۱۲۰)۔

اس فتویٰ کی بنیاد اسی اصول پر ہے جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے یعنی'' اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضرارا بارتكاب اخفهما''

لیکن ان اداروں میں ملازمت میں گانے بجانے، ساقی گری، خنزیر کے گوشت کی فروخت وغیرہ اگر بلاواسطہ اور براہ راست کرنی پڑے تو یہ صورت جائز نہیں ہوگی اور یہ اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے ناجائز ہوگا، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''ولا تجوز الإجارة علی شئی من الغنا والنوح والمزامير والطبل وشئی من اللهو وعلی هذا الحداة وقراء ة شعر وغيره لا أجر في ذالک وهذا كله

قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ اجمعين"(كتاب الاجارة ۴/ ۴۴۹ الفصل الرابع في فساد الاجارة)۔

(گانا گانے، نوحہ کرنے، سارنگی، طبلہ بجانے اور دوسرے لہو ولعب کی خاطر اجارہ درست نہیں ہے، یہی حکم آہ و بکا اور اشعار وغیرہ پڑھنے پر اجارہ کا ہے اس پر کوئی اجرت نہیں ہے، اور یہی امام ابوحنیفہؒ ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا قول ہے)۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ لکھتے ہیں:

"جو کام نا جائز ہے اس کام کی نوکری بھی نا جائز ہے، دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرے اور نوکری کو چھوڑ دے" (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۲۲ باب الاستیجار علی المعاصی)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولو استاجر لتعليم الغناء او استاجر رجلا ليخصي عبدا لا يجوز"

(کتاب الاجارۃ ۴/ ۴۴۹)۔

(اور اگر گانے کی تعلیم دینے کی خاطر کسی کو اجرت پر رکھا یا کسی شخص کو اجرت پر اس لئے رکھا کہ وہ کسی غلام کا خصی کرے تو ایسا کرنا درست نہیں ہے)۔

(ب) تعلیم وتدریس کا رتبہ بلند ہے اور علم کی ترویج واشاعت کی وجہ سے شریعت میں مطلوب ہے اس کے برعکس کتمان علم حرام ہے، لیکن موجودہ دور میں مخلوط تعلیم (Co Education) نے اس مقدس پیشہ کو بھی جائز وناجائز کی صف میں لا کھڑا کیا ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ گرلس اسکول (Girls School) میں مرد اساتذ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں اور لڑکوں کے لئے مخصوص اسکول کا تصور عنقا ہو چکا ہے، جو اسکول ہیں ان میں مرد وعورت دونوں تدریسی فرائض انجام دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں اختلاط مرد وزن عام ہے اور شرعی حدود کی رعایت ممکن نہیں ہے، ایسے میں ان اسکولوں کی ملازمت کو شرعا درست نہیں کہا جاسکتا، البتہ اگر نشست گاہ کی ترتیب کچھ ایسی ہو کہ ایک دوسرے کا سامنا نہ ہو اور اختلاط سے بچا جا سکے تو اس

صورت میں یہ ملازمت درست ہوگی جیسا کہ بعض مدرسۃ البنات میں مرد اساتذہ تعلیم دیتے ہیں، لیکن لڑکیوں سے انکا سامنا نہیں ہوتا اور طالبات بھی صرف آواز سنتی ہیں، چلمن کی وجہ سے وہ استاذ کو دیکھ نہیں پاتیں۔

(ج) کسب معاش کا ایک ذریعہ وکالت بھی ہے، اور بہت سارے لوگ اس پیشے سے وابستہ ہیں، ان کا مقصد ظالموں کو سزا دلانا، مظلوم کو عدلیہ سے انصاف دلانے کی جدو جہد کرنا ہوتا ہے، اس لئے اگر وکیل سچے مقدمات کی پیروی کرے اور اجرت متعین کر لے، کوئی کام خلاف شرع نہ کرے، جھوٹ نہ بولے اور نہ گواہوں سے بلوائے تو وکالت کرنا جائز اور اس کی اجرت بھی درست ہے۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

”تصح الوكالة بأجر أو بغير أجر ؛ لأن النبی ﷺ كان يبعث عماله تقبض الصدقات ويجعل لهم عمولة ......ولان الوكالة عقد جائز .... فيجوز أخذ الاجرة فيها بخلاف الشهادة“ (ج۵/۴۰۵۸ البحث الاول تعریف الوکالۃ)۔

(اجرت یا بغیر اجرت کے شئی وکالت صحیح ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ اپنے کارندوں کو زکوۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا کرتے اور ان کے لئے اجرت مقرر کرتے ......اور اس لئے کہ پیشہ ایک جائز معاہدہ ہے......اس لئے پیشہ وکالت میں اجرت لینا جائز ہے اسکے برخلاف شہادت میں جائز نہیں)۔

وکالت کی اجرت اس لئے بھی جائز ہے کہ وکیل کو خاص وقت تک خاص دن میں مؤکل کے کام کے لئے کرنا ہوتا ہے، اسی لئے جب کسی مقدمہ میں کئی کئی وکیل ہوتے ہیں تو ایک بحث کرتا ہے اور بسا اوقات بقیہ خاموشی سے بیٹھے رہتے ہیں، اس کے باوجود اجرت دی جاتی ہے، کیونکہ انہوں نے اس کام کیلئے اپنا وقت فارغ کیا۔ حضرت تھانویؒ نے ان توجیہات کے علاوہ ایک اور توجیہ لکھی ہے:

''ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے طاعت مختص بالمسلم کے ساتھ اور نصرت مظلوم من جملہ طاعات عامہ کے ہے، پس اس میں اس حرمت کا حکم نہیں کیا جائے گا، حاصل یہ ہے کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا مگر شرط یہ ہے کہ سچے خدمات لیتا ہو'' (امداد الفتاوی ۳/۳۱۹ کتاب الوکالۃ)۔

حضرت مفتی محمود الحسنؒ لکھتے ہیں:

''جس وکالت میں معصیت پر اجرت لیا جائے، یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جاوے اور ظالم کی اعانت کی جاوے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے'':

''لا تجوز أخذ الأجرة علی المعاصی کالغناء والنوح والملاهی، لأن المعصیة لا یتصور استحقاقها بالعقد فلا یجب علیه الأجروان اعطاه الأجر أو بعضه لا یحل له ویجب علیه رده'' (مجمع الانہر ص ۳۸۴، فتاوی محمودیہ ج ۱۷/ ۴۵۳ کتاب الوکالۃ)۔

(فعل معاصی جیسے گانا بجانا، نوحہ کرنا اور دوسرے لہو ولعب پر اجرت لینا جائز نہیں، کیونکہ فعل معصیت پر معاہدے کی بنا پر استحقاق اجرت متصور نہیں ہے۔ اسلئے اجرت واجب نہیں ہوگی اور اگر اس نے پوری اجرت یا بعض حصہ دیدیا تو ان کاموں کے کرنے والوں کے لئے حلال نہیں ہوگا اور اس کا لوٹانا واجب ہوگا، اس کے ساتھ اس کا واپس کرنا اسی کی ذمہ ضروری ہو جائے گا)۔

(د) ہاسپٹل کی ملازمت میں خدمت خلق کا بڑا موقع ہے، ڈاکٹرس نرس اور دیگر عملہ مریضوں کے دوا علاج، مرض کی تشخیص اور تیمارداری وغیرہ میں لگا رہتا ہے، مناسب تو یہی ہے کہ مرد کا علاج مرد کرے اور عورت کا علاج عورت ڈاکٹرس سے کرایا جائے، لیکن بسا اوقات ایسے اسپشلسٹ نہیں ملتے تو مرد مریض کا علاج عورت ڈاکٹر سے اور عورت مریض کا علاج مرد ڈاکٹر سے کرایا جاتا ہے اور ستر عورت کے شرعی حدود بھی بعض دفعہ باقی نہیں رہتے، میری رائے میں اس کے باوجود ضرورتاً یہ شکل درست ہے، البتہ اگر مریض کے جنس کے اسپشلسٹ موجود ہوں تو احتراز

کرنا چاہئے۔

اسی طرح غیر ضروری آپریشن اور جانچ سے بھی ممکنہ حد تک بچنے کی کوشش کی جائے لیکن سعی بسیار کے بعد بھی یہ ممکن نہ ہو تو بھی ہاسپٹل کی ملازمت درست ہوگی، **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا**، اگر دوسری ملازمت مل جائے تو ترک کرنا اولی ہوگا۔

☆☆☆

مختلف اقسام کی ملازمتیں اور ان کے احکام

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

کسی کی ملازمت اختیار کرنا اصلاً تو جائز ہے خواہ ملازمت حکومت کے اداروں میں ہو یا پرائیوٹ کمپنیوں میں یا افراد کے پاس ان کے دکانوں یا گھروں میں ہو، کیونکہ یہ اجارہ کی صورت ہے، اجارہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ودرست ہے، لیکن بعض ملازمتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں بعض وقت خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، یا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس میں خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑے گا تو ان کا کیا حکم ہوگا؟ اس سلسلے میں چند مختلف قسموں کی ملازمتوں سے متعلق سوالات کے جوابات پیش کئے جارہے ہیں:

۱-الف: کسی ملک کی فوج ملک کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے، سرحدوں کی نگرانی اور دشمنوں سے مقابلہ اس کا اصل مقصد ہوتا ہے، مخصوص حالات میں ملک کے اندر امن وامان قائم کرنا بھی اس کا فریضہ ہے، شریعت کی نظر میں یہ بہتر اور پسندیدہ کام ہے، اس لئے فوج کی ملازمت دوسرے مفاسد سے خالی ہوتو نہ صرف مباح بلکہ پسندیدہ بھی ہوگی۔

لیکن اس ملازمت میں بعض مفاسد بھی نظر آتے ہیں، مثلاً فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، جس سے فوجی کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر کمانڈر کے حکم پر وار کرنے کی نوبت آسکتی ہے، اسی طرح ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہو، یہ مفاسد میں ہیں اگر چہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا پیش آئے، سوال یہ ہے کہ کیا ان مفاسد کے

☆ استاذ المعہد العالی، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

باوجود فوج کی ملازمت کرنا جائز ہوگا؟

اس سلسلے میں شریعت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امن وامان قائم کرنا اور ملک کی حفاظت کرنا اہم اور بڑا مقصد ہے، مسلمانوں کا فوج میں رہنا اپنی حفاظت کے پیش نظر خود مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے، اس لئے اس اہم مقصد کے حصول کے لئے کچھ کم درجہ کی خرابیاں برداشت کی جاسکتی ہیں، اوران خرابیوں سے بچنے کی بھی بقدر امکان کوشش کی جائے، ان کے لئے نظائر وہ قواعد فقہیہ ہیں جن میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ بعض چیزوں کا قصداً ارتکاب جائز نہیں ہے لیکن ضمناً ان کو گوارا کرلیا گیا ہے۔

”**یغتفر في الشئ ضمنا مالایغتفر قصدا**“ (الاشباہ والنظائر)۔

اسی طرح وہ قواعد ہیں جن میں زیادہ ضرر والی چیزوں کو دور کرنے کے لئے کم ضرر والی چیزوں کو برداشت کرنے کا ذکر ہے، یعنی کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے دونوں میں ضرر ہو تو دیکھا جائے گا کہ کس میں زیادہ ضرر ہے، کم ضرر کو برداشت کرکے زیادہ ضرر کو دور کیا جائے گا۔

”**لو کان أحدهما أعظم ضرراً من الآخر فإن الأشد یزال بالأخف**“ (الاشباہ والنظائر)۔

”**إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما**“ (الأشباہ والنظائر)۔

اس لئے فوج میں ملازمت کرنا جائز اور درست ہے، البتہ جہاں شریعت کے خلاف کام ہو وہاں احتیاط کرنا چاہئے اور ایسے کاموں سے بچنا چاہئے۔

ب- پولیس کا مقصد ملک کے اندر امن وامان قائم رکھنا ہے، چوری، ڈاکہ زنی، رہ زنی اور اس طرح کے شر سے ملک کے باشندوں کی حفاظت کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ کام شریعت میں پسندیدہ ہے اور شریعت کا مطلوب ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ اس میں پائے جانے والے مفاسد جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے ان سے جس حد تک بچنا ممکن ہو بچنے کی

پوری کوشش کی جائے گی، لیکن اس کی وجہ سے پولیس کی ملازمت کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا ہے، خاص طور سے جب کہ پولیس میں رہنے سے مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے، اس کی نظیر بھی وہ فقہی قواعد ہیں جن میں صراحت کی گئی ہے کہ دو خرابیوں میں سے بڑی خرابی کو دور کرنے کے لئے کم درجہ کی خرابی کو برداشت کیا جائے گا۔

”اذا تعارض مفسلتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما“ (الاشباہ والنظائر ص ۱۴۸)۔

”وقد تراعى المصلحة لغلبتها على المفسدة“ (الاشباہ والنظائر ص ۱۴۳)۔

”وأن تقديم أرجح المصالح فأرجحها محمود حسن وأن درء أفسد المفاسد فأفسدها محمود حسن وأن تقديم المصالح الراجحة على (المفاسد) المرجوحة محمود حسن وأن درء المفاسد الراجحة على المصالح المرجوحة محمود حسن“ (قواعد الأحکام ص ۷)۔

اسی طرح فقہاء کرام تحریر کرتے ہیں کہ ضرر عام کو ختم کرنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا، چنانچہ اگر جنگ کے وقت دشمن کے لشکر میں مسلم قیدی یا مسلم بچے بھی ہیں تو ان کی وجہ سے جنگ موقوف نہیں کی جائے گی، اسی طرح اگر دشمن لشکر مسلم قیدیوں یا مسلم بچوں کو ڈھال بنالے تو اس وقت بھی جنگ بند نہیں کی جائے گی، کیونکہ اگر مسلمانوں کی طرف سے جنگ روک دی جائے اور دشمن جنگ کرتے رہیں تو مسلمانوں کو شکست ہوجائے گی، یہ نقصان چند قیدیوں اور بچوں کے قتل سے زیادہ بڑا نقصان ہے، کیونکہ مسلم فوج کی شکست سے بلاد اسلام مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے اور ان پر دشمنوں کا قبضہ ہوجائے گا، اور یہ ضرر عام یعنی بہت شدید نقصان ہے۔

”ولا بأس برميهم وإن كان فيه مسلم أسير أوتاجر لأن في الرمي دفع الضرر العام بالذب عن بيضة الاسلام وقتل الأسير والتاجر ضرر خاص ولأنه

قلما يخلو حصن عن مسلم فلو امتنع باعتباره لانسد بابه وإن تترسوا بصبيان المسلمين أو بالأسارى لم يكفوا عن رميهم لما بينا ويقصدون بالرمي الكفار لأنه إن تعذر التمييز فعلا فلقد أمكن قصدا والطاعة بحسب الطاقة"(ہدایہ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال ۲/ ۵۶۱)۔

اسی طرح پولیس کے محکمہ میں مسلمانوں کے نہ رہنے سے زیادہ ضرر لاحق ہوگا بہ نسبت اس ضرر کے جو اس محکمہ میں رہنے سے ہوگا، اگرچہ اس دوسرے ضرر سے بچنے کی بھی گنجائش ہے، آدمی کوشش کرے تو اس سے بچ سکتا ہے، اس لئے پولیس میں ملازمت کرنا شرعا جائز و درست ہے، البتہ جہاں غیر شرعی کام ہوں وہاں احتیاط کرے اور ان سے بقدر امکان بچنے کی کوشش کرے۔

ج- کسی ملک کے لئے انٹلی جنس کا شعبہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے، ملک کی داخلی سلامتی میں اس کا بڑا کردار ہوتا ہے، اسی کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات سے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں پر اور مفسدین و جرائم پیشہ لوگوں کی سرگرمیوں پر کنٹرول کیا جاتا ہے، اس لئے اس شعبہ کو ملک کی سلامتی کے لئے لازمی ضرورت سمجھا جاتا ہے۔

جب اس مقصد کے پیش نظر اس شعبہ میں ملازمت اختیار کی جائے تو شریعت اسلامی میں اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ اس میں کام کرنے والوں کو بعض ایسے امور سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے جن سے شریعت میں ممانعت آئی ہے، وہ تجسس اور غیبت ہیں، ظاہر ہے کہ جب تک لوگوں کے احوال کا تجسس نہیں ہوگا، اور پوشیدہ طور سے ان کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کی جائیں گی تو کیسے معلوم ہوگا کہ کون لوگ دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں اور کون لوگ ملک میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں، اس لئے اس میں تجسس لازمی چیز ہے، اور ایسے مفسدین اور جرائم پیشہ لوگوں کے بارے میں اعلی حکام کو اطلاع دینا بھی ضروری ہے تا کہ وہ اس کا سدباب کرسکیں، یہ غیبت کی صورت نظر آتی ہے، قرآن کریم میں تجسس اور غیبت دونوں سے منع

کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے:

"یأیھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ إن اللہ تواب رحیم" (حجرات:۱۲)۔

قرآن کریم کے اس حکم کی بنیاد پر عام حالات میں تو تجسس کی ممانعت ہے کہ لوگوں کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے، جب تک واضح طور سے کسی میں خرابی نظر نہ آئے، اس کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی جائے، لیکن اس کے ساتھ ہی شریعت اسلامی نے بعض حالات میں تجسس کی اجازت دی ہے، فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس شخص کی خفیہ تدبیروں سے واقفیت کے لئے اس کے حالات کا تجسس کرنا یعنی پوشیدہ طور سے اس کے کاموں کا جائزہ لیتے رہنا اور اگر اس میں شر انگیزی پائی جائے تو اس کا سدباب کرنا جائز ہے، علامہ ماوردی شافعی تحریر فرماتے ہیں:

"وأما مالم یظھر من المحظورات فلیس للمحتسب أن یتجسس عنھا ولا أن یھتک الأستار حذرا من الاستتار بھا، قال النبي علیه الصلاۃ والسلام: "من أتی من ھذہ القاذورات شیئا فلیستتر بستر اللہ، فإنه من یبدلنا صفحته نقم حد اللہ تعالی علیه"، فإن غلب علی الظن استسرار قوم بھا لأمارات دلت وآثار ظھرت، فذلک ضربان: أحدھما: أن یکون ذلک في انتھاک حرمة یفوت استدراکھا، مثل أن یخبرہ من یثق بصدقه أن رجلا خلا بامرأۃ لیزني بھا، أو برجل لیقتله، فیجوز له في مثل ھذہ الحالة أن یتجسس ویقدم علی الکشف والبحث حذار من فوات مالا یستدرک من انتھاک المحارم وارتکاب المحظورات، وھکذا لو عرف ذلک قوم من المتطوعة جاز لھم الإقدام علی الکشف والبحث في ذلک والإنکار...... والضرب الثاني: ماخرج

عن هذا الحد وقصر عن حد هذه الرتبة فلا يجوز التجسس عليه ولا كشف الأستار عنه" (الأحکام السلطانیہ للماوردی ص ۳۱۴)۔

غیبت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں ایسی بات بیان کی جائے جس کو وہ سنے تو اس کو ناپسند ہو، یہ صرف اس کے اندر موجود ہو لیکن اس کا بیان کرنا اس کے لئے تکلیف دہ ہو (الدر المختار مع الرد ۵/ ۲۹۱)۔

کسی کی غیبت کرنا بھی حکم قرآنی کی رو سے حرام ہے، غیبت کو مردہ بھائی کے جسم کے گوشت کھانے جیسے قبیح عمل سے قرآن نے تشبیہ دی ہے، جس سے شدید شناعت اور حرمت ظاہر ہوتی ہے، اس لئے عام حالات میں تو غیبت کے بارے میں یہی حکم ہے کہ وہ ممنوع اور حرام ہے، لیکن بعض مخصوص حالات میں جب غیبت کا ارتکاب دفع مضرت کے لئے کیا جائے تو اس کی اباحت ہے، فقہاء کرام نے اس کی تفصیلات تحریر کی ہیں کہ کن کن مواقع پر غیبت کی اجازت ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ حصکفی، علامہ شامی اور علامہ آلوسی کے حوالے پیش ہیں۔

"وقد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لايتوصل إليه إلا بها وتنحصر في ستة أسباب، الأول: التظلم، فلمن ظلم أن يشكو لمن يظن له قدرة على إزالة ظلمه لا تخفيفه، الثاني: الاستعانة على تغيير المنكر بذكره لمن يظن قدرته على إزالته، الثالث: الاستفتاء فيجوز للمستفتي أن يقول للمفتي: ظلمني فلان بكذا......الرابع: تحذير المسلمين من الشر كجرح الشهود والرواة والمصنفين والمتصلين لإفتاء أو إقراء مع عدم أهلية، فتجوز إجماعا بل تجب......الخامس: أن يتجاهر بفسقه كالمكاسبين وشربة الخمر ظاهرا فيجوز ذكره بما تجاهروا به دون غيره إلا أن يكون له سبب آخر مما مر، السادس: للتعريف بنحو لقب الأعور والأعمش فيجوز وإن أمكن تعريفه بغيره ......وأكثر هذه الستة مجمع عليه ويدل لها من السنة أحاديث صحيحة

مذکورۃ فی محلها"(روح المعانی، سورہ حجرات جزء ۲۶/ ۲۴۱، فتح الباری، کتاب الأدب ۱۰/ ۵۲۸، الدر المختار مع الرد کتاب الحظر والإباحۃ)۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اگر دفع مضرت یا کسی شرعی مقصد کے پیش نظر کسی کی غیبت کی جائے تو اس کی اجازت ہوگی اور نہ صرف اس پر گناہ نہیں ہوگا بلکہ وہ شرعا پسندیدہ اور مطلوب بھی ہوگی۔

اس لئے تجسس اور غیبت پر مشتمل ہونے کے باوجود انٹلی جنس میں ملازمت کرنا شرعا جائز ہوگا، البتہ اس میں یہ لازم ہوگا کہ کسی بے گناہ اور معصوم شہری کو بلاوجہ پریشان کرنے کے لئے اس کی مخبری نہ کی جائے، یہ صریحا ظلم اور حرام ہوگا۔

د- دنیا میں عدلیہ کے قیام کا اصل مقصد رعایا کو انصاف فراہم کرنا ہے، اس سے باہمی نزاعات کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ انسانی معاشرے میں زمانہ قدیم سے عدلیہ کا نظام قائم ہے، اسلام نے بھی اس کو اہمیت دی ہے، ایسی عدالتوں کا قیام جو اسلامی قانون نافذ کریں اور معاشرے میں انصاف فراہم کریں اسلام کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

لیکن ہمارے ملک کا دستور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر مبنی نہیں ہے، بلکہ انسانوں کا بنایا ہوا ہے، اس لئے اس کے بہت سے قوانین اسلامی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، بلکہ اس سے متصادم بھی ہیں، عدالت میں ملازمت کی صورت میں ان غیر اسلامی قوانین کی تنفیذ میں اور خلاف شریعت فیصلوں میں شرکت لازم آئے گی جو شرعا جائز نہیں ہے، اس لئے اصولی طور سے اس کی ملازمت درست نہیں ہونی چاہئے۔

"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون" (مائدہ)۔

"ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئک هم الكافرون" (مائدہ)۔

لیکن یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں جہاں اقتدار اعلی مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے یہاں اگر مسلمان مکمل طور سے نظام عدلیہ سے علاحدگی اختیار کرلیں تو مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی مزید بڑھتی جائے گی اور ان کی مظلومیت میں اضافہ ہوتا

جائے گا، ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے جو حقوق ہیں وہ بھی مسلمانوں کو نہیں مل پائیں گے۔

اس لئے ان حالات کے پس منظر میں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، کیا اس کی اجازت ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کے قومی مفاد کے پیش نظر عدلیہ کے نظام میں ملازمت کی جائے اور عدلیہ کے اس نظام میں رہتے ہوئے جس حد تک ممکن ہوسکے اسلامی قانون کی تطبیق کی کوشش کی جائے اور مسلمانوں کے مسائل حل کئے جائیں؟

ہمارے سامنے اس سلسلے میں سب سے واضح نمونہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ مصر (فرعون) کے ایک اہم عہدے پر فائز ہونا ہے جس کے لئے خود انہوں نے ہی پیش کش کی تھی۔

"قال اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم" (سورۂ یوسف)۔

اس لئے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ظالم اور غیر مسلم کی طرف سے کسی چیز کی ولایت حاصل کرنا جائز ہے جب مفوضہ ذمہ داریوں میں حق کے مطابق فیصلہ کرے۔

"واختلف لأجل ذلک في جواز الولاية من قبل الظالم، فذهب قوم إلى جوازها إذا عمل بالحق فيما يتولاه، لأن يوسف عليه السلام تولى من قبل فرعون ليكون بعدله دافعا لجوره، وذهبت طائفة أخرى إلى حظرها والمنع من التعرض لها لما فيها من تولي الظالمين والمعونة لهم وتزكيتهم بتقليد أوامرهم، وأجابوا عن ولاية يوسف عليه السلام من قبل فرعون بجوابين، أحدهما: أن فرعون يوسف كان صالحا وانما الطاغي فرعون موسى، والثاني: أنه نظر في أملاكه دون أعماله" (الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۹۵)۔

"فيه دليل على جواز طلب الولاية والقضاء وإظهار أنه مستعدلها إن كان آمنا على نفسه، وعلى جواز أن يتولى الإنسان عملا من يد سلطان جائر أو كافر إذا علم أنه لا سبيل إلى إقامة الحق وسياسة الخلق إلا بتمكين ذلک الكافر أو الجائر وقد كان السلف من هذه الأمة يتولون القضاء من جهة

الظلمة"(التفسیر المظہری ۵/ ۱۷۳، ۱۷۴)۔

اس لئے اس کے باوجود کہ اصولی اعتبار سے منفعت کے حصول کے لئے ایسی ملازمت جائز نہیں ہے جس میں اسلامی شریعت کے خلاف کام کیا جائے لیکن اگر مسلمانوں سے دفع مضرت کے لئے ایسی ملازمت حاصل کی جائے کہ اس سے مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کی بھلائی کی کوشش کی جائے گی تو اس میں جواز کی صورت نکل سکتی ہے، لیکن اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی قوانین کے مقابلہ میں اس ملکی قانون کو دل سے ناپسند کرتا ہو اور اس کو بدرجہ مجبوری گوارا کر رہا ہو۔

ھ- انکم ٹیکس ملکی ضروریات کے لئے رعایا میں سے اہل ثروت افراد سے لیا جاتا ہے، اگر سرکاری خزانہ میں ان ضروریات کے لئے اموال دستیاب نہ ہوں یا کم ہوں تو ایسی صورت میں رعایا سے ملکی مصالح اور ضروریات کے لئے اسی کے بقدر ٹیکس لیا جاسکتا ہے، اس لئے اصولی اعتبار سے انکم ٹیکس ظالمانہ ٹیکس نہیں ہے، اس کی صراحت ہمیں فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔

"**وقال أبو جعفر البلخي: ما يضر به السلطان على الرعية مصلحة لهم يصيردينا واجبا وحقا مستحقا كالخراج وقال مشائخنا: وكل مايضربه الإمام عليهم لمصلحة لهم فالجواب هكذا حتى أجرة الحارسين لحفظ الطريق واللصوص ونصب المروب وأبواب السكك وهذا يعرف ولا يعرف خوف الفتنة ثم قال: فعلى هذا ما يؤخذ في خوارزم من العامة لإصلاح مسناة الجيحون أو الربض ونحوه من مصالح العامة دين واجب لايجوز الامتناع عنه وليس بظلم**" (رد المحتار ۲/ ۶۲، کتاب الزکاۃ، باب العشر)۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جب عوام اپنے مکانات کا ٹیکس (ہاؤس ٹیکس) ادا کرتے ہیں، تاجر لوگ سیلز ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس کے بعد پھر انکم ٹیکس ادا کرنا ایک بڑا بوجھ بن جاتا ہے، اس کی شرحیں بھی ظالمانہ حد تک بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ انکم ٹیکس سے

حاصل کردہ آمدنی کا استعمال عوام کی فلاح پر کم ہوتا ہے، اس کا زیادہ حصہ حکمراں طبقہ اور پارلیامنٹ اور اسمبلیوں کے ارکان کی عیش کوشیوں اور مسرفانہ اخراجات پر ہوتا ہے، حکمراں طبقہ کی عیاشی کے لئے عوام سے اس قدر بھاری ٹیکس وصول کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اس لئے یہ شرعاً ایک ظالمانہ ٹیکس ہے، اس لئے اس شعبہ میں ملازمت ظلم میں تعاون دینے کے مساوی ہوگی جو جائز نہیں ہے۔

البتہ اگر انکم ٹیکس مناسب مقدار میں عوام کی ضروریات اور مصالح کے لئے وصول کیا جائے اور اس کو عوام کی ضروریات میں اور ان کے فلاح میں خرچ کیا جائے تو یہ شرعاً جائز ہوگا، اور اس شعبہ میں ملازمت بھی جائز ہوگی۔

۲-الف: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سود اسلامی شریعت میں حرام ہے، قرآن کریم اور احادیث میں اس پر شدید وعیدیں آئیں ہیں، اس لئے بینک میں ایسے کام کرنا جس میں سودی لین دین میں تعاون ہوتا ہو حرام اور ناجائز ہے، حدیث میں سودی لین دین کرنے والوں کے ساتھ اس کے لکھنے والوں اور اس پر گواہ بننے والوں پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے، اور سب کو گناہ میں برابر بتایا گیا ہے۔

"عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء" (صحیح مسلم، باب الربا ۲/ ۲۷)۔

دوسری بات یہ ہے کہ سودی کاروبار معصیت اور حکم الٰہی کی نافرمانی ہے، اس لئے ایسی چیزیں جو اس کاروبار میں معاون اور مددگار ہوں وہ بھی ناجائز ہوں گی، کیونکہ قرآن کریم نے گناہ اور معصیت پر تعاون کرنے سے منع فرمایا ہے۔

"ولاتعاونوا على الإثم والعدوان" (مائدہ ۲)۔

"فلن أكون ظهيرا للمجرمين" (قصص/ ۱۷)۔

ایسی چیزیں جو معصیت کا سبب بنتی ہیں ان کا کرنا تعاون علی المعصیۃ ہے، ان کی

حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، مثلاً مشرکین کے معبودان باطل کو برا کہنے سے اس وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ اس کے جواب میں مشرکین حق تعالی کو برا بھلا کہیں گے، اسی طرح خواتین کو ''ولا یضربن بأرجلھن'' اور ''ولا تخضعن بالقول'' کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ یہ عمل معصیت کا سبب بن سکتا ہے۔

لیکن تعاون علی المعصیۃ اور تسبب للمعصیۃ کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے، ان کے مختلف درجات ہیں اور درجات کے اختلاف سے ان کے احکام بھی مختلف ہوجاتے ہیں، اگر ان کی تمام صورتوں کو حرام وناجائز قرار دے دیا جائے تو بہت ساری مباح چیزوں پر بھی حرمت کا حکم لگ جائے گا اور معاملہ بہت مشقت اور حرج تک پہنچ جائے گا، مثلاً کسی شخص نے انگور فروخت کیا یا انگور کا عصیر فروخت کیا، خریدنے والے نے اس سے شراب بنالیا، اس صورت میں بھی بائع کسی حد تک معصیت پر تعاون کرنے والا ثابت ہوتا ہے، اسی لئے فقہاء کرام نے اس سلسلے میں کچھ تفصیل کی ہے۔

معصیت کے سبب بننے کی دو صورتیں ہیں: سبب قریب اور سبب بعید، سبب بعید مباح ہے، مثلاً ایک شخص غلہ، سبزی اور پھل کی پیداوار کرتا ہے، اس سے سب نفع اٹھاتے ہیں، نیک و صالح لوگ بھی اس کو استعمال کرتے ہیں اور فاسق و فاجر لوگ بھی اس کو اپنے فسق وفجور میں لگاتے ہیں، اس شخص کا ان چیزوں کی پیداوار کرنا فسق وفجور کے لئے سبب بعید ہے، یہ مباح ہے۔

سبب قریب کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ہے جو گناہ و معصیت کا باعث ومحرک ہو اور دوسری قسم وہ ہے جو محرک نہ ہو، سبب محرک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ صورت نہ ہوتی تو اس معصیت کا وہاں پر ارتکاب بھی نہ ہوتا، جیسے معبودان مشرکین کو برا کہنا، خواتین کا ضرب ارجل اور خضوع بالقول، سبب قریب کی اس قسم کا ارتکاب ہی معصیت کا ارتکاب سمجھا جاتا ہے، اس میں قصد و ارادہ کی ضرورت نہیں ہے، قصد وارادہ نہ ہو جب بھی یہ معصیت ہے۔

دوسری قسم سبب قریب کی وہ ہے جو سبب قریب تو ہے مگر محرک للمعصیۃ نہ ہے بلکہ

معصیت کا صدور کسی دوسرے فاعل مختار کے فعل سے ہوتا ہے، جیسے شراب بیچنے والے سے انگور کا عصیر فروخت کرنا، سبب قریب کی اس قسم کا ارتکاب بغیر قصد وارادہ کے معصیت نہیں ہے، اگر یہ قصد ہو کہ ہم اس شخص سے اسی لئے انگور کا شیرہ فروخت کررہے ہیں کہ یہ اس سے شراب بنالے تو ایسی صورت میں یہ نا جائز ہوگا۔

اب دیکھا جائے کہ بینک کی ملازمت میں کس حد تک سودی کاروبار کا تعاون ہورہا ہے، اگر سودی لین دین کا کام ہے، اس کو لکھنے پڑھنے کا کام ہے، اس کے حساب وکتاب کا کام ہے جس میں براہ راست سودی معاملات سے تعلق ہوتا ہے تو یہ حرام وناجائز ہے، اگر سودی کاموں سے اس ملازمت کا تعلق سبب بعید کا ہے مثلاً بینک کے ایئر کنڈیشن کی مرمت، بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کی حفاظت وغیرہ تو اس کی اباحت ہوگی، قطاع الافتاء والبحوث الشرعیۃ کویت کی طرف سے شائع مجموعہ فتاوی میں بھی کراہت کے ساتھ اس کی اباحت کا فتوی ہے۔

"إن العمل في البنوک والمؤسسات التي يقوم نظامها الأساسي علي الإقراض بفائدة إذا كان في مجال الوظائف التي يقوم عليها الربا مباشرة من الإقراض والاقتراض وكتابة عقوده ووثائقه والشهادة عليه وكفالته وحسابه وتحصيله واعتماده والمطالبة به قانونيا ونحو ذلک فإنه حرام، أماالأعمال الأخرى التي لاعلاقة لها بالربا مباشرة كالحساب الجاري والشيكات والحوالات وأعمال الحراسة والنظافة والمراسلة فإنها جائزة مع الكراهة وتنصح اللجنة السائل بالبحث عن عمل آخر بعيدا عن الشبهة" (مجموعۃ الفتاوی الشرعیۃ، کتاب المعاملات، باب البنوک والربا ۹/ ۱۶۱)۔

بینک کے مکان کی تعمیر سبب قریب تو ہے لیکن یہ سودی کاروبار کے لئے محرک نہیں ہے، اس لئے یہ بغیر معصیت کے ارادہ کے نا جائز نہیں ہوگی، اس لئے اگر کوئی شخص مطلقاً سودی کاروبار کی نیت کے بغیر بینک کے لئے مکان تعمیر کرتا ہے تو یہ جائز ہوگا، اس کی نظیر فقہ کی کتابوں میں

موجود ہے، کلیسا کی تعمیر میں کام کرنے کو فقہاء کرام نے جائز قرار دیا ہے۔

"وجاز تعمیر کنیسة قال في الخانیة: ولو آجر نفسه لیعمل في الکنیسة ویعمر ها لا بأس به لأنه لا معصیة في عین العمل" (رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ ۵/۲۷۷)۔

اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا سبب قریب غیر محرک ہے، اگر اس نیت سے دے رہا ہے کہ اس میں سودی کاروبار کیا جائے تو بیا جائز ہے، اگر خاص یہ نیت نہیں ہے بلکہ کسی کو کرایہ پر دینا تھا، بینک نے لے لیا تو ایسی صورت میں بیا جائز تو نہیں ہوگا مگر کراہت تنزیہی ہوگی۔

"ومن آجربیتا لیتخذ فیه بیت نار أو کنیسة أو بیعة أو یباع فیه الخمر بالسواد فلا بأس به وهذا عند أبي حنیفة وقالا: لا ینبغي أن یکریه لشيء من ذلک لأنه إعانة علی المعصیة، وله أن الإجارة ترد علی منفعة البیت ولهذا تجب الأجرة، بمجرد التسلیم ولا معصیة فیه وانما المعصیة بفعل المستأجر وهو مختار فیه فقطع نسبته عنه" (ہدایہ کتاب الکراہیۃ ۴/۴۷۲)۔

ب- انشورنس کا کاروبار مکمل طور پر سود اور قمار پر مبنی ہوتا ہے، اس میں ملازمت کرنا شرعاً حرام اور ناجائز ہے، خواہ کمپنی کے آفس میں بیٹھ کر کام کرنا ہو یا ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا ہو قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ سود اور قمار کو حرام قرار دیا ہے۔

"إنما الخمروالمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه" (مائدہ ۹۰)۔

ج- شراب حرام بلکہ ام الخبائث ہے قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے، حضور ﷺ نے شراب کے سلسلے میں متعدد افراد پر لعنت فرمائی ہے، ان میں پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، نچوڑنے والا، اس کو لاد کر لے جانے والا، وہ جس کے لئے لاد کر لے جایا جائے، اس کی قیمت کھانے والا سب شامل ہیں۔

"قال رسول الله ﷺ: لعن الله الخمر ،وشاربها، وساقيها، وبائعها، ومبتاعها، وعاصرها، ومعتصرها، وحاملها، والمحمولة إليها" (سنن ابی داؤد کتاب الأشربة/ص ۵۱۷)۔

اس لئے شراب کی کمپنی میں شراب کی خرید وفروخت کرنے کی ملازمت کرنا حرام ہے، حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے، اوراس پر لعنت کی گئی ہے، جہاں تک شراب کے لئے بوتل بنانے کا تعلق ہے تو اگر یہ بوتل دوسری چیزوں کے لئے استعمال نہیں ہوتی ،صرف شراب کے لئے ہی استعمال ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اس کا بنانا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ واضح طور پر تعاون علی المعصیة ہے، اگر یہ بوتل دوسرے کاموں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے تو بنانے والے کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس کو شراب رکھنے کی نیت سے بنا رہا ہے تو یہ بھی نا جائز ہوگا، اگر یہ نیت نہیں ہے اس کی بنائی ہوئی بوتلیں دوسرے کاموں میں بھی استعمال ہوتی ہیں اور شراب کمپنی بھی لے جاتی ہے تو ایسی صورت میں بوتل بنانا نا جائز نہیں ہوگا۔

شراب کی کمپنی کا حساب وکتاب لکھنا بھی تعاون علی المعصیة ہے، اس لئے یہ ملازمت بھی جائز نہیں ہوگی، اسی طرح شراب بنانے کے لئے شراب کی کمپنی کو ایسے اجزاء پیش کرنا جس سے شراب بنائی جاتی ہے یہ بھی نا جائز ہے کیونکہ اس میں تعاون علی المعصیة ہے اور اس کا ارادہ بھی موجود ہے۔

"وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذه خمرا لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغيره وقيل: يكره لإعانته على المعصية......زاد القهستاني معزيا للخانيه أنه يكره بالاتفاق" (الدر المختار مع رد المحتار ۵/۲۷۶)۔

"قوله وجاز أي عنده لاعندهما بيع عصير عنب أي معصوره المستخرج منه، فلايكره بيع العنب والكرم منه بلاخلاف كما في المحيط، لكن في الخزانة أن بيع العنب على الخلاف ،قهستاني" (رد المحتار ۵/۲۷۶)۔

۳-الف: اس زمانے میں سپر مارکیٹ کا رواج عام ہو رہا ہے، اس سے مراد ایسی بڑی دکان

ہے جس میں ضروریات زندگی کی اکثر چیزیں الگ الگ حصوں میں مل جاتی ہیں، ان میں ایک حصہ شراب سے متعلق بھی ہوتا ہے جس میں مختلف قسم کی شرابیں ملتی ہیں، یہ تو واضح ہے کہ شراب کی خرید وفروخت کرنا حرام ہے، اس لئے اس مارکیٹ میں شراب کے حصے میں ملازمت کرنا جہاں شراب فروخت کی جاتی ہے جائز نہیں ہے، کیونکہ اس ملازم کو شراب فروخت کرنا ہوگا جو حرام ہے، البتہ اس مارکیٹ میں ایسی ملازمت جس میں دوسری چیزیں فروخت کرنی ہوں، شراب سے تعلق نہ ہو تو جائز ہے، اسی طرح اس مارکیٹ میں حفاظت، نگرانی اور صفائی وغیرہ کے کام کرنا جائز ہے۔

ب- عصری تعلیم گاہوں میں اساتذہ میں خواتین بھی ہوتی ہیں، لڑکیوں کے لئے مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی درس دیتے ہیں، اسی طرح لڑکوں کی درس گاہوں میں خواتین اساتذہ بھی درس دیتی ہیں، ایسے میں مرد اساتذہ کا لڑکیوں کو پڑھانا اور خواتین اساتذہ کا لڑکوں کو پڑھانا شرعاً اس وقت جائز ہوگا جب شرعی پردے کا پورا اہتمام ہو، طلبہ اور طالبات بھی شرعی حدود پر قائم ہوں، دونوں کے کلاس الگ الگ ہوں یا دونوں کی سیٹیں الگ ہوں۔

جہاں تک اجنبیہ کے چہرے کو دیکھنے کی ممانعت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ شہوت کے ساتھ اجنبیہ کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے، بلا شہوت کسی حاجت کے بغیر اجنبیہ کو دیکھنا مکروہ ہے، اور کسی حاجت کے پیش نظر دیکھنا مکروہ نہیں ہے، یہاں پر تدریس وتعلیم ایسی حاجت وضرورت ہے جس کی وجہ سے اس میں کراہت نہیں ہونی چاہئے، لیکن یہ اجازت اسی وقت ہوگی جب طالبات پورے ساتر لباس میں ہوں، اسی طرح لڑکوں کو پڑھانے والی معلّمہ بھی باپردہ ہو، اصولی طور سے یہ ہونا چاہئے کہ لڑکوں کی تعلیم کے لئے مرد اساتذہ مقرر ہوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے خواتین اساتذہ مقرر ہوں، اور دونوں کے کلاس علاحدہ علاحدہ ہوں۔

"فإن خاف الشهوة أو شک امتنع نظره إلى وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا في زمانهم وأما في زماننا فمنع من الشابة

قهستاني وغيره'' (الدر المختار مع الرد ۵/۲۶۱)۔

''**قوله مقيد بعدم الشهوة، قال في التاتارخانية: وفي شرح الكرخي: النظر إلى وجه الأجنبية الحرة ليس بحرام ولكنه يكره لغير حاجة اھ وظاهره الكراهة ولوبلاشهوة، قوله وإلا فحرام أي إن كان عن شهوة حرم، قوله وأما في زماننا فمنع من الشابة لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة كما قدمه في شروط الصلاة**'' (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی النظر والمس ۵/۲۶۱)۔

ج–وکالت کی تعلیم حاصل کرنا اور وکالت کا پیشہ اختیار کرنا اصل مقصد کے اعتبار سے جائز و درست ہے، کیونکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی مظلوم کو انصاف دلانے میں تعاون دینا اور ظالم کو اس کے صحیح انجام تک پہنچانے کی کوشش کرنا اور یہ فی نفسہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ بھی ہے، مسلمانوں کو بسا اوقات اچھے مسلم وکلاء کی ضرورت پڑتی ہے۔

لیکن معاملہ اس وقت نازک نظر آتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وکلاء حضرات کو حق اور ناحق کی کوئی تمیز نہیں ہے، ان کو صرف اپنی فیس سے مطلب ہے، اس لئے بعض اوقات وہ اپنی وکالت کے لئے جانتے ہوئے بھی مظلوم کو سزا دلوانے اور ظالم کو بری کرانے کی پوری کوشش کرتے نظر آتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے مؤکلین کو باقاعدہ جھوٹ بولنے کی تربیت دیتے ہیں تو ایسی صورت میں وکالت شرعاً بالکل ناجائز اور حرام ہوگی، اس کے جواز کی کوئی شکل نہیں ہے۔

اس لئے اگر وکیل صحیح مقدمات لیتا ہو اور مظلوم کی اعانت اس کے پیش نظر ہو اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا ہو تو ایسی وکالت جائز ہوگی، جھوٹے مقدمات کی پیروی کرنا اور مجرم کو قانون سے بچالینا اور بےقصور پر جرم ثابت کرا دینا شدید گناہ کا کام ہے، اور اس پر معاوضہ لینا حرام فعل پر معاوضہ لینا ہے جو جائز نہیں ہے۔

''**لايجوز أخذ الأجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي، لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجروان أعطاه الأجر وقبضه**

لا یحل له ویجب علیه ردہ علی صاحبه" (مجمع الأنہر ۳/۵۲۳ باب الاجارۃ الفاسدۃ)۔

د- اگر علاج کے لئے ضروری ہو تو طبیب کا مریض کے قابل ستر مقام کو دیکھنا اور اس کا علاج کرنا شرعاً جائز ہے، اس صورت میں ہونا یہ چاہئے کہ مرد مریض کا علاج مرد ڈاکٹر کریں اور خاتون مریض کا علاج خاتون ڈاکٹر کریں، لیکن جہاں یہ صورت نہیں ہو پا رہی ہو تو بہت احتیاط کے ساتھ مرض کے مقام کو دیکھا جاسکتا ہے، مقام مرض کے علاوہ جسم کے دوسرے حصوں کا پردہ ہو۔

"ینظر الطبیب إلی موضع مرضها بقدر الضرورۃ إذا الضرورات تتقدر بقدرها وکذا نظر قابلة وختان وینبغي أن یعلم امرأۃ تداویها، لأن نظر الجنس إلی الجنس أخف" (الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ ۵/۲۶۱)۔

"وإن کان في موضع الفرج فینبغي أن یعلم امرأۃ تداویها فإن لم توجد وخافوا علیها أن تهلک أو یصیبها وجع لاتحتمله یستروا منها کل شيء إلا موضع العلة ثم یداویها الرجل ویغض بصرہ ما استطاع إلا عن موضع الجرح" (رد المحتار ۵/۲۶۲)۔

ھ- ہوٹل اپنے مقصد کے لحاظ سے لوگوں کو قیام و طعام کی سہولیات فراہم کرتا ہے، معاشرے میں اس کی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ بالمعاوضہ مسافروں کے قیام اور طعام کا نظم کرتا ہے، یہ معاشرے کی ایک ضرورت بھی ہے اور ایک نفع بخش تجارت بھی، لیکن اس دور میں اس میں مختلف قسم کے منکرات شامل ہوگئے ہیں، جس میں شراب اور حرام غذا کی فراہمی، رقص وموسیقی، سوئمنگ پول میں عریاں غسل اور تیراکی، دیگر فحش چیزیں وغیرہ ہیں، اس لئے مطلقاً ہوٹل کی ملازمت کو سند جواز دے دینا بہت مشکل ہے، اس میں فرق کرنا ضروری ہے، جہاں تک حلال کھانوں کی فراہمی اور قیام کی سہولت کا معاملہ ہے یہ جائز ودرست ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، اس لئے اس کی ملازمت بھی درست ہوگی، لیکن گاہکوں کو حرام غذا اور شراب پیش کرنا، رقص وموسیقی کا انتظام کرنا وغیرہ جیسی چیزوں کی شرعاً اجازت نہیں ہے، یہ ناجائز وحرام ہیں، اس لئے ان کاموں کی ملازمت بھی جائز نہیں ہوگی۔

مختلف محکموں میں ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

مولانا ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی ☆

۱-الف: مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ عام طور سے فوج کا استعمال اچھے مقاصد کے لئے ہوتا ہے، لہذا شاذ و نادر کا اعتبار نہیں، اور فقہی قاعدہ ہے: "**یجوز ارتکاب أخف الضررین لدفع اعظمهما**" (ابن نجیم المصری ۹۷۰ھ الأشباہ والنظائر ص ۸۹، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۰ء) (دو ضرر میں سے بڑے ضرر کو دور کرنے کے لئے ہلکے ضرر کا ارتکاب صحیح ہے)، چنانچہ غیر اسلامی فوج کی ملازمت میں کچھ ضرر ہے، لیکن ملازمت ترک کرنے میں بڑا ضرر ہے، کیونکہ اس طرح مسلمان فوجی علوم اور عسکری تربیت سے محروم رہ جائیں گے۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خود کو یا دوسرے کو ضرر پہنچائیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: "**لاضرر ولا ضرار**" (الموطأ حدیث نمبر ۱۴۲۹، سنن ابن ماجہ ۲۳۴۱، مسند احمد حدیث نمبر ۲۸۶۵، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (نہ اپنے ذات کو نقصان پہنچانا درست ہے اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچانا جائز ہے)۔

اور مخفی نہیں کہ فوجی ملازمت سے دست بردار ہونے میں خود مسلمانوں کا نقصان ہے، کیونکہ وہ اس طرح خود اپنے سماج میں مساوی حقوق سے محروم ہو جائیں گے، اور باعزت زندگی سے دور ہو جائیں گے۔

نیز فقہی قاعدہ ہے: "**المصلحة العامة مقدمة على المصلحة الخاصة**" (الاشباہ

☆ استاذ حدیث وفقہ، جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، پٹی کاڈ، مالاپورم، کیرالا۔

لابن نجیم رص ۸۷) (عمومی مصلحت خصوصی مصلحت پر مقدم ہے)، چنانچہ غیر اسلامی فوج کی ملازمت کی صورت میں بعض مسلم افراد کے حق میں کچھ مفاسد کے ارتکاب کا امکان ہے، لیکن اس ملک کے سارے مسلمانوں کی مصلحت کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ فوج میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے مسلمانوں کے مفاد میں ہے، اس لئے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے مسلمان، فوج کی زیادتی سے بچ جاتے ہیں، نیز یہ روزگار کا ایک وسیع ذریعہ بھی ہے، اس کو چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے معیشت کے وسائل کو محدود کر دینے کے مترادف ہے، جبکہ ان کے حق میں پہلے ہی سے وسائل محدود ہیں۔

نیز جہاد کی تیاری تمام مسلمانوں پر واجب ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وأعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل، ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم، لاتعلمونهم، الله يعلمهم "(الأنفال:۶۰) (اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے ان کے مقابلہ کے لئے طاقت بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو، جس سے اللہ کے اور تمہارے ان دشمنوں پر تمہاری ہیبت رہے، اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے ہو، اللہ انہیں جانتا ہے)۔

آلوسی تحریر فرماتے ہیں: "خطاب لكافة المؤمنين لما أن المأمور به من وظائف الكل" (السید محمود الآلوسی، روح المعانی ۵/ ۲۲۰ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت) (یہ تمام اہل ایمان سے خطاب ہے، کیونکہ جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے، وہ سب کے وظیفہ میں سے ہے)۔

اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ قوت کی تیاری کا بہتر ذریعہ غیر اسلامی ممالک میں فوجی ملازمت ہے، کیونکہ عام طور سے اسلحہ کی ٹریننگ سارے ملکوں میں ممنوع ہے۔

خلاصہ یہ کہ مفاسد جیسے بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے، اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہو سکتا ہے، کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کے پیش نظر

فوج کی ملازمت درست ہے، لیکن ایک مسلمان فوجی کوحتی الامکان ظلم وزیادتی، تعدی اور مظلوم اور خاص طور سے مظلوم مسلم کے خون سے ہاتھ رنگین کرنے سے بچنا چاہئے، خواہ اس کے لئے اسے نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لزوال الدنيا أهون على الله من قتل رجل مسلم" (سنن النسائی، تحریم الدم، باب تعظیم الدم، حدیث نمبر ۳۹۸۶، الترمذی حدیث نمبر ۱۳۴۵، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (دنیا کا ختم ہوجانا، اللہ کے نزدیک ایک مسلمان شخص کے قتل سے زیادہ ہلکا ہے)، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: **"إنما الطاعة في المعروف"** (صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۴۵) (اطاعت تو بھلے کاموں میں ہے)، نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: **"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق"** (الطبرانی، المعجم الکبیر حدیث نمبر ۱۴۷۹۵) (خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے)۔

اور سرخسی تحریر کرتے ہیں: **"وان قالوا لهم: قاتلوا معنا المسلمين والاقتلنا كم، لم يسعهم القتال ضد المسلمين؟ لأن ذلک حرام على المسلمين بعينه، فلا يجوز الإقدام عليه بسبب التهديد بالقتل كمالو قال: اقتل هذا المسلم والا قتلتک"** (شمس الائمہ محمد السرخسی ۴۸۳ھ، شرح السیر الکبیر، باب قتال أہل الاسلام أہل الشرک ۴/ ۲۲۴، رقم المادہ ۲۹۷۴)

(اور اگر کفار نے مسلم قیدیوں سے کہا کہ ہمارے ساتھ مسلمانوں سے قتال کرو، ورنہ ہم تمہیں قتل کردیں گے، تو ان کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ مسلمانوں کے خلاف قتال کریں، اس لئے کہ یہ اپنی ذات کے اعتبار سے مسلمانوں پر حرام ہے، لہذا قتل کے ذریعہ دھمکی دیئے جانے کے سبب سے اس پر اقدام کرنا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ اگر اس سے کہے کہ اس مسلمان کو قتل کرو، ورنہ میں تجھے قتل کردوں گا)۔

ب- ایک مسلمان کے لئے شعبہ پولیس میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے: **"إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهماضرر ابارتكاب أخفهما"** (الأشباہ

لابن نجیم، القاعدۃ الرابعۃ،ص ۸۹)(جب دو فساد امر کا تعارض ہو،تو دونوں میں سے بڑے ضرر کی رعایت ان میں سے ہلکے ضرر کے ارتکاب کے ساتھ کی جائے گی)۔

چنانچہ شعبہ پولیس میں کام کرنے کی صورت میں کچھ ضرر کا اندیشہ ہے، جیسے صحبت کی تاثیر سے بدزبان اور ظلم وجور کا خوگر بننے کا امکان ہے،لیکن ملازمت ترک کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو زیادہ نقصان اور انصاف سے محرومی کا قوی امکان ہے، لہذا اس شعبہ کی ملازمت درست ہوگی، البتہ ہر ایک مسلم کو خیر امت کا نمائندہ ہونا چاہئے اور حتی الامکان اپنی چھاپ دوسروں پر ڈالنی چاہئے،اور ظلم وجور،بدزبانی،بداخلاقی اور سب وشتم سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ج- شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس میں ملازمت کرنا مسلمانوں کے لئے درست ہے، کیونکہ مصلحت کو وجود میں لانے اور باعث فساد امور کو دور کرنے کے لئے تجسس کی گنجائش ہے، جبکہ چھپی ہوئی برائی جس کا ضرر پوری قوم پر نہ پڑتا ہو، اسے ظاہر کرنے کے لئے تجسس حرام ہے، ہدایہ میں ہے:

”**واذا استحلف الوالي رجلا ليعلمنه بكل داعر،أي مفسد خبيث من الدعارة، وهي الخبث والفساد، دخل البلد، كان الإعلام واجبا حال ولايته خاصة**“(الہدایہ مع العنایۃ بہامش الفتح، کتاب الأیمان، مسائل متفرقۃ ۴/۴۶۸، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)(اور اگر حاکم کسی شخص کو قسم دلائے کہ وہ اسے ضرور ہر فسادی کے بارہ میں بتائے گا جو شہر میں داخل ہو تو اطلاع دینا خاص طور سے اس کی حکمرانی کی حالت میں واجب ہوگا،”داعر“ کے معنی فسادی وشریر کے ہیں،یہ”دعارۃ“ سے ماخوذ ہے،اور اس کے معنی شر اور فساد کے ہیں)۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ”فسادی“ کا علم تجسس ہی کے ذریعہ ہوگا،اور علامہ”مازہ“ تحریر کرتے ہیں:”**قال أصحابنا رحمهم الله:لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين، والدخول فيه من غير استئذان، إذا سمع منه صوت فساد للأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر**“(محمود بن احمد برہان الدین مازہ المحیط البرہانی،کتاب القضاء الفصل الحادی عشر:في

العدوی وتمیز الباب ۸/۱۷۴ طبع داراحیاء التراث العربی، بیروت) (ہمارے علماء نے کہا ہے کہ مفسدین کے گھر پر ناگہانی میں پہنچنا اور بغیر اجازت طلب کئے ہوئے اس میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، جبکہ اس سے فساد کی آواز سنی جائے، معروف کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوی قرینہ کی حالت میں تجسس کی گنجائش ہے، اور رد المحتار میں ہے: "**وهجم عمر رضي الله عنه على نائحة في منزلها، وضربها بالدرة، حتى سقط خمارها، فقيل له فيه: فقال: لاحرمة لها بعد اشتغالها بالحرم والتحقت بالإماء**" (رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب: یکون التعزیر بالقتل ۶/۱۱۰) (اور حضرت عمرؓ ایک نوحہ خواں عورت کے گھر اچانک پہنچ گئے اور اسے درہ سے مارا، یہاں تک کہ اس کا دوپٹہ گر گیا، چنانچہ اس سلسلہ میں ان سے پوچھا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ حرام میں مشغول ہونے کے بعد اس کے لئے حرمت نہیں رہی، اور وہ باندی سے جا ملی)۔

اور اس سے بھی ظاہر ہے کہ قوی شبہ کی بنا پر تجسس درست ہے، اور ابن حبیب مالکی کا کہنا ہے کہ "**سمعت ابن الماجشون يقول في اللصوص وقطاع الطريق: أرى أن يطلبوا في مظانهم ويعان عليهم حتى يقتلوا وينفوا من الأرض بالهرب**" (ابراہیم بن علی بن محمد ابن فرحون ۷۹۹ھ تبصرۃ الحکام فی اصول الأقضیۃ ومناہج الأحکام، الفصل الثامن فی الکشف عن المفسدین ۴/۳۸۹ طبع الشاملۃ) (میں نے ابن الماجشون کو چوروں اور ڈاکوؤں کے بارہ میں کہتے ہوئے سنا کہ میری رائے ہے کہ بھاگنے کے سبب ان کو ان کی ممکنہ جگہوں میں ڈھونڈھا جائے، اور ان کے خلاف مدد دی جائے، یہاں تک کہ قتل کئے جائیں، یا جلاوطن کردیئے جائیں)۔

اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ڈاکوؤں کو ان کی ممکنہ جگہ میں تلاش کرنا تجسس اور مخبری ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔

اور ماوردی تحریر کرتے ہیں: "**فإن غلب على الظن استسرار قوم بها**

لأمارات دلت، وآثار ظهرت، فذلک ضربان: أحدهما:أن يكون ذلک في انتهاک حرمة يفوت استدراكها، مثل أن يخبره من يثق بصدقه أن رجلا خلابامرأة ليزني بها، أوبرجل ليقتله، فيجوز له في مثل هذه الحالة أن يتجسس ويقدم على الكشف والبحث حذارا من فوات مالايستدرک من انتهاک المحارم وارتكاب المحظورات......والضرب الثاني ماخرج عن هذاالحد، وقصر عن حد هذه الرتبة، فلا يجوز التجسس عليه، ولاكشف الأستارعنه"(ابوالحسن علی الماوردی ۴۵۰ھ الأحکام السلطانية، الباب العشرون: في احکام الحسبة، فصل في تعلق النهي بالمحظورات ۸/۲ المکتبة الشاملة)(اگر ممنوعات کوخفیہ طور سے کرنے کا گمان غالب ہوتوقرائن کی وجہ سے جودلالت کررہے ہوں،اورآثار کے سبب جوظاہر ہوں،تواس کی دوقسمیں ہیں:۱-ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایساایسی حرمت کی پامالی کے سلسلہ میں ہو،جس کی تلافی فوت ہوجائے،جیسےاسے وہ خبردے جس کی صداقت پراسے بھروسہ ہوکہ ایک مردایک عورت کے ساتھ خلوت میں ہےتاکہ اس کے ساتھ زناکرے،یاکسی آدمی کے ساتھ تنہائی میں ہےتاکہ اسے قتل کردے،تواس حالت میں اسے تجسس کرنااورچھان بین پراقدام کرناجائز ہے،محارم کی پامالی اورممنوعات کےارتکاب کی تلافی کےفوت ہونے سے بچنے کے لئے اوردوسری قسم وہ ہے جواس حد سے خارج ہو،اوراس مرتبہ کی حد سے باہر ہو،تواس کےخلاف تجسس کرنااوراس کے پردہ کوچاک کرناجائزنہیں ہیں)۔

اورفسادی کےشر سے لوگوں کو بچانے کے لئے اس کی غیبت درست ہے(دیکھئے: ردالمحتار،کتاب الحظر والإباحة،فصل في البیع ۵۸۶/۹)۔

اورفقہی قاعدہ ہے:**"يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام"** (الأشباہ لابن نجیم،ص ۸۷)(ضررعام کودورکرنے کیوجہ سےضررخاص کوبرداشت کیاجائےگا)۔

چنانچہ مخبری کےشعبہ سےتمام مسلمانوں کےدوررہنےکی صورت میں غیروں کوان کے خلاف سازش کازیادہ موقع ملےگا۔

البتہ شعبہ مخبری میں کام کرنے والے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض ادنی شبہ کی وجہ سے شریف شہریوں، خاص طور سے مسلمانوں کے خلاف تجسس کی کاروائی نہ کرے، بلکہ حتی الامکان اس طرح کی کاروائی اس وقت کرے، جبکہ کسی کے خلاف ٹھوس بنیاد اور قوی شبہ ہو، چنانچہ حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إنک إذا اتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۸۸۸، اور یہ صحیح حدیث ہے) (اور تم لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں پڑو گے تو تم انہیں بگاڑ دو گے، یا بگاڑنے کے قریب پہنچ جاؤ گے)۔

اور حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: "إن الأمير إذا ابتغى الريبة في الناس أفسدهم" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۸۸۹، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (یقیناً اگر حاکم لوگوں کے اندر شک وتہمت کی تلاش میں رہے تو وہ انہیں بگاڑ دے گا)۔

نیز حتی الوسع توریہ وغیرہ سے کام لے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إلا أن تتقوا منهم تقاة" (عمران: ۲۸) (مگر یہ معاف ہے کہ تم ان کافروں کے شر سے بچنے کے لئے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ)۔

اور عمران بن حصینؓ کا قول ہے: "إن في المعاريض لمندوحة عن الكذب" (الأدب المفرد للبخاري حدیث نمبر ۸۵۷، وهو صحيح موقوفا) (بے شک توریہ میں جھوٹ سے بچنے کی راہ ہے)۔

د- غیر شرعی عدالتیں باطل کے قلعے اور حاکمیت میں شرک کے مراکز ہیں، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اسلام میں حاکمیت صرف اللہ تعالی کے لئے ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "إن الحكم إلا لله أمر ألا تعبدوا إلا إياه ذلك الدين القيم، ولكن أكثر الناس لا يعلمون" (یوسف: ۴۰) (حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"إن الحکم إلاالله يقص الحق، وهو خير الفاصلين" (انعام:۵۷) (فیصلہ کرنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہی حق کو واضح کرے گا، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ولايشرک في حکمه أحدا" (کہف:۲۶) (اور وہ اپنی حاکمیت میں کسی کو شریک نہیں بناتا)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ومن لم يحکم بما أنزل الله فأولئک هم الکافرون" (مائدہ:۴۴) (اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں)۔

اور ارشاد ہے:"ومن لم يحکم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون" (مائدہ:۴۵) (اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں)۔

نیز فرمان باری تعالی ہے:"ومن لم يحکم بما أنزل الله فأولئک هم الفاسقون" (مائدہ:۴۷) (اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی فاسق ہیں)۔

لیکن اس ضرورت کے پیش نظر کہ اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے، تو قوی امکان ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی، چنانچہ مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت کرنا اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ وہ دل سے غیر خدائی قانون کو ناپسند کریں اور یہ سمجھیں کہ ہم اضطراری حالت میں کام کررہے ہیں اور دل میں یہ عقیدہ ہو کہ الہی قانون کے ساتھ فیصلہ کرنا فرض ہے، اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے:"الضرورات تبيح المحظورات" (الأشباہ لابن نجیم، ص ۸۵) (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں)۔

"الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامة کانت أو خاصة" (الأشباہ لابن نجیم

رص ۹۱) (حاجت ضرورت کا درجہ لے لیتی ہے، خواہ وہ حاجت عام ہو یا خاص)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان**" (نحل:۱۰۶) (مگر جو مجبور کردیا گیا ہو، اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)۔

ھ-چونکہ انکم ٹیکس کا بنیادی مقصد عوامی فلاح پر اس کا استعمال ہے، اور یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ انکم ٹیکس کی شرح منصفانہ مقرر کرے، اور ضرورت سے زیادہ لوگوں پر بوجھ نہ ڈالے، اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کا غلط استعمال نہ ہو، اور اگر ایسا نہ ہو تو ملک کے باشعور افراد اس کے خلاف سنجیدہ عوامی تحریک چلائیں۔

چنانچہ انکم ٹیکس کے شعبوں میں ملازمت کرنا صحیح ہے، اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے: "**الأمور بمقاصدها**" (الأشباہ لابن نجیم رص ۲۷) (**معاملات کا اعتبار ان کے مقاصد کے لحاظ سے ہے**)، اور اس شعبہ میں کام کرنے والے ملازم کا مقصد عوامی فلاح کے لئے انکم ٹیکس جمع کرنا ہے۔

البتہ اس شعبہ میں ملازمت کرنے والے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلاوجہ لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس نہ کریں، اور عدل وانصاف کی پابندی کریں، ظلم اور رشوت ستانی سے دور رہیں، البتہ اگر ظالمانہ شرح ٹیکس اور اس کے غلط استعمال کا کسی کو یقین ہو تو اس کے حق میں یہ ملازمت درست نہیں ہے۔

۴- ہر وہ چیز جو یقین یا گمان غالب کے طور پر معصیت کا سبب بالواسطہ یا بلاواسطہ ہو، وہ حرام ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک، مکروہ تحریمی ہے صاحبین کے نزدیک، اور اگر بلاواسطہ معصیت کا سبب ہو تو مکروہ تحریمی ہے، امام صاحب کے نزدیک، اور اگر بالواسطہ سبب ہو تو ان کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے (دیکھئے: سلیمان بن محمد البجیرمی الشافعی ۱۲۱۲ھ حاشیۃ البجیرمی علی المنہاج، کتاب البیوع، فصل فیما نہي عنہ من البیوع ۷/ ۳، طبع شاملہ، رد المحتار کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع ۹/ ۵۶۰ - ۵۶۳)۔

اس مختصر تمہید کے بعد جواب درج ہے:

الف-چونکہ بینک کا اصل مقصد سودی لین دین کا کاروبار کرنا ہے، لہذا بینک کی ملازمت، بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی چوکیداری و حفاظت، جانتے بوجھتے ہوئے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، یہ سب ناجائز وحرام ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ہراس شخص پر لعنت کی ہے جس کا سودی کاروبار سے تعلق ہو، چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:"**لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال:هم سواء**" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۹۸)(نبی کریم ﷺ نے سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہ پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں)۔

البتہ اگر کسی کو فاقہ کشی کی نوبت ہو، تو اضطراری حالت میں بینک کی ملازمت کرسکتا ہے اور اپنی تنخواہ سے صرف اپنے اور اپنے بچوں کی اصلی ضروریات کی حد تک استعمال کرسکتا ہے، باقی کو بغیر صدقہ کی نیت کے حرام مال سے نجات پانے کی غرض سے فقراء کو دے دے، اور جائز عمل کی تلاش میں برابر رہے، اور جیسے ہی جائز عمل ملے اس ملازمت کو ترک کردے، خواہ جائز ملازمت کی تنخواہ کم ہو، اس لئے کہ "**الضرورة تتقدر بقدرها**"۔

ب- تجارتی انشورنس اپنی تمام صورتوں کے ساتھ حرام ہے، کیونکہ وہ سود، قمار اور غرر وغیرہ شرعی ممنوعات پر مشتمل ہے، لہذا انشورنس کمپنی کی ملازمت ناجائز ہے، نیز انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام بھی ناجائز ہے، اس لئے کہ وسائل کے لئے مقاصد کے احکام ہیں، چنانچہ ہر وسیلہ جو حرام اور معصیت تک پہنچانے والا ہو وہ قطعاً حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"**وتعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الإثم والعدوان**" (مائدہ:۲) (اور نیکی اور تقویٰ کے کام پر تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کام پر تعاون نہ کرو)۔

ج- شراب کی کمپنی میں ملازمت ناجائز ہے، خواہ اس کا کام شراب کی خرید وفروخت کرنا

ہو، یا کمپنی کے لئے جانتے بوجھتے بوتل بناتا ہو یا شراب کا حساب کتاب لکھتا ہو یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزاء پیش کرتا ہو جن سے شراب بنائی جاتی ہے، اس لئے کہ وسائل کے لئے مقاصد کا حکم ہے، چنانچہ حرام تک پہنچانے والا وسیلہ بھی حرام ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "**أتاني جبريل، فقال: يامحمد! إن الله عزوجل قد لعن الخمر وعاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وبائعها ومبتاعها وساقيها ومستقيها**" (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۵۳۵۶، مسند احمد حدیث نمبر ۲۸۹۷ عن ابن عباس، اور شعیب الأرنؤوط، کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے) (میرے پاس حضرت جبرئیل آئے، اور بولے اے محمد! بے شک اللہ عزوجل نے لعنت بھیجی ہے، شراب پر اور اس کے نچوڑنے والے اور اپنے لئے نچوڑوانے والے، اور اس کے پینے والے، اور اس کے ڈھونے والے، اور جن کے پاس ڈھوکر لے جایا جائے، اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدار اور اس کے پلانے والے اور پلانے کی درخواست کرنیوالے پر)، اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں "**وأكل ثمنها**" (المستدرک للحاکم حدیث نمبر ۲۲۳۵) (اور اس کی قیمت کھانے والے پر) بھی وارد ہے۔

۳-الف: سپر مارکیٹ کی ملازمت کرنا جائز ہے، اگر اس کا کام زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کرنا ہو، اور شراب بیچنا نہ ہو، جبکہ منکر وبرائی کو دل سے برا سمجھے، لیکن برائی کے مشاہدہ کی جگہ میں ملازمت مکروہ تنزیہی ہے۔

اور اس کا کام دیگر چیزوں کے ساتھ شراب بیچنا بھی ہو تو پھر اس جگہ ملازمت کرنا حرام ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے شراب بیچنے اور ڈھونے اور پلانے والے سب پر لعنت کی ہے (سنن ابی داؤد کتاب الأشربۃ، باب العنب یعصر للخمر عن ابن عمر، حدیث نمبر ۳۶۷۴)۔

ب- حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "**قالت النساء للنبي ﷺ: غلبنا عليك الرجال، فاجعل لنا يوما من نفسك، فوعدهن يوما، لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن......**" (صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۰۱، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۲۹۶) (عورتوں نے

نبی اکرم ﷺ سے کہا: آپ سے استفادہ کے سلسلہ میں مرد ہم پر غلبہ لے چکے ہیں، تو آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک دن مقرر کر دیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ کیا، جس میں ان سے ملے، ان کو وعظ کہا اور حکم دیا)۔

اور عینی تحریر کرتے ہیں: "**فيه سؤال النساء عن أمرد ينهن، وجواز كلامهن مع الرجال في ذلک وفيما لهن الحاجة اليه**" (الامام بدرالدین محمود العینی، عمدۃ القاری ۲/ ۱۸۹ طبع دارالفکر، بیروت ۱۹۹۸) (اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ عورتیں اپنے دین کے معاملات کے سلسلہ میں پوچھ سکتی ہیں، اور اس سلسلہ میں اور جن امور کی ان کو ضرورت ہو، ان کے بارے میں مردوں کے ساتھ ان کی گفتگو جائز ہے)۔

اس تفصیل سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:

۱۔ تعلیم میں اختلاط جائز نہیں، کیونکہ اگر دینی امور کی تعلیم کے لئے اختلاط جائز ہوتا تو آپ ﷺ ان عورتوں کے لئے الگ سے ایک دن مقرر نہ فرماتے۔

۲۔ چونکہ مخلوط تعلیم گاہوں میں عام طور سے اختلاط کے سبب عشق و معاشقہ اور دیگر مختلف فتنے رونما ہوتے رہتے ہیں، لہذا ایسی تعلیم گاہ میں دونوں صنفوں کا اجتماع ممنوع ہے، اس لئے کہ حرام کا ترک جس چیز کے بغیر نہ ہو، اس چیز کو چھوڑنا واجب ہے۔

۳۔ مخلوط تعلیم کے نظام کے غلبہ کی بنا پر مخلوط تعلیم گاہوں میں ملازمت حاجت کی بنا پر درست ہے، کیونکہ تدریس ایک معزز پیشہ، اور بڑا ذریعہ معاش ہے، جس سے مسلمانوں کا محروم رہنا بڑے خسارہ کی بات ہے، جبکہ فقہی قاعدہ ہے: "**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة**" (الأشباہ ص ۹۱)، اور تعلیم اپنی اصل کے اعتبار سے ہر ایک کے لئے مباح ہے، البتہ مخلوط تعلیم گاہ میں ملازمت کرنے والے کے لئے درج ذیل شرائط کی پابندی ضروری ہے:

ملازم دیندار ہو، پاکدامن ہو، حتی الامکان نگاہ نیچی رکھے، دوسری صنف سے تعلیم کے علاوہ امور میں بات سے حتی الامکان پرہیز کرے۔

دوسری صنف کے ساتھ خلوت میں ملنے سے پرہیز کرے۔

دونوں صنف کے حق میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

اگر ملازم عورت ہے تو حتی الوسع شرعی حجاب کی پابندی کرے۔

ملازم عورت دبی زبان سے بات نہ کرے، اس کے لہجے میں کوئی لوچ نہ ہو، اس کی باتوں میں کوئی لگاوٹ نہ ہو، اور اس کی آواز میں دانستہ کوئی شیرینی گھلی ہوئی نہ ہو، جو سننے والے مرد کے جذبات کو بھڑکائے، اور اسے آگے قدم بڑھانے کی ہمت دلائے، بلکہ عورت کا لہجہ اور انداز گفتگو ایسا ہو جس سے مخاطب مرد کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہ گزر سکے کہ اس عورت سے کوئی اور توقع بھی قائم کی جاسکتی ہے۔

ملازم عورت ہر ایسے تصرف سے پرہیز کرے جو جذبات کو انگیختہ کرنے والا ہو۔

لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ کا کام کرنا درست ہے، ان شرعی شرائط کے ساتھ جو اوپر گذرے ہیں۔

پیچھے ذکر کردہ شرائط کے ساتھ لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ کام کرسکتی ہیں۔

ج- ایک مسلمان کے لئے وکالت کے پیشہ کو اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ تو محض دعوی کرنا یا اس کا جواب دینا ہے، سرخسی تحریر کرتے ہیں: "وفیه جواز التوکیل بالخصومة" (المبسوط، کتاب الوکالۃ ۹/۱۹) (اس سے خصومت کا وکیل بنانے کا جواز نکلتا ہے)۔

البتہ ہر ایک مسلمان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ بہترین اور افضل امت کا فرد ہے، لہذا اسے اس منصب کا نمائندہ ہونا چاہئے، اس لئے اس پر واجب ہے کہ کذب بیانی سے پرہیز کرے، باطل معاملہ میں اپنے موکل کا دفاع نہ کرے، حق کو بیان کرے اور صداقت کا اظہار کرے، چنانچہ ایک مسلمان وکیل پر لازم ہے کہ وہ معاملہ اور کیس پر اچھی طرح غور کرلے، اگر اسے گمان غالب ہوجائے کہ حق اس کے موکل کے ساتھ ہے، تو پھر ایسی ہی صورت میں وہ کیس لے، ورنہ کیس کو چھوڑ دے، اس لئے کہ ظلم وجور اور جرم کا کسی طرح ساتھ دینا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان"** (مائدہ:۲) (نیکی اور تقوی کے کام پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کام پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **"أنصر أخاک ظالما أومظلوما، قالو: یا رسول اللہ! ھذاننصرہ مظلوما، فکیف ننصرہ ظالما؟قال: تأخذ فوق یدیہ"** (صحیح البخاری حدیث نمبر:۲۴۴۴) (تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے اس پر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، اس کی مظلوم ہونے کی صورت میں ہم مدد کریں گے، پھر ہم ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کا ہاتھ پکڑ لو یعنی اسے ظلم سے باز رکھو)۔

چنانچہ ایک مسلمان وکیل کو اگر گمان غالب ہو کہ حق دوسرے فریق کے ساتھ ہے تو وہ ابتداء ہی میں اپنے موکل سے اس بات کی وضاحت کر دے اور اسے دعوی چھوڑنے کی نصیحت کر دے، اور اس مقدمہ و کیس میں داخل نہ ہو۔

د- اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ"** (آل عمران:۱۱۰) (تم بہترین گروہ ہو، جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

اور اجارہ کی تعریف ہے: **"عقد علی منفعة معلومة مباحة"** (الاختیار کتاب الإجارة ۲/ ۵۳ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۵م، وشیخ الاسلام زکریا الانصاری، اسنی المطالب فی شرح روض الطالب، کتاب الإجارة ۲/ ۴۰۳ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۰ء) (مباح اور معلوم منفعت کے عقد کو (جو بہ عوض ہو) اجارہ کہتے ہیں)۔

اور علامہ محمد طوری حنفی تحریر کرتے ہیں: **"والطبیب إنما یجوزلہ ذلک، إذا لم**

يوجد امرأة طبيبة، فلووجدت، فلا يجوز له أن ينظر؛ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف"(تکملۃ البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ فصل في النظر واللمس ۹/ ۵۲،۳، ۳۵۳ طبع الہند)(اور طبیب کے لئے اجنبی عورت کے مرض کے حصہ کو دیکھنا اس صورت میں جائز ہے، جبکہ کوئی طبیب عورت موجود نہ ہو، اگر خاتون ڈاکٹر موجود ہو، تو اس کے لئے دیکھنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایک صنف کا اپنی صنف کو دیکھنا ہلکا ہے)۔

اور ردالمحتار میں "الجوہرۃ النیرۃ" کے حوالہ سے تحریر ہے: "**إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج، يجوز النظر إليه عند الدواء؛ لأنه موضع ضرورة، وإن كان في موضع الفرج، فينبغي أن يعلم امرأة تداويها، فإن لم توجد، وخافوا عليها أن تهلک، أو يصيبها وجع لاتحتمله يستروا منها كل شئ إلا موضع العلة، ثم يداويها الرجل، ويغض بصره مااستطاع إلا عن موضع الجرح......والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب**"(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في النظر والمس ۹/ ۵۳۳)(اگر مرض شرمگاہ کے علاوہ باقی بدن میں ہو تو علاج کے وقت اس حصہ کو دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ ضرورت کی جگہ ہے، اور اگر مرض شرمگاہ میں ہو تو مناسب ہے کہ کسی عورت کو اس کا علاج سکھا دے، اگر کوئی ایسی عورت موجود نہ ہو، اور عورت کے حق میں لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ ہلاک ہو جائے گی، یا اسے ایسا درد لاحق ہوگا، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے، تو وہ لوگ اس عورت کا ہر حصہ ڈھانک دیں، بیماری کی جگہ کے علاوہ، پھر مرد اس کا علاج کرے، اور جہاں تک ہو سکے اپنی نگاہ نیچی رکھے، سوائے زخم کی جگہ کے......اور ظاہر ہے کہ مناسب ہے، اس جگہ وجوب کے لئے ہے)۔

اس تفصیل سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوئیں:

۱- ہاسپیٹل میں ملازمت کرنا درست ہے، اس لئے کہ وہ انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ ہے، اور انسان کی ایک ضرورت ہے جو کہ مباح ہے۔

۲-ہاسپیٹل اوراس کی لیبارٹری کی محض آمدنی بڑھانے کے لئے آپریشن یا ٹسٹ بغیر ضرورت کے لکھنا جائز نہیں ہے، ایسے موقع سے مسلم ڈاکٹر کو خیر امت کے فرد ہونے کی حیثیت سے ہاسپیٹل کی انتظامیہ کو انسانیت، ہمدردی، بھلائی کا حکم اور برائی کی ممانعت کرنی چاہئے، اگر انتظامیہ اس کی نصیحت قبول کرلے تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے حرام پر تعاون نہ کرتے ہوئے اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہئے، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے: "ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان" (مائدہ:۲) (اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کام پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "یاأیھا الذین آمنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل" (نساء:۲۹) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ)، نیز فرمان الہی ہے: "لتأکلوا فریقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون" (بقرہ:۱۸۸) (کہ اس طرح دوسروں کے مال کا کچھ حصہ حق تلفی کرکے ہڑپ سکو، جبکہ تم اس حق تلفی کو جانتے ہو)۔

۳-ایسے ہاسپیٹل میں جو ناجائز طریقہ سے لوگوں کے مال ہڑپ کرتے ہوں ملازمت بدرجہ مجبوری ہی جائز ہے، اور بہتر ملازمت کی تلاش میں رہنا واجب ہے۔

۴-مرد ڈاکٹر خاتون مریض کے قابل ستر حصے کا علاج صرف اسی صورت میں کرسکتا ہے جبکہ لیڈی ڈاکٹر دستیاب نہ ہو، یا اس وقت موجود نہ ہو اور تاخیر کی صورت میں اس کی جان کو خطرہ ہو، یا ناقابل برداشت درد سے دوچار ہو، بہرحال ڈاکٹر کا مقصد علاج کرنا ہو، شہوت پرستی اور لذت اندوزی نہ ہو۔

۵-خاتون ڈاکٹر مریض مرد کے قابل ستر حصے کا علاج صرف اسی وقت کرسکتی ہے، جبکہ مرد ڈاکٹر موجود نہ ہو، اور تاخیر کی صورت میں مریض کی ہلاکت کا اندیشہ یا برداشت سے باہر درد میں مبتلا ہونے کا گمان غالب ہو۔

ھ- اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "یاأیھا الذین آمنوا لاتتبعوا خطوات الشیطان، ومن یتبع خطوات الشیطان، فإنه یأمر بالفحشاء والمنکر" (نور:۲۱) (اے ایمان والو! تم

شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، اور جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلے گا، تو وہ بے حیائی اور برائی ہی کو کہے گا)۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **"ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك ان يرتع فيه"** (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۵۹۹) (اور جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا، جیسے چرواہا جو ممنوعہ چراگاہ کے اردگرد چرائے تو قریب ہے کہ ممنوعہ چراگاہ میں بھی اس کے جانور چرنے لگیں)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر"** (سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۸۰۱، مسند احمد حدیث نمبر ۱۲۵ عن عمرؓ، اور یہ حدیث حسن ہے) (جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا جام گردش میں ہو)۔

اور "التنویر" میں ہے: **"وان علم أولا" باللعب لايحضر أصلا، سواء كان ممن يقتدى به أولا"** (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ ۹/ ۵۰۲) (اور اگر اسے لہو ولعب کا پہلے سے علم ہو تو ولیمہ میں مطلقاً حاضر نہ ہو، خواہ اس کی پیروی کی جاتی ہو یا نہیں)۔

اور رد المحتار میں ہے: **"ومفاد الحديث أنه يرجع ولو بعد الحضور"** (رد المحتار ۹/ ۵۰۲) (اور حدیث پاک سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ لوٹ جائے، خواہ حاضری کے بعد لہو ولعب کا علم ہو)، اور "البحر" میں ہے: **"فإن مشاهدة الباطل شركة فيه"** (البحر الرائق، کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ، ومن أقر أنہ شہد زورا...... ۷/ ۲۱۳) (کیونکہ باطل کا مشاہدہ اس میں شرکت ہے)۔

اس تفصیل سے مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوئے:

۱- ایسے بڑے ہوٹلوں میں جہاں غیر شرعی باتیں پائی جاتی ہیں، جیسے: شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ، اگر ان حرام چیزوں کی فراہمی سے اس کا براہ راست تعلق ہو تو ان میں ملازمت حرام ہے۔

۲-اور اگر اس ملازم کا براہ راست تعلق حرام چیزوں کی فراہمی سے نہ ہو، تو ایسی صورت میں ایسے ہوٹلوں میں ملازمت مکروہ تنزیہی ہے، بشرطیکہ دل سے ان منکرات کو برا سمجھے اور شرعی ممنوعات سے دور رہے۔

۳-جس صورت میں ملازمت حرام یا مکروہ تحریمی ہے، اس صورت میں ضرورت کی بنیاد پر ہی ملازمت کرسکتا ہے، یعنی اگر یہ ملازمت چھوڑ دے تو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کھانا، پینا اور رہائش کی بنیادی ضرورت سے محروم ہوجائے گا، اور کوئی دوسرا کام نہ مل رہا ہو، خواہ اس کی تنخواہ ہوٹل کی تنخواہ سے کم ہی کیوں نہ ہو۔

خلاصہ بحث:

۱-عمل یا ملازمت میں اصل اباحت ہے جبکہ شرعی ضابطے کے دائرہ میں ہو جیسے وہ عمل اپنی ذات کے اعتبار سے مباح ہو، اور آدمی اپنے معاملہ میں شرعی ممنوعات مثلاً، دھوکہ، جھوٹ اور جعل سازی وغیرہ سے بچے۔

۲-گناہ پر براہ راست تعاون دینے والے اعمال پر اجارہ درست نہیں ہے۔

۳-ہر وہ چیز جو یقین یا گمان غالب کے طور پر معصیت کا سبب بالواسطہ یا بلاواسطہ ہو وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، اور امام صاحب کے نزدیک اگر بلاواسطہ معصیت کا سبب ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بالواسطہ سبب ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

☆☆☆

مختلف النوع ملازمتیں اور شرعی احکام ومسائل

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی☆

جواب : - ا(**الف - ب**)چونکہ ہندوستان میں مسلمان اقلیت کے لئے بڑا مسئلہ جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ ساتھ کچھ معاشی مسائل بھی ہیں، کچھ شعبے ایسے ہیں کہ ان میں بعض دفعہ خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، جیسے فوج اور پولس محکمہ، جہاں حلت وحرمت، منفعت ومضرت جیسے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔

حرمت ومضرت جیسے جور وظلم کرنا اور ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا، جس میں بسا اوقات آدمی کا ناحق خون بھی ہو جاتا ہے، اس کی مذمت اور ناحق قتل میں قرآن وحدیث ناطق ہے؛ قرآن کریم میں فرمایا ہے : وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلاَّ خَطَأً ، وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا۔(النساء : ۹۲، ۹۳)اور حدیث شریف میں ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔(مسلم : کتاب القسامة،باب المجازاة بالدماء فی الآخرة)نیز فرمایا: من سل علینا السیف فلیس منا۔(مسلم :کتا ب الایمان،باب قول البنی ﷺ : من حمل علینا السلاح فلیس منا)۔

☆ استاذ تفسیر وفقہ وحدیث ومہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ، گجرات۔

(ج) اسی طرح شعبۂ مخبری میں تجسس اور غیبت کا ارتکاب ہوتا ہے؛ حالانکہ اس کی مذمت میں قرآن کریم کا حکم ہے : وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَایَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً. (الحجرات:۱۲)اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں تجسس کرنا اصلاً حرام ہے۔

پھر جب کوئی شخص کافر کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی کرے تو اس کی قباحت اور بڑھے گی ، چنانچہ اگر جاسوس مسلمان ہے تو اگرچہ اس کو ذمی یا حربی جاسوس کی طرح قتل نہ کیا جائے پھر بھی اس کو دردناک سزا دی جائے گی اور قید بھی کریں گے، تاکہ وہ اس فعل قبیح سے توبہ کرلے اور باز آجائے ،جیسا کہ الموسوعۃ الفقہیہ میں مذکور ہے: "الجاسوس علی المسلمین إما أن يكون مسلما أو ذميا أو من أهل الحرب... فإن كا نوا من أهل الحرب أومن أهل الذمة ممن يؤدى الجزية من اليهود والنصارى والمجوس فأضرب أعناقهم ، وإن كانوا من أهل الإسلام معروفين فاوجعهم عقوبة واطل حبسهم حتى يحدثوا توبة"(مادة تجسس :۱۰/ ۱۶۵)

(د) اسی طرح محکمۂ عدلیہ میں قرآن وسنت کے خلاف اور دستور ملک کے مطابق قضیے فیصل ہوتے ہیں ؛ بلکہ کئی قوانین شریعت اسلامی سے مخالف ہیں ،جو مسلمانوں کے حق میں منصفانہ نہیں ہیں، اور اس بارے میں بھی قرآن میں وارد ہے:وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ،اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ(المائدہ: ۴۲)اوراحکام وفیصلوں میں ظلم وزیادتی اکبر الکبائر ہے،" وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا"(الجن :۱۵)۔

اورحدیث شریف میں ہے:"إن اعتى الناس على الله وأبغض الناس إلى الله و أبعد الناس من الله رجل ولاه الله من أمر أمة محمد ﷺ شيئا ثم لم يعدل بينهم". (معين الحكام:الباب الثانى فى فضل القضاء، ص:۷، ط:دار الفكر)نیز فرمایا: عن أبى سعيد قال : قال رسول الله ﷺ : إن أحب الناس إلى الله يوم القيامة وأدناهم

منه مجلسا إمام عادل ،وأبغض الناس إلى الله وأبعدهم منه مجلسا إمام جائر .
(ترمذی : کتاب الاحکام ،باب ماجاء فی الامام العادل ،رقم الحدیث : ۱۳۲۹ ،
ج/۳،ص/۶۰۸: مصطفی البابی الحلبی)۔

(۵) لوگوں کے اموال میں ٹیکس عائد کرنے کی وجہ مصالح عامہ کا قیام ہے،لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فرض کردہ مقدار بقدر ضرورت ہو،اعتدال کے ساتھ لایا گیا ہو،ظالمانہ شرح نہ ہو،تبذیر واسراف سے بچتے ہوئے اسکو مصالح عامہ میں خرچ کیا جاتا ہو،یہ سب اسلامی اصول ہے،اب ہم ہندوستان میں رائج ٹیکسوں کی کچھ تفصیل دیکھیں۔

ٹیکس مختلف ذرائع سے وصول کیا جاتا ہے ، جیسے محصول پیشہ (Professinal tax):اگر کوئی شخص کسی شہری حدود میں سال میں ایک مخصوص مدت تک جو کم از کم چھ ماہ ہو کوئی کاروبار کرتا ہے یا جس کام سے اسے آمدنی ہوتی ہے تو انتظامیہ کو اس کا اختیار رہتا ہے کہ اس شخص سے مذکورہ ٹیکس وصول کرے۔

کسی بھی شخص یا ادارے سے ایک سال میں زیادہ سے زیادہ کتنا محصول پیشہ وصول کیا جاسکتا ہے اس کا تعین دستور ہند کے حوالے سے کیا جاتا ہے،مذکورہ ٹیکس عام طور پر ہر چھٹے ماہ پر وصول کیا جاتا ہے۔

محصول تفریحات(Entertainment tax):سینما،سرکس اور دیگر ویرائٹی شوز تفریح کا وسیلہ ہوتے ہیں اور یہ شہری انتظامیہ کے لئے آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں،حدود بلدیہ میں ایسی تفریح گاہیں جہاں داخلہ ٹکٹ کے ذریعہ ہوتا ہے،اس پر مذکورہ ٹیکس عائد کرنے کا اختیار شہری انتظامیہ کو ہوتا ہے،یہ محصول تفریح گاہ میں داخلے کے ٹکٹ کی بنیادی قیمت کے تناسب سے متعین کیا جاتا ہے۔

محصول جائداد(Property tax):مقامی حکومت،یعنی میونسپل کارپوریشن کا سب سے اہم ذریعہ آمدنی محصول جائداد ہے،محصول جائداد زمین کے رقبے اور اس پر تعمیر ڈھانچے

کے حساب سے طے کیا جاتا ہے، بڑے شہروں میں جائداد کا ٹیکس طے کرتے وقت متعلقہ علاقے کی کمرشیل ویلیو کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے، اس ٹیکس کی ادائیگی مالک کو ہر سال کرنی پڑتی ہے۔

محصول سواری: ہر مقامی حکومت ان سواریوں پر محصول وصول کرتی ہے جو اسی کی مملکت کے رقبہ میں ہوتے ہیں، لیکن یہ محصول عموماً ریاستی حکومت وصول کرتی ہے اور اس کا ایک حصہ متعلقہ شہری انتظامیہ کو بطور گرانٹ دیتی ہے (جامع اردو انسائیکلوپیڈیا: سماجی علوم، ص: ۵۳۸/۳، ۵۳۹؛ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی)۔

اور حکومتیں اپنی ضروریات ان ٹیکسوں کے بغیر پوری بھی نہیں کرسکتی، اور چونکہ مرکزی حکومت کے لئے براہ راست آمدنی اول الذکر ٹیکس ہوتا ہے، بقیہ ٹیکسوں کی آمدنی مقامی حکومت میں پہنچتی ہے، اس لئے اول الذکر میں شرح زیادہ رکھی گئی ہے۔

اور مالیات کا صحیح نظام اور آمد وصرف میں توازن ریاست کا اہم عنصر ہے، ارباب سیاست اس سے بخوبی واقف ہیں، اسلام میں یہ مالی نظام ابتدائی زمانہ سے قائم ہے اور جس طرح اسلام نے اس نظام کی سطح بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اسی طرح اسکو ضرورت مندوں اور رفاہی کاموں میں خرچ کرنے میں بھی پس وپیش نہ ہوئے حتی کہ حاکموں اور گورنروں نے اپنی راحت وعیش کا بھی کوئی خیال نہ کیا۔

اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں پر زائد از ضرورت ٹیکس ظالمانہ شرح کے ساتھ عائد کیا جاتا ہے، پھر مصالح عامہ کے بجائے مصالح خاصہ میں استعمال زیادہ ہے، اور جو کچھ رعیت تک پہنچتا ہے اس میں بھی اپنی پبلی سیٹی کے لئے اور پارٹیوں کے نام سے دیا جاتا ہے جو اسراف وتبذیر سے خالی نہیں ہوتا، اور خود اپنی عیش پرستی میں استعمال کئے جانے سے تو کوئی ناواقف ہی نہیں۔

ہاں! کچھ درجہ میں بذریعہ گرانٹ لوگوں تک کچھ رقم رفاہی کاموں کے لئے پہنچتی ہے۔

تو یہ تمام مضرتیں اور مشقتیں ان تمام شعبوں میں ہو رہی ہے، جب کہ دوسری طرف کچھ

فوائد بھی ہیں، جیسے فوج اور پولس کے محکمہ میں اگر مسلمان ہوں، تو بعض مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ہونے والے بعض اقدامات روبعمل نہیں ہو پاتے، اور بعض مرتبہ ان محکموں کی طرف سے ہمارے خلاف ہونے والے اقدامات کا قبل از وقت پتہ چل جاتا ہے، اسی طرح شعبۂ مخبری میں بعض مرتبہ مسلمانوں کے خلاف ہونے والے خفیہ ایجنڈوں سے واقفیت ہوجاتی ہے، نیز مسلمانوں کی ان تمام محکموں میں موجودگی سے بعض مرتبہ ظلم وستم نہیں ہو پاتا یا کم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی کچھ فوائد ومصالح ہیں۔

چوں کہ غیر اسلامی ملکوں بالخصوص ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمت کے مواقع محدود ہیں، بڑی انڈسٹریز وکمپنیاں جو ملازمت کے مواقع فراہم کرتی ہیں، وہ بھی غیر مسلموں کے پاس ہے، ملازمت کے مواقع کی محدودیت اور معاشی کفالت کی ضرورت نے مسلمانوں کو بعض ایسی ملازمتوں پر مجبور کیا ہے؛ جہاں شرعی لحاظ سے ناجائز کاروبار ہوتے ہیں، لہذا اصولی طور پر ان مقامات پر مسلمانوں کو ملازمت کرنے کی عام اجازت تو نہیں دی جاسکتی؛ لیکن دوسری جانب اس کے مقابلہ میں کچھ مصالح ایسے ہیں جن سے بعض مرتبہ پوری ملت اسلامیہ کو فائدہ ہورہا ہے، انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پھر بھی ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ رزق حلال کے لئے بہتر جگہ اور بہتر ملازمت کا انتخاب کرے اور خدا پر کامل توکل کرے، ہاں! اس کے حاصل کردہ فن کے مطابق مواقع محدود ہیں اور تلاش بسیار کے باوجود اس کو بہتر جگہ ملنا ممکن نہیں ہے، اور وہ سرکاری ملازمتوں کے لئے مجبور ہے، نیز جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں؛ وہاں اس بات کی گنجائش ہے کہ اسے ایک کمتر درجہ کی مصیبت سمجھ کر گوارا کریں، اور جیسے ہی مناسب جگہ ملے اسے اختیار کرلے۔

اور اگر وہ اصولی طور پر اس بات کے منوانے کے موقف میں نہیں ہے کہ وہ قرآن وحدیث کو اصل مصدر قانون مان کر ان شعبوں کے قوانین بنے تو کم از کم اس بات کی کوشش کرے کہ جو قوانین بنائے جائیں، وہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہو، مثلاً سودی نظام کے خلاف

رائے عامہ قائم کرنا، نشہ بندی کے لئے فضاء ہموار کرنا ،اس طرح وہ اپنی طاقت اور صلاحیت کے مطابق نظام کفر کی مخالفت اور نظام اسلام کی نصرت وحمایت کا فریضہ انجام دینے والے سمجھے جائیں گے۔

لیکن جہاں مسلمان صورت حال کو بدلنے پر قادر نہ ہوں اور کسی نظام وقوانین کی تبدیلی ان کے دائرہ سے باہر ہو تو پھر وہاں دو برائیوں میں سے کمتر برائی گوارا کرلی جائے گی اور مضرت ومصلحت ،نیز حاجت وضرورت جیسے اصول پر غور کیا جائے گا۔

ان ملازمتوں میں شرکت کے اس عمل میں دو طرح کے شر یا مفاسد کا تصور کیا جاسکتا ہے:ایک وہ جو شرکت کی بنیاد پر سامنے آتا ہے جیسے ظلم وزیادتی ،ناحق خون وقتل، تجسس، غیبت، دوسرا وہ شر ہے جو عدم شرکت کی بنیاد پر سامنے آتا ہے جیسے مسلمانوں کے خلاف ہونے والے ایجنڈوں سے عدم واقفیت، شرکت نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں پر کھل کر ظلم وزیادتی ، وغیرہ۔

یہ دونوں مفاسد ایک دوسرے سے متعارض ہیں، ایسے میں ضروری ہوگا کہ ان دونوں میں سے جو پہلو غالب ہو اسے ترجیح دی جائے، یعنی جو شر یا مفسدہ زیادہ بڑا، زیادہ دیر تک رہنے والا اور پھیلا ہوا ہو، اسے دور کیا جانا چاہئے اور دوسرے شر یا مفسدہ کو گوارا کرنا چاہئے اور ایسا کرنا مقاصد شریعت کے اسی مذکورہ اہم اور عظیم الشان قاعدے نیز "العبرة للغالب" (غالب پہلو کا اعتبار کیا جائے گا) پر مبنی ہے۔

نیز غیر مسلم ممالک میں مذکورہ ملازمتوں میں شریک ہونے والے مسلمانوں کو بھی کچھ فائدے حاصل ہوجاتے ہیں، لیکن ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان شعبوں میں موجود خرابیوں کو دل سے برا جانیں اور ہدایات وتعلیمات اسلامی کو اپنے قلوب میں جاگزیں کریں، اسی طرح ان کی نیت وقصد خالص اللہ تعالی کے لئے ہو، ان ملازمتوں میں شرکت کو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور تشہیر کا ذریعہ نہ بنائے اور مال ودولت اور دنیوی نعمتوں سے سرفراز ہونے کو اپنا مقصد نہ

بنائیں، اس کے بجائے اپنی نیتوں کو خالص اور بے آمیز کرنا چاہئے۔

اسی طرح ان ملازمتوں میں شرکت کے نتیجہ میں اکثر مسلمانوں کا فائدہ ہوجاتا ہے اور ظلم وستم میں کمی یا مکمل فائدہ ہوتا ہے۔

اس میں شرکت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول بھی پیش نظر رکھے، مسلمان ہو یا غیر مسلم، خود کو تو ظلم کرنے سے بچنا ہی ہے، ساتھ ہی ساتھ دوسرا کوئی ظلم وزیادتی کرے تو اس وقت نمایاں کردار ادا کرے، حتی المقدور اصلاح ورہنمائی کا ارادہ کرے اور اس کی کوشش کرے؛ ان ارید الا الا صلاح ماالستطعت، اور اس اصول کے تحت وہ لوگوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بن سکتے ہیں، مفید خیالات کی اشاعت کرے اور لوگوں کے دلوں پر اثر ڈالنے والے اعمال واخلاق اختیار کرے، اس کے نتیجہ میں بہت سے رذائل ومفاسد کا خاتمہ اور پاکیزہ اقدار وفضائل کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔

جواب:- ۲ یہ تو سرکاری ملازمتوں پر کچھ وضاحت کی گئی؛ لیکن کچھ ملازمتیں غیر سرکاری ہیں جو محرمات پر مبنی ہیں، وہاں ملازمت کرنا یا کسی طرح کا تعاون مثلاً اجارہ پر دینا، کمپیوٹر وغیرہ کی مرمت یا اور کسی طرح کا تعاون؛ تو بنیادی طور پر یہ تو ہر ایک جانتا ہے کہ جس پر انسان کی ہر صلاح وفلاح بلکہ خود اس کی زندگی اور بقاء موقوف ہے، وہ مسئلہ ہے باہمی تعاون وتناصر کا، ہر ذی ہوش انسان جانتا ہے کہ اس دنیا کا پورا انتظام انسانوں کے باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے، اگر ایک انسان دوسرے انسان کی مدد نہ کرے تو کوئی اکیلا انسان خواہ وہ کتنا ہی عقل مند یا کتنا ہی زور آور یا مالدار ہو، اپنی ضروریات زندگی کو تنہا حاصل نہیں کرسکتا، اکیلا انسان نہ اپنی غذا کے لئے غلہ اگانے سے لے کر کھانے کے قابل بنانے تک کے تمام مراحل طے کرسکتا ہے، نہ لباس وغیرہ کے لئے روئی کی کاشت سے لے کر اپنے بدن کے موافق کپڑا تیار کرنے تک بے شمار مسائل کا حل کرسکتا ہے اور نہ اپنے بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرسکتا ہے، غرض ہر انسان کے مرنے سے لے کر قبر میں دفن ہونے تک کے سارے مراحل بھی اسی تعاون کے محتاج ہیں؛

بلکہ اس کے بعد بھی اپنے پیچھے رہنے والوں کی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج رہتا ہے۔

حق جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے جہاں کا ایسا محکم نظام بنایا ہے کہ ہر انسان کو ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا، غریب آدمی پیسوں کے لئے مالدار کا محتاج ہے، تو بڑے سے بڑا مالدار بھی محنت ومشقت کے لئے غریب مزدور کا محتاج ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ساری دنیا کا نظام باہمی تعلق پر قائم ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت :۲ میں قرآن حکیم نے تعاون وتناصر کا معقول اور صحیح اصول بتلایا ہے: تعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان، یعنی نیکی اور خدا ترسی پر تعاون کرو، بدی اور ظلم پر تعاون نہ کرو۔

غور کیجئے! اس میں قرآن کریم نے یہ عنوان بھی اختیار نہیں فرمایا کہ مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون کرو اور غیروں کے ساتھ نہ کرو؛ بلکہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کی جو اصل اور بنیاد ہے، یعنی نیکی اور خدا ترسی کو تعاون کرنے کی بنیا قرار دیا۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھائی بھی اگر حق کے خلاف یا ظلم وجور کی طرف چل رہا ہو، تو ناحق اور ظلم پر اس کی بھی مدد نہ کرو، بلکہ اس کی کوشش کرو کہ ناحق اور ظلم سے اس کا ہاتھ روکو، کیونکہ درحقیقت یہی اس کی صحیح امداد ہے تاکہ ظلم وجور سے اس کی دنیا اور آخرت تباہ نہ ہو۔

(**الف**) ان غیر سرکاری اداروں میں سے ایک بینک ہے، یہ ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے؛ جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کر کے تاجروں، صنعت کاروں اور دیگر ضرورت مندوں کو قرض فراہم کرتا ہے، آج کل روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں اور اپنے امانت دار کو کم شرح پر سود دیتے ہیں اور سود کا درمیانی فرق بینکوں کا منافع ہوتا ہے۔

(**ب**) دوسرا ادارہ انشورنس کمپنی ہے، یہ بھی آج کل کاروبار کا بڑا حصہ بن گیا ہے، کوئی

بھی بڑی تجارت اس سے خالی نہیں، بیمہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو مستقبل میں جو خطرات درپیش ہیں، کوئی انسان یا ادارہ یہ ضمانت لیتا ہے کہ فلاں قسم کے خطرات کے مالی اثرات کی میں تلافی کروں گا۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ۷ / ۲۴۳، ۲۸۸، ط: فیصل بک ڈپو، دیوبند)

جن خطرات کے خلاف بیمہ کیا جاتا ہے، ان خطرات کے لحاظ سے بیمہ کی تین بڑی قسمیں ہیں: (۱) تأمین الأشیاء (Goods Insurance) (۲) تأمین المسئولیہ (Third Party Insurance) (۳) تامین الحیاۃ (Life Insurance)

بیمہ کے طریقہ کار اور ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں:

(۱) التأمین الاجتماعی: گروپ انشورنس (Group Insurance) اس کی بے شمار صورتیں ہیں، اس لئے ان تمام پر اجمالی حکم لگانا مشکل ہے۔

(۲) التأمین التبادلی: (Mutual Insurance) ابتداء بیمہ کی یہی شکل چل رہی تھی، اور شرعاً اس میں کوئی اشکال نہیں، اور جتنے علمائے کرام نے بیمہ پر گفتگو کی ہے، وہ اس کے جواز پر متفق ہیں۔

(۳) التأمین التجاری: (Commrecial Insurance) بیمہ کی اس قسم کا رواج زیادہ ہے، اسی کا شرعی حکم علمائے کرام کے درمیان زیادہ محل بحث بنا ہوا ہے، .... اس وقت علمائے اسلام میں تقریباً تمام مشاہیر علمائے کرام اس کی حرمت کے قائل ہیں؛ البتہ مشاہیر میں سے صرف دو اس کے جواز کے قائل ہے، شیخ مصطفیٰ زرقاء اور شیخ علی الخفیف، جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس میں قمار بھی ہے اور ربا بھی (حوالہ مذکور: ۷/ ۲۹۰)۔

اسی طرح کچھ کاروبار میں ضمنی طور پر حرام کام ہوتے ہیں، جیسے وکالت، طبابت وغیرہ کہ اصل مقصد حرام کاروبار نہیں ہے؛ لیکن اس میں کچھ صورتیں ایسی ہے جو حرام ہیں، اب ہم ان تمام کی مذمت میں آیات واحادیث اور عبارات فقہاء ذکر کرتے ہیں، تا کہ مسئلہ کی وضاحت

ہو سکے۔

سود کی بابت مختلف احادیث ہیں؛اس میں سے ایک روایت میں فرمایا:عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه قال :لعن رسول اللّٰه ﷺ آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه، وقال:هم سواء ۔(مسلم :كتاب المساقاة ، (١٩)باب لعن آكل الربا ومؤكله، رقم الحديث ١٠٦/١٥٩٨ ، ص: ٦٩١ ،ط:دارابن حزم ،بيروت)

(ج) شراب کے باب میں بھی مفصل حدیث مذکور ہے:عن ابن عمر رضی الله تعالی عنه يقول:قال رسول اللهﷺ : لعنت الخمر على عشرة اوجه: بعينها وعاصرها ومعتصرها وبائعها ومبتاعها وحاملها والمحمولة اليه وآكل ثمنها وشاربها وساقيها .(ابن ماجه : كتا ب الاشربة، باب التجارة فی الخمررقم الحديث:٣٣٨،ص:٢/٣١٤، ط:دار الفكر، بيروت)

مذکورہ بالا احادیث سے ان حرام کاموں میں بواسطۂ تعاون شرکت کرنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے، اورقرآن کریم میں بھی صراحۃً بیان کیا گیا:وتعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الاثم والعدوان.(المائدہ:۲)اس آیت کریمہ میں قرآن حکیم نے ایک ایسے اصولی بنیادی مسئلہ کے متعلق ایک حکیمانہ فیصلہ دیا ہے، جو پورے نظام عالم کی روح ہے، چنانچہ حضرات فقہائے کرام میں سے امام ابو یوسفؒ ،امام محمدؒ اور امام شافعیؒ عدم جواز کے قائل ہیں ، ولايجوز استئجاركاتب ليكتب له غناء ونوحا؛ لانه انتفاع بمحرم ، وقال ابوحنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ : يجوز .

ولا يجوز الاستئجار على حمل الخمر لمن شربها ولاعلى حمل الخنزير، وبهذا قال ابو يوسف، محمد والشافعي، وقال أبو حنيفة : يجوز، لأن العمل لا يتعين عليه بدليل انه لو حمل مثله جاز (الموسوعة الفقهية:١/١٠٧،١٠٨، مادة الاجارة ،ط:دارالصفوة ،مصر،المحيط البرهاني فی الفقه النعماني : كتاب الاجارة ، الفصل الخامس عشر فی

بیان ما یجوز من الاجارات ومالایجوز ،ص: ۹/ ۸۸ ا،ط:احیاء التراث العربی ، بیروت)

میری رائے میں بینک میں جو سودی نظام رائج ہے اس کا تعلق بینک کے اسٹاف سے نہیں ہوتا ہے، یہ سودی نظام تو بینک کے کاروبار کا ایک اٹوٹ حصہ ہے، یہ سودی نظام ہمارے پورے معاشی ڈھانچے کا ایسا جز ولا ینفک بن چکا ہے کہ اس سے فرار ممکن نہیں، اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے:

لیأتین علی الناس زمان لایبقی منهم أحد إلا آکل الربا فمن لم یأکله أصابه من غباره .

لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جب کہ کوئی ایسا نہیں بچے گا جو سود نہ کھاتا ہو، اگر وہ سود نہیں کھاتا تو اس کی دھول سے نہیں بچ سکتا یعنی کچھ نہ کچھ سود وہ ضرور کھائے گا(ابوداؤد، ابن ماجه)

یہ ایسی صورت حال ہے کہ بینک کے کسی اسٹاف کے نوکری چھوڑ دینے سے اس سودی نظام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس پر اثر اس وقت پڑ سکتا ہے جب پورا معاشرہ مل کر اس کے خلاف کچھ کرے، یکبارگی تو اس نظام کو بدلنا ممکن نہیں، البتہ دھیرے دھیرے اس نظام کو بدلنے کی پوری کوشش ہونی چاہئے، اسلام کا قانون بھی یہی کہتا ہے کہ معاشرے میں کسی برائی کی اصلاح دھیرے دھیرے اور بہ تدریج ہو، چنانچہ اللہ نے جب شراب حرام کی تو یکایک حرام قرار نہیں دیا بلکہ بہ تدریج اس کی حرمت کا اعلان کیا۔

بہر حال مسلم معاشرے کے ہوشمند افراد کا فرض ہے کہ سودی نظام کو اسلامی اقتصادی نظام میں بدلنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور یہ کام کوئی ناممکن بھی نہیں ہے۔

اگر ہم مسلمانوں کو بینک کی نوکری سے منع کر دیں گے تو صورت حال یہ ہوگی کہ بینک میں یہودی، عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کا غلبہ ہو جائے گا خصوصاً کسی مسلم ملک کے بینکوں پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے تو جو خطرناک نتائج ہوں گے ان کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ بینک میں سارا کا سارا سودی کاروبار ہوتا ہو، بینک میں حلال

طریقہ سے تجارت بھی ہوتی ہے ،اب تو صورت حال یہ ہے کہ سودی کاروبار کم ہی ہوتا ہے اور بینک کے زیادہ تر کاروبار حلال تجارت پر مشتمل ہوتے ہیں۔

اس لیے میری رائے میں بینک کی نوکری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ اس کا ضمیر اس پر مطمئن نہ ہو، البتہ اس بات کا لحاظ رہے کہ بینک میں اپنے فرائض وہ بخوبی انجام دے ایسا نہ کرے کہ ضمیر کی بے اطمینانی کی وجہ سے اپنی ذمے داریوں میں کوتاہی کرے۔

آخر میں میں کہنا چاہوں گا کہ انسان کی زندگی میں ایسے حالات بھی آتے ہیں کہ انسان بہت کچھ کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور اسلام نے انسانی مجبوری کی مکمل رعایت کی ہے، اسی مجبوری کے تحت بسا اوقات انسان بینک کی نوکری اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے، ایسی حالت میں ہم اسے ایسا کرنے سے منع نہیں کرسکتے، اللہ کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO(البقرۃ : ۱۷۳)۔

(پس جو شخص مجبور ہو اس کے لیے لیکن نہ اس کی خواہش رکھتا ہو اور نہ دوبارہ ایسا کرنا چاہتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بیشک اللہ غفور الرحیم ہے)۔

(فتاویٰ یوسف القرضاوی: باب (۱۱) اجتماعی معاملات، ص:۱/ ۲۹۳-۲۹۵، ط: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی)۔

اسی تفصیل اور ماقبل کی وضاحت کی روشنی میں خلاصۂ بحث میں جوابات عرض کیے جائیں گے۔

جواب:-۳ (**الف-ھ**) اسلام نے اپنے خاص مزاج کے مطابق اعتدال وتوازن قائم کیا ہے اور اس کے لئے دین ومذہب اور عبادت وبندگی کے مفہوم میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا کرکے انسانیت کو متوازن اور فطرت سے ہم آہنگ تصور حیات عطا کیا ہے، انسانی جسم اللہ کی امانت اور اس کی فطرت خالق کائنات کا عطیہ ہے، اس لئے مناسب حدود میں اس کی رعایت اور

حفاظت خالصۃً مذہبی عمل ہے۔

ایک مسلمان مسجد میں ہو یا گھر میں، بازار میں ہو یا کارخانوں میں بہر کیف بہر طور اگر خدا کی مقدر کی ہوئی حلال طیب رزق کی تلاش مقصود ہو اور خدا کے واجب کئے ہوئے حقوق کی ادائیگی پیش نظر ہو اور ہر موقع اور ہر گام پر خدا کے عدول حکمی سے بچتا ہو، اسی کی رزاقیت پر بھروسہ ہو تو وہ عین حالت عبادت میں ہے اور ایک کار دین میں مشغول ہے(حلال وحرام :باب :۱۰، ص:۲۳۶،۲۳۷)۔

لہذا مسلمان رزق حلال وطیب کی تلاش کو ترجیح دے، اور حتی المقدور اور حتی الوسع مشتبہ رزق سے بھی بچنے کی کوشش کرے، چونکہ آج کل معاشی اخراجات پورے کرنے کے لئے آدمی مختلف جگہوں پر ملازمت اختیار کرتا ہے تو بعض مرتبہ وہ ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں ناجائز یا حرام امور کی انجام دہی ہوتی ہے، جیسے ہوٹلوں میں؛ کیونکہ بعض ہوٹلوں میں شراب وخنزیر کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اسی طرح بعض سپر مارکیٹ، جہاں مختلف ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ شراب کا بھی ایک شعبہ ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ قرآن واحادیث میں اعانت علی المعصیت کو ممنوع قرار دیا ہے، بلکہ بعض احادیث میں اس کی قربت سے بھی منع کیا ہے، جیسے ایک حدیث میں فرمایا: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يَقْعُدَنَّ عَلى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا بِالْخَمْرِ۔(مسند احمد:۱/۲۰، ۳/۳۳۹، ط:دار صادر)۔

اس سے پہلے شراب کی وجہ سے "۱۰ قسم کے لوگوں پر لعنت" کی حدیث گذر چکی ہے، اس کی شرح کرتے ہوئے مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں: جب شریعت کی مصلحت شراب کو حرام کرنے اور اس کو گمنام کرنے میں ہے اور اس بارے میں فیصلہ نازل ہو گیا تو اب ضروری ہے کہ ہر اس چیز سے روکا جائے جو اس کے معاملے کو بڑھائے، لوگوں میں اس کو رواج دے اور لوگوں کو اس پر ابھارے؛ کیونکہ اس سلسلہ میں ذرا سی بھی حصہ داری مصلحت شرعی

کے مناقض اور حکم شرعی کے ساتھ دشمنی کرنا ہے؛ چنانچہ مذکورہ حدیث میں ایسے تمام حصہ داروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار بھیجی گئی ہے (رحمۃ اللہ الواسعۃ: معیشت، باب:۲، مطعومات و مشروبات، ص:۵/۴۹۰، ط: مکتبہ حجاز دیوبند)۔

کچھ ہوٹلوں میں خنزیر اور حرام غذا کا انتظام ہوتا ہے؛ جبکہ قرآن نے اس کے بارے میں فرمایا: حرمت علیکم المیتة و الدم ولحم الخنزیر الخ.. (المائدہ:۳)۔

پھر ہوٹل اور اس جیسی عام جگہوں میں اس طرح کی چیزیں اور موسیقی و رقص نیز گانے کی محافل محض لوگوں کو فریفتہ کرتے ہوئے اپنی دوکانوں میں لانے کے لئے ہوتا ہے، جب کہ عیش و عشرت کا یہ سامان ڈھیروں مال خرچ کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، اور مال بھی آسانی سے بدست نہیں آسکتا، بلکہ شب و روز محنت درکار ہوتی ہے، ایسی صورت میں آخرت کی تیاری کے لئے وقت بھی نہیں رہتا، اس لئے ضروری ہے کہ "مغضوب علیھم" کی ان عادات و اطوار کی مخالفت کی جائے، رقص و موسیقی کی قباحت بھی سیمینار کے دوسرے سوال میں آچکی ہے۔

لہذا اگر یہ ہوٹل، شوپنگ مول، بگ بازار، سپر مارکیٹ وغیرہ مسلمان کا ہے تو اس کے لئے تو یہ چیزیں جائز ہی نہیں؛ بلکہ حرام ہے، حدیث میں ہے: عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنه : الخمر حرام وبیعها حرام وثمنها حرام .(مسند الفردوس للدیلمی: باب الخاء، رقم الحدیث: ۳۰۱۷، ص: ۲/۲۰۶، ط: دارالباز، مکہ مکرمہ)۔

ولو كان حراما لعينه كبيع الخمر والخنزير لمنعوا عنه فی المواضع كلها ... لأنه حرام لعينه، ألاترى أنه لو وجد من المسلم كان حراما ومعصية، وهم منعوا عن إظهار المعاصی فی دارالاسلام .(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی : كتاب الاستحسان والكراهية ، الفصل فی معاملة أهل الذمة ص:۶/۱۰۲، ط:داراحياء التراث العربی، بيروت، لبنان)۔

ہاں! اگر مالک غیر مسلمان ہے تو ان کے لئے یہ اشیاء حرام نہیں ہیں، کیونکہ ان کے لئے

شراب ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ، اسی طرح دیگر اشیاء محرمہ، ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: والبیع فی الوجه الثانی صحیح ، فملک البائع الثمن؛ لأن الخمر مال متقوم فی حق الکافر،فجاز له الأخذ بخلاف المسلم۔ (البحرالرائق: کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع، ص:٨/ ٢٠١، ط: سعید کمپنی، کراچی)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

ایک مسلمان کے لئے غیر مسلم کے ہوٹل میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان شراب پلانے یا خنزیر یا دوسرے محرمات کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنے کا عمل نہ کرے، اس لئے کہ شراب پلانا، اس کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لعن اللّٰه الخمر وشاربها وساقیها وبائعها ومبتاعها وعاصرها وحاملها والمحمولة إلیه۔ (ابوداود،کتاب الاشربۃ، باب العنب یعصر للخمرۃ ، حدیث نمبر: ٣٦٧٤، ص: ٣٢٦، ج ٣)۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول مرفوعاً نقل کیا ہے: ان الذی حرم شربها حرم بیعها۔

(جس ذات نے شراب پینے کو حرام قرار دیا ہے، اسی ذات نے اس کی خرید وفروخت بھی حرام قرار دی ہے)۔

اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے:

عبدالرحمٰن بن وعلہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں ہمارے پاس انگور کے باغات ہیں اور ہماری آمدنی کا بڑا ذریعہ شراب ہی ہے، اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور اقدس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شراب کی ایک مشک بطور ہدیہ کے پیش

کی حضور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: جس ذات نے اس کے پینے کو حرام قرار دیا ہے، اس کی خرید وفروخت کو بھی حرام قرار دیا ہے (مسند احمد ۱/۲۴۴)۔

مندرجۂ بالا احادیث سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ شراب کی تجارت بھی حرام ہے اور اجرت پر اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر لے جانا یا پلانا سب حرام ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے فتوی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگر کسی علاقے میں شراب بنانے اور اس کی خرید وفروخت کا عام رواج ہو، وہاں بھی کسی مسلمان کے لئے حصول معاش کے طور پر شراب کا پیشہ اختیار کرنا حلال نہیں۔

اور میرے علم کے مطابق فقہاء میں سے کسی فقیہ نے بھی اس کی اجازت نہیں دی (اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص: ۴/۴۸-۵۰)۔

لیکن مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے ایک سوال کا جواب تحریر کرتے ہوئے فرق کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ کارخانہ اگر مسلمان کا ہے تو اس کی یہ سب ملازمتیں حرام ہیں، موٹر وغیرہ کے ذریعہ لے جانا اور مزدوری لینا بھی حرام ہے۔

اگر یہ کارخانہ کافر کا ہے تو یہ ملازمتیں مکروہ تحریمی ہیں، شراب کی بیع وملازمت وغیرہ میں مسلم اور کافر کا حکم یکساں نہیں، بلکہ علیحدہ علیحدہ ہے:

عن أنس رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال: لعن رسول اللہ ﷺ فی الخمر عشرۃ: عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا و حاملھا والمحمولۃ الیہ وساقیھا وبائعھا وآکل ثمنھا والمشتری لھا والمشتری لہ. رواہ الترمذی وابن ماجہ.

مگر شراب بنانے کی ملازمت بہر حال حرام ہے:

وجاز حمل خنزیر بنفسہ وبدابتہ بأجر، لا عصرھا لقیام المعصیۃ بعینہ.(درمختار)قال الزیلعی:وھذا عندہ؛ وقالا: وھومکروہ، زاد فی النھایۃ: وھذا

قياس، وقولهما استحسان . ثم قال الزيلعي : وعلى هذا الخلاف لو آجره دابته ينقل عليه الخمر . ولعل المراد ههنا عصر العنب على قصد الخمرية ، فان عين هذا الفعل معصية بهذا القصد، ولذا أعاد الضمير على الخمر ، مع أن العصر للعنب حقيقة. رد المحتار ملخصا (فتاویٰ محمودیہ: بقیۃ کتاب الاجارۃ، باب الاستیجار علی المعاصی، ص: ۱۷/ ۱۱۸، ۱۱۹، سوال نمبر: ۸۲۴۴، ط: ادارۂ صدیق، ڈابھیل)۔

مفتی محمد تقی صاحب نے بیع کے بارے میں ایک جامع اصول بیان کیا ہے؛ وہ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہؓ نے جو کپڑا خریدا تھا اگرچہ اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے تصویر کا حکم بیان فرمادیا اور تصویر کے بارے میں ناگواری کا اظہار بھی فرمادیا، لیکن حضرت عائشہؓ نے جو بیع کی تھی اس کو فسخ کرنے کا حکم نہیں دیا، معلوم ہوا کہ جس چیز پر تصویر ہو اس کی بیع ناجائز نہیں، کیوں ناجائز نہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کے بارے میں یہ اصول ہے کہ جس شی کا کوئی جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے؛ چاہے وہ چیز عام طور سے ناجائز کام میں استعمال ہوتی ہو، یعنی اب یہ مشتری کا کام ہے کہ اس کو جائز مقصود کے لئے استعمال کرے۔

یہاں جو تصویر والا کپڑا ہے اس کا ایک جائز استعمال بھی ممکن ہے، اس جائز استعمال کی وضاحت اسی حدیث کے بعض طرق میں ہے (جو بخاری میں بھی دوسری جگہوں میں آئی ہے)۔

وضاحت یہ ہے کہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے حضور اقدس ﷺ کے ایماء پر اس کپڑے کا گدا بنالیا تھا اور گدے میں اس کو استعمال کیا (اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص: ۴/ ۱۷، ط: مکتبہ فیصل دیوبند)۔

(ب) دوسرا شعبہ ان تعلیم گاہوں میں تدریس کا ہے جہاں سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں، جہاں روشنی اور تاریکی میں امتیاز کا درس دیا جاتا ہے، جہاں دوسروں کے ساتھ اچھا

برتاؤ کرنے ،عزت وعظمت کردار کا سبق پڑھایا جاتا ہے؛لیکن دورِ جدید میں جہاں بہت سی چیزوں میں سائنس اور ٹکنالوجی کی وجہ سے حیرتناک طریقہ پر ترقیاں ہوئی ہیں، وہیں فواحش ومنکرات اور تہذیب واخلاق کے گرتے ہوئے معیار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

آج کل ان عصری تعلیم گاہوں میں مخلوط تعلیم کا نظام ہے؛ پھر مدرسین ومعلمین کی مخاطب نوجوان ، بالغ ومشتہات لڑکیاں ہوتی ہیں،اسی طرح بعض مرتبہ نوجوان لڑکوں کی استانی ومعلّمہ نوجوان وبالغہ ہوتی ہے، یہ سب جدید سہولیات کی دَین اور سائنسی وذرائع مواصلات کی ترقیات کی مرہونِ منت ہے۔

مسلمانوں کا اخلاقی فریضہ یہ ہے کہ وہ اعلی فنی تعلیم کا نظم کریں اور کوشش کریں کہ اپنی ماتحتی میں ایسی عصری تعلیم گاہیں قائم کریں جو ایسے مواصلاتی نظام، اخلاقی، معاشرتی اور تہذیبی گراوٹوں اور لعنتوں سے پاک ہو۔

حدیث میں ہے: خيرصفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها ۔(مسلم : كتاب الصلوة ، باب تسوية الصفوف واقامتها ، ص: ۱۸۸،رقم الحديث ۱۳۲،ط:دارابن حزم وابو داود : كتاب الصلوة، باب صف النساء وكراهية التأخير عن الصف الاول،ص: ۳۰۹/۱،رقم الحديث :۶۷۸،ط:دار ابن حزم)۔

جب نماز جیسی اجل العبادات میں اختلاط سے روکتے ہوئے ان کو پیچھے اور مردوں کو صفوفِ اولی میں رکھا ہے تو دوسرے شعبہ جات میں بات واضح ہے۔

پھر اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کی درس گاہیں الگ نہ ہوں تو اسی درسگاہ میں طلبہ آگے اور طالبات پیچھے رہیں۔

رہا مسئلہ ان کی تعلیم وتدریس کا، تو اگر ہم جنس کا انتظام نہ ہو، اور مجبوری نے عورت کے قدم جکڑے ہوئے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی پردہ کی مکمل رعایت کرے، لباس مردوں کے لئے باعث کشش نہ ہو، خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو، اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی کی

نوبت نہ آئے (ملخصا) (خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات: ص: ۱۷۱، ط: ایفا پبلیکشنز)۔

نیز وہاں بھی وہ فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک نہ کرے، اور زبان میں شیرینی نہ ہو۔

شیخ مصطفیٰ السباعی فرماتے ہیں: ’’ وأما مراقبة السلطة التنفيذية، فإنه لا يخلو من ان يكون أمرا بالمعروف ونهيا عن المنكر، والرجل والمرأة فى ذلک سواء فى نظر الإسلام، يقول اللّٰه تعالى: والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض، يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر.

...فرعاية الأسرة توجب على المرأة أن تتفرغ لها ولا تشتغل بشيئ عنها. واختلاط امرأة بالأجانب عنها محرم فى الإسلام وبخاصة الخلوة مع الأجنبى، وكشف المرأة من غير ما سمح الله يكشف وهو الوجه واليدان محرم فى الإسلام.

...فنحن لا نتكلم الآن فيمن تضطرها حالتها المادية للعمل خارج بيتها فذلک جائز قطعا بشرط المحافظة على آداب الإسلام فى ذلک كأن...لا تبدى زينتها لهم وأن لا تعطعهم فى نفسها بمعسول القول أومشبوه التصرف‘‘(المرأة بين الفقه والقانون، باب حق النيابة والعمل، ص:۱۲۵، ۱۳۷، ط:دارالوراق، بيروت)۔

نیز مرد کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ضرورت کے بقدر ہی نگاہیں اٹھائے۔

عبدالوہاب عبدالسلام طویلہ فرماتے ہیں: ’’عند فقد من يعلم النساء من النساء وفقد محرم ، وتعذر التعليم من وراء حجاب، يجوز النظر إلى المرأة الأجنبية من أجل تعليم واجب أو مندوب أو علم يحتاج إليه من الصنائع ونحوها؛ شريطة ألا ينتج عن ذلک خلوة كحضور أكثر من امرأة ويكون النظر بقدر الضرورة.[معزيا للانتفاع والسراج الوهاج ومغنى المحتاج ونهاية المحتاج]‘‘(فقه الألبسة والزينة :

الباب الأول سترالعورة والألبسة المفروضة الفصل الثالث أحكام متفرقة تتعلق بالعورة ، ص:
۱۰۴،۱۰۵، ط:دارالسلام القاهرہ)

(ج)وکالت کے اصل معنی حوالہ کرنے اور دوسرے پر اعتماد کرنے کے ہیں،اسی سے وکیل کالفظ ماخوذ ہے،اصطلاح میں وکالت یہ ہے کہ آدمی کسی متعین تصرف میں دوسرے شخص کو اپنا قائم مقام بنادے:إقامة الإنسان غيره مقام نفسه فی تصرف المعلوم ''گویاوکالت اپنااختیار دوسرے کوسونپنے سے عبارت ہے(قاموس الفقہ :مادۂ وکالت،ص:۵/ ۳۰۹، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)۔

چونکہ محکمہ عدلیہ میں قضیے ملک کے دستوروقوانین کے مطابق فیصل ہوتے ہیں،اور ہر آدمی اچھی طرح بات کرنے،دفاع ومطالبات پر قادر نہیں ہوتا،اس لئے اب مروجہ طریقہ ہر عدالت میں وکالت کا ہے۔

البتہ وکیل کے لئے ضروری ہے کہ وہ سچے مقدمات کی پیروی کرے،اورخصوصاً جب اس کوعلم ہوجائے کہ اس کاموکل جھوٹا ہے،یا ظالم ہے یا حقیقت امر بیان کرنے میں کذب بیانی سے کام لے رہا ہے،ورنہ وہ آمدنی مشکوک ومشتبہ ہوگی۔

مشہور حسن محمود سلمان تحریر فرماتے ہیں:

''أن الدفاع عن الموكل الظالم لعرض ظروف ارتكابه الجريمة ليخفف عنه في الحكم جائز ومشروع ،إذا تحققت هذه الشروط :

(۱) ألا يخالف التخفيف الذی يطالب به المحامی شرعه الله عزوجل .

(۲) أن يقر بما مرمن نوع الخصومة .

(۳) أن يقر بشيئ معقول يناسب الدعوىٰ.

(۴) ألايقر لشخص بينه وبينه مايوجب التهمة كصديقه ،وقريبه أو نحو ذلک .

(۵)أن یبین جنس مایقربہ وقدرہ لعظم الضررعند الاطلاق وکثرۃ الضرر وإلا فلم یصح ۔ ھذا ھو الحکم الشرعی الراجع فی الجواب علی ھذا السوال ۔ واللہ اعلم"۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں: جھوٹے مقدمات کی پیروی سے جو آمدنی حاصل ہوگی، وہ حرام ہے، بشرطیکہ وکیل کو علم جھوٹے ہونے کا ہو، وکیل جو اپنے علم کے موافق سچے مقدمات کی پیروی کرے ایسے پیشے کی حلت میں کچھ شبہ نہیں ہے، بس پیشہ وکالت تو دراصل درست ہے، لیکن جو آمدنی اس میں خلاف شریعت طریق سے حاصل ہوگی وہ آمدنی حرام ہوگی (فتاوی دارالعلوم دیوبند: کتاب الاجارات، سوال نمبر: ۱۲۲۷، ص: ۱/۳۸/۱۴، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)۔

حضرت حکیم الامت مجدد ملت فرماتے ہیں: سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے، طاعت مختصہ بالمسلم کے ساتھ، اور نصرت مظلوم منجملہ طاعات عامہ کے ہے، بس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا، حاصل یہ ہے کہ پیشۂ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو (امداد الفتاوی: کتاب الحوالہ، ص: ۳/۳۲۰، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح دیگر شعبہ جات میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، اسی طرح پیشہ وکالت میں بھی کافی تبدیلیاں آئیں اور اخلاقی انحطاط کا اثر اس شعبہ پر بھی بہت زیادہ پڑا، اس کا محرک اس پیشہ میں پائی جانے والی بدعنوانیاں بھی تھیں کہ جس کے نتیجہ میں عوام کا اعتماد اس پیشہ سے اٹھ گیا، اور جس پیشہ کی بدولت دنیا میں خدمت خلق، انصاف کا قیام اور ظالم کی پکڑ جیسے عناصر شامل تھے وہ سب آہستہ آہستہ دھندلے ہوتے چلے گئے۔

لہذا ایک وکیل کی اخلاقی ودینی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے پیشہ میں ان باتوں کو ضرور مدنظر رکھے:

(۱) (اگر مؤکل ظالم ہے، لہذا اس کی سزا میں) ظالم مؤکل کی جانب سے وکالت کرنا

کہ اس کی سزا میں تخفیف کی جائے چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے ورنہ جائز نہ ہوگا:

(الف) ایسی تخفیف کا مطالبہ نہ ہو جو شریعت کے خلاف ہو، لہذا ضروری ہے کہ وکیل اپنے تئیں سچا و مخلص ہو۔

(ب) جو جرم کیا ہے اس کا اقرار کرتا ہو۔

(ج) دعویٰ و مقدمہ سے متعلق اگر کوئی مناسب حقیقت پیش کی جائے اور وہ معقول بھی ہو تو اسے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرتا ہو۔

(د) وکیل کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملزم اور اس کے رشتہ دار دوست وغیرہ سے متعلق کسی ایسی چیز کا اقرار نہ کرے جو تہمت انہیں بھی متہم بنا سکتی ہو۔

(ھ) ملزم نے جس چیز کا اقرار کیا اس کی جنس اور قدر کو واضح کرے، کہ اس کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا اندازہ لگایا جا سکے۔

(۲) جس طرح ایک مسلمان شخص مسلمان کا وکیل بن سکتا ہے اسی طرح غیر مسلم شخص بھی مسلمان کا وکیل بن سکتا ہے، یعنی دین کا متحد ہونا وکالت کی صحت میں ضروری نہیں ہے، البتہ ایک قابل مسلمان وکیل کے ہوتے ہوئے غیر مسلم کو ترجیح دینا بہتر نہیں ہوگا۔

(۳) چونکہ ایک وکیل اپنی صلاحیتوں اور وقت کو کسی امر کے لئے خرچ کرتا ہے، لہذا اس کے لئے اپنے موکل سے فیس لینا جائز ہے؛ لیکن اس میں وکیل کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ دیانتداری اور تعاون علی البر کو مدنظر رکھ کر فیس طے کرے، تا کہ نظام انصاف میں خلل نہ پڑے۔

اب یہ دیکھیں کہ مقصد وکالت کے بدل جانے کی وجہ سے اس پر مرتب ہونے والے حکم میں بھی تبدیلی آ جاتی ہے؛ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

(الف) وکیل اپنے موکل کا دفاع کر رہا ہو جبکہ اسے پتہ ہو کہ وہ جھوٹا ہے اور فریق مخالف ہی حق پر ہے، ایسی صورت میں وکالت کرنا حرام ہوگا۔

(ب) موکل ایسا شخص ہو جو اپنی کذب بیانی، دھوکہ دہی وغیرہ میں مشہور رہو، تو ایسے شخص

کی طرف سے وکالت کرنا جائز نہیں ہوگا، ورنہ جائز ہوگا۔

(ج) موکل ایسا شخص ہو جو اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جھوٹی دستاویزات یا جعلی گواہوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو، تو ایسے شخص کی جانب سے بھی وکالت کرنا درست نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اگر وکیل کو اطمینان ہو کہ اس کیس میں یہ شخص جھوٹا نہیں ہے، یا یہ کہ گواہ و دستاویزات پر وہ مطمئن ہو تو ایسی صورت میں وکالت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(د) اسی طرح اگر وکیل کسی کیس میں شریف و معزز افراد کو محض ہتک عزت کی نیت سے عدالت میں طلب کرتا ہو، تو یہ بھی جائز نہیں ہوگا، ہاں! جرح کے سلسلہ میں طلب کیا جانا اس سے مستثنیٰ ہے۔

(ھ) ذاتی عداوت کی بنا پر کسی شخص کو عدالت میں بلانا اور اس طریقہ سے اسے ذلیل کرنا بھی وکیل کے لیے جائز نہیں ہے۔

(و) مقدمہ کو محض طول یا موکل سے مزید فیس حاصل کرنے کی غرض سے کیس کو بالقصد ملتوی کرتے رہنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

الغرض کہ اسلام نے عدل وانصاف کے قیام کو جو اہمیت دی ہے اس میں آڑے بننے والی ہر چیز کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کا اخلاقی، دینی فریضہ ہے، اور جو لوگ اس شعبہ سے بلا واسطہ منسلک ہیں، ان کی ذمہ داری تو اور بڑھ جاتی ہے کہ وہ انصاف کے قیام کی جدوجہد میں حتی الوسع کوشش کریں اور ظلم کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو مروڑ کر اس کے ناپاک اثرات سے عوام کو بچائیں کہ منجملہ تمام نیکیوں کے یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تعلیم اور علاج نے ایک زبردست کاروبار کی صورت اختیار کرلی ہے اور بدقسمتی سے یہ شعبہ بھی کچھ برائیوں کا شکار ہو گیا ہے، جیسے جن امراض کا علاج دواؤں کے ذریعہ ممکن ہو، ان میں بھی آپریشن کا مشورہ دیا جاتا ہے، تاکہ علاج گراں بار ہو جو

معالج کے لئے ارزانی کے ساتھ ساتھ اسپتال اور لیبارٹری کی آمدنی بڑھا سکے، اللہ تعالیٰ ایسی آمدنی کے بارے میں فرماتے ہیں: وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ .(البقرہ:۱۸۸)اس میں باطل طریقہ پر مال کھانے سے منع فرمایا ہے، لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حرام طریقہ پر کسب معاش سے اپنا دامن بچائے۔

اسی طرح آپریشن اور معالجہ میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ طبیب کو خاتون مریض اور ممرضہ کو مرد مریض کے مستور حصہ کے علاج پر مجبور کیا جاتا ہے، لیکن مریض و مریضہ ایسے دوا خانہ اور اسپتال کا انتخاب کرے جس میں مریضہ کے لئے ممرضہ اور مریض کے لئے طبیب کا انتخاب ہو، اور ڈاکٹروں خصوصاً مسلمان ڈاکٹرس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مقدس فریضۂ خدمت کی اہمیت کے پیش نظر مریض کے لئے طبیب اور عورتوں کے لئے نرس اور ممرضہ کا انتخاب کرے، بلکہ عورتوں کے علاج ومعالجہ کے طور وطریق نرسوں کو سکھاوے۔

اگر کسی اسپتال میں یہ صورت حال نہیں ہے اور کسی مریض کا علاج نرس اور مریضہ کا علاج مرد کرتا ہے اور یہ بدرجۂ مجبوری ہے تو پھر قاعدۂ فقہیہ اس سے پہلے گذر چکا ہے: الضرورات تبیح المحظورات، لیکن یہ مطلق نہیں ہے؛ بلکہ اس محظور ومنہی عنہ میں اباحت صرف ازالۂ ضرر کے پیش نظر بقدر ضرورت ہوگی، اسی لئے فقہاء نے قاعدہ بیان کیا: "ما أبیح للضرورة یقدر بقدرها" (القواعد الفقہیہ ص:۱۲۳،۱۵۱،ط: دار الحدیث،القاہرہ)

لہذا مرض اگر موضع مخصوص کو چھوڑ کر جسم کے کسی بھی حصہ میں ہو، ضرورت کے پیش نظر علاج کرے گا، اگر موضع مخصوص میں ہے تو کسی ہم جنس کا انتخاب کرے، اور اگر ہم جنس نہ مل پائے تو خلاف جنس بھی علاج کر سکتا ہے، جبکہ ہلاکت یا زیادتی مرض کا اندیشہ ہو، پھر دوران علاج بھی موضع مرض ہی کو کھولے، باقی جسم مستور ہو، نگاہیں جھکائے رکھے، صرف ضرورت کی جگہ بقدر ضرورت نگاہ رکھے، اور مریضہ کے علاج کے وقت اس کا محرم بھی اس کے ساتھ رہے۔

شیخ ابن عثیمین فرماتے ہیں: "إن ذهاب المرأة إلى الطبيب عند عدم وجود

الطبيبة لا بأس به ، وقد ذكر أهل العلم أنه لا بأس به ، ويجوز ان يكشف للطبيب كل ما كان يحتاج النظر اليه ،إلا أنه لا بد ان يكون معها محرم وبدون خلوة من الطبيب بها؛ لأن الخلوة محرمة، وهذا من باب الحاجة.(فتاوى علماء البلد الحرام:(۱۹)باب النساء الفصل الثانی: الحجاب والزينة ، رقم السوال:۳۸، ص:۱۸۵۲،ط: مؤسسة الجريسی،الرياض)

شیخ عبدالوہاب طویلہ فرماتے ہیں:"يجوز للطبيب أن ينظر إلى المواضع التی يحتاج إليها فی المداواة ويلمسها، فإذا كان بموضع مامن العورة قرح أوجرح أونحو ذلک مما وقعت الحاجة إلى مداواته جاز للطبيب النظر والمس، وعليه أن يستر كل عضو من العورة سوى موضع المرض، وليغض بصره عن غيره ما استطاع ، لأن ماثبت للضرورة يقدر بقدرها، ونظر الطبيبة من الأجنبی كنظر الطبيب من الأجنبية للضرورة ، ويجوز للخاتون والقابلة النظر إلى الفرج ومداواته بعد ذلک ، دفعا للحاجة.

وينبغی للطبيب أن يعلم امرأة إن أمكن ، لأن نظر الجنس أخف ، فإن لم توجد امرأة تعلم ، ولا امرأة تتعلم وخيف البلاء أوالوجع ،يجوز للطبيب أن يداويها ضمن الشروط التالية :

(۱) أن يكون الطبيب مسلما امينا ، فلا يعدل إلى غيره مع وجوده، فان كان ثمة طبيب يجوز له النظر كزوج ومحرم فلا يعدل عنه.

(۲)حضور محرم أوزوج اوعلى الأقل امرأة ثقة.

(۳)أن يكشف بقدر الحاجة ، ويغض بصره عن غيره إن كشف بدون قصد.

وصفوة القول فی هذا : يقدم الجنس على غيره ، والمحرم على غيره، ومن

نظره أکثر علی غیره وعند اتحاد النظر یقدم الجنس علی غیره، ثم المحرم علی غیره ، والموافق فی الدین علی غیره ، فاذا فقد ذلک عالج الأجنبی بشروطه۔معزیا بفتح العلام۔(فقه الالبسة والزینة : الباب الاول فی ستر العورة والألبسة المفروضة، الفصل الثالث فی أحکام متفرقة تتعلق بالعورة ، ص: ۱۰۳، ۱۰۴،ط:دارالسلام القاهره)

☆☆☆

مختلف پیشے اور ان کے شرعی احکام

مولانا اشتیاق احمد اعظمی ☆

۱-الف: فوج کے شعبہ میں ملازمت:

غیر مسلم حکومتی اداروں یا کفار کے یہاں ملازمت کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، حتی کہ ایٹمی توانائی کی انڈسٹری یا فوجی اور اسٹراٹیجک معاملات کے اداروں کی ملازمت کو بھی سند جواز حاصل ہے۔ مفتی محمد تقی عثانی تحریر فرماتے ہیں:

"لا بأس بأن يتوظف الرجل عملاً في دوائر ووزارات الحكومة الأمريكية أو غيرها من حكومات البلاد الكافرة وكذلك لابأس بقبول مثل هذه الأعمال في مجالات الصناعة الذرية أو الدراسات الاستراتيجية "

(۴۴-۴۵ بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ)۔

ہندوستان جیسے ملک میں فوجی ملازمت جس کا اہم مقصد سرحدوں کی حفاظت، غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان کا قیام ہوا کرتا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، ان مقاصد کے حصول کی نیت سے اس ملازمت کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی مسلمانوں کے لئے ملازمت کے مواقع کو تنگ کیا جاسکتا ہے۔ ہاں ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا یا مسلمان فوجی کا اپنے ہم مذہب شخص پر حملہ کرنا، شریعت اسلامیہ اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی، کیونکہ نصوص شرعیہ میں اس سے صراحۃً منع کیا گیا ہے۔

☆ دارالعلوم مئو (یوپی)۔

"لقوله علیه السلام: لایحل دم امرئ مسلم إلا باحدی ثلث: زنی بعد إحصان فانه یرجم ورجل خرج محارباً للّٰه ولرسوله فانه یقتل أو یصلب أو ینفی من الأرض أو یقتل نفساً فیقتل بها (ابوداؤد/بحوالہ مشکاۃ مع التعلیق الصبیح ۴۲/۲۱-۱۶۰)۔

وقوله علیه السلام: أنصر أخاک ظالماً أو مظلوماً، قالوا: یارسول اللّٰه، هذا ننصره مظلوماً فکیف ننصره ظالماً؟ قال: تأخذ فوق یدیه (بخاری مع فتح الباری ۵/۹۸ طبعہ دارالمعرفۃ، کویت)۔

خلاصہ یہ کہ فی نفسہ فوجی ملازمت تو حد جواز میں آ سکتی ہے، لیکن ایسے حالات سامنے آ ئیں کہ مسلمان فوجی کو مسلمان فوجی یا مسلم عوام پر حملہ کی نوبت آئے تو مسلمان فوجی کو ایسے کام میں شریک ہونا حرام ہوگا حتی کہ اگر وہ مکرہ بھی ہو تو بھی اس کے لئے مسلمان پر حملہ کرنا حد جواز میں نہیں آ سکتا: "حیث لم یجز أحد من أهل العلم قط لأحدٍ من المسلمین أن یقاتل مسلماً أو یقتله بغیر حق ولو أکره علی ذلک وأتی الإکراه علی نفسه لأن نفس المکره لیست بأولی بالعصمة من نفس المسلم الذی یکرهونه علی قتله" (۷۷ تأملات فی مسیرۃ العمل الاسلامی) (کیونکہ کسی بھی عالم نے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے قتال کرنے یا اسے ناحق قتل کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، بھلے ہی اسے اسی پر مجبور کیا جائے اور نہ کرنے کی صورت میں اسے خود قتل کی دھمکی دی جائے (تب بھی دوسرے کو قتل کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا)، کیونکہ مکرہ کی جان، اس دوسرے مسلمان کی جان سے جس کے قتل پر اسے مجبور کیا جارہا ہے، معصوم ومحفوظ ہونے میں زیادہ بہتر اور اولی نہیں ہے)۔

۱-ب: پولیس محکمہ میں ملازمت:

فوجی محکمہ ہی سے ملتا جلتا دوسرا شعبہ پولیس کا ہے، جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن وامان قائم رکھنا ہوتا ہے۔ حدود شرع میں رہ کر اس شعبہ میں بھی ملازمت ایک مسلمان کے لئے جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ مظلوموں پر گولی چلانا تو جان بوجھ کر ایک مسلمان، بحیثیت

مسلمان، یہ کام کرہی نہیں سکتا، کیونکہ ظلم تو نہ صرف شریعت اسلامیہ بلکہ وضعی قوانین کی رو سے بھی صحیح نہیں۔

مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب بھی مذموم عمل اور نا جائز ہے، جبکہ اس کام کے لئے دھمکی وغیرہ اور دوسرے وسائل بروئے کار لائے جاسکتے ہیں، اور آج کے دور میں جدید ٹکنالوجی کے ذریعہ مختلف مثلاً نار کوٹسٹ کرا کر مجرم کے جرائم کا پتہ لگایا جاسکتا ہے اور ہمارے ملک میں بھی پتہ لگایا جارہا ہے اور یہ اتنا مضبوط اور قابل اعتبار ذریعہ ہے کہ ایذا رسانی کے ذریعہ تو بسا اوقات مجرم، بغیر قصور کے بھی ایذا کے خوف سے اقرار کرلیا کرتا ہے، لیکن نار کوٹسٹ میں جو حقیقت ہوگی وہ سامنے آجائے گی۔

اس لئے پولیس محکمہ میں رہ کر ایک مسلمان حدود شرع کی پابندی کر کے اس ملازمت کو انجام دے سکتا ہے، رہا اس شعبہ میں رہ کر دوسروں کی صحبت سے متاثر ہو اور بدزبانی اور دیگر عادات سیئہ کا خوگر ہوجائے تو یہ اس ملازمت کا لازمہ نہیں ہے، کتنے لوگ اس محکمہ سے باہر رہ کر بھی بدزبانی، گالیاں اور مغلظات بکنا اور فحاش اور بے حیائی کا ارتکاب جیسے امور سے گریز نہیں کرتے اور کتنے پولیس محکمہ میں کام کرنے والے صوم وصلوٰۃ کے پابند اور اخلاقی قدروں کو پامال نہ کرنے والے ملا کرتے ہیں، یہ امور آدمی کی اپنی فطری صلاحیت پر منحصر ہیں کہ وہ اپنے نفس پر کس قدر قابو رکھتا ہے اور غلط سوسائٹی سے متاثر نہیں ہوا کرتا، بلکہ مسلمانوں کو تو اسلامی اخلاق وکردار کا آئینہ دار ہونا چاہئے اور اسے دوسروں کو اپنے اعمال واخلاق وکردار سے متاثر کرنا چاہئے، نہ کہ برے لوگوں سے متاثر ہوکر برا بن جانا چاہئے، اس لئے اس قسم کے مفروضہ حالات کو سامنے رکھ کر اسی محکمہ کی ملازمت کو ناجائز نہیں کیا جاسکتا۔

۱-ج: مخبری اور انٹلیجنس (جاسوسی) کے محکمہ کی ملازمت:

حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری اور انٹلیجنس کا بھی ہے، ملک کی سلامتی، امن وامان کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ناگزیر ضرورت ہے، اس شعبہ میں ملازمت مسلمانوں کے

لئے جائز ہے، رہا تجسس اور غیبت کا ارتکاب تو یہ تو بالکل واضح ہے کہ عام حالات میں یہ امور نا جائز اور حرام ہیں، کیونکہ قرآن کریم میں فرمان الٰہی موجود ہے: "**ولاتجسسوا**" (اور تجسس نہ کیا کرو)، تجسس کا لغوی معنی ہے: تتبع لأ خبار (خبروں کے پیچھے پڑنا) **ومنه الجاسوس لأنه يتبع الأخبار ويفحص عن بواطن الأمور** (موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۱۰/۱۶۱)۔ (اور اسی لفظ "تجسس" سے "جاسوس" بنا ہے کیونکہ وہ خبروں کی تلاش میں رہا کرتا ہے اور معاملات کی تہ میں پہنچنے کی کوشش کیا کرتا ہے)۔

اس قرآنی آیت کی روشنی میں: "تجسس" حرام ہے، بلکہ مسلمان کی پردہ پوشی دوسری نصوص کی روشنی میں واجب اور ضروری ہے لیکن بعض حالات میں فقہاء کرام نے "تجسس" کو واجب قرار دیا ہے، مثلاً چوروں اور ڈاکوؤں کا تجسس کہ ان کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہونچایا جاسکے اور یہ کام بغیر تجسس ناممکن ہے، اسی بارے میں "تبصرۃ الحکام" میں یہ عبارت مذکور ہے: "**وقد يكون التجسس واجباً فقد نقل عن الماجشون انه قال: اللصوص وقطاع الطريق أرى أن يطلبوا في فسطانهم ويعان عليهم حتي يقتلوا او ينفوا من الارض بالهرب وطلبهم لايكون إلا بالتجسس عليهم وتتبع أخبارهم**" (بحوالہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۱۰/۱۶۲)۔

نیز دوران جنگ یا اس سے پہلے بھی مسلمان جاسوس کو دشمن کے خیموں میں بھیجکر ان کی تعداد، اسلحے اور دیگر امور کا جائزہ لیا جانا ایک امر مباح ہے (۱۰/۱۶۲، موسوعہ فقہیہ)۔

اسلامی حکومت میں ایک شعبہ "حسبہ" کا ہوا کرتا ہے، جس کا مقصد ہی معاصی کے مرتکبین کا پتہ چلانا اور ان کو راہ راست پر لانا ہوا کرتا ہے: "**وللمحتسب أن يكشف علي مرتكبي المعاصي، لأن قاعدة ولاية الحسبة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر**" (۱۰/۱۶۲، موسوعہ فقہیہ)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ بعض حالات میں "تجسس" واجب ہوا کرتا ہے، چونکہ یہی کام انٹلیجنس کے محکمہ میں ہوا کرتا ہے کہ تجسس کا مقصد ملک میں امن وامان کا قیام اور

جرائم کی روک تھام ہے، اسی لئے اس سلسلے میں تجسس کئے بغیر یہ مقاصد پورے ہی نہیں ہوسکتے، اس لئے ان مقاصد کے حصول کے لئے "تجسس" نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ واجب ہوگا تا کہ ملک میں لا اینڈ آرڈر کا نظام درست رہ سکے۔ بدامنی اور فتنہ وفساد کا قلع قمع ہوسکے۔ مجرموں، غنڈوں، اچکوں اور لٹیروں کو پکڑ کر ان کے کیفر کردار تک ان کو پہنچایا جا سکے۔

دوسری چیز جس کا مخبری کے شعبہ میں ارتکاب کرنا پڑتا ہے، وہ غیبت ہے اور غیبت بھی بنص قرآنی حرام ہے فرمان باری ہے: **"ولایغتب بعضکم بعضاً"** (حجرات/۱۲) (اور تم میں کا بعض بعض کی غیبت نہ کرے) غیبت کا مفہوم: **"ذکرک اخاک بما یکرھہ"** ہے (تمہارا اپنے مسلمان بھائی کو اس کی ناپسندیدہ چیز سے یاد کرنا) فعل غیبت بھی اگر چہ حرام اور گناہ کبیرہ میں داخل ہے، لیکن فقہاء کرام نے بعض مواقع میں اسے مباح قرار دیا ہے، کیونکہ بعض شرعی مقاصد کا حصول اس کے بغیر ناممکن ہوا کرتا ہے، اس لئے ان جیسے مقاصد کے حصول کے لئے اس امر حرام کو بھی مصلحۃً مباح قرار دیا گیا ہے۔

فقہاء کرام نے چھ (۶) ایسے مقامات ذکر فرمائے ہیں، جہاں غیبت کی گنجائش ہے ان میں سے چند امور درج ذیل ہیں:

۱- مظلوم کا ظالم کی غیبت کرنا، حاکم وقت یا قاضی کے سامنے جائز ہے منھا: التظلم: **"یجوز للمظلوم أن یتظلم الی السلطان او القاضی اوغیرھما"**۔

۲- منکر کو روکنے اور گناہ گار کو راہ راست پر لانے کے لئے "الاستعانۃ علی تغییر المنکر ورد العاصی الی الصواب"۔

۳- مسلمانوں کو برائی سے بچانے اور ڈرانے کے لئے (تحذیر المسلمین من الشر) اس کے ذیل میں علامہ نوویؒ نے پانچ امور ذکر فرمائے ہیں: اسی ضمن میں گواہوں اور رواۃ کی جرح بھی داخل ہے۔

۴- شادی اور منگنی کے موقع پر صحیح صورتحال سے باخبر کرنا مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس دو آدمیوں

نے شادی کا پیغام بھیجا ہے (میں اس سلسلے میں کیا کروں) توحضورؐ نے جواب مرحمت فرمایا: ''اما معاویة فإنه صعلوک لا مال له وأما ابوجهم فإنه ضراب للنساء لایرفع عصاه عن عاتقه'' (موسوعہ فقہیہ ۳۱/۳۶-۳۳۵)۔حضور اکرمؐ نے دو آدمیوں، معاویہ اور ابوجہم کے عیب کو اس عورت کے سامنے کھول کر بیان کر دیا تا کہ وہ مغالطہ میں پڑ کر شادی نہ کرے اور پھر زندگی اس کی اجیرن نہ بن جائے۔

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں انٹیلیجنس کے محکمہ کے افراد کے لئے ملکی امن امان اور سلامتی کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے ''تجسس'' اور ''غیبت'' کی گنجائش نکلتی ہے۔لیکن محض شبہ کی بنیاد پر ان چیزوں کا ارتکاب جائز نہیں معلوم ہوتا۔

ہندوستانی عدالت (غیر مسلم حکومت کی عدالت) میں مسلمان کی ملازمت:

معاصر فقہاء کرام کی اس سلسلے میں چند آراء ہیں:

۱- کچھ حضرات نے اسے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ:

الف- یہ ما أنزل اللہ کے علاوہ کے ذریعہ فیصلہ کرنا ہے جو براہ راست نص قرآنی سے حرام ہے: لقولہ تعالیٰ: ''ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الکافرون'' (مائدہ ۴۴) (اور جو شخص ما انزل اللہ کی روشنی میں فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں)۔

ب- ایسا کرنے میں قضاء وحکم کے معاملہ میں کفار کی اعانت لازم آتی ہے، (مایتضمنه علی إعانتهم علی باطلهم فی الحکم والقضاء) (۶۵ نوازل فقہیہ علی الساحۃ الامریکیہ/صلاح الفتاوی)۔

ج- مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظریاتی طور پر طاغوت کے رد وانکار پر مامور ہے، اگر مسلمان، غیر شرعی قوانین کا سہارا لے کر فیصلہ کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عملی طور پر طاغوتی اوامر واحکام کا نفاذ کر رہا ہے، حالانکہ وہ نظریاتی طور پر اس کا منکر تھا یعنی اس کے عقیدہ وعمل میں تضاد ہوگا۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں کچھ فقہاء کرام غیر مسلم حکومت کی عدالت میں ملازمت اور منصب قضا کے قبول کرنے کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

۲-فقہاء کرام کی ایک دوسری جماعت نے بعض مصالح کے حصول اور بعض مفاسد کی تقلیل کو سامنے رکھ کر جواز کا قول کیا ہے، کیونکہ:

اس قسم کے مواقع میں مسلمانوں کا ملازمت نہ کرنا، اس بات کا موجب ہوگا کہ ایسے تمام مناصب پر فجار و فساق کا غلبہ اور تسلط ہو جائے اچھے اور صالح لوگوں سے یہ میدان بالکل خالی ہو جائے، جو مسلمانوں کے حق میں کوئی اچھی چیز نہ ہوگی، "**لأن ترک هذه المواقع یعنی خلوها من الصالحین وتمکین الفجار والأشرار من رقاب المسلمین**" (۶۵ نوازل فقہیہ)۔

ب-اس فیلڈ میں مسلمانوں کا عمل اور ان کی ملازمت، قضاء کے باب میں مشق وممارست کا سبب ہوگی، بوقت ضرورت اسلامی مملکت کے قیام کے بعد، ایک قسم کے تجربہ اور خبر کی جانب ایک اہم پیش رفت مانی جائے گی، اس لئے اس مجال میں عمل مباح ہوگا۔

ج-مسلمانوں سے مظالم کے دفاع میں مدد ملے گی، عدالتوں میں جو مفاسد در آئے ہیں، اس میں تخفیف کی سمت ایک اہم قدم ثابت ہوگا، اگرچہ مفاسد کا کلیۃ خاتمہ نہ ہو سکے:

"**مایتضمنه من دفع الظلم عن المسلمین، وتقلیل مفاسد القضاء ما أمکن**"۔

د-مسلمان جج ہونے کی صورت میں خصومت کے موقعہ پر جج کو اسلامی شریعت کی تطبیق کی طرف دعوت دینے کا موقع فراہم ہو سکے گا: "**مایتضمنه من دعم الدعوة إلی تطبیق الشریعة فی مواجهة الخصومة**" (۶۶ نوازل فقہیہ)۔

۳-فقہاء کرام کی ایک جماعت نے اس مسئلہ میں تفصیل کی ہے، وہ یہ کہ جن صورتوں میں معصیت کا لزوم واضح ہو تو وہاں عمل حرام ہوگا اور جن مواقع میں قاضی اور جج کے اجتہاد کی گنجائش ہوگی اس میں عمل کی گنجائش ہوگی۔

ترجیح اسی تیسرے قول کو حاصل ہوگی کیونکہ حکم بما انزل اللہ واجب ہے اور بغیر ما انزل اللہ والا حکم ناجائز اور حرام ہوگا۔ ہمارے سلف صالحین تو قوانین شرعیہ کی روشنی میں تصفیہ کرنے کو قبول نہیں کیا کرتے چہ جائیکہ وضعی قوانین کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر فرمانے کا تصور کرتے۔

اسی لئے غیر مسلم عدالتوں میں منصب قضاء کا قبول کرنا بہرحال احتیاط کے خلاف ہے، اول اور احوط یہی ہے کہ وضعی قوانین کی اسلامی شریعت کے مقابلہ میں بالادستی قبول نہ کی جائے۔

۱-ھ: عوامی ٹیکس، انکم ٹیکس کے محکمہ میں ملازمت:

حکومتیں جو ٹیکس عوام سے وصولتی ہیں تاکہ حکومتوں کے اخراجات وضروریات پوری ہوسکیں، اگر وہ ٹیکس مقبول انداز کا ہو جس کی بنا پر ٹیکس دہندگان پر نہ تو غیر معمولی بوجھ پڑتا ہو اور نہ ہی اسے ناجائز طور پر خرچ کیا جاتا ہو تو اس قسم کے ٹیکس کا عوام سے وصولنا بھی جائز ہوگا اور اس شعبہ میں مسلمان کا ملازمت کرنا بھی حد جواز میں داخل ہوگا: **"وأخذ الضرائب من الرعية لتلبية الحاجات الملحة جائزة إذا كانت موارد الدولة لاتفي بحاجات البلاد من الحراسة والأدوية والتعليم وإصلاح الطرق ...... والمرافق وإعانة المسئولين عن الأمن"** (ص:۲۷ حکم الضرائب للشیخ ابن جبرینؒ)۔

دوسری جگہ شیخ ابن جبرین نے فرمایا: **وأما العمل في هذه الضرائب فلا بأس به** (۲۷)۔

(عوام سے ٹیکسوں کا لینا جبکہ حکومت کی اہم ضروریات کی تکمیل کی راہ میں ملک کی آمدنی ناکافی ہو، جائز ہے، مثلاً حکومت اور ملک کی حفاظت، دواؤں کا نظم، تعلیم کا نظم، راستوں اور بندرگاہوں کی اصلاح ومرمت اور دیگر خدمات، امن وسلامتی کے محافظین کی اعانت وغیرہ کے سلسلے میں خرچ کے لئے عوامی ٹیکس کی وصولی جائز ہے) شیخ ابن جبرین نے دوسری جگہ فرمایا کہ: (اس ٹیکس کے شعبہ میں کام اور ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

یہ عبارت فقہیہ بھی قابل غور ہے: **"وليس في الخزانة مايكفي للدولة فلولي**

الأمر أن يفرض ماهو مناسب... وفي تلك الحالة يجوز العمل في إدارتها "
(۱۳۰المحن والوظائف في بعض المجالات المالية رص ۳۰) (حکومت کے خزانے میں اتنی دولت نہیں ہے جو ملکی ضروریات کی کفالت کر سکے تو ولی امر کو حق ہے کہ جو مناسب ٹیکس ہو، عوام پر لگائے ......اور اس حالت میں اس شعبہ میں ملازمت جائز ہوگی)۔

مذکورہ فقہی عبارتوں کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ حکومت کی واقعی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جو مناسب ٹیکس عوام پر عائد کیا جائے تو وہ حد جواز میں ہے لیکن جب ہندوستان میں انکم ٹیکس کی وصولیابی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں معاملہ دوسرا نظر آتا ہے، اس کی شرحیں یقیناً ظالمانہ ہیں کہ اگر کوئی تاجر حقیقی ٹیکس ادا کرے تو شاید اس کی دولت کا خاصا حصہ حکومت کے خزانہ میں جائے گا اور تاجر کو اپنی کمائی کا بہت معمولی حصہ ہی ہاتھ لگے گا۔ پھر یہ بات بھی عیاں ہے کہ ٹیکس کی مد میں حاصل ہونے والی آمدنی ٹھیک طور پر عوامی فلاح و بہبود پر استعمال نہیں کی جاتی بلکہ اس کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور ان کو دی گئی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کے پس منظر میں علماء معاصرین وفقہاء ہم عصر کی رائے میں اس قسم کا ٹیکس لینا حرام ہے اور ایسے محکمہ اور شعبہ میں ملازمت بھی درست نہیں، الا فی بعض الاحوال۔ ان علماء کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ قولہ علیہ السلام: "**لايدخل الجنة صاحب مكس**" (ابوداؤد ومسند احمد) (ناجائز ٹیکس لینے والا جنت میں نہیں جائے گا)۔

۲۔ اس قسم کے ٹیکس کی وصولیابی "**أخذ اموال الناس بدون حق**" میں شامل ہے، اور "**أكل أموال الناس بالباطل**" شرعاً منہی عنہ ہے اور یہ ایک ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔

۳۔ اس قسم کے ٹیکس کی بڑی رقم حکام کی عیش کوشی اور ناجائز امور میں صرف ہوا کرتی ہے: "**ان بعض الحصيلة تنفق على ملذات الحكام وفي غير ما أحل الله**" اس لئے اس محکمہ کی ملازمت، اعانت علی الحرام کی بنیاد پر خود حرام ہوگی "**وبالتالي فان العمل في**

الضرائب إعانة علي الحرام وماكان كذلك فهو حرام "(المهن والوظائف في بعض المجالات المالية/ص۲۸)۔

ان دلائل کی روشنی میں ہماری ناقص رائے میں انکم ٹیکس محکمہ میں ملازمت درست نہیں معلوم ہوتی۔

۲-الف: سودی بنک میں خارجی امور کی ملازمت:

بینک اصل میں سودی لین دین کا بنیادی طور پر کاروبار کرتا ہے، اگر ایک شخص بیمہ کے لین دین، سودی حسابات کے لکھنے پڑھنے کا کام نہ کرتا ہو، کوئی اور کام کرتا ہو، جیسے بنک کے کمپیوٹر کی مرمت اس کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، ان صورتوں میں ملازمت کا کیا حکم ہے؟

سودی بینکوں میں ملازمت کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء معاصرین کی دو آراء سامنے ہیں:

(ا) بعض فقہاء کرام علی الاطلاق سودی بینکوں میں ملازمت کو ناجائز کہتے ہیں، **والأدلة علی ذلک فی مایلی:**

الف: وہ نصوص شرعیہ جن میں سودی لین دین، اس کی کتابت وگواہی سے منع کیا گیا ہے یا وہ نصوص جن میں اثم وعدوان پر تعاون سے عمومی طور پر منع کیا گیا ہے، اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ آج کل بینکوں میں سودی لین دین اس طرح کارفرما ہے جیسے انسانی رگوں میں دوران خون۔

ب: ان بینکوں میں ملازمت اختیار کرنے والوں کو جو تنخواہ یا اجرت ملتی ہے، وہ سود ہی کی رقم سے ہوا کرتی ہے جو کسب خبیث ہے اور سودی بینکوں کی اکثر وبیشتر کمائی سود ہی پر مشتمل ہوا کرتی ہے۔ "كون الأجر الذى يحصل عليه العامل في هذه البنوك من الكسب الخبيث مصدره وهو الربا الذى يمثل النسبة الغالبية علي أرباح البنوك "

(۷۰، نوازل فقہیہ)۔

ج: سودی بینکوں کا نظام، طاغوتی مصالح کی ہمت افزائی پر مشتمل ہے اور ایک مسلمان ایسے مصالح کو کچلنے کا مکلف ہے نہ کہ اس میں تعاون کرنے کا۔

(۲) کچھ فقہاء کرام اس قسم کے بینکوں کی ملازمت کو جائز قرار دیتے ہیں، بدلیل مایاتی:

الف: بینک میں ملازمت ایک عمل ہے اور اعمال میں اصل حلت ہے، رہی سودی لین کی بات یا اس کی کتابت و گواہی، تو ایک مسلمان ان جیسے اعمال سے اپنے آپ کو دور رکھ سکتا ہے، ان امور کے علاوہ بینک میں دوسرے بہت سے کام ہوا کرتے ہیں، جن کو مسلمان ملازم بلا کسی حرج کے انجام دے سکتا ہے۔

ب: بینکوں کی آمدنی بصرف سود ہی پر مشتمل ہو، یہ ضروری نہیں، بلکہ سودی آمدنی کے سوا بینک کے پاس دیگر آمدنی کے ذرائع بھی ہوا کرتے ہیں جن سے کافی کمائی ہوا کرتی ہے، اس لئے بینک کی آمدنی کو صرف سود ہی میں منحصر کر کے حرمت ملازمت کا قول درست اور صحیح نہیں ہے۔

فریقین کی آرا اور ان کے دلائل میں غور و خوض کے بعد نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ:

۱-سودی لین دین سے براہ راست جن امور کا تعلق ہو وہ حرام ہوں گے، مثلاً سودی لین دین کی کتابت اور اس کی گواہی۔

۲-ملازم کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ اسے تنخواہ یا اجرت میں سودی رقم ہی دی جاتی ہے، تو وہ مال خبیث ہونے کی وجہ سے حرام ہونی چاہئے اور تنخواہ یا اجرت کا غیر سودی رقم سے ہونا یقینی ہو تو اس کا لینا مباح ہوگا۔

۳-اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ملازم کی تنخواہ یا اجرت، کس رقم سے ادا کی جاتی ہے، سودی رقم سے یا غیر سودی سے، بلکہ دونوں سے مخلوط ہے تو ایسی صورت میں غالب کے اوپر حکم لگے گا، غالب سودی رقم ہوگی تو حرام اور غیر سودی رقم غالب ہوگی تو حلال ہوگی اور اگر معاملہ مجہول

ہوتو یہ مشتبہات کے قبیل سے ہوگا۔

۴-جن اعمال کا تعلق سودی لین دین، کتابت وشہادت کے قبیل سے بالکل نہ ہو بلکہ بینک کی عمومی خدمات سے ہو مثلاً بنک کی حفاظت ونگہبانی اس کے کمپیوٹر یا ایر کنڈیشن وغیرہ کی مرمت، تو علماء کرام کی ایک بڑی جماعت، بوقت ضرورت اس قسم کی ملازمت یا اجرت پر کام کرنے کی رخصت دیتی ہے اور جب ضرورت نہ ہوتو اس سے بھی احتیاط کرنا مطلوب ہوگا: **مالم يتصل بهذه العقود بوجه من الوجوه كالعمل في مجال تغيير العملة او تقديم الخدمات العامة للبنك، كالحراسة والصيانة ونحو ذلك فالسواد الأعظم من المفتيين على الترخص في ذلك عند الحاجة والتورع عند انعدامها** (ص: ۸۷)۔ رہا بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا اور یہ کچھ دانستہ طور پر ہو تو یہ امور مکروہ تحریمی اور ناجائز ہوں گے۔

۲-ج-شراب کی کمپنی میں ملازمت:

شراب کی کمپنی میں کچھ لوگ شراب کی خرید وفروخت کرتے ہیں، کچھ لوگ کمپنی کے لئے بوتل بناتے ہیں، کچھ لوگ شراب کے لین دین میں نہیں رہتے، لیکن حساب کتاب لکھتے ہیں، یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزا پیش کرتے ہیں جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے، تو شراب کی کمپنی کے ان مختلف کاموں میں ملازمت کا حکم کیا ہوگا؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ شریعت محمدیہ چونکہ قیامت تک رہنے والی شریعت ہے، اس لئے اس کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا گیا کہ جرائم ومعاصی تو حرام تھے ہی، ان اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دیا گیا جو عادت غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہونچانے والے ہیں، مثلاً شراب نوشی کو حرام کیا گیا تو شراب بنانے، بیچنے، خریدنے اور کسی کو دینے کو بھی حرام قرار دیدیا گیا، سود کو حرام کرنا تھا تو سود سے ملتے جلتے معاملات کو بھی ناجائز کردیا گیا، زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے اسباب قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کردیا گیا۔

اسباب وذرائع کا قریب وبعید کا ایک طویل سلسلہ ہے، اگر دور تک اس سلسلے کو روکا جائے تو زندگی دشوار ہوجائے اور عمل میں بڑی تنگی پیش آجائے اور ماجعل علیکم فی الدین من حرج کے پیش نظر مزاج شریعت کے خلاف لازم آئے، اس لئے اسباب وذرائع کے معاملے میں یہ حکیمانہ فیصلہ کیا گیا کہ جو افعال واعمال، کسی معصیت کا ایسا سبب قریب ہوں کہ عام عادت کے اعتبار سے، اس کا مرتکب، اس معصیت میں ضرور مبتلا ہو ہی جاتا ہے، ایسے اسباب قریبہ کو شریعت نے اصل معصیت کے ساتھ ملحق کر کے ان کو بھی حرام قرار دیا اور جو اسباب بعیدہ ہیں کہ ان کے عمل میں لانے سے معصیت میں مبتلا ہونا عادۃً لازم وضروری نہیں، مگر معصیت میں کچھ نہ کچھ دخل ضروری ہے، ایسے اسباب کو مکروہ قرار دیا اور جو اسباب ان سے زیادہ ابعد ہیں کہ معصیت میں ان کا دخل شاذ ونادر ہے، ان کو نظر انداز کر کے مباحات میں داخل کردیا۔

پہلے کی مثال شراب فروشی ہے کہ شراب نوشی کا سبب قریب ہے، اس کو بھی شریعت نے اسی طرح حرام قرار دیا جس طرح شراب نوشی حرام ہے، دوسرے کی مثال یہ ہے کہ انگور ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب ہی بناتا ہے، اس کا پیشہ یہی ہے، یا اس نے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ میں شراب بنانے ہی کے لئے انگور خرید رہا ہوں، یہ اگرچہ شراب فروشی کے درجہ میں تو حرام نہیں مگر مکروہ وناجائز یہ بھی ہے، یہی حکم سنیما گھر بنانے یا سودی بینک چلانے کے لئے زمین ومکان کرایہ پر دینے کا حکم ہے کہ معاملہ کے وقت جب معلوم ہو کہ یہ اس مکان کو ناجائز کام کے لئے لے رہا ہے تو کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہوگا۔

تیسرے کی مثال یہ ہے کہ عام لوگوں کے ہاتھ انگور فروخت کئے جائیں، جن میں یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص ان سے شراب کشید کرے مگر نہ اس نے اس کا اظہار کیا، نہ ہمارے علم میں وہ ایسا شخص ہے جو شراب کشید کرتا ہے تو شرعاً اسی طرح کی بیع وشراء مباح قرار دی (معارف القرآن ۷/۲۰۷، بتغییر یسیر)۔

تفصیلات بالا کی روشنی میں شراب کی کمپنی میں حساب کتاب لکھنے یا کمپنی کو وہ اجزا پیش

کرنے کی بابت جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے، حکم مسئلہ کا طے ہونا آسان ہے وہ یہ کہ مسئولہ صورتیں، دوسری مثال کے ضمن میں داخل ہیں، ظاہر ہے شراب کی کمپنی میں حساب کتاب شراب کا لکھا جائے گا، اور شراب کی کمپنی ایسے میٹریل خریدتی ہے جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے تو کمپنی اس سے شراب ہی بنائے گی تو یہ صورتیں بھی گو شراب فروشی کی طرح حرام نہ ہوں تاہم مکروہ و ناجائز تو ضرور ہوں گی۔

۲-ب: انشورنس کمپنی میں ملازمت:

انشورنس کی بعض شکلیں، جن کے بارے میں کچھ اہل علم جواز کے قائل ہیں مثلاً میڈیکل انشورنس یا جبری انشورنس وغیرہ تو انشورنس کمپنی کی اس قسم کی پالیسیوں کے لئے اگر ملازمت اختیار کی جاتی ہے تو جن علماء کے نزدیک، انشورنس کی جو بعض صورتیں جائز ہیں، ان کی ملازمت بھی حد جواز میں داخل ہوگی۔

لیکن بعض علماء انشورنس کی تمام صورتوں کو قمار یا ربا پر مبنی مان کر حرام قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک انشورنس کمپنی کی ملازمت علی الاطلاق جائز نہ ہوگی جب کمپنی کی ملازمت جائز نہیں تو انشورنس کمپنی کے لئے بحیثیت ایجنٹ کام کرنا بھی جائز نہ ہوگا، کیونکہ کمپنی کا تمام کاروبار قمار اور ربا پر مشتمل ہے تو ربا کا لینا دینا اس کے لئے واسطہ بننا، کتابت کرنا وغیرہ وغیرہ تمام متعلقہ امور عدم جواز کی حدود میں آئیں گے۔

۳-الف: سپر مارکیٹ کی ملازمت:

سپر مارکیٹ جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ کی ملازمت، مسلمان کے لئے اسی شرط کے ساتھ جائز ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو شراب والے گوشہ سے بالکل علیحدہ رکھے، اگر اس گوشہ سے علیحدگی اختیار کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے تو پھر شراب سے متعلق کوئی بھی کارروائی اس کے لئے حلال نہیں، نہ شراب کا اٹھانا، نہ بیچنا، نہ اس کی بل بنانا وغیرہ، اس جیسے تمام امور ممنوعات میں داخل ہوں گے،

ان روایات ونصوص کے پیش نظر جن کا ذکر ۳ جز ھ میں آرہا ہے۔

۳-ب-جنس مخالف یا مخلوط درسگاہوں میں تدریسی ملازمت:

تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے، لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے اور استاذ کو بعض اوقات اس طرح تدریس کا فریضہ انجام دینا ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب لڑکے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھی۔ اسی طرح لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی کام کرتے ہیں اور لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ بھی کام کرتی ہیں، اس طرح کی ملازمت میں جواز وعدم جواز کا مسئلہ پردہ کے مسئلہ سے مربوط ہے۔

عورتوں کو مردوں سے پردہ کا واضح حکم، نصوص کتاب وسنت میں موجود ہے اور مردوں کو بھی اجنبیہ کی طرف دیکھنے سے روکا گیا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

اولاً: کتاب اللہ:

۱-قولہ تعالیٰ: "**يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن**" (احزاب/ ۵۹)، (اے نبی! آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب (لمبی چادریں) استعمال کریں)۔

۲- قولہ تعالیٰ: "**وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن**" (نور/ ۳۱)۔ (اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں)۔

۳-قولہ تعالیٰ: "**وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" (احزاب/ ۳۳)۔ (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور نہ دکھلاتی پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں)۔

۴-قولہ تعالیٰ:"فلاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض" (احزاب/ ۳۷)۔(توتم (نامحرم مردسے) بولنے میں (جبکہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو (طبعاً) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے، جس کے قلب میں خرابی (اور بدی) ہے)۔

ثانیا: سنۃ رسول اللہ:

۱- عن أم سلمة رضی الله عنها قالت: كنت عند رسول الله ﷺ وعنده ميمونة فأقبل ابن أم مكتوم وذلک بعد أن أمرنا بالحجاب فقال النبی ﷺ: احتجباعنه، فقلنا: یا رسول الله! أليس هو أعمىٰ، لايبصرنا ولايعرفنا؟ فقال النبی ﷺ: أفعميا وان أنتما الستما تبصرانه؟ (ریاض الصالحین:۵۰۶)۔(ام سلمہؓ سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی اور حضرت میمونہؓ بھی تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ آ گئے اور یہ واقعہ حجاب کے فرض ہونے کے بعد کا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: تم دونوں چھپ جاؤ ان سے، ہم دونوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں کہ وہ ہم کو نہ تو دیکھ سکتے اور نہ پہچان سکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، کیا تم دونوں انہیں نہیں دیکھ رہی ہو)۔

۲- عن عائشةؓ أن النبی ﷺ دخل عليها وعندها رجل فكأنه كره ذلک فقالت: إنه أخي، فقال: أنظرن من إخوانكن فانما الرضاعة من المجاعة" (مشکاۃ ۲/ ۲۷۳)۔(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لائے تو اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، آنحضورؐ کو اس کی موجودگی ناگوار گزری تو عائشہؓ نے عرض کیا کہ یہ میرے (رضاعی) بھائی ہیں، حضور نے فرمایا: یہ غور کرو کہ کون تمہارا بھائی ہوسکتا ہے، کیونکہ رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت ہے)۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث نبویہ کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ عام حالات میں ایک اجنبی مرد اجنبی عورت کو نہ تو دیکھ سکتا ہے، نہ خلوت میں بات چیت کرسکتا ہے، مرد کے لئے

اجنبیہ کوقصداً دیکھنااوراس پرنگاہ حرام وممنوع ہے، پہلی نگاہ جو بلاقصدوارادہ اچانک پڑجایا کرتی ہے وہ تومعاف ہے،لیکن بالقصداس کی طرف نگاہ ڈالناحرام ہے۔

عورت کااصل مقام یہ ہے کہ وہ گھر کی چہاردیواری میں رہے،بوقت ضرورت گھر سے باہر نکلے توجلباب (لمبی چادر) یابرقع میں ملبوس نکلے،راستہ دیکھنے کے لئے آنکھ پر جالی لگاکر کھول سکتی ہے،ایک روایت میں وارد ہے:"**أقرب ماتكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها**"(معارف القرآن ۷/۲۱۶) (عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے،جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو)۔

ضرورت کے مواقع مستثنی ہیں۔عورت اگر بوقت ضرورت گھر سے باہر نکلے توسر سے پاؤں تک مستور ہوکر نکلے،چہرہ بھی بجزایک آنکھ کے چھپاہونا چاہئے،باہر نکلنے کی یہ اجازت بھی چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے:

۱-خوشبو لگاکر نہ نکلے۔

۲-بجنے والازیور پہن کر نہ نکلے۔

۳-راستے کے کنارے پر چلے۔

۴-مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو(معارف القرآن ۷/۲۱۷)۔

کچھ فقہاء کرام کے یہاں چہرہ اور ہتھیلیاں حجاب سے مستثنی ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن کی آیت:"**إلا ماظهر منها**" کی تفسیر،چہرہ اور ہتھیلیوں سے کی ہے(**كما هو مروي عن ابن عباسؓ**)اور جن حضرات علماء نے چہرہ اور ہتھیلیوں کوحجاب میں داخل ماناہے،ان کے نزدیک"**إلا ماظهر منها**" سے مراد،جلباب اور برقع وغیرہ ہے(**كما هو مروي عن عبد الله بن مسعودؓ**)۔

جنہوں نے چہرہ اور ہتھیلیوں کوحجاب سے مستثنی مان کران دونوں کے کھولنے کوجائز کہا ہے،انہوں نے بھی یہ شرط لگائی ہے کہ فتنہ کاخطرہ نہ ہو،مگرچونکہ عورت کی زینت کاسارامرکزاس کا

چہرہ ہی ہے، اس لئے اس کو کھولنے میں فتنہ کا خطرہ نہ ہو، شاذ و نادر ہے، اسی لئے انجام کار، عام حالات میں ان کے نزدیک بھی چہرہ وغیرہ کو کھولنا جائز نہیں (معارف القرآن ۷/۲۱۷)۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ عورت کو اجنبی مردوں سے پردہ کرنا لازمی اور ضروری ہے اور مرد کو بھی اجنبیہ کی طرف دیکھنا عام حالات میں حرام اور ناجائز ہے، اسی لئے مخلوط تعلیم کا نظام اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی خاتون قصداً استاذ کا لڑکوں کو پڑھانا اور نہ ہی مرد استاذ کا لڑکیوں کو پڑھانا جائز ہوسکتا ہے۔

ہاں خاتون استاذ کی کمی کی صورت میں، مرد استاذ لڑکیوں کو پردہ کے پیچھے سے درس دے سکتا ہے، الامن وراء حجاب کو سامنے رکھتے ہوئے، اور ایسے ہی خاتون استاذ بوقت ضرورت، لڑکوں کو پردے کے پیچھے سے درس دے سکتی ہے، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ مرد، لڑکوں کو اور عورت، لڑکیوں کو تعلیم دے۔ ملت کے دردمند حضرات اس کے نظم کی فکر کریں۔

اگر عورت تدریس کا پیشہ اختیار کرتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ مدرسہ جاتے وقت پورے شرعی پردہ کا اہتمام کرے اور ساتھ ہی مذکورہ بالا چاروں شرطوں کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے گھر کی چہار دیواری سے باہر تدریسی، طبابت یا دیگر ذرائع معاش کے اختیار کے لئے جانے کی گنجائش بوقت ضرورت نکل سکتی ہے۔

۳-ج-وکالت کا پیشہ:

وکالت کا پیشہ ایک مسلمان کے لئے اختیار کرنا جائز ہے، وکالت کی اجرت اور حق المحنت لینا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا اجارہ ہے۔ اجارہ کے جواز کے لئے کتب فقہ میں جو شرائط مذکور ہیں، ان کا لحاظ رکھنا یہاں بھی ضروری ہوگا۔

فقہاء نے وکیل بالخصومۃ (Advocate) کے لئے چند شرائط خاص طور سے ذکر فرمائی ہیں جن کا وکالت کا پیشہ اختیار کرنے والے میں پایا جانا ضروری ہے:

۱-وکیل متعین ہونا چاہئے مبہم نہیں، اگر کوئی آدمی وکلاء کی جماعت سے یوں کہے کہ:

وكلت واحداً منكم فإن هذه الوكالة لاتصح تو اسطرح کی مبہم وکالت صحیح نہ ہوگی۔

۲- أن يكون أهلية التصرف (تصرف کا اہل ہو) اس شرط میں کئی شرطیں مندرج ہیں:

الف-وکیل عاقل ہواور جو معاملہ اسے سپرد کیا جارہا ہے، اس سے خوب واقف کار ہو۔

ب-وکیل عادل ہو، فاسق، خائن نہ ہو۔

ج۔خصومت میں امین ہو کہ اپنے مؤکل کی طرف سے دفاع میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔

د-دلائل کے پیش کرنے اور اقامۃ حجت میں چھوٹے بڑے، کمزور وقوی، نادار و مالدار کے درمیان امتیاز نہ برتے، کیونکہ قانون کی نظر میں سب یکساں ہیں۔

ہ-مؤکل کے خلاف درپردہ کوئی سازش نہ کرے کہ مد مقابل سے رشوت لے کر حقائق کو سامنے نہ لائے، اور در پردہ مخالف سے ملا رہے، لقولہ تعالیٰ: ''إن الله لايحب الخائنين، (انفال/۵۸) ولقوله عليه السلام: من أعان على خصومة بظالم أو يعين على ظلم لم يزل في سخط الله حتى ينزع''

و-مؤکل کے راز کا افشا نہ کرنے والا ہو۔

۳-پیشۂ وکالت سے اس کا مقصد حق وانصاف کو واضح کرنا ہو، ظالم کو ظلم سے روکنا، اور مظلوم کی فریادرسی کرنا ہو، بنابریں ناجائز امور میں اور ظالم اور باطل کی طرف سے وکالت ناجائز ہوگی۔

لقوله تعالیٰ: ''ولاتكن للخائنين خصيما'' (نساء/۱۰۵)۔

لقوله تعالیٰ: ''ولاتجادل عن الذين يختانون أنفسهم'' (نساء/۱۰۷، نیز دیکھئے: المحاماة في الشريعة الإسلامية، سید أحمد العطائی ص: ۸۳-۸۴-۵۸۲)۔

مذکورہ شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی وکالت کا پیشہ اختیار کرتا ہے تو مسلمانوں کے اجتماعی وانفرادی مسائل کے حل میں اس سے کافی تعاون مل سکتا ہے، لیکن اگر کوئی وکیل دیانت

وصداقت کو بالائے طاق رکھ کر ہر قسم کے قضایا میں ہاتھ ڈالد یا کرتا ہو، اور یہ نہیں دیکھتا ہو کہ اس کا مؤکل حق پر ہے یا نہیں تو ایسی وکالت شرعاً درست نہیں۔

ظالم وغاصب مؤکل کے کیس لے کر اور جھوٹی قسمیں وگواہیاں دلا کر فیصلہ مؤکل کے حق میں کرا بھی دے، تو صاحب حق کا حق باطل نہیں ہوگا، اور نہ ہی ظلم و ناانصافی پر مبنی فیصلہ عند اللہ وعند الرسول قابل قبول اور معتبر ہوگا۔ ایک حدیث میں ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ: حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "إنما أنا بشر وإنكم تختصمون إلي ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فأقضي له على نحو ماأسمع منه فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذنه فانما انا أقطع له قطة من النار (مشکاۃ ۳۲۷/۲)۔ (میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے معاملے لیکر میرے پاس آتے ہو، ممکن ہے کوئی تم میں سے اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح وبلیغ بیان کا حامل ہو اور میں اسی کا مدلل بیان سنکر اس کے مطابق فیصلہ کردوں، تو جس شخص کے لئے میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے فیصلہ کردیا ہے تو وہ اس کو ہرگز نہ لے کیونکہ میں نے اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے)۔

۳- پیشۂ طبابت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج اور پیشۂ طبابت ہے، اور اس پیشہ کو دینی ودنیاوی دونوں لحاظ سے کافی اہمیت حاصل ہے، لیکن فی زمانہ بدقسمتی سے اس پیشہ میں بہت سی خرابیاں اور برائیاں گھس چکی ہیں جو کم از کم مسلمان اطباء اور ڈاکٹروں میں نہ ہونی چاہئیں، بلکہ یہ دیکھا جارہا ہے کہ بعض امور منکرہ میں مسلمان ڈاکٹر، غیر مسلم ڈاکٹروں سے بھی آگے جارہے ہیں مثلاً فیس بڑھانے اور گھٹیا دواؤں کی کھپت اور بلاضرورت ڈروپ لگوانے وغیرہ میں مسلمان ڈاکٹر غیر مسلم ڈاکٹروں اور مسلم ہاسپٹل غیر مسلم ہاسپٹلوں سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔

اس قسم کے غلط رجحانات کی آبیاری میں صرف خوف خدا کا فقدان یا اس کی کمی ہی کا

دخل ہوا کرتا ہے۔

بلاضرورت آپریشن یا بلاضرورت طبی ٹیسٹ کروانا نہ قانونا درست ہے اور نہ ہی شرعاً، پرائیویٹ ڈاکٹر تو خود اس کا ذمہ دار ہے، لیکن پرائیویٹ ہاسپٹل یا سرکاری ہاسپٹل میں اگر کوئی مسلم ڈاکٹر ملازمت کرتا ہے، تو اس کے لئے انتظامیہ کے دباؤ میں محض انکم بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ آپریشن کرنا اور ٹیسٹ لکھنا ہرگز درست نہ ہوگا، وہ انتظامیہ سے دوٹوک کہہ دے کہ مجھ سے آپ کی مرضی کے مطابق اس قسم کے غلط امور کا ارتکاب نہ ہو سکے گا، خواہ مجھے اس کی پاداش میں ملازمت سے ہاتھ ہی دھونا پڑ جائے تو یہ منظور ہے، لیکن بلاضرورت نہ آپریشن کے کیس بناؤں گا اور نہ ہی بلاضرورت ٹیسٹ وغیرہ لکھوں گا۔

مرد کا علاج مرد ڈاکٹر اور خاتون کا علاج خاتون ڈاکٹر سے: اس کی بابت کچھ شرعی حدود وضوابط:

۱- مرد کے علاج کے لئے مرد ڈاکٹر مقدم ہوں گے، اور خواتین کے علاج کے لئے خواتین ڈاکٹر مقدم ہوں گی، ایک خاتون مریضہ کے علاج وتشخیص کے لئے مسلمان خاتون ڈاکٹر مقدم ہوگی، پھر غیر مسلم خاتون ڈاکٹر، پھر مسلمان مرد ڈاکٹر، اور سب سے اخیر میں غیر مسلم مرد ڈاکٹر کے پاس جانے اور علاج کرانے کی گنجائش ہوگی۔

۲- تشخیص مرض کے لئے جس حصہ بدن کو دیکھنے کی ضرورت ہوگی، صرف اسی مقام کو دیکھنا جائز ہوگا، اس سے تجاوز ہرگز درست نہ ہوگا، اور مقام مستور کی تشخیص کے لئے حتی الوسع نگاہ کو پست رکھے گا۔

۳- اگر بیماری کے علاج میں صرف بیان مرض سے کام چل سکتا ہو تو ستر کھلوا کر دیکھنا جائز نہ ہوگا، اور مقام مرض کو دیکھنے سے کام چل سکتا ہو تو چھونا درست نہ ہوگا، اگر کسی حائل کے ذریعہ علاج ممکن ہو تو بلا حائل چھونا جائز نہ ہوگا۔

۴- عورت کا علاج اگر مرد ڈاکٹر کے پاس ہی ہونا ہے تو تنہائی میں نہ ہونا چاہئے بلکہ عورت کے ساتھ یا تو اس کا شوہر ہو یا کوئی اور محرم یا کوئی معتمد عورت ہو۔

۵-ڈاکٹر امین ہو، دیانت واخلاق کے معاملے میں غیر متہم ہو۔

٦-ستر کے معاملے میں ''عورت غلیظہ'' اور ''غیر غلیظہ'' کے اعتبار سے حکم میں تشدید اور عدم تشدید کا لحاظ ہوگا۔

۷-بغرض علاج ستر کو کھولنا یا دکھانا انہی حالات میں درست ہوگا، جہاں واقعۃً علاج کی حقیقی ضرورت ہو فقط توہم کی بنیاد پر یا تحسینی علاج کے لئے کشف عورت اور نظر إلی العورۃ درست نہ ہوگا۔

۸-مذکورہ بالا تمام ضوابط کے ساتھ علاج اسی وقت درست ہوگا جبکہ مریضہ و مریض اور معالج (فریقین) میں فتنے سے امن اور شہوانی جذبہ کارفرما نہ ہو۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: الفتاوی الشرعیۃ فی المسائل الطبیۃ للشیخ عبداللہ الجبرین ص: ۲/۵۷ تا ۷۷)۔

۳-ھ: ایسے ہوٹل کی ملازمت جس میں حرام اشیاء پیش کی جاتی ہوں:

ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ سماج کی ضرورت کا اہم حصہ بن گئے ہیں، اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جو شرعاً جائز نہیں، جیسے شراب کی فراہمی خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ۔

اس قسم کے ہوٹلوں میں ایک مسلمان کے لئے ملازمت کی اجازت اس شرط پر دی جاسکتی ہے کہ وہ خود شراب کی فراہمی خنزیر اور دوسری حرام غذاؤں کے نظم اور پیش کرنے میں کسی طرح کا معاون نہ ہو۔

فرمان باری ہے: " ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان'' (سورۃ المائدۃ/۲)۔

شراب کے معاملہ میں تو حدیث پاک میں نص صریح موجود ہے، جس کی رو سے خود

شراب، اس کے پینے پلانے والے، بیچنے خریدنے والے، نچوڑنے اور نچوڑوانے والے، ڈھونے اور ڈھولائی کرنے والے، سبھی اللہ کے نبی ﷺ کی زبان سے ملعون قرار دیئے گئے ہیں، اور جس چیز پر شریعت میں لعنت وارد ہوئی ہے وہ حرام کے زمرہ میں آتی ہے۔

ترمذی شریف میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ "**قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والحمولة إليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشترى لها والمشتراة له**" (ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع الخمر والنہی عن ذلک حدیث ۱۳۱۳)۔

مسلم شریف میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے: "**إن الذى حرم شربها حرم بيعها**" (جس ذات نے پینا حرام کیا ہے، اسی نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے) (مسلم شریف، حدیث ۴۱۲۸)۔

مذکورہ بالا نصوص سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شراب کی تجارت، اس کا ڈھونا، پینا، پلانا، بالأجرۃ یا بلا اجرت سب حرام ہے، اس لئے ایسے ہوٹلوں میں ملازمت جہاں ان امور محرمہ سے بچنا ممکن نہ ہوگا، جائز نہ ہوگا اور نہ ایسا ہوٹل چلانا جائز ہوگا جس میں اس قسم کی حرام غذائیں، رقص وسرود کی محفلیں اور فحاشی کے اڈے ہوں۔

بدائع میں ہے: **وعلى هذا يخرج الاستيجار على المعاصى أنه لايصح لأنه استيجار على منفعة غير مقدورة الاستيفاء شرعاً كاستيجار الانسان للعب واللهو و كاستيجار المغنية والنائحة للغناء والنوح** (بدائع ۳۹/۴، مکتبہ زکریا)۔

درمختار میں ہے: **لاتصح الإجارة ...... لأجل المعاصى مثل الغناء والنوح والملاهى** (۷۵/۹، درمختار مع الرد، زکریا)۔

ملازمتوں کے مختلف اقسام اوران کے شرعی احکام

مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی ☆

۱- پہلا سوال حکومت کی ملازمتوں سے متعلق ہے، اس میں پانچ شقیں ہیں:

الف- فوج کی ملازمت:

راست جواب دینے سے پہلے آیئے ذرا غور کریں کہ فوج کی ملازمت سے مسلمانوں کو کیا نقصانات ہیں، اور کیا فوائد ہیں، اور کون سے حرام کام کرنے پڑتے ہیں۔

فوج کی ملازمت کرنے میں مسلمانوں کو کئی ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جو اسلامی قوانین واحکام کے خلاف ہیں، مگر ان میں دو اہم ہیں، جن کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں:

۱- فوج کی ملازمت میں کمانڈر کے حکم سے ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کے وار کا کیا حکم ہے؟

”**والطاعة علی المرء المسلم فیما أحب، وکره مالم یؤمر بمعصیة، فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولاطاعة**“ (البخاری، رقم الحدیث ۵۴۳۵ علی حسب ترقیم فتح الباری جلد ۸۱/۸ دارالشعب قاہرہ طبع ۱۴۰۷ھ)۔

والیان امر کی اطاعت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کہ معصیت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت تک مرد مسلمان پر (والیان امر) کی سمع وطاعت واجب ہے، جب معصیت کا حکم دیا جائے تو کوئی سمع وطاعت نہیں۔

☆ جامعہ اسلامیہ شانتا پورم پٹیکاڈ، ضلع ملپورم، کیرالہ۔

۲-فوج کی ملازمت میں جو دوسرے سب سے بڑے گناہ کی نوبت آتی ہے یا آسکتی ہے وہ مسلمانوں سے مقابلہ ہے۔

جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، سورہ نساء میں ہے: "ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاء ه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه وأعد له عذابا عظيما" (سورۂ نساء: ۹۳)۔

(جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اللہ نے اس کے واسطے بڑا عذاب تیار کیا)۔

مسلمانوں سے مقابلے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، بلکہ اجمالا یہی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱-مد مقابل مسلمان اپنے مطالبے اور دعوے میں حق پر ہے، اور اس نے کوئی ظلم نہیں کیا، اس صورت میں مسلمان مد مقابل سے لڑنا جائز نہیں ہے، اور اس کی دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئیں۔

۲-مد مقابل نے تعدی اور ظلم کیا ہے، مثلاً پاکستان یا بنگلہ دیش کے فوجیوں نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس صورت میں مد مقابل مسلمان سے لڑنا جائز ہے۔

"إذا تعرض شخص الإنسان يريد الإعتداء على نفسه أو أهله أو ماله فإن أمكنه رده بأسهل طريقة ممكنة فعل ذلك وإن لم يمكن رده إلا بالقتال قاتله، فإن قتل المعتدى عليه فهو شهيد، وإن قتل المعتدى فلا قصاص ولا دية" (موسوعہ فقہیہ ۲۲/۳۱۸، کویت ۱۴۲۵ھ)۔

"من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد" (البخاری رقم الحدیث ۲۴۸۰ علی حسب ترتیب فتح الباری جلد ۳/ ۹۷ ادارالشعب قاہرہ طبع ۱۴۰۷ھ)۔

(جب کوئی شخص کسی انسان سے تعرض کرے اور وہ اس کی جان اہل یا مال پر حملہ کرنا

چاہتا ہو تو اگر ممکن ہو تو اس کا سب سے آسان طریقے سے اس کا دفاع کرے اور اپنے اوپر حملہ کرنے سے روک دے اور اگر اس سے دفاع قتال سے ہی ممکن ہو تو اس سے قتال کرے، پھر اگر معتدی علیہ (جس پر حملہ کیا گیا) مارا جائے تو وہ شہید ہے، اور اگر حملہ آور مارا جائے تو اس کے خون کے بدلے میں نہ کوئی قصاص ہے اور نہ کوئی دیت)۔

اس مسئلے میں اصل حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جو اپنے مال کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے خون کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے۔

فوج کی ملازمت کے فوائد:

۱۔فوج روزگار کا ایک وسیع ذریعہ ہے ہندوستانی حکومت کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلمان اس ملک میں ساڑھے تیرہ فیصد ہیں، ایک اندازے کے مطابق ہندوستان کے فوجیوں کی تعداد تقریباً بیس لاکھ ہے، ان فوجیوں میں مسلم فوجیوں کی تعداد شاید دو فیصد سے بھی زائد نہیں ہے، جبکہ جمہوری اصولوں کے مطابق بھی فوج میں مسلمانوں کا حق ساڑھے تیرہ فیصد، یعنی ہندوستان کی بیس لاکھ فوج میں دو لاکھ ستر ہزار مسلمان ہونے چاہئیں۔

ایک آدمی اوسطاً کم از کم چھ آدمیوں کا کفیل ہوتا ہے، وہ خود اس کی کم از کم ایک بیوی ماں، باپ کم از کم دو بچے۔

دو لاکھ ستر ہزار مسلمانوں کو ملازمت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم چودہ لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کے قیام وطعام اور تعلیم کا مسئلہ حل ہو گیا۔

۲۔فوج میں جس قدر سچے اور پکے مسلمان ہوں گے ہماری فوج اس قدر زیادہ محافظ وطن اور انصاف پسند ہوگی، اس لئے کہ اسلام وطن سے محبت کرنے اور انصاف کی تعلیم دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من قتل دون ماله فهو شهيد" (بخاری، رقم الحدیث ۲۴۸۰ علی حسب ترتیب فتح الباری جلد ۹/۳ء۱۷ دار الشعب قاہرہ طبع ۱۴۰۷) (جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے)۔

۳-فوج میں مسلمانوں خاص طور سے حقیقی مسلمانوں کی موجودگی سے فوج کے دوسرے غیر مسلم افراد کو بھی اسلام کے اعلی اور افضل ترین تعلیمات سے قریب آنے، انہیں سیکھنے اور انہیں قبول کرنے کا موقعہ ملے گا۔

اس طرح ایک فوجی دعوت الی اللہ کا کام بھی کرسکتا ہے اور دعوت الی اللہ سے بہتر تو کوئی کام ہی نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: "**ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا، وقال إنني من المسلمين**" (حم السجدہ: ۳۳) (اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کیا اور کہا کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں)۔

۴-اگر ہندوستان کی فوج میں ساڑھے تیرہ فیصد دین دار با کردار اور با اخلاق مسلمان ہوں، وہ ایمانداری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پوری کرنے والے ہوں، حتی الامکان حرام کاموں سے بچنے والے ہوں، شراب نوشی سے پرہیز کرنے والے ہوں تو غیر مسلم فوجیوں میں ہر اعتبار سے اس کا اثر پڑے گا۔

۵-ہندوستان میں سکھ مذہب کے ماننے والے اس ملک کی تیسری اقلیت اور ملک کی آبادی کا دو فیصد بھی نہیں ہیں، مگر وہ فوج میں مسلمانوں سے زیادہ ہیں، اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں، فوج اور اس جیسے دیگر اداروں میں ان کی موجودگی اور گرفت ان کی عزت واحترام کا ایک اہم سبب ہے، حکومت ان سے ڈرتی ہے اور ان کی ہر طرح سے ناز برداری کرتی ہے، اگر مسلمان اپنی فیصد کے برابر بھی فوج اور اس جیسے دیگر اداروں میں اپنی سیٹیں سنبھال لیں تو کسی حکومت کو بھی یہ جرأت نہیں ہوگی کہ ان کے ساتھ ناانصافی کرے، قوت حاصل کرنا اور ہلاکت سے بچنا تو خدائی حکم ہے:

"**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة**" (انفال: ۶۰) (اور ان سے لڑائی کے واسطے جتنی قوت بھی جمع کرسکو اتنی قوت جمع کرو)۔

"**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**" (بقرہ: ۱۹۵) (اور اپنی جان کو ہلاکت میں مت

ڈالو)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی موجودگی کے بہت سارے فوائد ہیں، بعض فوائد ظاہری ہیں، بعض دوررس نتائج والے ایسے باطنی فوائد ہیں جن کا ذکر ہم برسر عام نہیں کرسکتے، مگر وہ لوگ ان فوائد کو بخوبی سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کے مسائل سے واقف ہیں۔

فوج کی ملازمت نہ کرنے کے نقصانات:

۱-اگر فوج میں مسلمانوں کی نمائندگی نہ ہو اور مسلمان فوج میں ملازمت کا اپنا ساڑھے تیرہ فیصد حق چھوڑدیں تو مندرجہ ذیل نقصانات ہیں:

۱-چودہ لاکھ بیس ہزار مسلمان، قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ کی سہولت سے دور ہوگئے۔

۲-وطن کی خاطر قربانی دینے سے مسلمانوں کی جو نیک نامی ہوسکتی تھی اس سے مسلمان محروم ہوگئے۔

۳-دعوت الی اللہ یا تقریب الی الاسلام والمسلمین والاعمال الصالحہ کا دائرہ تنگ ہوتا چلا گیا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ مجموعی طور سے فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لئے مفید ہے، اور یہ دعوت الی اللہ کا ایک اہم میدان ہے، اس لئے فوج میں ملازمت نہ صرف جائز ہے، بلکہ باکردار، بااخلاق اور دین دار مسلمانوں کا فوج میں شامل ہونا مستحسن ہے، تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر غیر مسلم فوجیوں کے سامنے پیش کرسکیں، البتہ ان پر ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان بے قصوروں پر گولی چلانے سے پرہیز کریں، بڑی حکمت کے ساتھ اپنے دین اور اپنی ملت کے مفاد کے لئے کام کریں۔

ب-پولیس کی ملازمت:

پولیس کی ملازمت میں بھی مسلمان کئی غلط اور ناجائز کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، مگر ان ناجائز کاموں میں سے دو اہم ہیں:

۱-اعلیٰ افسر کے حکم سے مظلوموں پر گولیاں چلانا۔

۲-مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذاء رسانی کا ارتکاب کرنا،مظلوموں پر گولیاں چلانا،انہیں زخمی کرنا یا مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے،اور یہ حرام ہے۔

دلائل:

''**من قتل نفسا**'' (مائدہ:۳۲)۔

''**السمع والطاعة**'' (البخاری،رقم الحدیث ۵۴۔۵۳ تفصیل کے لئے دیکھئے:ص ۸-۷)۔

مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا بھی جائز نہیں ہے اور ایذا رسانی کا ارتکاب ظلم ہے،شریعت میں جرم کا ثبوت کن چیزوں سے ہوتا ہے،ان کے متعلق ''الفقہ الاسلامی وأدلتہ'' میں علامہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

''**ويلاحظ أن العلماء إتفقوا على جواز إثبات جرائم القصاص في القتل والجرح العمد بالإقرار أو شهادة رجلين وعدد الشهود إثنان إلا في الزنا، فلا بد فيه من أربعة شهود لقوله تعالى: لولا جاء واعليه بأربعة شهداء،** (النور) **واختلفوا في جواز اثبات الجرائم بالقرائن والنكول عن اليمين والقسامة**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ،ص ۵۸۰۶-۵۷۹۷)۔

اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جان بوجھ کر زخمی کرنے اور قتل جیسے قصاص کے جرائم میں جرم کا ثبوت اقرار سے ہوگا یا دو مردوں کی گواہی سے ہوگا۔

جرائم کے ثبوت میں دو گواہ ضروری ہیں،مگر زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:'' کیوں نہ لائے اس بات پر چار شاہد'' (النور:۱۳)۔

قرائن کے نکول عن الیمین اور قسامت کے ذریعہ جرم کے ثبوت پر علماء کا اختلاف ہے۔

پولیس کی ملازمت کے فوائد ونقصانات:

پولیس کی ملازمت کے فوائد ونقصانات تقریباً وہی ہیں جو فوج کی ملازمت کے ہیں اور جنہیں میں گذشتہ صفحات میں بیان کر چکا ہوں۔

پولیس کی ملازمت کا حکم:

اس ملازمت میں اگر چہ بعض نا جائز کام کرنے پڑتے ہیں، مگر مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کا تقاضہ یہی ہے کہ مسلمان اس اہم شعبے سے دور نہ رہیں، جہاں اس میں وسیع روزگار کے مواقع ہیں وہیں اس شعبے میں مسلمانوں کی موجودگی مسلمانوں کو تحفظ کا احساس دلاتی ہے، مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر اس شعبہ کی ملازمت بھی جائز ہے۔

ج- شعبہ مخبری اور انٹلیجنس کی ملازمت:

انٹلی جنس کی ملازمت میں بھی کئی نا جائز کام کرنے پڑتے ہیں، ان نا جائز کاموں میں دو اہم ہیں:

۱- غیبت، ۲- تجسس۔

غیبت اور تجسس کے بارے میں ارشاد باری ہے: "**ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتا فكرهتموه**" (حجرات: ۱۲) (اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو کیا تمہیں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند ہے؟ ظاہر ہے مردہ بھائی کا گوشت کھانا تمہیں پسند نہیں ہوگا)۔

بعض حالات میں غیبت کی اجازت ہے۔

"**أمور تباح فيها الغيبة-الأصل في الغيبة التحريم للأدلة الثابتة في ذلک ومع هذا فقد ذكر النووي وغيره من العلماء أمور ستة تباح فيها الغيبة لما فيه من المصلحة**"۔

"**ومن هذه الأمور الستة**"

"الإستعانة علی تغییر المنکر"

"تحذیر المسلمین من الشر" (موسوعہ فقہیہ ۲۱/ ۳۳۵، کویت ۱۴۲۵ھ)۔

کن چیزوں میں غیبت جائز ہے۔

اصل یہ ہے کہ ثابت دلائل کی وجہ سے غیبت حرام ہے، مگر علامہ نووی اور دیگر علماء نے چھ صورتوں میں مصلحت کی وجہ سے غیبت کو جائز کہا ہے، اور ان چھ صورتوں میں مندرجہ ذیل دو صورتیں بھی ہیں:

۱-منکر کو بدلنے کے لئے غیبت کرنا، ۲-مسلمانوں کو شر سے بچانے کے لئے غیبت کرنا۔

تجسس:

تجسس ایک بہت ہی مذموم فعل ہے، اور اولیاء امور کو خاص طور سے اس سے منع کیا گیا ہے۔

"ویتاکدذلک فی حق ولی الأمر بورود نصوص خاصة، تنهی أولیاء الأمور عن تتبع عورات الناس، منها مارواه معاویة أن رسول الله ﷺ قال له: إنک إن اتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم" فقال أبوالدرداء كلمة سمعها معاویة من رسول الله ﷺ نفعه الله بها، وعن أبی أمامة مرفوعا إلی النبی ﷺ إن الأمیر إذا ابتغی الریبة فی الناس أفسدهم"

(أخرجہ ابوداؤد ۵/ ۱۹۹ طبع عزت عبید دعاس، وإسنادہ صحیح، عون المعبود ۴/ ۴۲۳ دارالکتاب العربی، موسوعہ فقہیہ ۱۰/ ۱۶۷-۱۶۶ کویت)۔

ان خاص نصوص کی وجہ سے جن میں اولیاء امور کو لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے، اولیائے امور کے لئے یہ بات زیادہ ثابت ہوتی ہے کہ وہ تجسس نہ کریں۔

ان روایات میں ایک روایت وہ ہے جسے حضرت معاویہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگوں کے عیوب کے ٹوہ میں لگو گے تو تم انہیں بگاڑ دو گے یا بگاڑ کے قریب کر دو گے۔

حضرت ابوالدرداءؓ نے (اس حدیث اور حضرت معاویہ کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے) فرمایا: یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے معاویہؓ نے رسول اکرم علیہ وسلم سے سنا جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے ان کو نفع پہنچایا۔

اور حضرت ابوامامہؓ سے مرفوعا مروی ہے کہ رسول اکرم علیہ وسلم نے فرمایا: ''امیر جب عوام میں شک تلاش کرتا ہے تو انہیں بگاڑ ڈالتا ہے''۔

یعنی امیر کو ہمیشہ اپنے عوام سے خیر کی امید کرنی چاہئے اور ان کا ذکر اچھے الفاظ سے کرنا چاہئے، تا کہ عوام اس سے خوش رہے اور ہمت وحوصلہ کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن رہے۔

تجسس کے جواز کی صورتیں:

''ولکن للحاکم أن یتجسس علی رعیته إذا کان فی ترک التجسس انتهاک حرمة یفوت استدراکها، مثل أن یخبره من یثق بصدقه أن رجلا خلابرجل لیقتله أو إمرأة لیزنی بها، فیجوز له فی هذ الحال أن یتجسس ویقدم علی الکشف والبحث حذرا من فوات مالایستدرک من انتهاک المحارم وارتکاب المحظورات''(موسوعہ فقہیہ ۱۰/۱۶۷ کویت ۱۴۲۵ھ)۔

(لیکن حاکم کے لئے اپنے رعیت کا تجسس جائز ہے، جب وہ یہ محسوس کرے کہ تجسس نہ کرنے میں کسی ایسی حرمت کی پامالی ہوگی جس کی تلافی ممکن نہیں، جیسے اس کے کسی قابل اعتماد شخص نے اسے یہ خبر دی کہ فلاں آدمی فلاں کو قتل کرنے کے لئے تنہائی میں لے گیا ہے یا زنا کرنے کے لئے کسی عورت کو تنہائی میں لے گیا ہے، تو اس حال میں حاکم کو جائز ہے کہ وہ تجسس کرے، اور انکوائری اور تحقیق کرے، تا کہ ان محارم کی پامالی سے بچا جائے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے، اور ناجائز کاموں کے ارتکاب سے بچا جائے)۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ بات کھل کر واضح ہوتی ہے کہ منکرات اور فساد سے بچنے کے لئے غیبت وتجسس کا ارتکاب جائز ہے، انٹلی جنس کے لوگ بھی اپنے ملک کے امن وامان اور سلامتی کی غرض سے ہی غیبت وتجسس کا ارتکاب کرتے ہیں، تجربے سے یہ بات ثابت ہے کہ جس ملک کی انٹلی جنس جس قدر مضبوط ہوتی ہے وہ ملک اسی قدر اپنے پروگراموں میں کامیاب ہوتا ہے، امریکہ اور اسرائیل کی انٹلی جنس اس کی مشہور مثالیں ہیں۔

شعبہ مخبری میں ملازمت کے فوائد ونقصانات:

اس شعبہ میں ملازمت کے فوائد ونقصانات تقریباً وہی ہیں جو فوج کی ملازمت کے ہیں، بلکہ اس شعبہ کی ملازمت مسلمانوں کے لئے دوسرے تمام سرکاری اداروں سے زیادہ مفید ہے، اور دوررس نتائج کا حامل ہے، اس طرح اس شعبہ سے دوری مسلمانوں کے لئے تمام سرکاری اداروں کی دوری سے زیادہ نقصان دہ ہے، کسی کو جمہوریت نواز کی سرٹیفکیٹ دینا اور کسی کو اسلامی دہشت گرد کی سرٹیفکیٹ دینا، اس طرح کے تمام کام شعبہ مخبری ہی کرتی ہے، شعبہ مخبری میں مسلمانوں اور اسلام پسندوں کا جس قدر عمل دخل ہوگا اسی قدر مسلمانوں کو راحت پہنچے گی۔

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں مسلمانوں کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر اس شعبہ میں ملازمت جائز ہے۔

عدلیہ کی ملازمت:

ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم ہیں، اس کے باوجود ہم اسی ملک میں رہنے پر مجبور ہیں، یہ دور جمہوریت کا ہے اور یہاں فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں، ہم اپنی طاقت کا صحیح استعمال کریں تو کسی نہ کسی حد تک حکومت کے تمام فیصلوں پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔

عدالتوں سے دور رہ کر ہم ان لوگوں کو مزید مواقع فراہم کریں گے جو اسلام دشمن ہیں، اور جو ہندوستان کے دستور کی تشریح اپنے متعصبانہ، مشرکانہ اور ملحدانہ افکار وخیالات کے تناظر میں

کرنا چاہتے ہیں اور ان میں سے بعض کر رہے ہیں، بابری مسجد کے متعلق ہائی کورٹ کے فیصلے سے انصاف پسند اور مسلم دیندار ججوں کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جارہا ہے، بے شک ہمیں نام کے صبغۃ اللہ خاں سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ ہمیں حقیقی صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا) کی ضرورت ہے، بابری مسجد کا فیصلہ کرنے والے جج ہمارے یہ صبغۃ اللہ خاں بھی کم از کم اپنی ایک تہائی کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں اور اپنے ساتھ ایک غیر مسلم جج کو ملا کر بابری مسجد کی کل آراضی کا ایک تہائی حصہ مسلمانوں کو دینے کا فیصلہ کیا ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ انہیں یہ فیصلے کرنے میں کیا دقتیں پیش آئیں، مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اسلام کا صحیح مطالعہ کیا ہوتا، انصاف کے اصولوں کو ذہن میں مستحضر رکھا ہوتا تو ان کا فیصلہ سب سے الگ ہوتا، ان کے انصاف پر مبنی فیصلے سے نہ صرف ہندوستانی جمہوریت کی شان رہ جاتی، بلکہ وہ اربوں انصاف پسند لوگوں اور مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتے، ان کی دنیا میں بھی نیک نامی ہوتی اور عقبی بھی سنور جاتی۔

عدلیہ کی ملازمت کا حکم:

مسلمانوں کے وسیع تر مفاد اور بہت سارے نقصانات سے بچنے کی تدبیر کے طور پر عدلیہ کی ملازمت جائز ہے، بلکہ اس شعبے میں حقیقی مسلمانوں کا جانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ عدالتوں کا ایک ایک فیصلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور اس کے بڑے دور رس نتائج ہوتے ہیں، اور بقول ایک سابق وزیر ججوں کی اکثریت رشوت خور ہے، ایسے حالات میں دیندار مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ان احکام خداوندی پر عمل کریں۔

”وأقسطوا إن الله يحب المقسطين“ (حجرات:۹) (اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں)۔

”يا ايها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط“ (المائدہ:۸) (اے ایمان والو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہوجایا کرو)۔

انکم ٹیکس کی ملازمت:

شعبہ انکم ٹیکس میں تین اہم خرابیاں ہیں:

۱-انکم ٹیکس کی شرحیں بہت زیادہ اور ظالمانہ ہیں، ۲-انکم ٹیکس کو ٹھیک طور پر عوامی فلاح پر استعمال نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور انہیں دی گئی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کردیا جاتا ہے، ۳-انکم ٹیکس کے حصول کے لئے نجی معاملات اور دولت کے سلسلے میں تجسس کیا جاتا ہے۔

گویا اس ملازمت میں ظلم اور تجسس دو بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

انکم ٹیکس کی ملازمت کا حکم:

مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر اس شعبہ کی ملازمت بھی مسلمانوں کے لئے جائز ہے، مگر اس کے ساتھ مسلمانوں پر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے علم وفن اور اثر ورسوخ کا استعمال کرکے انکم ٹیکس کی شرحوں کو کم سے کم کرانے کی کوشش کریں، اور انکم ٹیکس کے صحیح استعمال کی طرف بھی حکام کو متوجہ کرتے رہیں۔

۲-الف: بینک اصل میں سودی لین دین کا بنیادی طور پر کاروبار کرنے کا نام ہے، اور سود اسلام میں حرام ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

”أحل الله البيع وحرم الربوا“ (بقرہ:۲۷۵)۔

”يا ايها الذين آمنوا اتقوالله وذروامابقي من الربوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله“(بقرہ:۷۹-۲۷۸)۔

جو لوگ بھی بینک کی ملازمت کرتے ہیں وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ ایک حرام کام، یعنی سودی کاروبار کا تعاون کرتے ہیں، سودی کاروبار کا بلاواسطہ تعاون کرنے والے وہ لوگ ہیں جو سودی حسابات لکھتے ہیں اور بینک میں منیجروں اور کلرکوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔

اور سودی کاروبار کا بالواسطہ تعاون وہ لوگ کرتے ہیں جو بینک کے کمپیوٹروں اور ایئر کنڈیشن وغیرہ کی مرمت کرتے ہیں، بینک کی حفاظت کرتے ہیں یا جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر کرتے ہیں، یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (مائدہ:۲)۔

بینک کے کمپیوٹروں کی مرمت، بینک کے ایئر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے ہوئے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، یہ تمام صورتیں سودی معاملات کے تعاون میں شمار کی جائیں گی اور اس نوعیت کی کوئی بھی ملازمت یا تعاون جائز نہیں ہوگا۔

ب-انشورنس کی وہ صورتیں جو ربا اور قمار پر مبنی ہیں وہ حرام ہیں، اور ان میں ملازمت بھی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ ''تعاون علی الاثم والعدوان'' ہے۔

البتہ وہ صورتیں جن میں ربا اور قمار نہیں ہے، اور کسی کمپنی کی یہ صورتیں بالکل مستقل ہیں، یعنی ربا اور قمار سے خالی انشورنس کی صورتوں کے ملازموں کا ربا اور قمار والی صورتوں سے کوئی تعلق نہ ہو تو انشورنس کی ان جائز صورتوں میں ملازمت جائز ہوگی، اس لئے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے، ''الأصل في الأشياء الإباحة" (الاشباہ والنظائر ص ۶۶، دار الکتب العربیہ بیروت لبنان طبع ۱۴۰۰ھ)۔

ج-شراب فی نفسہ حرام ہے، اور اس کی حرمت نص قطعی قرآن سے ثابت ہے، اللہ تبارک تعالی نے شراب کو ناپاک کہہ کر اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے شراب سے مکمل اجتناب ضروری ہے، لہذا شراب کی کمپنی کی کوئی بھی ملازمت جائز نہیں ہوگی، شراب کی خرید وفروخت کا حرام ہونا تو اظہر من الشمس ہے، شراب کی بوتلیں بنانا، شراب کی حرام تجارت کا حساب کتاب لکھنا، یا شراب کی کمپنی کی وہ چیزیں بیچنا جن سے شراب بنتی ہو، یہ سب صورتیں تعاون علی الاثم میں شامل ہیں، شراب کی تیاری میں کسی طرح کا بھی تعاون صرف ایک حرام کام

میں تعاون نہیں، بلکہ شراب کے نشے میں وقوع پذیر ہونے والے بہت سارے حرام کاموں اور اسراف جیسے ایک بہت بڑے حرام فعل میں بھی تعاون ہے۔

۳-الف-شراب کے گوشے والی سپر مارکیٹ کی ملازمت:

ایسے سپر مارکیٹ جس میں شراب کی دکان یا گوشہ بالکل الگ ہو اور اس کا حساب کتاب بھی بالکل الگ تھلگ ہو، شراب کی اس دکان یا گوشے کا سپر مارکیٹ کی دوسری دکانوں یا گوشوں سے کوئی تعلق نہ ہو تو ایسے سپر مارکیٹ کے ان دکانوں یا گوشوں میں ملازمت جائز ہے جہاں حلال چیزیں بیچی جاتی ہوں۔ اس لئے سپر مارکیٹ کے متعدد اور مختلف گوشے حکومت کے متعدد اور مختلف شعبوں کی طرح ہیں، جس طرح حکومت کے وہ شعبے جو فی نفسہ جائز کاموں اور لوگوں کی خدمت کے لئے ہیں ان میں ملازمت جائز ہے، اسی طرح سپر مارکیٹ کے ان گوشوں میں بھی ملازمت جائز ہے جو جائز کاموں اور لوگوں کی خدمت کے لئے ہیں، اور ان گوشوں کا حرام گوشوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، آج کل سپر مارکیٹوں کا چلن ساری دنیا میں بڑھ رہا ہے ایک ایک سپر مارکیٹ میں سینکڑوں دکانیں ہوتی ہیں، اگر ہم علی الاطلاق یہ کہیں کہ جس سپر مارکیٹ میں بھی شراب کا گوشہ ہو اس میں ملازمت جائز نہیں تو اس سے حرج عظیم واقع ہوگا۔

اور اگر سپر مارکیٹ ایسی ہے جس میں شراب کے گوشے اور دیگر حلال گوشوں کا حساب کتاب ایک ہی ہو یا حلال گوشے کے ملازمین کو شراب کے گوشے یا دیگر حرام گوشے میں بھی کام کرنا پڑتا ہو تو ایسے سپر مارکیٹ کی ملازمت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے۔

ب-اس سوال کا جواب پردے اور خلوت کے طویل بحث سے متعلق ہے، مختصراً عرض یہ ہے کہ اگر وہ مرد ہے تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مخلوط درسگاہ یا لڑکیوں کے درسگاہ میں پڑھانا جائز ہے۔

۱-وہ بغیر ضرورت کے عورتوں اور لڑکیوں کو نہ دیکھے، ۲-عورتوں اور لڑکیوں کو شہوت

کی نظر سے ہرگز نہ دیکھے، اگر کبھی دل میں کوئی برا خیال آئے تو یہ فرض کرے کہ یہ سب میری بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ ۳-خلوت میں ملاقات سے بالکلیہ اجتناب کرے، ۴-بقدر استطاعت ان کو پردے کی اہمیت بتائے، اور کم از کم پردے کے تیسرے درجے پر عمل کی ترغیب دے، یعنی چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارے بدن کو ڈھانکنے کی ترغیب دے۔

خواتین اساتذہ کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مخلوط درسگاہ یا لڑکوں کے درسگاہ میں پڑھانا جائز ہے۔

۱-خود خاتون استاذ مکمل شرعی پردے میں ہو، لباس دبیز اور مکمل ساتر ہو، لباس اس قدر بھڑکیلا نہ ہو کہ مردوں کے لئے کشش کا باعث بنے، خوشبو کے استعمال سے اجتناب ہو، پایل یا چھلوں کے پہننے سے بچیں، جن لڑکوں اور مردوں کو وہ پڑھارہی ہیں ان کو بلا ضرورت اور شہوت کی نظر سے نہ دیکھیں، ان کو اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے برابر سمجھیں، ان کے سامنے ناز و انداز نہ دکھائیں، ادارے کا ماحول ایسا ہو جس میں عزت کو خطرہ نہ ہو۔

ج-وکالت کے پیشے کا حکم:

وکالت کا پیشہ فی نفسہ جائز ہے اور یہ بڑا آزاد پیشہ ہے، اگر انسان ایماندار اور دولت کا حریص نہ ہو تو اس پیشے کے ذریعہ مظلوموں کی خدمت کر کے اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے، چونکہ اسلام عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے، ایمانداری اور دیانتداری کی تعلیم دیتا ہے، اس لئے حقیقی مسلمانوں کے اس پیشے میں آنے سے اس پیشے میں موجود جھوٹ کے دبدبے کا انشاء اللہ خاتمہ ہو جائے گا، اور سچ کا بول بالا ہوگا۔

د-کرپٹ ہاسپیٹل کی ملازمت:

ڈاکٹروں کے لئے تو ایسے اسپتالوں میں ملازمت کرنا تو کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہے اور ڈاکٹروں کی کوئی مجبوری بھی نہیں ہے، وہ جہاں بھی بیٹھ جائیں ان کی دکان چلتی رہے گی، بلکہ ڈاکٹروں پر لازم ہے کہ وہ ایسے اسپتالوں

کے خلاف آواز اٹھائیں اور ایسے اسپتالوں کا مکمل بائیکاٹ کریں، البتہ دیگر ملازمین کے لئے بدرجہ مجبوری ایسے اسپتالوں کی ملازمت جائز ہوگی، مگران پر بھی لازم ہے کہ وہ حتی الامکان ناجائز کاموں میں شرکت سے پرہیز کریں۔

ھ-حرام کام کرنے والے ہوٹلوں کی ملازمت:

جن ہوٹلوں میں شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ ہوں، ایسے ہوٹلوں کی تین قسمیں بنائی جاسکتی ہیں۔

۱-وہ ہوٹل جس کا بنیادی مقصد قیام وطعام کی سہولت فراہم کرنا ہو، شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام اور دیگر غیر اسلامی اعمال اس ہوٹل کے بنیادی مقاصد میں شامل نہ ہوں، نیز شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کے انتظام اور دیگر غیر اسلامی اعمال سے ہونے والی آمدنی کا حساب کتاب بھی الگ ہو اور اس طرح کے حرام کاموں کی تجارت ہوٹل کی اکثری تجارت نہ ہو، تو ایسے ہوٹلوں کے جائز کاموں کے شعبوں میں ملازمت جائز ہے، اس لئے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے، اور جس چیز کا حساب کتاب الگ ہو وہ ایک الگ شعبے کے مانند ہے، اور جس طرح غیر اسلامی حکومت کے جائز شعبوں میں ملازمت جائز ہے اسی طرح ایک ہوٹل کو ایک حکومت کی مانند مان کر اس کو حلال وحرام دو شعبوں میں تقسیم کردیا جائے، اور حلال شعبے میں کام کرنا جائز قرار دیا جائے اور حرام شعبے میں کام کرنا حرام قرار دیا جائے، تاکہ تعاون علی الاثم والعدوان سے بچا بھی جاسکے اور روزگار کے ذرائع بہت زیادہ محدود بھی نہ ہوں۔

۲-وہ ہوٹل جس کا بنیادی مقصد بظاہر قیام وطعام کی سہولت فراہم کرنا ہو، مگر شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام یا دیگر ناجائز اعمال ہی اس ہوٹل کی اکثری تجارت کے ذرائع ہوں، یا حلال کاموں اور حرام کاموں کی تجارت کا الگ الگ حساب کتاب نہ ہو، تو ایسے ہوٹلوں کی ملازمت جائز نہیں ہے، اور اس کے ناجائز ہونے کی دو وجہیں ہیں:

ہوٹل کی اکثری تجارت حرام ہے۔

حرام وحلال کاموں کے حسابات ایک ہونے سے حلال کمائی اورحرام کمائی میں تمیز مشکل ہوگیا ہے۔اور فقہ کا قاعدہ ہے:"**إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام علی الحلال**" (الأشباہ والنظائر/۹ دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ)۔

۳-وہ ہوٹل جس کا بنیادی مقصد قیام وطعام کی سہولت فراہم کرنا ہو، اور شراب کی فراہمی، خنزیر اورحرام غذا کا انتظام یا دیگر ناجائز اعمال اس ہوٹل کی اکثری تجارت نہ ہو، مگر جائز اعمال اور ناجائز اعمال کا حساب کتاب الگ الگ نہ ہوتو ایسے ہوٹل میں بھی ملازمت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ "جب حلال وحرام جمع ہوجائیں توحرام حلال پر غالب آجاتا ہے" (الأشباہ والنظائر/۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہوٹل میں شراب کی فراہمی یا دیگر حرام کاموں کی ملازمت توکسی حال میں جائز نہیں ہوگی، البتہ ہوٹل کے جائز کاموں کی ملازمت مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہوگی:

۱-حرام کاموں کا حساب کتاب الگ ہو، جائز کام کرنے والوں کاحرام کاموں سے کوئی تعلق نہ ہو۔

۲-اس ہوٹل کی اکثری تجارت حرام کاموں کے ذریعہ نہ ہو۔

۳-اس ہوٹل کا بنیادی مقصد حرام کاموں کی تجارت نہ ہو۔

☆☆☆

حکومت کے مختلف اداروں میں ملازمت کا شرعی حکم

مولانا سلمان پالنپوری قاسمی ☆

ملازمت کی بعض صورتوں کا ذکر:

۱-ایسے کام کی ملازمت جو فی نفسہ جائز ہو، مگر اس کی وجہ سے گناہ کے کام کے لئے سبب یا اس میں تعاون کرنا لازم آتا ہو، ناجائز ہے، البتہ اجرت اور تنخواہ حرام نہیں۔

۲-ایسے کام کی ملازمت جو فی نفسہ جائز ہو، مگر اس کی انجام دہی کے لئے ماحول کی خرابی یا اس شعبہ کی بدنظمی کی وجہ سے مرتکب معصیت ہونا پڑتا ہے، ناجائز ہے، یہ ملازمت صرف اس شخص کے لئے جائز ہے جو معصیت کے ارتکاب کے بغیر کار مفوضۃ کو انجام دے سکتا ہو، البتہ اجرت اور تنخواہ بہر صورت حلال ہے، کیونکہ یہ جائز کام کا اجارہ ہے، معصیت کی نہیں۔

۳-معصیت اور گناہ کے کام کی ملازمت اور اجرت ناجائز اور حرام ہے۔

ملازمت شرعی احکام کے دائرہ میں رہ کر کرنی چاہئے، ملازمت کی وجہ سے عام حالات میں دین کے کسی معمولی سے معمولی حکم یا تقاضے کو بھی قربان کرنا جائز نہیں ہے، البتہ خصوصی حالات اور مجبوری کے احکام جداگانہ ہیں، جس درجہ کی مجبوری ہوتی ہے اس درجہ کی اس کے لئے احکام میں سہولت بھی ہوتی ہے، حتی کہ جان بچانے کے لئے مردار کھانے اور دفع ضرر کے لئے غیبت کی بھی اجازت ہوتی ہے، سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک صاحب سے سوال کیا کہ علم کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ شر کے مقابلہ میں خیر کو جاننا "**معرفة الخير من الشر**"، حضرت

☆ مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ ماہی، شمالی گجرات۔

عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی، کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ایک طرف شر اور دوسری طرف خیر ہو تو خیر کا انتخاب کیا جائے گا، اور شر کو چھوڑ دیا جائے گا، پھر فرمایا کہ علم نام ہے دو شر میں سے ایسی چیز کے جاننے کا جو نسبتاً بہتر ہو، "**معرفة خير الشرين**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۸۹)، یہ نہایت اہم بات ہے، جو کتاب وسنت کے مختلف احکام سے ثابت ہیں۔

زیر بحث ملازمتوں میں سے بعض ملازمتیں ایسی ہیں کہ جن کو اختیار کرنا اور اختیار کرنے سے پہلو تہی برتنا، دونوں ہی صورتیں شر اور ضرر سے خالی نہیں، ایسے موقع پر فقہ کا مشہور ضابطہ اور اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بڑے شر اور ضرر سے بچنے کے لئے کمتر درجہ کے شر اور ضرر (خیر الشرین) کو گوارا کیا جائے، چنانچہ فقہاء نے اس طرح کے اصول وقواعد کو مختلف الفاظ اور تعبیرات میں بیان کیا ہے۔

"**إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما**" (سابق حوالہ) (جب دو برائیاں درپیش ہوں تو کمتر برائی کو گوارا کر کے بڑی برائی کو روکا جائے گا)۔

"**لو كان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فإن الأشد يزال بالأخف**" (سابق حوالہ ۱/۹۰) (اگر دو ضرر درپیش ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑا ہو تو کمتر ضرر کو گوارا کر کے بڑے ضرر سے بچا جائے گا)۔

"**من ابتلي ببليتين وهما متساويان، يأخذ بأيتهما شاء، وإن اختلفتايختار أهونهما**" (حوالہ سابق) (کوئی شخص دو نقصانوں میں مبتلا ہو، اور دونوں نقصان مساوی ہوں، تو جس نقصان کو گوارا کرنا چاہے کر سکتا ہے اور اگر دونوں نقصان باہم متفاوت ہوں تو کمتر درجہ کے نقصان کو اختیار کر کے بڑے نقصان سے بچے گا)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ کفار مسلمانوں سے جنگ کی صورت میں مسلم قیدیوں یا بچوں کو ہی ڈھال بنائیں، اور ان ہی کو آگے رکھیں، پھر اسلامی لشکر تیر چلاتے وقت مسلمان قیدیوں یا بچوں کو نشانہ بنانے کی نیت نہ کرے، بلکہ کافروں کو نشانہ بنانے کی نیت کرے، تو تیر چلانا درست ہوگا

ورنہ حرام ہوگا، گو اس ضمن میں مسلمان قیدی یا بچے مارے جائیں گے، کیونکہ بعض مسلم قیدی یا بچے کا قتل ہونا اسلامی ملک کے مصالح کے مقابلے میں اخف اور کمتر ضرر ہے جو گوارا کیا جائے گا (الاشباہ والحموی ۱/ ۱۰۷-۲۵۶)۔

اسی طرح شرعی قباحتوں کے باوجود دفع ضرر یا تقلیل ضرر کی نیت سے وہ سرکاری ملازمتیں اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی جن سے کنارہ کش ہونے کی صورت میں بڑے ضرر کا قوی اندیشہ ہو۔

مذکورہ بالا تمہیدی اصولی باتوں کے بعد جوابات پیش خدمت ہیں:

۱۔ بعض وہ ملازمتیں جن کا تعلق حکومت سے ہوتا ہے، لیکن اندیشہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض دفعہ خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔

الف، ب: فوج اور شعبہ پولیس میں ملازمت:

حکومت کا ایک اہم شعبہ فوج ہے جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن و امان کو قائم رکھنا ہے، اور دوسرا شعبہ پولیس کا ہے جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن و امان کو قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم و مظلوم کی تحقیق کے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص بھی ہوسکتا ہے اور پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے جو عام حالات میں شرعا درست نہیں، البتہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ فوج اور شعبہ پولیس میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے ضروری اور مسلمانوں کے مفاد میں ہے، بہت سی دفعہ اس کی وجہ سے مسلمان فوج اور پولیس کے ظلم و زیادتی سے بچ سکتے ہیں، اگر فوج اور پولیس میں مسلمان نہ ہوں تو اس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان اور کئی جانوں کا ضیاع اور انصاف سے محرومی کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے جیسا کہ ماضی کے حالات و فسادات شاہد ہیں، اس لئے فوج اور شعبہ پولیس میں

ملازمت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ فقہ کا مشہور ضابطہ ہے: "**اذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتکاب اخفهما**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/۸۹) (اگر دو مفاسد سامنے ہوں اور دونوں سے بچنا ممکن نہ ہو تو پھر کمتر درجہ کے مفسدہ کو گوارا کیا جاسکتا ہے)۔

چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: اس وقت مسلمانوں کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ایسی حکومتیں (اور عہدے) قبول کرلیا کرے اور یہ اس قاعدے میں داخل ہے کہ اشد المفسدتین کو دفع کرنے کے لئے اخف المفسدتین (یعنی بڑے مفسدہ اور نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹے مفسدہ اور چھوٹے نقصان کو) اختیار کرلیا جاتا ہے اور ہے تو یہ بھی برا (اور غلط) لیکن دوسرے مفسدہ کی بہ نسبت پھر بھی اخف (ہلکا) ہے اور وہ بڑا مفسدہ یہ ہے کہ ہماری قوم (مسلمان) بالکلیہ دوسروں سے مغلوب نہ ہوجائے، کیونکہ اگر ہم بھی حاکم ہوں گے، تو ہم پر ظلم کم ہوگا، پس اس نیت سے اگر عہدہ لے لے (تو اس میں بڑی) مصلحت ہے (حسن العزیز ۳/۱۵۸) (الغرض اس قسم کے عہدوں کو) اگر مضرت کو دفع کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے تاکہ امت مسلمہ پر کفار کی طرف سے جو مظالم اور مضرتیں پہنچتی ہیں اہل مناصب بقدر امکان اگر ان کو دفع نہ کرسکیں تو کم از کم تقلیل وتخفیف کرسکیں گی تو اس صورت میں جواز کی گنجائش ہے (صاحب الکلام، بوادر النوادر ص ۷۹۸، اسلامی حکومت و دستور مملکت حضرت تھانوی ص ۲۳۸)۔

مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اگر آپ ملازمت کے بہت اونچے اور ایسے کلیدی عہدے پر فائز ہیں کہ آپ کے ذریعہ سے عام مسلمانوں کے جان ومال کا تحفظ رہتا ہے یا ان کو قانونی نفع وحق ملتا رہتا ہے اور عام طبقہ ظلم وتعدی سے محفوظ رہتا ہے تو اس حالت میں آپ کے لئے ملازمت چھوڑ دینے کا حکم شرعا نہ ہوگا، بلکہ احتیاط برتتے ہوئے قوم مسلم کے جائز مفادات کی خاطر ملازمت باقی رکھئے بشرطیکہ آپ میں واقعی حمایت مسلم کا جذبہ موجود ہو" (فتاوی نظامیہ ص ۴۱۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فوج اور شعبہ پولیس میں دو شرطوں کے ساتھ ملازمت اختیار

کرنے کی گنجائش ہے۔

فوج اور شعبہ پولیس میں ملازمت اختیا نہ کرنے کی صورت میں ضرر شدید لاحق ہونے کا خطرہ ہو۔

دفع ضرر یا تقلیل ضرر کی نیت سے ملازمت اختیار کی جائے ،لیکن ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو خلاف شرع عمل کے ارتکاب سے بچنے کی کوشش کرے اور استغفار کرتا رہے۔

ج-شعبہ مخبری میں ملازمت:

حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس ہے جس میں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، حالانکہ قرآن کریم میں دونوں کی حرمت مصرح ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ''**ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا**'' (حجرات)۔

تجسس کی ممانعت کا یہ حکم صرف افراد ہی کے لئے نہیں بلکہ حکومت کے لئے بھی ہے، شریعت نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ حکومت کے سپرد کیا ہے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک نظام قائم کرکے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے، بلکہ اسے صرف ان برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہئے جو ظاہر ہو جائیں، رہی مخفی خرابیاں تو ان کی اصلاح کا راستہ جاسوسی نہیں ہے، بلکہ تعلیم، وعظ وتلقین، عوام کی اجتماعی تربیت اور ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہے، اس سلسلے میں حضرت عمر کا یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا آپ کو شک گزرا اور دیوار پر چڑھ گئے تو دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی آپ نے پکار کر کہا اے دشمن خدا کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ تعالی کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین جلدی نہ کیجئے، اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں، اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا، اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور آپ دیوار پر چڑھ آئے، اللہ نے

حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لئے بغیر نہ جاؤ، اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے، یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف آپ نے کوئی کاروائی نہ کی، البتہ اس سے وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے (تفسیر انوار القرآن ۱۰/ ۳۹۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ افراد ہی کے لئے نہیں خود اسلامی حکومت کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے راز ٹٹول ٹٹول کر ان کے گناہوں کا پتہ چلائے اور پھر انہیں پکڑے، یہی بات ایک حدیث میں بھی ارشاد ہوئی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**ان الامیر اذا ابتغی فی الناس ریبة أفسدھم**" (ابوداؤد شریف حدیث نمبر ۴۸۸۹) (حکمراں جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگے تو وہ ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے)۔

اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ مخصوص حالات ہیں جن میں تجسس کی فی الحقیقت ضرورت ہو مثلاً کسی شخص یا گروہ کے رویہ میں بگاڑ کی کچھ علامات نمایاں نظر آرہی ہوں اور اس کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ کسی جرم کا ارتکاب کرنے والا ہے تو حکومت اس کے حالات کی تحقیق کرسکتی ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ رقم طراز ہیں:

سوال: خفیہ پولیس کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس نیت سے جائز ہے کہ میں لوگوں کو نقصان سے بچاؤں گا یا اس نیت سے کہ دوسرا جو نقصان پہنچاتا ہے اس سے کم پہنچے گا، یعنی اس کے مقابلہ میں مجھ سے نقصان کم پہنچے گا، دوسروں سے زیادہ پہنچے گا (اسلامی حکومت و دستور مملکت حضرت تھانوی ص ۲۳۸)۔

د- عدالت میں ملازمت:

انصاف کی فراہمی، ظلم و حق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لئے عدلیہ کا نظام قائم ہے اور ہر مہذب معاشرہ کے لئے اس نظام کا وجود ناگزیر ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر مبنی نہیں ہے، بلکہ بہت سے قوانین

شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں، نیز وکلاء میں جھوٹ اور غلط مقدمات کی پیروی ایک عام سی بات ہوگئی ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو بھی منصفانہ نہیں کہا جاسکتا ہے، اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے تو قوی اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی، اور ضرر عظیم لاحق ہوگا، اس لئے اس اہم تر مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے **"يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام"** کے ضابطہ کی بنا پر عدالتوں میں ملازمت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، البتہ دل میں اس غیر اسلامی نظام کی طرف سے ایک چبھن اور اس پر بے اطمینانی رہنی چاہئے اور موجودہ حالات کو ایک مجبوری کے طور پر گوارا کرتے رہنا چاہئے، ہاں وہ برائیاں جن سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے وہ کسی حال میں جائز نہیں، چنانچہ حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جواب: قاعدہ شرعیہ ہے کہ اشد الضررین کے دفع کے لئے اخف الضررین کو گوارا کرلیا جاتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ حصول نفع کے لئے دینی ضرر کو گوارا نہیں کیا جاتا، اس بنا پر اس مسئلہ میں تفصیل ہوگی کہ جو لوگ ان حکومتوں اور عہدوں کو اختیار کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ ان کے قبول نہ کرنے سے خود ان کو یا عامہ اہل اسلام کو کوئی ضرر شدید لاحق ہونا غالب ہے یا نہیں؟ پہلی صورت میں تو (یعنی جبکہ ضرر شدید کا خطرہ ہو) ان حکومتوں کا قبول کرنا جائز ہے اور دوسری صورت میں دیکھنا چاہئے کہ آیا اس شخص کی نیت اس ضرر کے دفع کی ہے یا کوئی مالی یا جاہی نفع حاصل کرنے کی، اول صورت میں جواز کی گنجائش ہے اور دوسری صورت میں ناجائز، پس کل تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں جواز کی گنجائش ہوئی (یعنی جب ضرر شدید لاحق ہونے کا خطرہ بھی ہو اور دفع ضرر کی صورت سے اس کو حاصل کیا جائے) اور اس صورت میں آیت (مذکورہ فی السوال) کا محمل بقیہ دو صورتیں ہوں گی (یعنی جبکہ ضرر شدید کا خطرہ نہ ہو یا ہو تو لیکن دفع ضرر کی نیت سے نہیں، بلکہ محض حصول نفع کی نیت سے حاصل کرے، تو ناجائز ہے) خصوصاً اگر جائز یا مستحسن سمجھے تو کفر ہے، البتہ اگر دو ناجائز صورتوں میں بھی سلطنت کی

طرف سے مجبور کیا جائے او رعذر قبول نہ کیا جائے تو پھر ان میں بھی گنجائش ہے، لیکن ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو خلاف شریعت سے بچنے کی کوشش کرے (امداد الفتاوی ۳/ ۴۳۰، اسلامی حکومت و دستور مملکت/ص ۲۳۶)۔

ھ-شعبہ انکم ٹیکس میں ملازمت:

شریعت نے ٹیکس کو حرام قرار دیا ہے اور ٹیکس وصول کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے، لہذا محکمہ مذکور کی ملازمت عام حالات میں ناجائز ہے، چنانچہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال میں فرماتے ہیں:

جواب: جو قواعد شریعت نے مقرر کئے ہیں، جن کو باب العاشر نے ضبط کیا ہے، چونکہ محکمہ مذکور کے قواعد ان پر منطبق نہیں ہیں اس لئے ما انزل اللہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر مشروع ہوئے اور حسب ارشاد الٰہی "**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" اس کی اعانت بھی معصیت ہوئی، لہذا محکمہ مذکور کی ملازمت ناجائز ہے، مگر جو تنخواہ ملتی ہے وہ اس وجہ سے کہ حاکم غیر مسلم کا استیلاء اموال پر موجب تملیک ہو جاتا ہے اور حاکم غیر مؤمن جو مال برضائے خود کسی مؤمن کو دیں خواہ کسی عنوان سے ہو مباح ہے، اس لئے وہ تنخواہ حلال ہے، غرض من وجہ غیر مشروع اور من وجہ مشروع ہے، پس عامل کو صرف عمل کا گناہ ہوگا اور غیر عامل جو اس تنخواہ سے متنفع ہو مثلاً اس کے اہل وعیال یا مہمان اور احباب ان لوگوں کو کوئی گناہ نہ ہوگا (امداد الفتاوی ۳/ ۳۹۵)۔

البتہ اگر مسلمانوں کے انکم ٹیکس کے شعبہ سے کنارہ کش اور سبکدوش ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں پر ظلم و زیادتی اور ان کے اموال پر ناحق دست درازی کا قوی اندیشہ ہو تو دفع شر یا تقلیل شر کی نیت سے اہون البلیتین اختیار کرنے کے ضابطے کی بنیاد پر اس شعبہ میں ملازمت کی گنجائش ہوگی۔

احکام القرآن للتھانوی میں ہے:

"وحاصل کلامه فیه أن اختیار هذه المناصب المحرمة لجلب المنفعة

لنفسه أو لغيره حرام كما هو حقيقة هذه المناصب الا أنه ان أريد به دفع المضرة عن نفسه وعن المسلمين فيرجى ان لا يلحقه به اثم لكونه اختيارا لأهون البليتين واخف الضررين كما هو معروف في قواعد الأشباه والنظائر"(احکام القرآن للتھانوی ۳/ ۸۳)۔

(اس سلسلے میں ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اپنے یا دوسروں کے فائدہ کے لئے ان نا جائز عہدوں (ملازمتوں) کو قبول کرنا حرام ہے جیسا کہ ان عہدوں کی یہی حقیقت ہے، البتہ اگر ان کے ذریعہ اپنے اور مسلمانوں سے دفع مضرت مقصود ہے تو پھر امید ہے کہ ان کو اختیار کرنا موجب معصیت نہ ہوگا، کیونکہ یہ اھون البلیتین اور اخف الضررین کو اختیار کرنا ہے، جیسا کہ الاشباہ والنظائر کے قواعد میں یہ بات مشہور ہے)۔

۲۔بعض وہ ملازمتیں جن کا سرکاری ہونا ضروری نہیں، لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں:

الف–بینک میں ملازمت:

سود میں خود کو ملوث کرنا ہی گناہ نہیں ہے، بلکہ اس کے کاروبار میں مدد و معاون ہونا بھی معصیت ہے، یوں تو تمام گناہ کے کاموں میں اعانت ناجائز ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**ولا تعاونوا على الاثم والعدوان**"، لیکن خصوصیت سے سود کے متعلق آپ ﷺ کی صراحت موجود ہے، حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ "**لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء**" (صحیح مسلم عن جابر باب الربا ۲/ ۲۷)(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کے کاتب نیز گواہوں سبھی پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ وہ سبھی (گناہ میں) برابر ہیں)۔

یہاں سود کے لکھنے والوں اور گواہوں پر حضور ﷺ کی لعنت سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بینک کی ایسی ملازمت جس میں آدمی کسی ذمہ دارانہ عہدہ پر فائز ہو یا سودی معاملات لکھنے

پڑتے ہوں، جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی حیثیت ربوا کے کاتبین اور گواہوں کی ہوگی اور ان کو حضور علیہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ملعون قرار دیا ہے بلکہ سودخوروں کے مساوی قرار دیا ہے، ہاں ایسی ذمہ داریاں جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہ ہو، بلکہ وہ بینک کے دوسرے کام یا اس کی حفاظت پر ملازم ہو تو یہ ملازمت جائز ہے، البتہ ایسی ملازمت سے بھی احتراز بہتر ہے، مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''بینک کی ایسی ملازمت جو جائز ہو، جائز ہے، اس کی ہر ملازمت ناجائز نہیں'' (منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۱۹۳-۲۲۵، نیز دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۳۵-۱۳۶)۔

بینک کے لئے مکان کرایہ پر دینا:

بینک ایک سودی کاروبار کا مرکز ہے، اس مقصد کے لئے مکان کرایہ پر دینا صاحبینؒ کے قول کے مطابق جائز نہیں۔

کیونکہ یہ معصیت میں ایک طرح کا تعاون ہے، جس کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں "ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان" سے فرمائی ہے، اور امام صاحب کے قول سے جواز معلوم ہوتا ہے کہ مکان کرایہ پر دینا گناہ نہیں، گناہ مستأجر کے فعل اختیاری سے ہے، مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ اعانت کا گناہ ہے، اور بینک کے مکان کی تعمیر اور بینک کے کمپیوٹر کی مرمت بھی کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اس میں بھی ایک تعاون علی المعصیت ہے۔

ب- انشورنس کمپنی میں ملازمت:

انشورنس کمپنی میں جو کام ہوتا ہے وہ سود اور قمار دونوں سے مرکب ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ سود اور قمار دونوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حرام، ناجائز اور گناہ فرمایا ہے، اس لئے بیمہ کا کام کرنے پر ملازمت جائز نہیں، اور یہ حکم انشورنس کی تمام صورتوں کے لئے ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر چہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں اہل علم نے بعض صورتوں میں ضرورتاً بیمہ کرانے کی اجازت دی ہے، لیکن فقہ کا اصول ہے: ''ما ابیح للضرورة یقدر بقدرها''، یعنی

جو چیز از راہ ضرورت جائز قرار دی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے اور ضرورت انشورنس کرانے سے پوری ہوجاتی ہے، نہ تو ضرورت کی تکمیل انشورنس کمپنی میں ملازمت پر موقوف ہے اور نہ ہی انشورنس کمپنی میں ملازمت کے جواز کے لئے کوئی ضرورت شرعیہ موجود ہے، اس لئے انشورنس کمپنی میں ملازمت کے جواز کے لئے کوئی ضرورت شرعیہ موجود نہیں ہے، اس لئے انشورنس کمپنی میں بیمہ کا کام کرنے پر ملازمت جائز نہیں، البتہ انشورنس کمپنی میں کسی جائز کام کی ملازمت مثلاً چوکیداری کرنا یا چپراسی رہنا وغیرہ تو یہ ملازمت جائز ہے، جیسا کہ بینک میں جائز کام کی ملازمت جائز ہے، کما مر، البتہ ایسی ملازمتوں سے بھی حتی الامکان احتراز ہی بہتر ہے، یہ شان مسلم کے مناسب نہیں۔

انشورنس کمپنی میں ایجنٹ بن کر کام کرنا:

انشورنس کمپنی میں جو کام ہوتا ہے وہ سود اور قمار دونوں سے مرکب ہوتا ہے اور سود اور جوا کو اللہ تعالی نے قرآن پاک میں حرام اور گناہ فرمایا ہے، اس کام کا ایجنٹ بننا کھلی ہوئی معصیت ہے، ایجنٹ کا کام لوگوں کو بیمہ کرانے کی اشاعت کرنا اور ترغیب دلانا اور کمپنی کا ممبر بنانا ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں سود اور جوا کے کام میں شریک بنانے کا کام کرتا ہے، لہذا سود اور جوا جس طرح حرام ہے اس کی تشہیر واشاعت اور اس کی ترغیب دینا، اس کا ممبر بنانا بھی حرام ہے۔

ج-شراب کی کمپنی میں ملازمت:

شراب کی کمپنی اگر مسلمان کی ہے تو اس کی یہ سب (سوال میں ذکر کردہ مختلف کاموں کی) ملازمتیں نا جائز ہے، اور اگر شراب کی کمپنی کافر کی ہے تو بھی شراب بنانے، خرید وفروخت اور پلانے کی ملازمت جائز نہیں، دوسرے کام کے لئے کافر کی شراب کی کمپنی میں بکراہت ملازمت کی گنجائش ہے، چنانچہ مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

”شراب کی خرید وفروخت اور پلانے کی ملازمت جائز نہیں، کسی دوسرے کام کے لئے

کافر کی شراب کے کاروبار میں ملازمت کی گنجائش ہے، لیکن اس میں بھی کئی دینی خطرات ہیں، اس لئے احتراز ہی بہتر ہے'' (احسن الفتاوی ۷/ ۳۳۲)۔

اور فتاوی محمودیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ: یہ کارخانہ اگر مسلمان کا ہے تو اس کی یہ سب ملازمتیں حرام ہیں، موٹر وغیرہ کے ذریعہ لے جانا اور مزدوری لینا بھی حرام ہے، اگر یہ کارخانہ کافر کا ہے تو یہ ملازمتیں مکروہ تحریمی ہیں، شراب کی بیع و ملازمت وغیرہ میں مسلم و کافر کا حکم یکساں نہیں، بلکہ علاحدہ علاحدہ ہے..... مگر شراب بنانے کی ملازمت بہر حال حرام ہے (فتاوی محمودیہ جدید ترتیب ۱۷/ ۱۱۸)۔

۳۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں کاروبار کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے، لیکن ضمنی طور پر وہاں حرام کام بھی کئے جاتے ہیں۔

الف – سپر مارکیٹ میں ملازمت:

سپر مارکیٹ جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ میں ملازمت کرنے کی صورت میں شراب کی فروخت میں ملوث ہونا پڑتا ہے جو مسلمان کے لئے جائز نہیں، لہذا ایسے سپر مارکیٹ میں مسلمان کے لئے ملازمت کرنا جائز نہیں، جبکہ شراب کا گوشہ بھی اس سے متعلق ہو، لیکن یہ ملازمت خالص ناجائز ملازمت سے غنیمت ہوگی، چنانچہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر پریس مشینوں میں دوسری جائز چیزیں بھی چھاپی جائیں اور اس کے ساتھ تصویریں بھی ہوں اور جائز چیزیں زائد ہوں تو ایسی تمام آمدنی کو ناجائز نہیں کہا جائے گا، نیز جو شخص ایسی ملازمت کرے گا اس کی پوری ملازمت کو بھی ناجائز نہیں قرار دیا جائے گا، اس کی ملازمت جائز ملازمت سے کمتر و ادنی ہوگی اور خالص ناجائز ملازمت سے غنیمت ہوگی'' (فتاوی محمودیہ جدید ترتیب ۱۹/ ۴۷۸)۔

ب-مخلوط تعلیم کے نظام میں تدریس کا فریضہ انجام دینا:

اسلام نے مردوں اور عورتوں کے اختلاط اور بے حجابانہ اور بے تکلفانہ گفتگو سے سختی سے منع فرمایا ہے، مقصد یہ ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ باقی نہ رہے، یہ مخلوط تعلیم کا نظام بے خدا قوموں کا ایجاد کردہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مرد، مرد نہ رہیں اور عورتیں، عورتیں نہ رہیں، آج کل اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو بے پردگی اور بے حیائی اور لڑکوں اور لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط ہو رہا ہے، اسلام اس کی قطعا اجازت نہیں دیتا ہے، اگر استاذ غیر محرم ہے تو اس کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو دوسرے غیر محرموں کے لئے ہیں، اس لئے کسی مرد کا بے پردہ بالغ لڑکیوں کو تعلیم دینا یا عورت کا بے پردہ بالغ لڑکوں کو تعلیم دینا جائز نہیں، البتہ اگر تدریسی ملازمت حدود شرعیہ کے اندر رہ کر کی جائے یعنی پردہ کے احکام پر عمل کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی یا غیر محرموں کے ساتھ بلاضرورت گفتگو اور اختلاط کی نوبت نہ آئے، نیز دیگر مواقع فتنہ سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو ان امور کی رعایت کے ساتھ تدریسی ملازمت کی اجازت ہے، لیکن آج کل کے عصری تعلیمی اداروں میں بے پردگی، بے حیائی اور آزادانہ اختلاط کے پیش نظر مذکورہ امور کی رعایت عنقا معلوم ہوتی ہے۔

ج-پیشہ وکالت:

ایک اہم پیشہ وکالت کا ہے، وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے، مسلمانوں کے اپنے اجتماعی اور انفرادی مسائل کے لئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی کمی محسوس کی جاتی ہے، لہذا اگر سچے مقدمات میں باقاعدہ کام اور اجرت متعین کر کے وکالت کی جائے اور خلاف شرع امور سے اجتناب کیا جائے، تو مسلمان کے لئے پیشہ وکالت اختیار کرنا درست ہے، چنانچہ فتاوی محمودیہ میں ہے:

”اگر سچے مقدمہ میں باقاعدہ کام اور اجرت متعین کر کے وکالت کی جائے اور کوئی بھی کام خلاف شرع اس میں نہ کیا جائے تو نفس وکالت اور اس کی اجرت کا روپیہ اور اس کا کھانا

درست ہے (فتاوی محمودیہ جدید ترتیب ۱۶/۴۵۰)۔

البتہ وکلاء کا مظلوم کو انصاف سے محروم کردینا، اپنے موکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ ترغیب دینا وغیرہ خلاف شرع کام کرنا جائز نہیں۔

د- پیشہ طبابت:

انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج اور پیشہ طبابت ہے، طبیب بوقت ضرورت مریض یا ولی کی اجازت سے آپریشن کرسکتا ہے، لیکن محض روپے بٹورنے کے لئے بلاضرورت آپریشن کرنا یا ٹسٹ لکھنا گھٹیا درجہ کی بداخلاقی اور مریضوں کے ساتھ زبردست خیانت اور دوسروں کا پیٹ چیر کر اپنا پیٹ بھرنے کا گورکھ دھندا ہے جو ہرگز جائز نہیں، لیکن بدقسمتی سے اس شعبہ میں بھی بعض برائیاں در آئی ہیں جیسے آپریشن مجبوری کی حالت میں کیا جانا چاہئے، اس کے باوجود ہاسپیٹل کی انتظامیہ، ڈاکٹروں کو تاکید کرتی ہے کہ وہ ہر ماہ کم سے کم اتنی مقدار میں آپریشن یا ٹسٹ لکھے تاکہ ہاسپیٹل کی اور اس کی لیبارٹری کی آمدنی بڑھ سکے، ان حالات میں ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ ہاسپیٹل مسلم آبادی والے علاقہ میں واقع ہوں اور ان میں بغرض علاج آنے والے مریضوں کی معتد بہ تعداد مسلمانوں کی ہو اور مسلمان طبیبوں کے ایسے ہاسپٹلوں کی ملازمت سے کنارہ کش ہونے کی صورت میں دور حاضر کے عصبیتی ماحول کی وجہ سے قوی اندیشہ ہو کہ آپریشن یا ٹسٹ کی وہ مقدار جو ہاسپیٹل کی انتظامیہ کو مطلوب ہے کل یا اکثر مسلمان مریضوں سے مکمل کی جائے گی، تو دفع ضرر یا تقلیل ضرر کی نیت سے ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

بغرض علاج اعضاء مستورہ کو دیکھنا یا چھونا شرعا کیسا ہے؟

شرح تنویر میں عورت کے علاج کے سلسلہ میں ہے کہ بقدر ضرورت مرد طبیب عورت کی مرض والی جگہ کو دیکھ سکتا ہے، کیونکہ ضرورت کو مقدار ضرورت میں محدود رکھا جاتا ہے، دائی، نائی اور ختنہ کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے کہ بقدر ضرورت دیکھ سکتے ہیں، بہتر ہے کہ عورت کو

عورت کے علاج کا طریقہ سکھایا جائے، کیونکہ عورت کا عورت کے حصہ مستور کو دیکھنا بہر حال اخف ہے، شامیہ میں جوہرہ کے حوالہ سے ہے کہ جب شرم گاہ کے علاوہ عورت کے کسی حصہ بدن میں مرض ہوتو مرد طبیب بغرض علاج بقدر ضرورت مرض کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے، اگر شرم گاہ میں بیماری ہوتو کسی خاتون کو اس کا طریقہ علاج سمجھا دے، اگر ایسی کوئی عورت نہ ملے یا اس مریضہ کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو یا ایسی تکلیف کا اندیشہ ہو کہ وہ تحمل نہ کر سکے گی تو ایسی صورت میں مرد طبیب پورا بدن ڈھانپ کر بیماری والی جگہ کا علاج کرسکتا ہے، مگر باقی بدن کو نہ دیکھے، حتی الوسع غض بصر کرے۔

ان تصریحات سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے:

۱-طبیب کے لئے عورت کا علاج ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

۲-اگر کوئی معالج عورت مل سکے تو اس سے علاج کرانا ضروری ہے۔

۳-اگر کوئی عورت نہ مل سکے تو مرد کو چاہئے کہ اعضائے مستورہ خصوصاً شرم گاہ کا علاج کسی عورت کو بتادے خود نہ کرے۔

۴-اگر کسی عورت کو بتانا بھی ممکن نہ ہو، اور مریضہ عورت کی ہلاکت یا ناقابل برداشت تکلیف کا اندیشہ ہو تو لازم ہے کہ تکلیف کی جگہ کے علاوہ تمام بدن ڈھک دیا جائے اور معالج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو زخم کی جگہ کے علاوہ باقی بدن سے غض بصر کرے۔

شرائط مندرجہ بالا کے ساتھ مرد عورت کا علاج کرسکتا ہے، اسی طرح عورت بھی مرد کا علاج کرسکتی ہے، عصر حاضر میں تہذیب جدید کے تسلط اور تدین کی کمی کی وجہ سے ان امور کی رعایت نہیں کی جاتی ہے اور بلا تکلف مرد عورت کے اعضائے مستورہ کا علاج کرتا ہے اور عورت مرد کے اعضائے مستورہ کا علاج کرتی ہے، نیز بلا ضرورت اور ضرورت سے زیادہ کشف ستر کیا جاتا ہے جو شرعاً وعقلاً قبیح ہے۔

ایسے ہاسپٹلوں میں جہاں مرد ڈاکٹر کو بلا ضرورت عورت کے اعضائے مستورہ کے

علاج پر اور عورت ڈاکٹر کو مرد کے اعضائے مستورہ کے علاج پر مجبور کیا جاتا ہو تو اس نیت سے کہ دوسرے ڈاکٹروں سے مریضوں کی جو بے پردگی ہوگی اس کے مقابلہ میں مجھ سے بے پردگی کم ہوگی یعنی تقلیل شر کی نیت سے ملازمت کی گنجائش ہے، واضح رہے کہ یہ بات نیت ہی تک ممکن ہو خلاف شرع امور سے بچنے کی کوشش کی جائے خصوصاً قلب ونظر کی حفاظت کرے اور استغفار کرتا رہے، محض دنیا کمانے کی غرض سے ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کی اجازت نہیں۔

ھ- ہوٹل میں ملازمت:

ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ہوٹل موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں، اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولت فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جو شرعاً جائز نہیں ہیں جیسے شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ، ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمان کا حرام چیزوں کی فراہمی اور خلاف شرع امور کی انجام دہی سے براہ راست تعلق ہو یا بعض دفعہ ان کی فراہمی یا انجام دہی کرنی پڑتی ہو تو ایسی ملازمت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ جس طرح گناہ کرنا جائز نہیں، اسی طرح گناہ کے لئے سبب اور ذریعہ بننا اور اس میں تعاون بھی ناجائز ہے، ملازمت شرعی احکام کے دائرہ میں رہ کر کرنی چاہئے، ملازمت کی وجہ سے عام حالات میں (خصوصی حالات مستثنیٰ ہیں)، دین کے کسی معمولی سے معمولی حکم یا تقاضے کو قربان کرنا جائز نہیں ہے، مسلمان کو حلال اور طیب روزی کی فکر کرنی چاہئے، اور اگر مسلمان ملازم کا حرام چیزوں کی فراہمی سے بالکل تعلق نہ ہو اور کوئی خلاف شرع کام کی انجام دہی کی ذمہ داری اس پر نہ ہو تو پھر ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنا جائز ہے، لیکن ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنے میں کئی دینی خطرات ہیں اس لئے احتراز بہتر ہے۔

☆☆☆

مختلف ملازمتوں کے شرعی احکام

مولانا محمد فاروق

ملازمت کی بنیادی شرطیں:

حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے صحتِ اجارہ کے لئے بہت سی شرطیں تحریر کی ہیں جن میں بعض نفس عقد، بعض عاقد، اور بعض معقود علیہ سے متعلق ہے، اور یہ سب تفصیلیں کتب فقہیہ میں موجود ہیں، یہاں جس بنیادی شرط کو ذکر کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ نوکری و ملازمت خواہ جس نوع کی ہو نفیس ہو، یا خسیس، ضروری ہے کہ معصیت یا معصیت تک پہنچانے والی نہ ہو، اور نہ اس میں معین و مددگار ہو لہٰذا ان امور کی طرف غور کرتے ہوئے مسئلہ کی چند صورتیں نکلتی ہیں۔

عین معصیت کی ملازمت، جیسے نوحہ کرنے، گانا گانے، طبلہ بجانے وغیرہ، تو ان امور کی ملازمت و نوکری صریح قرآن وحدیث سے حرام ہے۔

اور اگر ملازمت ایسے امر کی ہے جو فی نفسہ جائز ہے، لیکن عملِ اجیر کے بعد کسی فاعل مختار کے تغیر و تبدل سے معصیت بن جاتا ہے، جیسے کسی نے شیرۂ انگور نچوڑنے کے لئے مزدوری کی تو یہ عمل فی نفسہ جائز ہے، البتہ اس سے شراب بنانا ایک دوسرا عمل ہے جو فاعلِ مختار کے فعل سے ہے، تو اس صورت میں اگر ملازم شراب بنانے کی نیت سے ملازمت نہیں کرتا، اور نہ مستقبل میں اس سے شراب بنائے جانے کا علم ہے، تو ایسی ملازمت بلا کراہت جائز ہے، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار کی عبارت سے واضح ہے:

”فی العلائی، جاز حمل خمر ذمی بأجر لاعصرھا لقیام المعصیة

بعینه، اھ وفي الشامية، ولعل ا لمراد هنا عصر العنب علی قصد الخمرية، فان عين هذا الفعل معصية بهذا القصد فلا ينافي مامر من جواز بيع العصير واستجاره علی عصر العنب ا ھ"

(ذمی کے شراب کو بعوض اجرت اٹھا کر لے جانا جائز ہے، اس کو نچوڑنا جائز نہیں، اس کی عین کے ساتھ قیام معصیت کی وجہ اور شامی میں ہے، کہ انگور نچوڑنے سے مراد شراب بنانے کے ارادہ سے نچوڑنا ہے، کیونکہ اس ارادہ سے یہ فعل معصیت لعینہ ہے، لہٰذا یہ جزئیہ گزشتہ شیرہ کے بیع کے جواز اور انگور نچوڑنے پر استجارہ کے جواز کے جزئیہ کے منافی نہیں)۔

نیز علامہ شامی نے علائی کے حسب ذیل قول "وجاز بیع عصیر" الخ کے ذیل میں فرماتے ہیں: اس میں اشارہ ہے کہ اگر شیرہ سے خمر بنانے کا علم نہ ہو تو شیرہ فروخت کرنا جائز ہے۔

اور اگر ملازم کو معلوم ہے کہ ہمارے نچوڑے ہوئے شیرہ سے شراب بنائی جائے گی، پھر بھی وہ نچوڑنے کی ملازمت کرتا ہے تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے مابین اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور حضرات صاحبین کے نزدیک درست نہیں، البتہ حضرت علامہ شامی نے نہایہ سے نقل فرمایا ہے کہ امام کا قول مبنی بر قیاس ہے اور حضرات صاحبین کا قول مبنی بر استحسان ہے، اس سے حضرات صاحبین کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، لہٰذا بلا ضرورت ملازمت کی یہ صورت مکروہ ہوگی۔

"وفي الشامية: زاد في النهاية، وهذا قياس، وقولهما استحسان"

(شامی ۹/۴۷۸)۔

اور اگر ملازمت ایسے امر کی ہے جس میں ثبوتِ معصیت کے لئے کسی فاعل مختار کے تغیر وتبدل کی ضرورت نہیں۔ جیسے شراب بیچنے یا اہل فتنہ سے ہتھیار وغیرہ بیچنے کی نوکری کرنا، اور معلوم بھی ہے کہ خریدنے والا غلط جگہوں پر استعمال کرے گا، تو ایسی نوکری جائز نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی ہے، علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں: **ويكره تحريماً، بيع السلاح من أهل**

الفتنة إن علم، لأنه إعانة علی المعصیة (درمختار شامی:۹/۴۷۷)۔

خلاصہ یہ کہ نوکری کسی بھی نوع کی ہو، جواز وعدم جواز میں مذکورہ تفصیلات کی رعایت ضروری ہوگی۔

سرکاری ملازمت:

سرکاری ملازمت کی دو نوعیتیں ہیں:

(۱) مسلم حکومت کی ملازمت:

(۲) غیر مسلم حکومت کی ملازمت:

مسلم حکومت کی ملازمت میں جہاں نفسِ عمل کا جائز ہونا ضروری اور شرط ہے، جیسا کہ ''بنیادی شرطوں'' کے ذیل میں بات آچکی ہے وہیں ملنے والی تنخواہ کا حلال ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر ملازم کو معلوم ہے کہ حکومت ظلماً ٹیکس وغیرہ لے کر تنخواہ دے رہی ہے تو وہ تنخواہ حلال نہیں، کیونکہ مسلم حکومت اس قسم کے مال کا خود مالک نہیں بن سکتی تو دوسرے کو کب مالک بنا سکتی ہے۔

البتہ اگر ملازم کو معلوم نہیں ہے، کہ تنخواہ کس فنڈ سے مل رہی ہے، تو اس صورت میں گنجائش ہے:

جیسا کہ علامہ شامی (۷/ ۲۲۳) فرماتے ہیں:

اور بعض حنفیہ سے جو یہ بات منقول ہے کہ حرام دو ذموں تک متعدی نہیں ہوتا، تو میں نے اس سلسلے میں شہاب بن شلبی سے دریافت کیا، تو انہوں نے کہا کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ اس مال کے حرام ہونے کا علم نہ ہو۔لیکن اگر کسی نے ٹیکس افسر کو کسی سے ٹیکس وصول کرتے ہوئے دیکھا، پھر اس افسر نے وہ مال کسی دوسرے کو دیدیا، پھر دیکھنے والے نے اس دوسرے آدمی سے وہ مال لے لیا، تو یہ حرام ہے۔اور ذخیرہ میں ہے کہ فقیہ ابو جعفر سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جس نے اپنا مال امراء سلطان اور حرام تاوان وغیرہ سے حاصل کیا ہے، کہ کیا

جس شخص کو اس مال کے حرام ہونے کا علم ہے وہ اس کا کھانا وغیرہ کھا سکتا ہے؟ فرمایا: میرے نزدیک اس کی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ نہ کھائے، اور اگر وہ کھانا غصب یا رشوۃ کا نہ ہو تو حکماً اس کے لئے گنجائش ہے۔

اسی لئے حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

''اسلامی ریاستوں کی نوکری سے غیر اسلامی ریاستوں کی نوکری کو اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ یہ شرعاً مالک ہو گئے، اور وہ مالک نہیں ہوئے'' (مال و دولت کی اہمیت: ۴۷)۔

معلوم ہو گیا کہ مسلم حکومت ظلماً اور ناجائز طریقہ سے لئے ہوئے مال کی مالک نہیں بنتی، لہٰذا اس مال کا تنخواہ وغیرہ میں نہ تو دینا جائز اور نہ جانتے ہوئے لینا جائز ہے۔

غیر مسلم حکومت کی ملازمت:

غیر مسلم حکومت کی ملازمت میں بھی مذکورہ شرائط کے مطابق عمل کا ہونا ضروری ہے، لیکن ملنے والی تنخواہ، خواہ جس نوع کے مال سے دی گئی ہو، حلال ہے، کیونکہ غیر مسلم حاکم کا کسی مال پر استیلاء و غلبہ موجب ملک ہے، اور جب وہ مالک ہو گیا تو اپنی رضامندی سے کسی مومن کو جونسا بھی مال دیدے وہ حلال ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''**وللفقراء الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم الخ**''۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ نسفی مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں:

''**فيه دليل على أن الكفار يملكون بالاستيلاء على أموال المسلمين، لأن الله تعالىٰ سمى المهاجرين فقراء مع أنهم كانت لهم ديار وأموال**'' (حاشیہ علی الجلالین: ۴۵۵)۔

(اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ کفار اموال المسلمین کا استیلاء کے ذریعہ مالک ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کا فقراء نام رکھا ہے، جبکہ ان کے پاس مکانات اور اموال موجود تھے)۔

اسی لئے حضرت تھانوی قدس سرہ غیر اسلامی ملک کے محکمۂ چنگی میں افسر، چپراسی وغیرہ کی ملازمت اور تنخواہ سے متعلق فرماتے ہیں:

شریعت نے جو قواعد اموال پر محصول لینے کے مقرر فرمائے ہیں، جن کو فقہاء نے باب العاشر میں ضبط کیا ہے چونکہ اس محکمہ کے قواعد ان پر منطبق نہیں ہیں، اس لئے خلاف ما انزل اللہ ہونے کی وجہ سے غیر مشروع اور نا جائز ہیں، اور حسب ارشاد الٰہی "**ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**" اس کی اعانت بھی معصیت ہوگی، لہٰذا اس محکمہ کی ملازمت نا جائز ہے، مگر جو تنخواہ ملتی ہے وہ اس وجہ سے جائز ہے کہ غیر مؤمنین حاکم کا کسی مال پر استیلاء موجب تملیک ہوجاتا ہے، اور غیر مؤمن حاکم جو مال اپنی رضامندی سے کسی مومن کو دیں خواہ کسی عنوان سے ہو وہ مباح ہے، اس لئے تنخواہ حلال ہے اھ (امداد الفتاوی ۳/۳۹۶)۔

اسی طرح کچہری اور بینک کی ملازمت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

سود کے مضامین کی نقل کرنا یہ سود کی اعانت ہے یہ تو نا جائز ہے، لیکن اس کام کی تنخواہ ایک فقہی قاعدہ کی بنا پر حلال ہے، **وهي إباحة مال غير المسلم والذمي برضاه في غير دار الاسلام**، یعنی اس وجہ سے تنخواہ حلال ہے کہ غیر دار الاسلام میں غیر مسلم اور ذمی کا مال اس کی رضامندی سے مباح اور حلال ہوتا ہے (امداد الفتاوی ۳/۳۹۹)۔

معلوم ہوگیا کہ غیر اسلامی حکومت میں نوکری کے لئے کام کا جائز ہونا تو ضروری ہے، لیکن اگر نوکری نا جائز امور کی ہے تو گناہ کے ساتھ ساتھ اس کی تنخواہ جائز ہے۔

غیر اسلامی حکومت میں نا جائز عہدوں کا حکم:

بنیادی شرطوں کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ملازمت کے جواز کے لئے اس کا مشروع ہونا ضروری ہے، لیکن آج غیر اسلامی حکومت جہاں مسلمانوں کی تعداد کھانے میں نمک کے برابر ہے، اور اکثر محکمہ کی بالادستی اہل وطن کے سپرد ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو غیر معمولی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور مسلمانوں کی فریاد، مطالبۂ حقوق، اور صدائے

بازگشت کے مترادف ہے، ایسے موقع پر اگر کچھ مسلمان عہدہ دار رہوں تو مکمل فائدہ تو نہیں، تاہم کچھ فرق ضرور پڑتا ہے، اور اس سے مسلمانوں کا وہاں تک پہونچنا آسان ہوتا ہے، اس لئے اشد المفسدین کو دفع کرنے کے لئے اخف المفسدین کو اختیار کرنے کی اجازت ہوگی، جس کا حاصل یہ ہے کہ نا جائز عہدہ کو اختیار کرنا اگرچہ گناہ اور دینی نقصان ہے، لیکن مسلمان کا غیر مسلموں کی جانب سے جور و ظلم اور مصائب و تکالیف کا تختۂ مشق بننا اور مختلف الانواع پریشانیوں میں مبتلا ہونا، اشد مفسدہ ہے، جس کا دفعہ کرنا، نا جائز عہدہ کی مضرت سے زیادہ اہم ہے۔

لہٰذا عام مسلمانوں کو کافروں کے نرغہ سے نکالنے اور انہیں جور و ظلم کا تختۂ مشق بننے سے بچانے کے لئے نا جائز عہدہ کو بھی اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

”إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما (الاشباہ لابن نجیم:۳۱۹)۔

نیز علامہ فخر الدین زیلعیؒ فرماتے ہیں:

”من ابتلى ببليتين وهما متساويان ياخذ بأيتهما شاء، وان اختلفا يختار أهونهما، لأن مباشرة الحرام لاتجوز إالالضرورة ولا ضرورة في حق الزيادة (تبیین الحقائق ۱/۲۵۹، مکتبہ باز)۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ غیر اسلامی حکومت کے نا جائز عہدہ کو اختیار کرنا حقیقۃً ایک لطیف حیلہ ہے، جس سے امت مسلمہ کو مضرتوں سے بچانا مقصود ہے، جیسا کہ کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے لئے اللہ کے نبی ﷺ نے محمد بن سلمہ کو اپنے سلسلے میں کچھ شکوہ شکایت، اور عیب جوئی کی اجازت دی تھی، تا کہ قدر مضرت کو برداشت کر کے بڑی مضرتوں سے نجات پائیں، جیسا کہ اس واقعہ کے تحت حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

”كأنه استاذنه أن يفتعل شيئا يحتال به، (الى قوله) وقد ظهر من سياق

ابن سعد للقصة، أنهم استاذنوا أن يشكوا منه ويعيبوا" (فتح الباری ۷/۴۲۹)۔

(گویا انہوں نے آپ ﷺ سے حیلہ وتدبیر کرنے کے ارادہ سے کچھ کرنے کی اجازت طلب کی تھی، اور ابن سعد کے سیاقِ قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کی شکایت کرنے اور آپ کی رائے میں عیب لگانے کی اجازت لی تھی)۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ ناجائز منصب کو اختیار کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ عہدہ قبول نہ کرنے سے خود ان کو یا عام مسلمانوں کو، کوئی شدید نقصان لاحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اگر کوئی نقصان پہونچنے کا ظن غالب نہیں ہے، تو ایسے ناجائز عہدہ کو قبول کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس کو اختیار کرنے کی کوئی شرعی ضرورت موجود نہیں ہے۔

اور اگر عدم قبول سے نقصان کا ظن غالب ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:

یا اس شخص کی نیت اس نقصان کو دفع کرنے کی ہے یا محض مال و جاہ حاصل کرنے کی۔

اگر نیت مسلمانوں سے نقصانات کو دفع کرنا ہے، تو جائز ہے، اس لئے کہ ایسے عہدہ کی قبولیت کے لئے شرعی ضرورت موجود ہے، اور وہ اخف المفسدین کو برداشت کرکے اشد المفسدین کو دفع کرنا ہے۔

اور اگر صرف مال وجاہ حاصل کرنے کی نیت سے اس قسم کے عہدہ کو اختیار کر رہا ہے تو بالکل ناجائز وحرام ہے۔

مسلمانوں پر فائرنگ کرنا:

غیر اسلامی حکومت کے عہدوں میں سے ایک عہدہ فوج کا بھی ہے، اس لئے سب سے پہلے اسلامی فوج کے اختیارات کو جاننے کی ضرورت ہے، تا کہ اس کے ذریعہ غیر اسلامی حکومت میں فوجی عہدہ کے جائز و ناجائز اختیارات معلوم ہوسکے۔

چنانچہ اسلامی فوج کا اہم کردار یہ ہے کہ اس کے بندوق سے نکلنے والی ایک ایک گولی فتنۂ کفر کے دفعیہ، اظہار اسلام، اور نصرت اہل حق کے لئے ہو، اور یہی اعلاء کلمۃ اللہ کا مصداق

ہے، اسی لئے مسلمانوں کے لئے یہ بالکل گنجائش نہیں ہے کہ وہ اہل شرک کے شانہ بشانہ ہوکر دوسرے مشرکین سے قتال کرے، کیونکہ یہ دونوں فریق شیطان کے مصداق اور قابل خسران ہیں، اس لئے ان کی تعداد میں اضافہ کر کے، یا ان سے دفاع کر کے ان کی مدد کرنا درست نہیں، جیسا کہ شرح السیر میں موجود ہے۔

"لاینبغی للمسلمین أن یقاتلوا، أهل الشرک، مع أهل الشرک، لأن الفئتین حزب الشیطن، وحزب الشیطان هم الخاسرون" (اعلاء السنن ۱۰/۳۷۰۹)۔

(مسلمانوں کے لئے اہل شرک کی معیت میں دوسرے مشرکین سے قتال کرنا مناسب نہیں، کیونکہ دونوں ہی جماعت شیطان کے گروہ ہیں، اور شیطان کے گروہ ہی ٹوٹے میں ہیں)۔

حتی کہ اگر مشرکین کسی مسلمان کو یوں دھمکی دے کہ تم ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے قتال کرو، ورنہ ہم تم کو قتل کردیں گے، تو اس صورت میں بھی مسلمان کے لئے روا نہیں کہ وہ مسلمانوں سے قتال کرے، کیونکہ مسلمانوں سے قتال کرنا اور اس کے لئے تیار ہونا حرام لعینہ ہے، جس پر تہدید قتل کے باوجود اقدام کرنے کی اجازت نہیں، شرح السیر میں ہے:

"وان قالوا لهم: قاتلوا معنا المسلمین وإلا فقتلناکم، لم یسعهم القتال مع المسلمین لأن ذالک حرام علی المسلمین بعینه فلایجوز الإقدام علیه بسبب التهدید بالقتل" (اعلاء السنن ۱۰/۴۷۱۰)۔

(اور اگر کافروں نے مسلمانوں سے کہا تم لوگ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے قتال کرو، ورنہ ہم لوگ تم لوگوں کو قتل کردیں گے، تو ان کے لئے مسلمانوں کے ساتھ قتال کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ مسلمانوں کے لئے یہ عمل بالکل حرام ہے، لہٰذا تہدید قتل کی وجہ سے اس پر اقدام کرنا جائز نہیں)۔

اسی لئے حضرت مولانا ظفر صاحب تھانویؒ، اعلاء السنن میں فرماتے ہیں کہ سرزمین ہند میں، آزادی وطن کی خاطر اہل ہنود کیساتھ ساتھ مسلمانوں کا قتل وقتال کرنا درست نہیں، اس

لئے کہ یہاں مشرکین کا غلبہ ہے، تو مسلمانوں کا یہ قتال ان کے تعاون کے لئے ہوگا، لہٰذا مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں کہ کافروں کا تعاون کرے اور اس کی طاقت کو مضبوط بنائے۔ ہاں اگر خود اپنی جان کا خطرہ ہو، یا اعزاز دین مقصود ہو تو اس وقت گنجائش ہوگی۔

"**وهذه النصوص تعرب لنا عن حكم محاربة المسلمين حكومة الهند مع الهنود المشركين لإعتاق الوطن واستخلاصها عن سلطة الأجانب، فإن الحكم الظاهر في هذه المحاربة للمشركين كما هو ظاهر (الى قوله) فلا رخصة في ذالك، إلا لقصد اعزاز الدين أو الدفع عن نفسه**" (ایضاً ۱/۴۷۰)۔

(نصوص مذکورہ سے حکومت ہند میں مشرکین ہندوؤں کے ساتھ مل کر اجنبی حکومت سے وطن کو چھوڑنے اور آزاد کرنے کے لئے مسلمانوں کے جنگ کرنے کا حکم واضح ہوگیا، لہٰذا اس جنگ میں ظاہراً مشرکین کی مدد ہے، جس کی اجازت نہیں، ہاں اگر اعزاز دین، یا اپنی ذات سے دفع کرنے کے لئے جنگ ہو تو اس کی اجازت ہے)۔

البتہ ناگزیر حالت میں کبھی مسلمانوں پر بھی فائرنگ کرنے کی اجازت ہوتی ہے، جیسے کہ کفار، مسلمانوں کے بچوں کو اپنی حفاظت کے لئے ڈھال بنالے، یا کافروں کے ساتھ مسلمانوں کی آبادی مخلوط ہو، اور اسلامی لشکر کو ان کے بارے میں امتیازی علم نہ ہو تو اس صورت میں کفار کو قتل کرنے کے ارادہ سے فائرنگ کی اجازت ہوگی، خواہ مسلمان کیوں نہ زد میں آجائے جیسا کہ امام ابوبکر جصاص رازی احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

"**قال أبو حنيفة وأبو يوسف وزفر ومحمد والثوري: لا باس برمي حصون المشركين وإن كان فيها أساري وأطفال من المسلمين (الى قوله) وكذالك أن تترس الكفار بأطفال المسلمين رمي المشركين وان أصاب أحدا من المسلمين في ذلك**" (احکام القرآن للرازی ۳/۵۲۵)۔

(حضرت امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، زفر، محمد اور ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں: کہ مشرکین

کے قلعوں میں تیر اندازی کرنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہاں قیدی، اور مسلمانوں کے بچے ہوں، اسی طرح اگر کفار مسلمانوں کے بچوں کو ڈھال بنالے، تو مشرکین کو نشانہ بنایا جائے گا گو مسلمانوں کے کسی بچہ پر کیوں نہ لگ جائے)۔

معلوم ہوا کہ جہاں ظالم ومظلوم کے مابین فرق کرنا متعذر ہو اور فائرنگ نہ کرنے سے ظالم کا حوصلہ بلند ہوتا ہو وہاں فائرنگ کی اجازت ہے، خواہ اس کی زد میں مظلوم کیوں نہ آتے ہوں، جیسا کہ علامہ ابوبکر رازی کی حسب ذیل عبارت صریح کے درجہ میں ہے:

اور یہ بات معلوم ہے کہ جو بھی اسلامی لشکر ان کفار پر حملہ کرے گا، تو ان کے بچے اور عورتیں جن کا قتل ممنوع ہے، وہ بھی زد میں آئیں گے، اسی طرح جب وہاں مسلمان ہوں تو وہ بھی شکار ہوں گے، تو ضروری ہے کہ یہ امر ان کفار پر ہر طرف سے حملہ کرنے اور تیر اندازی کرنے سے مانع نہ ہو، گو مسلمانوں کو لگنے کا اندیشہ ہو۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ہندوستان جیسے ملک میں مسلمانوں کے لئے نیتِ خیر کے ساتھ فوج کی نوکری جائز ہے، اور کبھی ظالم ومظلوم کی تحقیق کے بغیر وار کرنا، اگر عدمِ تمیز اور سدأ لباب الفتنہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، تاکہ معاملہ فرو ہو جائے، اور باہم قتل وقتال کی مزید نوبت نہ آئے۔

اور بعض دفعہ ایک مسلمان فوج کا ہم مذہب سے مقابل ہونا ایک وہمی امر ہے جو نہ غالبی ہے اور نہ ضروری، اس لئے واقعی فائدہ کے ہوتے ہوئے، صرف امر وہمی کی وجہ سے ملازمت کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، تاہم اگر صرف ہم مذہب شخص کو گولی چلانے کا حکم ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کمامر التفصیل۔

اسی طرح پولیس کی نوکری اگرچہ بہت سی خرابیوں کا ذریعہ ہے، تاہم اس کی بہت سی خرابیوں میں اپنے اختیار کا بڑا دخل ہے، لہٰذا ایسے مسلمان جنہیں صبر وضبط اور تحمل کا مادہ حاصل ہو، مسلمانوں کی حفاظت وصیانت کے ارادہ سے اگر نوکری کرے تو جائز ہے، ماسبقیہ حملہ سے متعلق حکم

کی تفصیل فوج کے ذیل میں مذکور ہوئی۔

جاسوسی ومخبری کا حکم:

شریعت غرا نے کسی بھی انسان کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ کسی کے رازِ سربستہ کا انکشاف کرے، قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ، اس کی ممانعت سے پُر ہیں:

خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

"ولاتجسسوا ولايغتب بعضكم بعضاً" (اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے)، اور صحیحین کی روایت میں ہے: "ولاتجسسوا ولاتحسسوا ولاتناجشوا" (مشکوۃ شریف ۴۲۷)۔

اور ایک روایت میں ہے:

"ولاتتبعوا عوراتهم فإن من اتبع عوراتهم يتبع الله عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه في بيته" (مشکوۃ شریف:۴۲۹)۔

(تم لوگوں کے عیوب کے پیچھے مت پڑو، کیونکہ جو لوگوں کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اللہ تعالیٰ ان کے عیب کے پیچھے پڑیں گے، اور جس کے عیب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑ جائے تو اس کو گھر رہتے ہوئے رسوا کردے)۔

معلوم ہوا کہ عام حالات میں کسی کے ٹوہ میں پڑنا اور اس کے راز پر مطلع ہونے کی کوشش کرنا، جائز نہیں، البتہ ضرورت کی جگہیں جہاں عدم تجسس وتحقیق سے جرائم بڑھ سکتے ہیں، امن وامان پاش پاش ہوسکتے ہیں، وجوب شرعیہ فوت ہوسکتے ہیں تو وہاں اس کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت ملا علی قاری ایک حدیث پاک "من استمع الى حديث قوم وهم له كارهون" کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"وهذا الوعيد إنما هو في حق من يستمع لأجل النميمة ومايترتب عليه من الفتنة، بخلاف من استمع حديث قوم ليمنعهم عن الفساد او ليمتنع

عن شرورهم اھ" (مرقاۃ ۷/ ۲۷۵)۔

(یہ وعید ان لوگوں کے حق میں ہے جو چغلخوری کرنے اور فتنہ پروری کرنے کے لئے سنتے ہیں، برخلاف ان لوگوں کے جو کسی قوم کی بات اس غرض سے سنے کہ ان کو فساد سے منع کرے، یا ان کی برائیوں سے اپنی حفاظت کرے، (تو ان کے لئے جائز ہے))۔

اسی لئے اس قسم کی تحقیق وتجسس کے سلسلے میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ:

اس سلسلے میں قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو، وہاں واجب ہے، مثلاً سلطان نے سنا کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ بوجہ سلطان ہونے کے حفاظت رعایا کی اس کے ذمہ واجب ہے، اس لئے اس کی تحقیق وانتظام واجب ہے، اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا ہو اور تحقیق کرنے سے اس مبلغ عنہ کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق جائز ہے، اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفعِ مضرت نہیں اور اس سے دوسرے کونا گواری ہے تو تحقیق حرام ہے، اھ مخلصاً (بیان القرآن ۱۱/ ۴۳)۔

نیز علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں، جب کوئی آدمی صوم وصلوۃ کا پابند ہو، لیکن اپنی زبان اور ہاتھ پاؤں سے لوگوں کو تکلیف پہونچاتا ہو، تو اس کے ان عیوب کا تذکرہ غیبت کے خانہ میں داخل نہیں، اور اگر کوئی زجروتوبیخ کی غرض سے بادشاہِ وقت تک مخبری کردے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

"وإذا كان الرجل يصوم ويصلي ويضر الناس بيده ولسانه فذكره بما فيه ليس بغيبة حتى لو اخبر السلطان بذلك ليزجره، لااثم عليه" (تنویرالابصار علی الشامی ۹/ ۴۹۹)۔

معلوم ہوگیا کہ افساد وفتنہ پروری کے ارادہ سے مخبری ناجائز ہے، لیکن ضرورت کی وجہ سے احوال پر مطلع ہوکر ذمہ داروں کو اطلاع دینا، تاکہ جرائم پیشہ لوگوں کی روک تھام ہوسکے، اور امن وامان قائم رہ سکے جائز ہے، لہٰذا مذکورہ شرطوں کے ساتھ ایسے امور کی ملازمت بھی جائز ہوگی۔

محکمہ عدالت کی ملازمت:

محکمۂ عدالت کا قیام جہاں ایک دیندار عادل بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے، وہیں ظالم وجابر، فاسق وفاجر حکمراں کی جانب سے بھی ہوتا ہے، حتی کہ اس کا قیام ایک برسرِ اقتدار کافر کی جانب سے بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ ہر دور کی مثالیں کتب تاریخ وسیر میں موجود ہیں، لیکن یہ قیام جس کی بھی جانب سے ہو ضروری ہے کہ اس محکمہ سے جور وظلم کا صدور نہ ہو، اور وہ اپنے اظہارِ حق کی ذمہ داری سے عاجز نہ ہو، لہٰذا اگر اس محکمہ کے ملازم وذمہ دار کو ظن غالب ہو کہ وہ اظہار حق سے عاجز رہے گا، اور فیصلہ میں جور وظلم ہوجانے کی وجہ سے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرسکے گا تو ان کے لئے اس عہدہ کو اختیار کرنا جائز نہیں، علامہ شامی فرماتے ہیں:

"فلو كان غالب ظنه أنه يجور في الحكم فينبغي أن يكون حراما" (شامی ۸/۴۰)۔

(اگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ وہ حکم میں جور کرے گا تو مناسب یہ ہے کہ ایسے عہدہ کو اختیار کرنا حرام ہو)۔

اسی طرح اگر کوئی حاکم محکمۂ عدالت کو اظہارِ حق سے روکتا ہو، اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے سے مانع ہو، تو اس صورت میں بھی اس محکمہ کو اختیار کرنا، اور ملازمت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ علامہ علاء الدین فرماتے ہیں:

"ويجوز تقلد القضاء من السلطان (الى قوله) إلا إذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم" (ایضاً ۸/۴۱)۔

(اور بادشاہ کی جانب سے قضاء کا عہدہ سنبھالنا جائز ہے مگر جبکہ بادشاہ برحق فیصلہ سے منع کرتا ہو تو ایسا عہدہ حرام ہے)۔

لیکن یہ ساری باتیں وہاں کے لئے ہیں جہاں احکام شرعیہ کی تنفیذ ممکن بھی ہو، البتہ ایسے ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کافروں کے ہاتھ میں ہو، اور باضابطہ شریعت کے مطابق ان کے

قوانین نہ ہوں، اور نہ ممکن ہوں بلکہ مسلمانوں کے بہ نسبت ان کا رویہ کچھ علیحدہ ہی ہوگا تو ایسی جگہ پر من کل الوجوہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا تو بہت دور کی بات ہے، تصور بھی مشکل ہے، ایسے مقام پر مسلمانوں کی اگر شرکت، حاکم ہونے کی حیثیت سے نہ ہو تو وہ حکومت اپنے فاجر و فاسق فیصلہ کرنے والے کو بحال کرے گی اور مسلمانوں کے عدم شرکت کی کچھ بھی پروہ نہیں کرے گی، پھر مسلمانوں کو بہت سے مواقع پر نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس لئے ایسے موقع پر کثرت کے ساتھ مسلمانوں کی بحالی ہونی چاہئے، اور حتی المقدور انہیں صاحب حق کو حق دلانے کی عملی کوشش کرنی چاہئے، مولانا ظفر صاحب تھانویؒ ائمہ جور و ظلم کے دور میں اس قسم کے محکمہ میں اہل ورع وتقوی کو دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

نظر وعقل کا مقتضی یہ ہے کہ اہل علم وصلاح پر ائمہ عدل کے بہ نسبت ائمہ جور کی جانب سے عہدۂ قضاء کو سنبھالنا زیادہ واجب وضروری ہو، تاکہ فساد کم سے کم ہو، اور بندوں کو راحت زیادہ سے زیادہ ہو، کیونکہ ائمہ عدل اپنے منصب عدل کے لئے شرپسندوں اور مفسدوں کا استعمال نہیں کرتے، اور ائمہ جور اپنے عمل کے لئے بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ اس کا عمل کون کرے، تو اگر نیک لوگوں نے عہدۂ قضا کو نہیں سنبھالا تو وہ جور وظلم کرنے والے مفسدین کو استعمال کریں گے (اعلاءالسنن ۱۴/ ۲۶۲۱)۔

اس لئے ہندوستان جیسے ملک کے محکمۂ عدالت میں حتی المقدور حق دلانے اور جور وظلم کا سدباب کرنے کے لئے ملازمت کرنا درست ہے، الا یہ کہ ظن غالب ہو کہ اس سے جور کا صدور ہوگا یا حکومت اظہار حق سے مانع ہوگی تو پھر اجازت نہیں۔

انکم ٹیکس دفتروں کی ملازمت:

اکثر ارباب افتاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئی ہیں وہ ظلم محض ہے، لہٰذا حق تو یہ ہونا چاہئے کہ تمام لوگ مل کر اس جور وظلم کو دفع کریں، جیسا کہ درمختار اور رد المحتار میں ہے:

"دفع النائبة ایماینوب من جهة السلطان من حق أو باطل او غیره والظلم عن نفسه اولی" (درمختار علی الشامی ۳/ ۲۵۳)۔

لہٰذا اس قسم کے ادارہ کی ملازمت، حقیقۃً اس کے جور وظلم کی اعانت ہے، جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، بلکہ شریعت نے اس طرح کے جور وظلم کے خوگر لوگوں کی مجالست، اور مصاحبت سے بھی منع کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"ولاتر کنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الخ"**۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: **"فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین"**، حضرت علامہ ابو بکر جصاص الرازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

یہ اہل ملت، اور اہل شرک میں سے تمام ظالموں کے ساتھ مجالست کی ممانعت میں عام ہے کیونکہ ظالم کا نام تمام کو شامل ہے، خواہ یہ لوگ اس وقت ظلم وقبائح کو ظاہر کر رہے ہوں یا نہ ظاہر کرتے ہوں (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳)۔

نصوص مذکورہ سے معلوم ہو گیا کہ انکم ٹیکس کی ملازمت جائز نہیں۔

حرمت پر مبنی ملازمت (بینک سے متعلق):

تمہید میں بات گزر چکی ہے کہ ملازمت کی صحت کے لئے اس کا جائز ہونا ضروری ہے، اور چونکہ بینک کی بنیا د سودی لین دین پر ہے، لہٰذا اس کی ملازمت جائز نہیں۔

البتہ بینک کے کمپیوٹر اور ایر کنڈیشن کی مرمت حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہوگی، کیونکہ ان مشینوں کا بینک کے لئے استعمال کیا جانا فاعلِ مختار کے فعل سے ہے، خود یہ مشینیں معصیت نہیں ہیں، لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک جائز نہیں، اس لئے کہ جب معلوم ہے کہ یہ چیزیں بینک ہی کی ہیں، اور اسی کے پیسے کے لین دین میں معین ومددگار ہیں تو اس کی مرمت بھی تعاون علی المعصیت ہوگی۔

اور یہی اختلاف بینک کی حفاظت، مکان کی تعمیر، یا مکان کے کرایہ پر دینے سے ہے، حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں فی نفسہ معصیت نہیں،

اور حضرات صاحبین کے نزدیک جائز نہیں، جیسا کہ تفصیل وترجیح ابتداء میں گزر چکی ہے، لہٰذا بلا ناگزیر حالت کے ان امور کی ملازمت جائز نہیں۔

انشورنس سے متعلق:

چونکہ انشورنس کمپنی کا پورا نظام سود وقمار پر ہے، اور یہ دونوں چیزیں نص قطعی سے حرام ہیں، اس لئے اس کمپنی کی ملازمت کرنا یا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے کام کرنا دونوں حرام ہے۔

شراب کمپنی سے متعلق:

شراب کمپنی میں شراب کی خرید وفروخت یا شراب پلانے کی ملازمت جائز نہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

"عن انس بن مالک لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها وعاملها، والمحمول اليه، وساقيها، وبائعها وأكل ثمنها، والمشترى لها، والمشتراة له"۔

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے، اس کے نچوڑوانے والے، اس کے نچوڑنے والے، اس کے پینے والے، اس کے اٹھانے والے، اور جس کے پاس اٹھا کر لے جائی گئی، اس کے پلانے والے، اس کے ثمن کھانے والے اور اس کے خریدنے والے، اور جس کے لئے وہ خریدی گئی)۔

ایک کمپنی کے لئے بوتل بنانا، یا ایسے اجزاء پیش کرنا جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے، حضرت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مختلف فیہ ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے، اور یہی قول راجح ہے، البتہ ضرورت کے وقت حضرت امامؒ کے قول کے مطابق اجازت ہے۔

اسی طرح شراب کمپنی میں حساب وکتاب لکھنے کی ملازمت بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہوگی، کیونکہ نفس حساب وکتاب لکھنا معصیت نہیں، بلکہ شراب پینا، پلانا اور اس

کوخریدنا بیچنا یہ معصیت ہے جو فاعل مختار کا فعل ہے، لیکن حضرات صاحبینؒ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہوگی، اس لئے کہ شراب کمپنی کا اس میں بھی تعاون ہے جس سے تعاون علی المعصیۃ کا لزوم ہوتا ہے۔

ضمنی حرمت پر مبنی ملازمت:

وکالت سے متعلق:

وکالت کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ مؤکل کو اس کے معاملہ میں قانونی مشورہ دیدے، اور اس کے مقدمہ سے متعلق جو بھی قانونی نشیب وفراز آسکتے ہیں اس کی رہنمائی کردے، اور ظاہر سی بات ہے کہ صرف مشورہ دیدینا اور رہنمائی کردینا کوئی مال متقوم نہیں ہے کہ اس کی اجرت، واجب ہو، چنانچہ علامہ شامی صرف رہنمائی اور اشارہ کردینے کو قابلِ اجرت عمل قرار دینے سے انکار فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس سے رہنمائی کرنے والا مستحق اجرت نہیں ہوتا۔

"رجل ضل له شيء، فقال من دلني على كذا فله كذا، فهو على وجهين: إن قال ذالک على سبيل العموم بأن قال: من دلني فالإجارة باطلة لأن الدلالة والإشارة ليست بعمل يستحق به الأجر" (شامی ۹/۱۱۱)۔

(ایک آدمی جس کی کوئی چیز گم ہوگئی، تو اس نے کہا: جو میری گم شدہ چیز پر رہنمائی کرے گا اس کے لئے اتنا اتنا مال ہوگا، تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر اس نے یہ علی سبیل العموم کہا، بایں طور کہ "جو میری رہنمائی کرے گا" تو اجارہ باطل ہے، اس لئے کہ رہنمائی واشارہ کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ اس کے عوض میں اجرت کا مستحق ہو)۔

نیز جبکہ مؤکل اگر مظلوم ہو، اور مشورہ کے لئے وکیل کے پاس آیا ہو، تو اس صورت میں مظلوم کی رہنمائی اور فریادرسی واجب ہوجاتی ہے، چہ جائیکہ وہ اس پر اجرت لے، جیسا کہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "قال العلماء: نصر المظلوم فرض واجب على المؤمنين على الكفاية" (عمدۃ القاری ۶/۱۱۰)۔

لہٰذا مذکورہ نظریہ سے معلوم ہوا کہ وکالت کی اجرت جائز نہیں۔

لیکن آج کل وکیل صرف قانونی مشورہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ عدالت میں جانا اور ضرورت پڑنے پر بحث ومباحثہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، جس میں اس کے اوقات کا ایک بڑا حصہ صرف ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح سے قاضی وحاکم محبوس فی امور العامۃ ہونے کی وجہ سے مستحق نفقہ ہوتے ہیں، اسی طرح وکیل بھی ہوسکتے ہیں۔

البتہ اس کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ عمل یا وقت اور اجرت متعین ہو، نیز وہ مقدمہ ازقبیل معصیت نہ ہو، اور نہ ایسی طاعت ہو جو صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو، لہٰذا اگر مقدمہ معصیت پر مبنی ہو، یا طاعتِ مخصوصہ بالمسلم ہو تو اس کی اجرت جائز نہیں، جیسا کہ حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں:

"الأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستئجار علیها عندنا" (شامی ۹/۶۵)۔

سپر مارکٹ سے متعلق:

ایسی سپر مارکٹ جہاں مختلف ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ شراب بھی فروخت ہوتی ہے اس کی ملازمت میں حسب ذیل تفصیل ہے:

اگر اس میں خاص شراب ہی فروخت کرنے کی ملازمت ہو تو جائز نہیں۔

اور اگر عقد میں یہ بھی شرط ہو کہ دیگر امور کے ساتھ شراب بھی فروخت کرنا ہوگی تب بھی ملازمت جائز نہیں کیونکہ عقد مخلوط بالمعصیت ہے۔

اور اگر عقدِ ملازمت مطلق ہو، اس میں شراب بیچنے کی صراحت نہ ہو تو جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں ارتکاب معصیت یا اس پر تعاون متعین نہیں، بلکہ موہوم ہے۔

تدریس سے متعلق:

مخلوط تعلیم کی تدریسی خدمات کے حکم مختلف جہات ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

- اگرلڑکے لڑکیاں مخلوط ہوں اور دونوں نابالغ اور نا قابل شہوت ہوں تو ان کے لئے خواہ مرد مدرس ہوں یا عورت، دونوں کے لئے گنجائش ہے، "وفي الشامية: فقد أعطوها حكم البالغة من حين بلوغ الشهوة" (شامی ۴/ ۴۷)۔
- اور اگر بچے بچیاں دونوں بالغ ہوں یا نابالغ و بالغ مخلوط ہوں، اور لڑکیاں شرعی برقع میں پیچھے بیٹھتی ہوں تو اس صورت میں بھی مرد، مدرس بن سکتے ہیں، "وفي القنية: يجوز الكلام المباح مع امرأة اجنبية، كما في الشامي" (ایضا ۹/ ۴۵۰)۔
- اور اگر دونوں مخلوط ہوں، اور بچیاں شرعی پردہ میں نہ ہوں، اور اتنے قریب بیٹھتی ہوں کہ خیالات پراگندہ اور شہوت بھڑک سکتی ہو، اور خود غض بصر کی تاب نہ ہو تو اس صورت میں ملازمت جائز نہیں -قال في التاتارخانية۔

"وفي شرح الكرخي: النظر الي وجه الأجنبية ليس بحرام، ولكنه يكره بغير حاجة، (الي قوله) وان كان عن شهوة حرم" (ایضا ۹/ ۴۵۱)۔
(اجنبیہ کی طرف دیکھنا حرام نہیں ہے، لیکن بغیر ضرورت کے مکروہ ہے، اور اگر شہوت کی وجہ سے ہو تو حرام ہے، اور ہمارے زمانہ میں جوان عورتوں کا دیکھنا ممنوع ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ عورت ہے بلکہ اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے)۔

- اور اگر لڑکیوں کی مخصوص درس گاہوں میں اساتذہ پردہ کے پیچھے سے پڑھاتے ہوں، جیسا کہ گجرات کے مدرستہ البنات کا نظام ہے تو ایسی ملازمت جائز ہے۔
- اسی طرح بالغ لڑکوں کی درسگاہوں میں شرعی پردہ کے ساتھ بڑی بوڑھی عورتیں کام کرسکتی ہیں، جوانوں کو اجازت نہیں، "أما إذا كانت عجوزاً لاتشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها لانعدام خوف الفتنة" (ہدایہ ۴/ ۴۵۹)۔

طبابت سے متعلق:

ڈاکٹروں کی حیثیت اپنے مریض کے سامنے ایک شفیق امانت دار مربی کی ہے، جب

کوئی مریض اس کے پاس آتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے جسمانی امور میں خیر خواہی طلب کرتا ہے، اسی لئے ڈاکٹر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کے جسم کا معائنہ کر کے کوئی دوا تجویز کرے، یا اس سے خیر خواہی کی بات کرے۔

لہٰذا اگر اس کے علم کے مطابق جو کچھ کیفیت سامنے آئی اس کو بعینہٖ بتادی، یا اس کے مطابق دوا تجویز کر دی، تو اس نے مریض کے حق کی ادائیگی کی، اور اپنی امانت کی حفاظت کی، اور اگر اس کے خلاف کیا، تو اس نے اپنی ذمہ داری میں دانستہ کوتاہی، اور امانت میں خیانت کی۔

لہٰذا اگر انتظامیہ نے ہر ماہ مقدار معین آپریشن یا جانچ کی شرائط لگائی اور ڈاکٹروں کی امانت پر نہیں چھوڑا تو یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہوگی، اور ایسی ملازمت درست نہیں ہوگی۔

''الفاسد ماعرض علیه من الجهالة، أو اشترط شرط لایقتضیه العقد، کما فی الشامیه'' (شامی ۹/۵۲)۔

بات رہی خلاف جنس مریض کے قابل ستر حصے کو دیکھنے کی تو اس سلسلے میں اصل تو یہ ہے کہ موافق جنس کو اس مرض کی تعلیم دی جائے تا کہ وہ اس کا علاج کر سکے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو اور مرض مہلک یا نا قابل تحمل ہو تو موضع مرض کے علاوہ تمام جگہوں کو ڈھانک دے اور اس سے حتی المقدور غض بصر کرتے ہوئے صرف موضعِ مرض کو دیکھے، اور اس کا علاج کرے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

''إن کان المرض فی موضع الفرج فینبغی أن یعلم امرأة تداویها، فإن لم توجد خافوا علیها أن تهلک أو یصیبها وجع لاتحتمله یستروا منها کل شئ الا موضع العلة، ثم یداویها الرجل، ویغض بصره ما استطاع إلا عن موضع الجرح'' (ایضاً ۹/۴۵۲)۔

(اگر مرض شرمگاہ کی جگہ پر ہو تو مناسب یہ ہے کہ کسی ایسی عورت کو علاج کی تعلیم دیدے جو اس کا علاج کر سکے، اور اگر ایسی کوئی عورت موجود نہ ہو اور اس پر ہلاکت یا نا قابلِ تحمل

درد پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کے موضع بیماری کے علاوہ تمام جگہوں کو چھپا دیں، پھر مرد اس کا علاج کرے، اور حتی المقدور موضع علاج کے علاوہ سے غض بصر کرے)۔

معلوم ہوا کہ شرط مذکور کے ساتھ خلاف جنس کا علاج کیا جا سکتا ہے اور اسی حدود وقیود کے ساتھ اس کی ملازمت بھی جائز ہے۔

ہوٹلوں سے متعلق:

جب ہوٹلوں کا بنیادی مقصود معاوضہ لے کر قیام وطعام کا انتظام ہے، اور شراب کی فراہمی بھی اس کا ایک جزء ہے تو اس کی ملازمت کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ:

اگر ہوٹلوں میں خلاف شرع امور کے برانچ الگ ہیں، اور ان کے ملازم بھی الگ ہیں، جیسا کہ عام طور سے ایسے ہی ہوتے ہیں، تو خاص اس برانچ میں ملازمت جائز نہیں، اور دوسرے برانچ کی ملازمت جائز ہے۔

اور اگر برانچ الگ نہیں، لیکن ملازموں کی علیحدہ علیحدہ تقسیم ہے، جیسا کہ ہوٹلوں میں ہر کام کے لئے الگ الگ نوع کے ملازم ہوتے ہیں، تو اس صورت میں بھی خلاف شرع امور کے لئے ملازمت کرنا جائز نہیں، البتہ اس کے علاوہ امور کی ملازمت جائز ہے۔

تاہم تقویٰ اور احتیاط یہی ہے کہ ایسے ہوٹلوں کی ملازمت سے اجتناب کریں، اس لئے کہ ایسی جگہوں پر خلاف شرع امور کا اگر چہ ارتکاب نہیں، لیکن ناجائز کرنے والوں کی مخالطت ومجالست ضرور لازم آتی ہے، جس سے مبتلاء گناہ ہو جانا بہت ممکن ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام، كالراعي يرعى حول الحمىٰ يوشك أن يرتع فيه“ (کذا فی المشکوۃ ۲۴۱)۔

☆☆☆

حکومت کے محکموں میں ملازمتوں کے شرعی احکام

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ☆

اس زمانے میں حلال روزی کا حصول اس قدر دشوار ہو گیا ہے کہ کوئی ارادہ بھی کرتا ہے تو معاش کے مباح دروازے بند نظر آتے ہیں؛ معصیت کا ارتکاب، سود و قمار کا رواج، ننگاپن و عریاں مزاج و مذاق کا کھلا اظہار، عدل و انصاف کا فقدان اور ظلم و عدوان کا بے جا دباؤ اتنا عام ہو گیا کہ معاشی مسئلے کا اسلامی سسٹم پامال ہو کر رہ گیا۔

دوسری طرف تمام ذرائع معاش کو چھوڑ کر ملازمت و نوکری پر انحصار کر لیا گیا خواہ اس کے اسباب و عوامل کچھ بھی ہوں تو نتیجہ ہوا کہ شرعی حدود کا احترام ذہن و دماغ سے محو ہو گیا اور تلاش بسیار کے بڑھتے رجحان نے پاکیزہ روح اور صاف ستھرے باطن کو میلا کر دیا، اب شریعت کے مطابق جینے میں، نیز حدود میں رہتے ہوئے کسی پیشہ کو اختیار کرنے میں دقت و الجھن محسوس کی جانے لگی، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں، شریعت اسلامی کی جامع تعلیمات میں ساری دقتوں کا حل ہے بشرطیکہ ہمت و حوصلہ سے کام لیا جائے، اور عمل کرنے کا پختہ عزم کیا جائے، کسب معاش تو مطلوب شرعی ہے بغیر اس کے زندگی کی گاڑی چل ہی نہیں سکتی، لیکن شریعت کی جانب سے اسکے کچھ ضابطے مقرر ہیں، انہی ضابطوں کی پابندی کر کے صحیح راہ کی بازیافت ہو سکتی ہے اس سلسلہ کی سب سے اہم ہدایت یہ ہے کہ وہ "معاش" بذات خود شریعت کی پاکیزہ روح سے ہم آہنگ ہو، نیز اس میں کسی کی حق تلفی یا ظلم و زیادتی کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو، اسی طرح کسی معصیت کی حوصلہ افزائی

☆ استاذ مدرسہ حسینیہ، کائم کلم، کیرالا۔

یعنی معاونت نہ ہورہی ہو،قرآنِ کریم کی آیت کریمہ "**تعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**" نیز حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح پرور دعاء "**رب بما انعمت علی فلن أکون ظھیرا للمجرمین**" اس کی تائیدوتوثیق کے لیے کافی ہے۔

معاملات کے باب کی احادیث کا معتدبہ حصہ اس نکتہ پر بھی مرکوز ہے،حرمت خمر کی حدیث جس میں دس افراد پر لعنت کی گئی ہے،شرب کا مجرم تو شخص واحد ہے باقی جتنے ہیں سب کا تعلق تعاون وتسبب سے ہے۔

حرمت ربا کی حدیث "**لعن رسول الله ﷺ آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: هم سواء**"(ربا کھانے والا،کھلانے والا،لکھنے والا،اور گواہی دینے والے پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے،اور فرمایا کہ سب برابر ہیں (معصیت میں))(مسلم شریف: ۲/۲۷،کتاب البیوع،باب الربا،طبع:دیوبند)۔

اس میں بھی ایک کے سوا باقی معاونت کے ہی مرتکب ہیں۔

سب کا حاصل یہی ہے کہ حرمت کا تعلق جس طرح مباشر سے ہے،معاون سے بھی ہے۔

اکابر واسلاف کا طرز عمل بھی اسی طرف مشیر ہے،اس سلسلہ میں صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

حضرت عبیداللہ بن الولید رصافی نے حضرت عطاء بن أبی رباح سے اپنے بھائی کے متعلق دریافت کیا "**إن أخي لیس له من أمور السلطان شيء إلا أنه یکتب له بقلم مایدخل و مایخرج، فإن ترک قلمه صار علیه دین واحتاج، وإن أخذ به کان له فیه غنی قال: لمن یکتب؟ قال: لخالد بن عبد الله القسری، قال: ألم تسمع إلی ما قال العبد الصالح: رب بما أنعمت علي فلن أکون ظھیرا للمجرمین، فلا**

یهتم أخوک بشئ و لیرم بقلمه، فإن الله تعالیٰ سیاتیه برزق'' (أحکام القرآن مولانا ظفر احمد عثمانی ۳ر ۴۷، تفسیر قصص، مکتبہ کراچی)۔

(میرے بھائی سے متعلق شاہی خدمات میں سے صرف یہ ہے کہ وہ حساب وکتاب لکھتا ہے، اگر لکھنا بند کردے تو اس پر قرض کا بوجھ ہوجائے گا اور محتاج ہوجائے گا، اگر لکھتا ہے تو غنی رہتا ہے، حضرت عطا نے پوچھا: کس کے لیے لکھتا ہے؟ حضرت عبید اللہ نے فرمایا: خالد بن عبد اللہ قسری کا کاتب ہے، حضرت عطاء نے فرمایا: کیا تم نے عبد صالح کی دعاء نہیں سنی، **رب بما أنعمت علی الخ** کیا تیرے بھائی کو کچھ پرواہ نہیں ہے اس کو چاہئے کہ قلم پھینک دے، اللہ رزق دے گا) اور بھی متعدد واقعات ہیں جو اس ''نکتہ'' کی تائید کرتے ہیں۔

معاونت کے قریب قریب ''تسبب'' ہے، شریعت نے ہر ایسی صورت کو بھی ممنوع کردیا ہے جو کسی فسق وفجور کا سبب بن رہی ہے، قرآن میں ہے: **من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها ومن یشفع شفاعة سیئة یکن له کفل منها**۔

پھر ایسا بھی نہیں کہ ہر تعاون اور ہر سبب ناجائز ہے، اگر ایسا ہو تو انگور کی کاشت کرنے والا بھی حرمت کا مرتکب ہوگا، اس لیے کہ وہ بھی کسی نہ کسی درجے میں شراب کا سبب بن رہا ہے اس لیے کچھ تفصیل کرنی ہوگی۔

تسبب وتعاون کے مابین فرق:

تسبب وتعاون میں فرق بھی ہے، سبب میں نیت کا اعتبار نہیں جبکہ تعاون میں نیت وقصد معتبر ہے، یہی وجہ ہے کہ تعاون کی تین صورتوں کو ''حرام تعاون'' باور کیا گیا ہے جن میں نیت وقصد یا تو حقیقتاً ہے یا حکماً۔

(۱) اعانت کرنے والا اس معصیت کا قصد کرے (۲) صلب عقد میں ارتکاب معصیت مشروط ہو (۳) وہ محل معصیت کے علاوہ کسی اور خیر کو قبول کرنے والا ہی نہ ہو، پس پہلی صورت میں قصد وارادہ حقیقۃً ہے جبکہ آخر دونوں صورتوں میں حکماً ہے، لہٰذا حرمت کے لیے حقیقۃً

یا حکماً نیت کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے برخلاف "سبب" میں نیت کا اعتبار نہیں، بدون قصد بھی تسبب ممنوع ہوگا، لیکن سبب سے مراد سبب قریب جالب ومحرک ہے، حضرت عثمانی نے اچھی تفصیل فرمائی ہے، خلاصہ اس کا یہی ہے کہ: ہر سبب نہ تو محمود ہے اور نہ مبغوض، بلکہ سبب کی دو قسمیں ہیں: قریب وبعید، سبب قریب بعض تو محرک ہے اور بعض غیر محرک، سبب محرک کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ سبب نہ ہوتا تو اس شئی کا وجود نہ ہوتا، اسی کو فقہاء واصولیین "سبب فی معنی العلۃ" سے تعبیر کرتے ہیں۔

علامہ شامی نے بھی اجمالی طور پر اس پر روشنی ڈالی ہے، ہتھیار کی خرید وفروخت پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ویکرہ تحریماً بیع السلاح من أهل الفتنة إن علم، لأنه إعانة علی المعصیة، وبیع مایتخذ منه کالحدید ونحوہ یکرہ لأهل الحرب لا لأهل البغی (زیلعی)۔

قلت: وأفاد کلامهم أن ما قامت المعصیة بعینه یکرہ تحریماً وإلا فتنزیهاً (کذا فی النهر، شامی: ۴/۲۶۸، کتاب البغاۃ، مطلب فی کراهیة بیع ماتقوم المعصیة بعینه، طبع: کراچی)۔

(اگر جانتا ہو تو اہل فتنہ سے ہتھیار کو فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ یہ اعانت علی المعصیت ہے، لوہے وغیرہ جس سے ہتھیار بنایا جاتا ہے، اس کی بیع کافر سے مکروہ ہے نہ کہ باغی سے) (زیلعی)۔

فقہاء کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ جس کے عین سے معصیت کا قیام ہو (اس کی بیع) مکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی ہے۔

بہر حال نہ تو ہر سبب ممنوع ہے نہ ہر اعانت ناجائز ہے، بلکہ اعانت وہ ممنوع ہے جس میں معصیت کا قصد یا تو حقیقۃً ہو یا حکماً، اسی طرح جو سبب محرک معصیت ہے وہ بھی ممنوع ہے۔

فقہائے کرام نے قرآن وحدیث سے بعض اہم اصول بھی مستنبط کیا ہے، ان اصول کو

زیر بحث مسئلہ میں مدنظر رکھنا چاہیے مثال کے طور پر:

(الف) **قد تراعى المصلحة لغلبتها على المفسدة** (اشباہ:۱/۱۲۶، قاعدہ ۱۰، الفن الاول مطبوعہ: پاکستان)۔

کبھی مصلحت غالبہ کی مفسدہ کے مقابلہ میں رعایت کی جاتی ہے۔

(ب) **ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها** (اشباہ ۱۹/۱۱۹، قاعدہ خامسہ، مطبوعہ: پاکستان)۔

(ضرورت کی بنا پر مباح کو بقدر ضرورت ہی اختیار کیا جاتا ہے)۔

(ج) **المشقة تجلب التيسير** (اشباہ:۱/۱۰۵، قاعدہ رابعہ، مطبوعہ: پاکستان)۔

(مشقت آسانی پیدا کرتی ہے)۔

(د) **الأمور بمقاصدها** (اشباہ:۱/۴۲، پاکستان)۔

(کاموں کا اعتبار ان کے مقاصد کے لحاظ سے ہوتا ہے)۔

(ھ) **يتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام** (اشباہ:۱/۷۶، پاکستان)۔

(ضرر عام کو دفع کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کرلیا جاتا ہے)۔

(ر) **الكذب محظور إلا في القتال للخدعة، وفي الصلح بين اثنين، وفي إرضاء الأهل وفي دفع الظالم من الظلم** (عالمگیری:۵/۴۳۲، کتاب الکراہیۃ، باب الغناء واللہو مطبوعہ: بیروت)۔

(کذب ممنوع ہے مگر جنگ میں دھوکہ دینے کے لیے، دو شخصوں کے مابین صلح کرنے کے لیے، بیوی کو خوش کرنے کے لیے، اور ظالم کو ظلم سے روکنے کے لیے)۔

انہی اصول وضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے دورِ حاضر کی مختلف ملازمتوں کا حکم تلاش کیا جاسکتا ہے۔

(۱) فوجی ملازمت کا حکم:

فوجی ملازمت کو ذریعہ معاش بنانے میں اعانت علی المعصیت ضرور ہے، مگر اسی وقت

ممنوع ہوگی جبکہ حقیقتاً یا حکماً اس کا قصد ہو، لہٰذا ایسی فوج میں بھرتی ہونا جس کا مقصد مسلمانوں سے لڑنا ہو خواہ لڑائی کی نوبت آئے یا نہ آئے، جائز نہیں ہے۔

یا پھر تقرری کے وقت ہی ظلم وزیادتی کو مشروط کردیا جائے تو بھی جائز نہیں ہے، ورنہ اگر معصیت کی نیت نہیں ہے تو فوجی ملازمت میں کچھ حرج نہیں ہے، بلکہ اگر نیت ظلم وجور کو دفع کرنا ہو تو اس میں ثواب بھی ہے، شامی کی ایک عبارت سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

قوله: يؤجر من قام بتوزيعها بالعدل، أي: بالمعادلة كما عبر في القنية، أي: أن يحمل كل واحد بقدر طاقته؛ لأنه لوترك توزيعها إلى الظالم ربما يحمل بعضهم مالايطيق فيصير ظلماً على ظلم، ففي قيام العارف بتوزيعها بالعدل تقليل للظلم فلذا يؤجر (شامی: ۲/۳۳۶، کتاب الزکاۃ، باب یجب العشر علی المزارعین فی الأراضی السلطانیۃ، کراچی)۔

(جو شخص اس (سلطانی ناحق ٹیکس) کو ٹھیک ٹھیک تقسیم کرے گا ماجور بھی ہوگا، یعنی ہر شخص کو اس کی طاقت کے بقدر مکلف کرے، اس لیے کہ اگر اس کی تقسیم ظالم کے حوالہ ہوگئی تو طاقت سے زیادہ بار ڈال دے گا تو ظلم بالائے ظلم ہوجائے گا، لہٰذا عارف کے انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے میں ظلم کی تقلیل ہے تو ماجور ہوگا)۔

مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی اسی نوع کا ہے:

ظالموں سے ملک کی حفاظت کے لیے فوج میں ملازمت کرنا درست ہے، اگر کسی ظالم نے چڑھائی کی اور یہ دفاع کرتا ہوا قتل ہوگیا تو ان شاء اللہ شہید ہوگا، "**من قتل دون ماله، من قتل دون دمه، و من قتل دون عرضه**" ان سب کو شہید فرمایا گیا ہے (فتاوی محمودیہ: ۲۵/۱۵۰، سوال: ۱۴۸۹۱، بترتیب جدید)۔

(۲) محکمۂ پولیس کی ملازمت:

اس محکمہ کا اصل مقصد امن وامان کا قیام ہے، ظلم وزیادتی قانوناً بھی ممنوع ہے، لیکن

دیکھا یہ گیا ہے کہ اس میں شامل ہونے والا بد معاش، بد قماش اور بد فطرت بن جاتا ہے، جو انسان کا ذاتی فعل ہے اس کی حوصلہ افزائی تو نہیں کی جاسکتی، لیکن اصل مقصود کی نیت سے اس پیشے کے قبول کرنے کو نا جائز بھی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ سے استیناس کیا جاسکتا ہے۔

البتہ کسی کو اپنے بارے میں ظن غالب ہے کہ اسلامی حدود کی پاس داری اس کے بس میں نہیں رہ پائے گی تو اس کے لیے ایسے عہدے سے اجتناب لازم ہے۔

جواز کی صورت میں بھی اپنے آپ کو ظلم و زیادتی سے دور رکھے۔

(۳) محکمۂ انٹیلیجنس کی نوکری:

محکمۂ انٹیلیجنس میں ملازمت سے بھی انسانوں کا مفاد متعلق ہے، گو اس کی اصل تجسس ہے جو غیبت کے زمرے میں آتا ہے لیکن ہر غیبت ممنوع نہیں ہے، فقہاء نے بعض مواقع کا استثناء بھی کیا ہے، اس لیے ایسی نوکری انہی مستثنی مواضع میں شمار ہوگی اور جائز ہوگی۔

تجسس و غیبت بعض اوقات غرض صحیح کی بنا پر جائز بلکہ مستحسن وواجب ہوجاتی ہے، علامہ قرافی و حافظ ابن حجر نے ان مواضع کی نشان دہی کی ہے، دوسرے علماء نے بھی اتفاق کیا ہے، حافظ کی عبارت درج ذیل ہے:

"قال العلماء: تباح الغيبة في كل غرض صحيح شرعاً حيث يتعين طريقاً إلى الوصول إليه بها كالتظلم والاستعانة على تغيير المنكر، والاستفتاء، والمحاكمة، والتحذير من الشر، ويدخل فيه تجريح الرواة والشهود، وإعلام من له ولاية عامة بسيرة من هو تحت يده، وجواب الاستشارة في النكاح أو عقد من العقود الخ" (فتح الباری: ۱۰/ ۴۷۱، کتاب الادب، باب مایجوز من اغتیاب اہل الفساد والریب ح: ۶۰۵۴، کتاب الفروق للقرافی: ۴/ ۲۵۹ فرق: ۲۵۳، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۸)۔

(علماء نے فرمایا: غیبت ہر شرعی غرض صحیح کے لیے جائز ہے مثلاً جہاں مقصود تک پہنچنے

کے لیے یہی طریقہ متعین ہو، جیسے شکایت ظلم، منکر کی تغییر کے لیے استعانت، استفتاء، فیصلہ کرانا، لوگوں کو شر سے متنبہ کرنا، اسی میں راویوں اور گواہوں کی جرح ہے، نیز ولی کو اس کے ماتحت کے حالات سے باخبر کرنا، نکاح میں یا عقد میں مشورہ دینا داخل ہے)۔

اسی طرح تجسس کی قرآن وحدیث میں ممانعت آئی ہے، لیکن بعض نظائر ایسے بھی ہیں جہاں تجسس کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے۔ گواہوں کے تزکیہ کی ایک صورت سری تزکیہ کی ہے، اس میں بھی خفیہ طور پر تجسس کیا جاتا ہے (فتح القدیر: ۷/ ۵۳ ۳، کتاب الشہادات، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)۔

حضرت امام ابو یوسف جس زمانے میں عہدۂ قضا پر فائز تھے "نصاب الاحتساب" کے مطابق بعض اوقات بعض شبہ کی بنا پر تجسس کا حکم دیتے تھے، البتہ علامہ ماوردی نے محتسب کے لیے مطلقاً تجسس کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن حق وہ معلوم ہوتا ہے جو "تکملہ فتح الملہم" میں لکھا گیا ہے:

"والذی یظهر أن المستتر بتعاطی المحرم من المحرمات إن کان لایتعدی ضرره إلی غیره فلا حاجة للمحتسب أن یتجسس فی أمره، وأما إذا تعدی إلی أحد غیره أو المجتمع بصفة عامة فإنه یجوز للمحتسب أو لموظف آخر منصوب من قبل الحکومة لهذا الغرض أن یهجم علیه" (تکملہ فتح الملہم: ۵/ ۶۰ ۳، کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم الظن والتجسس، مطبوع کراچی)۔

(ظاہر یہ ہے کہ جو شخص خفیہ طور پر کسی محرم کا مرتکب ہے، اگر اس کا ضرر دوسروں تک متجاوز نہیں تو تجسس کی حاجت نہیں اور اس کا ضرر دوسروں تک متعدی ہو تو محتسب یا حکومت کے کسی بھی کارندے کے لیے اس غرض سے تجسس جائز ہے)۔

(۴) کورٹ کچہری کی ملازمت:

غیر اسلامی عدالت کی ملازمت بھی جائز ہے، اس کا اصل مقصد انصاف دلانا ہے نہ کہ ظلم کرنا، ظلم وعدوان قانون ملکی کی خلاف ورزی ہے جو گرفت میں آنے پر بڑے بڑے عہدے

سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے، اس لیے اصل مقصود انصاف کی فراہمی ہے جو نیک مقصد ہے، الامور بمقاصدہا۔

لہٰذا اس نیت سے یا محض کسب معاش کی غرض سے ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا، البتہ خلافِ اسلامی قانون برتنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہر ایسے مرحلے پر دوسرے کسی غیر مسلم عہدے دار کو سپرد کر دیا کرے وہی اس قانون کو نافذ کرے تا کہ کسی مسلم کی طرف سے معاونت نہ پائی جائے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

''یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکافراً'' (درمختار مع ردالمحتار:۵/۳۶۸،کتاب القضاء،قبیل:مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد تغلب فیہا الکفار،مطبوعہ:پاکستان)۔

(بادشاہ سے منصف ہو یا ظلم پرور، خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو قضاء قبول کرنا جائز ہے)۔

ہاں اگر ظن غالب ہے کہ اس پیشہ کو قبول کرنے سے وہ غیر اسلامی قانون اختیار کرنے پر مجبور ہوگا تو پھر جائز نہیں کہ اس پیشہ کو اختیار کرے۔

''فلو کان غالب ظنه أنه یجور فی الحکم ینبغی أن یکون حراماً'' (شامی:۵/۳۶۷،کتاب القضاء،پاکستان)۔

(اگر ظن غالب ہے کہ ظلم وجور کرے گا تو حرام ہے)۔

(۵) آئی ٹی او کی ملازمت:

ٹیکس دراصل ذاتی ملکیت میں جبری تصرف ہے جو اصل کے لحاظ سے تو ممنوع ہے، لیکن بہت سے علماء نے ملکی مفاد کی خاطر اس کی اجازت بھی دی ہے۔ صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

''قال أبو جعفر البلخی: مایضر به السلطان علی الرعیة مصلحة لهم یصیر دیناً واجباً وحقاً مستحقاً کالخراج''۔

''وقال مشائخنا: وکل مایضر به الإمام علیهم لمصلحة لهم فالجواب هکذا'' (شامی:۲/۳۳۷،کتاب الزکاۃ،مطلب:ہل یجب العشر علی المزارعین،مطبوعہ:کراچی)۔

(ابوجعفر بلخی نے فرمایا: بادشاہ، رعایا پر عوام کی خاطر جو ٹیکس متعین کرتا ہے وہ خراج کی طرح واجب قرض اور حق مستحق ہو جاتا ہے۔

مشائخ علیہم الرحمہ نے فرمایا: ہر وہ ٹیکس جو امام کی طرف سے عوامی مصلحت کے لیے ہو اس کا حکم بھی یہی ہے)۔

لیکن اس وجوب وتنفید کے لیے شرط ہے کہ وہ ضرورت کی بنا پر ہو اور عوام کے رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

شیخ وہبہ زحیلی ایک سمینار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"نص فقهاء الإسلام كالغزالي والشاطبي والقرطبي على مشروعية طرح ضرائب جديدة على الأغنياء والغلات والثمار وغيرهما بقدر مايكفي حاجات البلاد العامة" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۹/ ۵۰۰۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)۔

(امام غزالی، علامہ شاطبی اور علامہ قرطبی جیسے فقہائے اسلام نے مالداروں، آمدنیوں اور پھلوں وغیرہ پر ملکی حاجات عامہ کے بقدر کچھ نئے ٹیکس کی مشروعیت کی صراحت کی ہے)۔

پھر حاشیہ پر اس کے شرائط کی وضاحت کرتے ہوئے تیسری شرط بیان کی ہے:

"واشترط لجواز فرض الضريبة أربعة شروط: الثالث: أن تصرف الضريبة في المصالح العامة للأمة" (حوالہ بالا)۔

(تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ٹیکس عوام کے مفاد عامہ میں صرف کیا جائے)۔

لہٰذا اگر حکومت ٹیکس وصول کرے لیکن صحیح مصرف میں خرچ نہ کرے تو ایسے ادارے سے انسلاک تعاون علی المعصیت ہے، اس کو برداشت اسی وقت کیا جاسکتا تھا جبکہ مفاد عامہ کے حق میں ہوتا، لیکن یہ مفاد عامہ کے حق میں نہیں، اس لیے ایسی ملازمت جائز نہیں۔

لیکن یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ وہ عیش کوشی پر خرچ ہوتا ہے، خیال واقعی ہے یا فرضی۔

(۲) بینک کی ملازمت:

سود کی حرمت قرآن وحدیث میں منصوص ہے، حضور نے چار شخصوں پر لعنت کی ہے:

"لعن رسول الله ﷺ آکل الرباء ومؤکله وکاتبه وشاهدیه" (مسلم: ۲/ ۲۷، کتاب البیوع، باب الربا)۔

(حضور ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے) اس لیے معاملہ شدید ہے، اس کی ہر قسم کی معاونت سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے، لیکن اس دورِ پُرفتن میں اپنے آپ کو سودی اثرات سے بالکلیہ محفوظ رکھنا محال تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن مشکل ضرور ہے، پھر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مذکور چاروں شخص ایسے ہیں جن کا براہِ راست تعلق سودی معاملات سے ہے، اس لیے خیال یہ ہوتا ہے کہ ان چار معاملات کے علاوہ ذمہ داریاں جائز ہونی چاہئے، لہٰذا کیشیر، چپراسی، کمپیوٹر ٹھیک کرنے والے، ایرکنڈیشن ٹھیک کرنے والے کی ملازمت تعاون علی المعصیت میں نہیں آتی ہے۔

اسی طرح بینک کے لیے مکان کرایہ پر دینا، معماری کا کام اس کے لیے کرنا بھی تعاون کی اس فہرست میں نہیں ہے جو کہ حرام ہے۔ مفتی محمود صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے (دیکھیے: فتاوی محمودیہ: ۲۵/ ۲۶۰ سوال: ۵۲ ۹۲ جدید ایڈیشن بترتیب جدید)۔

صاحب بحر لکھتے ہیں:

"جاز إجارة البیت لکافر لیتخذ معبداً أو بیت نار للمجوس، أو یباع فیه خمر في السواد، وهذا قول الإمام، وقالا: یکره کل ذلک لقوله تعالیٰ: وتعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان۔

وله: أن الإجارة علی منفعة البیت ولهذا تجب الأجرة بمجرد التسلیم ولامعصیة فیه، وإنما المعصیة بفعل المستاجر وهو مختار فیه، فقطع نسبة ذلک إلی المؤجر" (البحر الرائق: ۸/ ۲۰۲، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع، مطبوعہ: کراچی)۔

(کسی کافر کو مندر بنانے کے لیے، یا مجوسی کو آتش کدہ بنانے کے لیے، یا دیہات میں شراب کی بیع کے لیے گھر کرایہ پر دینا جائز ہے، حضرت امام اعظم کے نزدیک، حضرات صاحبین مکروہ فرماتے ہیں: آیت: "تعاؤنوا علی البر الخ" کی وجہ کر۔

حضرت امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ کرایہ (سکونتِ) بیت کی منفعت کا ہے، یہی وجہ ہے کہ محض حوالہ کرنے سے ہی اجرت واجب ہوجاتی ہے، اور اس میں معصیت نہیں ہے۔ معصیت تو مستاجر کے فعل سے ہے اور وہ خود مختار ہے، لہٰذا اس کی نسبت موجر کی طرف نہیں ہوگی)۔

اعلاء السنن کی عبارت اور بھی واضح ہے:

شراب بنانے والے سے انگور بیچنے کی نظیر ذمی کی شراب اجرت پر اٹھانا ہے جو کہ جائز ہے جبکہ معصیت کا ارادہ نہ ہو، اس لیے کہ اٹھانا صرف شرب کے لیے نہیں ہوتا ہے، اسی طرح گرجا گھر اور چرچ کی تعمیر (میں کچھ حرج نہیں) جبکہ معصیت کا قصد نہ ہو، اس لیے کہ یہ دونوں (کنیسہ وبیعہ) حقیقت میں گھر ہیں جو عبادت کے لیے مخصوص نہیں، عبادت کے لیے مختص کرنا انسان کا اپنا اختیاری فعل ہے، اسی طرح ذمیوں کو گھر کرایہ پر دینا جبکہ معصیت مقصود نہ ہو، اس لیے کہ گھر معصیت کے لیے نہیں بنایا گیا اور نہ موجر نے اس کا قصد کیا ہے بلکہ معصیت ذمی کے برے اختیار کی وجہ کو شامل ہوگئی، (اعلاء السنن: ۱۷/۴۷۴، باب: بیع العصیر والعنب ممن یعلم أن یتخذ خمراً مطبوعہ: بیروت: ۱۴۱۸ھ)۔

اس عبارت کا مقتضی تو یہی ہے کہ ایسے مکان کی تعمیر کی گنجائش ہے جس میں نتیجۃً معصیت ہی معصیت کا صدور ہوگا، جبکہ بینک میں صرف سودی معاملات ہی انجام نہیں پاتے ہیں بلکہ بہت سے امور ہیں جو جائز بھی ہیں تو اس مخلوط عمل کے لیے کرایہ پر دینا، تعمیر کرنا وغیرہ کیوں کر جائز نہ ہوگا۔

امداد الاحکام کے ایک جواب استفتاء سے معلوم ہوتا ہے کہ بینک کی ملازمت جس میں

سودی معاملات لکھنے کی ضرورت پڑے اور خطرہ ہو کہ اگر کوئی مسلمان اس عہدے کو نہیں لے گا تو ہندو آجائے گا، ایسے وقت میں ایسی ملازمت بھی جائز ہے۔

''اگر سب رجسٹراری میں سودی دستاویز کی رجسٹری کرنا لازم ہو تو یہ ملازمت حرام ہے، البتہ اگر اندیشہ ہو کہ مسلمان اس ملازمت کو ترک کردے گا تو اس عہدے پر ہندو آجائے گا جو مسلمانوں سے تعصب کرے گا تو اس صورت میں عام اہل اسلام کی نفع رسانی کی غرض سے اس ملازمت کو اختیار کرنا بعض کے نزدیک جائز ہے، اور ہر شخص اپنی نیت کو دیکھ لے واقعی یہی قصد ہے، یا قصد تو مال وجاہ ہے اور یہ محض حیلہ ہے'' (امداد الاحکام حضرت مولانا ظفر احمد عثانی، کتاب الاجارات ۳/ ۵۲۲، مطبوعہ کراچی)۔

بہر حال نیت مال ہی اگر ہے تو براہِ راست سود کا جن معاملات سے تعلق ہے، ایسی ملازمت جائز نہیں، باقی کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

انشورنس کمپنی کی ملازمت:

انشورنس کی تمام ہی صورتوں میں غرریا قمار پایا جاتا ہے اس وجہ سے ناجائز ہے، لیکن حاجت شدیدہ کی وجہ کر'' حادثہ بیمہ'' میڈیکل بیمہ اور قانونی جبر کی وجہ کر بعض تھرڈ پارٹی انشورنس کو علمائے عصر نے جائز قرار دیا ہے، ہر چند کہ اس کا متبادل نظم میوچل انشورنس (Mutual Insurance) کی شکل میں تجویز بھی کیا گیا ہے جو عقد معاوضہ کے بجائے عقد تبرع پر مشتمل ہوتا ہے جس میں غرر یا جہالت مضر نہیں ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ابھی تک یہ نظام پوری دنیا میں رائج نہیں ہوسکا، بعض عرب ملکوں ہی تک محدود ہے، لہذا میڈیکل بیمہ، یا تھرڈ پارٹی بیمہ کے علاوہ چارۂ کار نہیں ہے، لیکن محض ضرورت کی بنا پر ہے، نیز **ما ابیح للضرورة تقدر بقدرها** کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کی ملازمت سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

البتہ عام مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے بدرجۂ مجبوری جائز انشورنس کا ایجنٹ بننے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ **إن ضرر الخاص يتحمل للدفع ضرر العام** (اشباہ ۱/ ۱۲۱، پاکستان)

(ضررِ عام کو دفع کرنے کے لیے ضررِ خاص کو برداشت کیا جاسکتا ہے)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"**وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن كان في الأصل فاسداً، لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزه لحاجة الناس**" (شامی:۶/ ۶۳، کتاب الاجارۃ، مطلب فی اجرۃ الدلال، مطبوعہ: پاکستان)۔

(حاوی میں ہے، محمد بن سلمہ سے دلالی کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ لاباس بہ ہے، اگرچہ اصل کے لحاظ سے فاسد ہے۔ کثرت تعامل کی وجہ سے ان میں سے زیادہ ناجائز ہے لہٰذا لوگوں کی حاجت کی بنا پر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ مطلق دلالی بھی حاجت کی وجہ کر روا ہے، صورت مسئولہ میں بھی مسلمانوں کی خیر خواہی اور ضرورت جمع ہیں۔

شراب کمپنی کی ملازمت:

شراب کی ایسی کمپنی جس میں صرف شراب ہی کا کاروبار ہوتا ہے اس کی ملازمت تعاون علی الاثم ہے اور حرام ہے، البتہ کوئی شخص ایسی کمپنی میں کام کرتا ہے جس میں شراب کے اجزاء و بوتل وغیرہ تیار ہوتے ہیں تو دیکھنا ہوگا کہ ان اجزاء کا کوئی جائز استعمال بھی ہے یا نہیں، اگر صرف شراب کے لیے ہی استعمال ہے تو یہ بھی تعاون علی الاثم ہے، ہاں اس کا کوئی اور جائز مصرف بھی ہے تو صحتِ نیت کے ساتھ گنجائش ہوگی، ملازمت کی اور بھی بہت سی پاکیزہ شکلیں ہیں ان ہی کو اختیار کرنا چاہئے۔

"**وإذا استأجر ذمي مسلماً ليحمل له خمراً ولم يقل يشرب أو قال: ليشرب جازت الإجارة في قول أبي حنيفة خلافاً لهما**" (عالمگیری:۴/ ۴۴۹، کتاب الاجارۃ، باب الاجارۃ علی المعاصی، مطبوعہ: رشیدیہ پاکستان)۔

(کوئی کافر، کسی مسلم کو شراب اٹھانے کے لیے اجرت پر لے، اس سے پینے کی بات کرے یا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اجارہ جائز ہے، برخلاف حضرات صاحبین کے)۔

جواز کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس سے کمایا ہوا روپیہ اس کے لیے حلال ہے، اس لیے کہ اٹھانا صرف پینے کے لیے ہی نہیں ہوتا ہے دوسرے مقاصد بھی ہوتے ہیں۔

"جاز بيع العصير من خمار لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره ...... ولأن العصير يصلح لأشياء كلها جائزة شرعاً فيكون الفساد إلى اختياره"

(البحر الرائق: ۸/۲۰۲، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع، مطبوعہ کراچی)۔

(شراب بنانے والے سے شیرہ کی بیع جائز ہے، اس لیے کہ معصیت کا قیام عین شیرہ سے نہیں بلکہ تغیر کے بعد ہے اور اس لیے کہ شیرہ بہت سی مباح چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے تو فساد کی نسبت اس کے اختیار کی جانب ہوگی)۔

سپر مارکیٹ کی ملازمت:

سپر مارکیٹ یقیناً انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے، اس میں زندگی گزارنے کے لیے ہر جائز و ناجائز ضرورت فراہم ہوتی ہے، اب دیکھنا ہوگا کہ زیادہ جائز اشیاء ہیں یا حرام اشیاء، اگر ناجائز اشیاء کی کثرت ہے تو ملازمت جائز نہیں، اس لیے کہ اس وقت وہ مارکیٹ حقیقت میں حرام اشیاء کی ہی مارکیٹ سمجھی جائے گی۔

"**ما اجتمع الحلال والحرام إلا غلب الحرام**" فقہی ضابطہ کا محمل اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔

ہاں کثرت جائز اشیاء کی ہے تو پھر ملازمت میں کچھ حرج نہیں ہے، لیکن حرام اشیاء کے لین دین سے اپنے آپ کو الگ رکھے، گاہک کو کہہ دے کہ تم خود لے لو، اگر لین دین بھی اسی سے متعلق ہو نیز یہ عند العقد مشروط بھی ہو تو تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ کر ملازمت ناجائز لیکن تنخواہ حلال ہوگی (البحر الرائق ۸/۲۰۳)۔

مخلوط تعلیمی ادارے اور تدریسی خدمات:

تدریسی امور کی انجام دہی بڑی سعادت ہے، لیکن یہ سعادت بھی اب معصیت کی نذر ہوگئی ہے۔

دورِ حاضر کا تعلیمی ڈھانچہ چاہی نہ چاہی اسباب وعوامل کی وجہ کر بے پردگی اور اختلاطِ مردوزن کی بھینٹ چڑھ کر بالکل تباہ ہو چکا ہے، دوسری طرف تعلیم کے بے غیر زندگی کو استوار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اب تو بعض ملکوں کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ بغیر تعلیم شہریت کا حق بھی نہیں مل پاتا، تعلیمی نظریات وخیالات کی صورت حال بھی اچھی نہیں، کیڑے مکوڑے کی طرح باطل قوتوں کی کثرت ہے جو پوری قوت کے ساتھ اپنے افکار کے پھیلانے کے درپے ہیں۔

قبل ازیں "مدورائی" کے اٹھارہویں سمینار میں عورتوں کی ملازمت کی بابت تجویز پاس ہوچکی ہے، لیکن مسئلہ مردوں کا ہے، کیا وقت کے رنگ میں رنگ جائے اور آنکھ بند کر کے ایسے تعلیمی ادارے کی ملازمت کو ترجیح دے دے جو عورتوں کی نیرنگیوں سے لبریز ہوں، یا پھر اپنے آپ کو ایسے اداروں سے دور رکھ کر معاشی کش مکش سے دوچار ہوتا رہے۔

ظاہر بات ہے بالکل آزاد بھی نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی بالکل پابندی کی جکڑ بندیوں میں جکڑا جاسکتا ہے۔

بوقت ضرورت فقہاء نے اجنبیہ کو دیکھنے کی گنجائش بھی رکھی ہے لیکن ضرورت کا تحقق ہے یا نہیں یہ ہر علاقے اور خطے کے حالات اور ہر ملازم کے شخصی احوال پر منحصر ہے، اس لیے حتی الامکان اسلامی حدود وقیود کو باقی رکھتے ہوئے ناگزیر حالات میں ضرورۃ اجازت دینی چاہیے، کوئی جامع حکم تو نہیں لگایا جاسکتا مقامی حالات الگ الگ ہیں ان کے مناسب احوال الگ الگ حکم بھی ہوسکتا ہے۔

پھر جواز کی صورت میں بھی آنکھوں اور دوسرے اعضاء کو جس قدر ممکن ہو گناہوں کی آلودگیوں سے بچانا لازم ہے۔

پیشۂ وکالت:

وکالت کا پیشہ دراصل اجارہ ہے جو فی نفسہ جائز ہے، ممانعت وقباحت خارجی اسباب کی بنا پر ہے، اس لیے کذب وافتراء سے بچتے ہوئے کوئی اس پیشہ کو اختیار کرتا ہے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

اگر اس کا مؤکل واقعتاً مظلوم ہو اور فریق ثانی ظالم، نیز خطرہ بلکہ اندیشہ قوی ہے کہ ظالم کا وکیل اپنی چرب زبانی یا حیلہ سازی کرکے اس کے حق واجب کو دبا لے گا تو اس کے لیے جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے، علامہ عینی، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قصۂ ہجرت (جس میں انہوں نے ایک ظالم بادشاہ کے سامنے ہذہ اختی کہا، پھر سارہ کو بھی تاکید کی کہ اس کے خلاف نہ کہے)، والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفيه الحيل في التخلص من الظلمة، بل إذا علم أنه لايتخلص إلا بالكذب جاز له الكذب الصراح، وقد يجب في بعض الصور بالاتفاق كونه ينجي نبيا أو ولياً ممن يريد قتله أو لنجاة المسلمين من عدوهم.

وقال الفقهاء: لو طلب ظالم وديعة لإنسان ليأخذها غصباً وجب عليه الإنكار والكذب في أنه لايعلم موضعها" (عمدۃ القاری ۴۶/۱۲ کتاب البیوع، باب شراء المملوک من الحربی وہبتہ وعتقہ، مطبوعہ رشیدیہ، کوئٹہ)۔

(اس حدیث میں ظالموں سے رہائی کے لیے حیلہ کا جواز ہے، بلکہ اگر معلوم ہو کہ کذب کے بغیر چھٹکارا نہیں ہوسکتا ہے تو کذب صریح بھی جائز ہے، بعض صورتوں میں تو بالاتفاق واجب ہے جیسے کسی نبی یا ولی کو قاتل سے بچانا ہو یا مسلمانوں کو دشمنوں سے نجات دلانا ہو۔

فقہاء نے فرمایا کہ اگر ظالم کسی شخص کی امانت طلب کرتا ہے تاکہ غصب کرلے تو انکار وکذب واجب ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے)۔

اسپتال کی ملازمت:

ہاسپٹل انسانی خدمت کے لیے ہے، دنیوی قانون کی رو سے بھی خدمت ہی مطلوب ہے، لیکن خدمت کے بجائے ظلم وعدوان کا پیشہ اختیار کرنا انسان کا ذاتی فعل ہے، ہاں بعض اوقات انتظامیہ کی طرف سے ایسی زیادتیوں کی تاکید یا پابند کیا جاتا ہے، ایسے موقع پر یہ تعاون علی العدوان ہو کر ممنوع ہوگا ورنہ تو کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ اگر ظن غالب سے معلوم ہے کہ اس شخص کی شمولیت کی وجہ سے ظلم وعدوان میں تخفیف ہوگی تو بھی اس نیت سے اس ملازمت کی اجازت ہوگی، جیسا کہ شامی کی باب العشر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

جہاں تک عورتوں کے آپریشن یا قابل ستر جگہ کے مس ونظر کا مسئلہ ہے تو یہ مجبوری کی صورت ہے جس کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

”امرأة أصابتها قرحة في موضع لایحل للرجل أن ینظر إلیه، لایحل أن ینظر إلیها لکن تعلم امرأة تداویها فإن لم یجدوا امرأة تداویها ولا امرأة تتعلم ذلک إذا علمت، وخیف علیها البلاء أو الوجع أو الهلاک فإنه یستر منها کل شيء إلا موضع تلک القرحة ثم یداویها الرجل ویغض بصره ماستطاع إلا عن ذلک الموضع“ (عالمگیری:۵/۴۰۷، کتاب الکراہیۃ، فیما یحل للرجل النظر، مطبوعہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)۔

(ایک خاتون جس کو کوئی زخم قابل ستر جگہ میں ہو جائے تو اس کو دیکھنا جائز نہیں ہے، لیکن کسی اور خاتون کو طریقہ علاج سکھایا جائے، اگر کوئی عورت نہ ملے یا کوئی عورت سکھانے پر نہ سیکھے نیز مریض کے سلسلے میں خوف مصیبت، بیماری یا ہلاکت کا ہو تو موضع مرض کے علاوہ کو مستور کر کے مرد اس کا علاج کرے، نیز جہاں تک ممکن ہو اس جگہ کے ماسوا سے غض بصر کرے)۔

بحر میں ہے:

”والطبیب إنما یجوز له ذلک إذا لم یوجد امرأة طبیبة فلو وجدت

فلایجوز له أن ینظر، لأن نظر الجنس إلی الجنس أخف، وینبغي للطبیب أن یعلم امرأۃ إن أمکن، وإن لم یمکن ستر کل عضو منها سوی موضع الوجع ثم ینظر، ویغض بصرہ عن غیر ذلک الموضع إن استطاع لأن ماثبت للضرورۃ یتقدر بقدرها" (البحرالرائق:۸/ ۱۹۲،کتاب الکراہیۃ،فصل فی النظر والمس،مطبوعہ،کراچی)۔

(ڈاکٹر کے لیے جائز ہے جبکہ خاتون ڈاکٹر نہ ہواور اگر موجود ہوتو دیکھنا جائز نہیں،اس لیے کہ ہم جنس کا ہم جنس کو دیکھنا زیادہ سہل ہے،ڈاکٹر کے لیے مناسب ہے کہ کسی عورت کو اگر ہو سکے تو سکھادے ورنہ متاثر جگہ کے علاوہ کو مستور کر کے دیکھے،اس جگہ کے علاوہ سے غض بصر کرے،اس لیے کہ جو چیز ضرورت کی وجہ کر ثابت ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے)۔

ہوٹلوں کی ملازمت:

ہوٹلوں کا اصل مقصد رہائش کی سہولت فراہم کرنا ہے،حرام چیزوں کی فراہمی ان کے مقاصد میں سے نہیں،اس لیے فی نفسہ اس کی ملازمت جائز ہے جبکہ حرام چیزوں کی فراہمی اس کے ذمہ نہ ہو،اس لیے کہ حرام اشیاء کا استعمال جس طرح حرام ہے دوسرے کو دینا بھی جائز نہیں ہے فقہ کا قاعدہ ہے: **ماحرم أخذه حرم إعطاؤه** (اشباہ:۱/ ۱۸۹قاعدہ:۱۴،مطبوعہ:پاکستان)۔

عالمگیری میں ہے:

"ولایسقي أباه الکافر خمراً ولایناوله القدح"(عالمگیری ۵/ ۴۲۰،کتاب الکراہیۃ،باب الکراہیۃ فی الاکل،بیروت ۱۴۲۱)۔

(اپنے کافر باپ کو نہ تو شراب پلائے،اور نہ ہی جام دے)۔

"وقال أصحابنا: لایجوز الانتفاع بالمیتة علی أي وجه ولا یطعمها الکلاب والجوارح" (عالمگیری ۵/ ۴۲۳،کتاب الکراہیۃ،باب الھدایا والضیافات،بیروت،۱۴۲۱ھ)۔

(مشائخ نے فرمایا: میتہ سے انتفاع کسی طرح جائز نہیں ہے،کتوں وغیرہ کو نہ کھلائے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں ایسے ہوٹلوں کی خدمت جائز نہیں، جن میں حرام اشیاء کے ارتکاب پر جبر ہو، واللہ اعلم۔

☆☆☆

مختلف شعبوں میں ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

مولانا شمس الدین مظاہری☆

۱- الف: شریعت اسلامیہ عقل سلیم اور معتدل مزاج کے ہم آہنگ ہے، یہ انسان کو الفت ومحبت، اخوت و بھائی چارگی اور امن وامان کی طرف بلاتی ہے، یہ ظلم وجور اور ہر قسم کی برائی سے زوردار انداز سے روکتی ہے، لہٰذا اگر کسی کام میں ظلم وجور، وحشت وبربریت اور کسی قسم کی برائی ہو تو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شریعت اسلامیہ کے احکام واقعی اور یقینی چیزوں کی بنیاد پر نافذ ہوتے ہیں، محض وہم وگمان پر کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا، چنانچہ قاعدہ ہے: "**لاعبرة بالتوهم**" (قواعد الفقہ / ۱۰۷) وہم کا اعتبار نہیں ہے۔

اس سے بھی انکار نہیں کہ شعبۂ فوج میں ملازمت اختیار کرنے سے بعض دفعہ ظالم ومظلوم کی تحقیق کیے بغیر وار کرنے کی نوبت آسکتی ہے، لیکن یہ وہمی ہے یقینی نہیں ہے، لہٰذا اس میں ملازمت کے سلسلہ میں حکم لگانے سے پہلے اس کے بنیادی اغراض ومقاصد کے بارے میں غور وخوض کرنا ہوگا، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے: "**العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی دون الالفاظ والمبانی**" (قواعد الفقہ / ۹۱)۔

(عقود میں اغراض ومقاصد کا اعتبار ہے نہ کہ الفاظ وعبارات کا)۔

جب ہم شعبۂ فوج کے بنیادی اغراض ومقاصد کے سلسلہ میں غور کرتے ہیں تو درج

☆ جامعہ اسلامیہ جلالیہ، آسام۔

ذیل باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

۱- شعبۂ فوج کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، نیز ملک کو ہر قسم کے شرور وفتن سے بچانا ہے، ظاہر ہے کہ یہ فی نفسہ بہتر مقاصد ہیں اور نیک کام ہے تو اس میں ملازمت اختیار کرنا نیک کام میں تعاون کرنا ہوگا جس کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: **"تعاونوا علی البر والتقوی"** (سورہ مائدہ / ۲) (نیکی اور تقوی پر تعاون کرو)۔

۲- شریعت مطہرہ نے انسان کی زندگی کی بقاء کے لیے حلال رزق تلاش کرنے اور کھانے کی تلقین کی ہے، چنانچہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **"طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة"** (مشکوۃ شریف ۱ / ۲۴۲) (حلال کمائی تلاش کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے)۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **"کلوا من طیبت ما رزقناکم"** (سورہ اعراف / ۱۶۰)۔ (ہمارا دیا ہوا پاکیزہ رزق کھاؤ)، ایک اور حدیث شریف میں ہے: **"إذا سبب اللہ لأحدکم رزقا فلا یدعه"** (مشکوۃ شریف ۱ / ۲۴۳)۔ (جب اللہ تعالی نے تم میں سے کسی کے لیے ذریعہ معاش پیدا کردے تو اس کو نہ چھوڑے)۔

اور شعبۂ فوج میں ملازمت اختیار کرنا روزگار کا ایک ذریعہ ہے، اس کو چھوڑنا مسلمانوں کے لیے معیشت کے وسائل کو محدود کردینے کے مترادف ہوگا جس سے ضرر وحرج لاحق ہوگا، جبکہ قرآن کریم کا صاف اعلان ہے: **"ماجعل علیکم فی الدین من حرج"** (سورہ حج / ۷۸) (اللہ تعالی نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھا)۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: **"یرید اللہ بکم الیسر ولایرید بکم العسر"** (سورہ بقرہ / ۱۸۵)، (اللہ تعالی تمہارے لیے آسانی کا ارادہ کرتے ہیں اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتے ہیں)، نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **"الدین یسر"** (بخاری شریف ۱ / ۱۰) (دین آسان ہے)۔

۳-عصر حاضر میں مسلمانوں کا حال حد سے زیادہ بدتر ہے، ہر قوم، ہر مذہب اور ہر معاشرہ کے لوگ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں نیز غیر مسلم کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وزیادتی ہورہی ہے، ایسی حالت میں شعبۂ فوج میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے مسلمانوں کے مفاد میں ہے، بہت سی دفعہ اس کی وجہ سے مسلمان فوج کی زیادتی سے بچ سکتا ہے، اس لیے اگر کسی کے مقاصد میں فساد نہ ہو اور گناہ کے ارتکاب سے بچنے کا عزم مصمم ہو تو مذکورہ اغراض ومقاصد کی بنیاد پر شعبۂ فوج میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

ب: پولیس کے شعبہ میں بعض اوقات ظالم ومظلوم کی تحقیق کیے بغیر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لیے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، نیز بعض دفعہ خلاف شریعت عمل کرنے کی نوبت آسکتی ہے، یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بدزبان اور ظالم بن جاتا ہے اور خلاف شریعت عمل کرتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ ان چیزوں کا وقوع حتمی اور یقینی نہیں ہے بلکہ وہمی ہے اور محض وہم وگمان کی بناء پر شریعت مطہرہ احکام جاری نہیں کرتی ہے، چنانچہ قاعدہ ہے: **"لاعبرة بالتوهم"** (قواعد الفقہ ۱۰۷) (گمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے)۔

لہٰذا اس شعبہ کے اغراض ومقاصد کے بارے میں غور وخوض کرنا ہوگا، جیسا کہ قاعدہ ہے: **"العبرة في العقود للمقاصد والمعاني دون الالفاظ والمباني"** (قواعد الفقہ ۹۱) (عقود میں اغراض ومقاصد کا اعتبار ہے نہ کہ الفاظ وعبارات کا)۔

جب ہم اس کے اغراض ومقاصد پر غور وخوض کرتے ہیں تو درج ذیل باتیں ہمارے سامنے واضح ہوجاتی ہیں:

۱-شعبۂ پولیس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے اور ملک کو شریر ومفسد قسم کے لوگوں سے حفاظت کرنا ہے، نیز مظلوموں کا تعاون کرنا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اغراض ومقاصد فی نفسہ بہتر ہیں اور یہ کارخیر ہیں، ایسی صورت میں اس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنا کارخیر میں تعاون کرنے کے مترادف ہے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: "**تعاونوا علی البر والتقوی**" (سورہ مائدہ/۲) (نیکی اور تقوی میں تعاون کرو)۔

اور مظلوم کے تعاون کے سلسلہ میں ارشاد نبوی ہے: "**ونصر المظلوم**" (بخاری شریف ۱/۳۲۱) حضور ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک، ونصر المظلوم ہے یعنی مظلوم کے تعاون کا حکم دیا ہے۔

۲-یہ روزگار کا ایک ذریعہ ہے اور حلال رزق تلاش کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "**کلوا من طیبت مارزقناکم**" (سورہ اعراف/۱۶۰) (ہمارا دیا ہوا پاکیزہ رزق کھاؤ)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "**طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة**" (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲) (حلال کمائی تلاش کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے)۔

دوسری حدیث میں مذکور ہے: "**إذا سبب الله لأحدکم رزقا من وجه فلا یدعه**" (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۳) (جب اللہ تعالی تم میں سے کسی کے لیے رزق کا کوئی ذریعہ پیدا کردے تو اس کو نہ چھوڑے)۔

۳-موجودہ دور میں ہر طرف سے مسلمانوں پر ظلم وزیادتی ہورہی ہے، اور مسلمان اپنے حقوق سے محروم ہورہے ہیں، ایسی حالت میں اگر شعبۂ پولیس میں مسلمان نہ ہو تو مسلمانوں کو زیادہ نقصان لاحق ہونے اور انصاف سے محروم رہنے کا قوی اندیشہ ہے اور مسلمانوں کو بہت زیادہ ضرروحرج لاحق ہوگا، حالانکہ اسلام میں ضرروحرج نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "**ماجعل علیکم فی الدین من حرج**" (سورہ حج/۷۸) (اللہ تعالی نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی پیدا نہیں کی)۔

اور فقہی قاعدہ ہے: "الضرر یزال" (قواعد الفقہ/۸۸)۔(ضرر کو دور کیا جاتا ہے)۔

لہٰذا اگر کسی کی نیت میں فساد نہ ہو اور خلاف شریعت عمل کے ارتکاب سے اجتناب کا پختہ ارادہ ہو، نیز ملک میں امن وامان قائم کرنے کا ارادہ ہو تو ایسی صورت میں مذکورہ اغراض ومقاصد کی بنیاد پر شعبۂ پولیس میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

ج- غیبت اور چغلخوری جائز نہیں ہے، چنانچہ قرآن کریم کا صاف اعلان ہے: "ولا یغتب بعضکم بعضا" (حجرات/۱۲)(تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے)۔

اور حدیث شریف میں بھی اس سلسلہ میں وعید آئی ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "الغیبة أشد من الزنا" (مشکوۃ شریف ۲/۴۱۵) (غیبت زنا سے بھی سخت ہے)۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شعبۂ مخبری اور انٹلیجنس کے بنیادی اغراض ومقاصد میں سے غیبت کرنا نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی آدمی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اس شعبہ میں کام کرنا چاہے تو غیبت کے بغیر اس شعبہ میں کام کرسکتا ہے۔

لہٰذا اس شعبہ میں ملازمت کو نا جائز کہنے سے پہلے اس کے بنیادی اغراض ومقاصد کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے، جب ہم اس کے بنیادی اغراض ومقاصد کے سلسلہ میں غور وفکر کرتے ہیں تو درج ذیل باتیں ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہیں:

۱- ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لیے اس شعبہ میں کام کرنے کی شدید ضرورت ہے، اس کے بغیر امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام ممکن نہیں ہے اور امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام فی نفسہ بہتر مقاصد میں سے ہے، اس میں ملازمت کرنا نیک کام میں تعاون کرنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "تعاونوا علی البر والتقوی" (سورہ مائدہ/۲)(نیکی اور تقوی میں تعاون کرو)۔

۲- یہ روزگار کا ایک ذریعہ ہے جس کے لیے قرآن وحدیث میں تاکید آئی ہوئی ہے،

چنانچہ قرآن میں ہے: "**كلوا من طيبت مارزقناكم**" (سورہ اعراف/ ۱۶۰)۔ (ہمارا دیا ہوا پاکیزہ رزق کھاؤ)۔ اور حدیث شریف میں ہے: "**إذا سبب الله لأحدكم رزقا فلا يدعه**" (مشکوۃ شریف ۱/ ۲۴۳) (جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے رزق کا ذریعہ پیدا کر دے تو اس کو نہ چھوڑے) اور اس شعبہ کی ملازمت کو چھوڑنے سے معیشت کے اسباب کو محدود کرنا لازم آئے گا۔

۳- موجودہ دور میں مسلمانوں پر جو ظلم وزیادتی ہو رہی ہے یہ کسی پر مخفی نہیں ہے، اب اگر مسلمان ان شعبوں میں ملازمت اختیار نہیں کرے گا تو ظلم وزیادتی میں اور اضافہ ہوگا جس سے مسلمانوں کو ضرر وحرج لاحق ہوگا، اور زندگی میں مختلف قسم کی پریشانیوں سے دو چار ہونا ہوگا، حالانکہ کہ اللہ فرماتے ہیں: "**ماجعل عليكم في الدين من حرج**" (حج/ ۷۸) (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھا)۔ دوسری آیت کریمہ میں موجود ہے: "**يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر**" (بقرہ/ ۱۸۵) اور فقہی قاعدہ ہے: "**المشقة تجلب التيسير**" (الاشباہ والنظائر/ ۱۴۰) (مشقت آسانی لاتی ہے)۔

دوسرا قاعدہ ہے: "**الضرورات تبيح المحظورات**" (قواعد الفقہ/ ۸۹) (ضرورت کی وجہ سے ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے)۔

لہٰذا اگر نیت صحیح ہو اور غیبت وغیرہ سے باز رہنے کا عزم مصمم ہو، خلاف شریعت عمل کے ارتکاب سے بالکلیہ اجتناب ہو تو مذکورہ اغراض ومقاصد کی بنیاد پر شعبۂ مخبری اور انٹلیجنس میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

د- تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نزاعات واختلافات میں شریعت مطہرہ کے قانون کو حکم بنائیں اور غیر اللہ کے حکم کی تعمیل سے اجتناب کر کے اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کریں، اور کتاب وسنت کا جو فیصلہ ہو اس کو ماننے میں دل سے تنگی محسوس نہ کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "**فلاوربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر**

بینھم ثم لایجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما" (سورہ نساء/۶۵) (قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک آپ کو ہی حکم بنائیں اس جھگڑے میں جوان میں اٹھے، اور آپ کے فیصلہ سے دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور خوشی سے قبول کریں)۔

اسی لیے فقہاء کرام نے یہ واجب قرار دیا ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو تو ایسی صورت میں وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کریں اور یہ امیر ان کے باہمی مقدمات اور نزاعات کے فیصلہ کے لیے قاضی مقرر کرے تاکہ فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق ہو اور کتاب وسنت سے متصادم فیصلہ ماننے کی ضرورت نہ رہے، اس سے معلوم ہوا کہ کتاب وسنت سے متصادم فیصلہ ماننا اور کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ انصاف کی فراہمی، ظلم و جور کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لیے عدلیہ کا نظام ہر مہذب معاشرہ کے لیے ضروری ہے۔

یہ امر بھی مسلم ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو منصفانہ نہیں کیا جاسکتا، اور عام طور پر ایسا فیصلہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو مسلمان کے خلاف ہو۔

نیز اس دور میں مسلمانوں پر جس قدر ظلم وزیادتی ہورہی ہے یہ بھی کسی پر مخفی نہیں ہے، اگر عدالت میں مسلمان ملازمت اختیار نہیں کریں گے تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر ظلم و جور کی زیادتی کا قوی اندیشہ ہے اور ان کی قدر و قیمت میں کمی آجائے گی، اور اس میں ملازمت اختیار کرنا مسلمانوں کے وقار اور ان کی قدر و قیمت کو برقرار رکھنے کے مترادف ہے، تو اس میں ملازمت اختیار کرنا "**تعاونوا علی البر والتقوی**" (سورہ مائدہ/۲) (نیکی اور تقوی میں تعاون کرو) کے مترادف ہوگا۔

اس سے بھی انکار نہیں کہ عدالت میں ملازمت اختیار کرنا روزگار کا ایک ذریعہ ہے جو ضروریات زندگی میں سے ہے، اگر اس قسم کی ملازمت کو ناجائز کہا جائے تو معیشت کے وسائل کو محدود کردینے کے مترادف ہوگا جس سے تنگی اور مشقت ہوگی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے دارالاسلام ہونا چاہئے، دارالاسلام کے علاوہ دوسرے ملک دارالحرب وغیرہ میں اسلامی قوانین مکمل طور پر جاری نہیں ہوسکتے جیسا کہ حدود وغیرہ نافذ نہیں ہوتے، اس لیے کہ جرم سے باز رکھنے والا ماحول مہیا نہیں ہے، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: ''وركنه إقامة الإمام أو نائبه في الاقامة'' ۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر مسلم لوگ عدالت میں ملازمت اختیار کریں گے تو ممکن حد تک فیصلے اسلامی قوانین کے مطابق ہوں گے، اگر مسلمان نہیں رہیں گے تو تمام فیصلے اسلامی قوانین کے خلاف ہوسکتے ہیں اور ہونے کی قوی امید ہے۔

یہ بھی واضح ہے کہ اگر تمام چیزوں کا حصول ممکن نہ ہو تو جس قدر حصول کا امکان ہے اس کو ترک نہ کیا جائے ''ان لم يدرك الكل لم يترك الكل''۔

ہمارا ملک چوں کہ اسلامی ملک نہیں ہے اور ہمارے قدرت میں تمام اسلامی احکام وقوانین کے اجراء کا اختیار بھی نہیں ہے، اس لیے جتنے احکام اسلام کے مطابق عمل کرنا ممکن ہے اتنی مقدار کو چھوڑنا ہمارے لیے مناسب نہیں ہوگا۔

لہٰذا مذکورہ امور وجوہات کی بناء پر اگر نیت میں فساد نہ ہو، ممکن حد تک اسلامی قوانین کے مطابق عمل کرنے کا پختہ ارادہ ہو، شریعت مطہرہ کے خلاف عمل کے ارتکاب سے اجتناب کی پوری پوری کوشش ہو اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا عزم ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے عدالتوں میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

۵- حکومت کی ضروریات کی تکمیل کے لیے عوامی ٹیکس کی بہت ضرورت ہے، اور ٹیکس کی ایک صورت انکم ٹیکس کی ہے، انکم ٹیکس کے شعبہ میں ملازمت اختیار کرنے کے جواز یا عدم جواز کے سلسلہ میں حکم لگانے سے پہلے اس کے اغراض ومقاصد پر غور وخوض کرنا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے: ''العبرة في العقود للمقاصد والمعاني دون الالفاظ والمباني'' (قواعد الفقہ ر)(عقود میں اغراض ومقاصد کا اعتبار ہے نہ کہ الفاظ وعبارات کا)۔

اور اس شعبہ کے اغراض ومقاصد کے سلسلہ میں غور وخوض کرنے سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱-انکم ٹیکس کا بنیادی مقصد حکومت کی ضرورت کی تکمیل اور عوامی فلاح ہے جو فی نفسہ بہتر مقاصد میں سے ہے، ایسی صورت میں اس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنا کارخیر میں تعاون کرنا ہے اور اللہ تعالی نے کارخیر میں تعاون کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''تعاونوا علی البر والتقوی'' (سورہ مائدہ/۲) (نیکی اور تقوی میں تعاون کرو)۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روزگار کا ایک ذریعہ ہے اور حلال طریقہ سے رزق تلاش کرنے اور استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''کلوا من طیبت مارزقناکم'' (سورہ اعراف/۱۶۰) (ہمارا دیا ہوا پاکیزہ رزق کھاؤ)۔

حدیث شریف میں ہے: ''إذا سبب اللہ لأحدکم رزقا من وجہ فلا یدعہ'' (مشکوۃ شریف ۱/ ۲۴۳) (جب اللہ تعالی میں سے کسی کے لیے کوئی رزق کا ذریعہ نکال دے تو وہ اس کو نہ چھوڑے)۔

دوسری حدیث شریف میں ہے: ''طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ'' (مشکوۃ شریف ۱/ ۲۴۲)۔(حلال کمائی تلاش کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے)۔

۲-الف: شریعت مطہرہ نے سودی لین دین کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''أحل اللہ البیع وحرم الربوا'' (سورہ بقرہ/ ۲۷۵)۔(اللہ تعالی نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا)۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: ''یا ایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا الربوا أضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون'' (سورہ آل عمران:۱۳۹)۔ (اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو)۔

مذکورہ دلائل سے واضح ہوا کہ سودی لین دین حرام ہے اور استعمال ربا جائز نہیں ہے، بینک کی بنیاد ربا اور حرام چیزوں پر ہے، لہذا بینک میں ملازمت اختیار کرنا گناہ اور حرام چیزوں

میں شریک ہونا ہے، اور حرام چیزوں میں اشتراک درست نہیں ہے، لہذا بینک کی ملازمت اختیار کرنا عام حالات میں جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی پیسہ کے لین دین اور سودی حسابات کو نہ لکھے، کوئی اور کام کرے جیسے بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دیدے تو یہ صورتیں بھی سودی معاملات کے تعاون میں شمار کی جائیں گی، اس لیے کہ یہ چیزیں بینک کے ذرائع اور وسائل میں سے ہیں اور شریعت مطہرہ میں ذرائع اور وسائل کو عین شئ کا حکم دیا جاتا ہے جیسا کہ زنا حرام ہے تو اس کا ذریعہ نظر اجنبیہ بھی ناجائز اور حرام ہے، چنانچہ علامہ شامی اپنی کتاب میں رقمطراز ہے: **"وماكان سببا لمحظور فهو محظور"** (شامی ۶/۳۵۰) (جو ممنوع کا سبب ہو وہ بھی ممنوع ہے)۔

اور مفتی رشید احمد صاحبؒ اپنی کتاب "احسن الفتاوی" میں بنکاری کے لیے مکان کرایہ پر دینے کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں: بیما یا بنکاری وغیرہ کے لیے مسلمان کو مکان کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی ہے، البتہ کافر کو کرایہ پر دینے میں کراہت تنزیہہ ہے (احسن الفتاوی ۷/۳۰۵)، اور جواہر الفقہ میں مذکور ہے: **"واجارة البيت ممن يبيع الخمر فيه ...... فكله مكروه تحريما"** (جواہر الفقہ ۲/۴۵۳) (اور ایسے آدمی کو مکان کرایہ پر دینا جو اس میں شراب کی خرید وفروخت کرتا ہے...... یہ سب مکروہ تحریمی ہے)۔

ان وجوہات کی بنیاد پر بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا یا اس جیسی ملازمت اختیار کرنا شریعت مطہرہ میں کراہت سے خالی نہیں ہے، لہذا ایسی ملازمت سے ہر ایک مسلمان کو احتیاط کرنا چاہئے۔

البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کے گزر بسر کے لیے مذکورہ امور کے علاوہ اور کوئی ذریعہ

معاش نہ ہواوران چیزوں کے بغیر زندگی کی بقاء دشوار ہوتو اس کے لیے مذکورہ چیزوں میں ملازمت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث مذکور ہے: "إذا سبب الله لأحدكم رزقا من وجه فلا يدعه" (مشکوٰۃ شریف ۱/ ۲۴۳) (جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے رزق کا کوئی ذریعہ مہیا کردے تو اس کو نہ چھوڑے)، اور فقہی قاعدہ ہے: "الضرورات تبيح المحظورات" (الاشباہ والنظائر/ ۱۴۰) (ضرورت کی وجہ سے ممنوعات مباح ہوجاتی ہیں) دوسرا قاعدہ ہے "المشقة تجلب التيسير" (الاشباہ والنظائر/ ۱۴۰)، (مشقت سے آسانی ہوتی ہے)۔ اور "البحر الرائق" میں مذکور ہے: "امرأة حامل ماتت فاضطرب الولد في بطنها فان كان أكبر ظنه أنه حي يشق بطنها" (البحر الرائق ۸/ ۳۷۶) (اگر حاملہ عورت کی وفات ہوجائے اور بچہ پیٹ میں حرکت کرے، اگر ظن غالب ہو کہ زندہ ہے تو اس کا پیٹ پھاڑا جائے گا)۔

یہ بھی واضح رہے کہ ضرورت کی وجہ سے جو چیز جائز ہوتی ہے وہ ضرورت کی حد تک محدود رہتی ہے چنانچہ قاعدہ ہے: "الضرورة تقدر بقدرها" (قواعد الفقہ/ ۸۹)۔

لہٰذا ایسے امور میں ملازمت اختیار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ کسی دوسرے حلال رزق اور جائز ذریعہ معاش تلاش کرے، جب تک جائز اور حلال رزق کا موقع میسر نہ ہو اس وقت تک ایسی ملازمت اختیار کرکے زندگی بسر کرے، جب دوسرا ذریعہ معاش مل جائے، تو اس کو چھوڑ دے۔

(ب) انشورنس کمپنی کا کاروبار اگر چہ ربا اور قمار پر مبنی ہے، لیکن یہ انشورنس کی تمام شکلوں میں نہیں ہے بلکہ ربا اور قمار بعض معاملہ سے خارج ہے جس کا اصل مقصد باہمی تعاون ہے، لہٰذا انشورنس کمپنی میں ملازمت کے سلسلے میں جواز اور عدم جواز کا حکم لگانے سے پہلے اس کی شکلیں اور اقسام کے بارے میں غور وخوض کرنا ہوگا۔

چنانچہ انشورنس کی مختلف شکلیں ہیں بعض تو جبری نوعیت کی ہے جیسا کہ سرکاری

انشورنس ہے حکومت جبراً تنخواہ کا ایک حصہ وضع کر لیتی ہے اور اخیر میں پنشن اور وظیفہ کے ساتھ کچھ رقم زیادہ دیتی ہے، یہ صورت جائز ہے اس لیے کہ اس میں ربا اور قمار نہیں ہے بلکہ حکومت کی طرف سے تبرع اور احسان ہوتا ہے، جب ربا اور قمار نہیں تو اس میں ملازمت اختیار کرنا اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے۔

اسی طرح ایک صورت ہے تعاون پر مبنی انشورنس، اس میں نفع مقصود نہیں ہوتا بلکہ افراد و اشخاص کا ایک گروہ طے شدہ خطرہ پیش آنے کی صورت میں مصیبت زدہ شخص کی مدد کرتا ہے اور کسی کی مدد کرنا تبرعات میں سے ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی چوں کہ ربا اور قمار نہیں ہے ملازمت اختیار کرنا اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے۔

ایک اور صورت ہے حادثہ کے انشورنس کی جو قتل خطاء کے دائرے میں آتا ہے جس کے لیے اسلام نے نظام ''معاقلہ'' رکھا ہے اس میں بھی ربا اور قمار نہیں ہے، اس لیے اس میں ملازمت اختیار کرنا اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے۔

اس قسم کی جو بھی شکل ہوگی، اگر ربا اور قمار سے خالی ہو تو اس میں ملازمت اختیار کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس کی حرمت ربا اور قمار ہی کی وجہ سے ہے، جب ربا اور قمار نہیں رہے گا تو نا جائز بھی نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ معاش کا ذریعہ ہے اور انسان کے لیے حلال طریقہ سے رزق کمانے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ رسول کریم ﷺ کی حدیث ہے: **"إذا سبب الله لأحدكم رزقا من وجه فلا يدعه"** (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲) (جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے رزق کا کوئی وسیلہ مہیا کر دے تو اس کو نہ چھوڑے)۔

دوسری حدیث میں ہے: **''طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة''** (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲) (حلال کمائی تلاش کرنا دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے)۔

لہٰذا حلال طریقہ سے اگر مال وغیرہ کا حصول ممکن نہ ہو تو اس کو نا جائز کہنا لوگوں کو

مشقت اور تنگی میں ڈالنا ہوگا حالانکہ اسلام میں یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ شکلیں بذات خود معصیت نہیں ہے اور گناہ تو وہ ہے جو بذات خود معصیت ہو چنانچہ فتاوی محمودیہ میں مذکور ہے:"**لایکرہ بیع الجاریة المغنیة ...... لأنه لیس عینها منکرا**" (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۱۳۳)(گانے والی لونڈی کی بیع مکروہ نہیں ہے......اس لیے کہ یہ بذات خود منکر نہیں ہے)۔

اور ایک **شکل** ہے تجارتی انشورنس، اس کی بھی مختلف شکلیں ہیں، لائف انشورنس اور املاک کا انشورنس چوں کہ یہ عام حالات میں جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں ربا اور قمار پایا جاتا ہے، اسی طرح جو بھی **شکل** ہوگی جس میں ربا اور قمار پایا جاتا ہو اس میں ملازمت کرنا اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا "**تعاون علی الاثم**" میں شمار ہوگا اور تعاون علی الاثم جائز نہیں ہے ،لہذا اس میں ملازمت اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ بذات خود معصیت ہے اور جو چیز بذات خود معصیت ہو اس میں اشتراک اور تعاون جائز نہیں ہے، چنانچہ جواہر الفقہ میں مذکور ہے:"**بیع أشیاء لیس لها مصرف إلا فی المعصیة ...... ففی جمیع هذہ الصور قامت المعصیة بعین هذا العقد و العاقدان کلاهما أثمان**" (جواہر الفقہ ۲/ ۴۴۸)(ایسی چیزوں کی بیع جن کے لیے معصیت کے علاوہ کوئی اور مصرف نہ ہو......تو ان تمام صورتوں میں معصیت نفس عقد کے ساتھ قائم ہے تو عاقدان گناہ گار ہیں)۔

لہذا ایسی صورت میں ملازمت اختیار کرنا اور ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہیں ہے۔

ج -شراب کی حرمت نص سے ثابت ہے، اس لیے شراب کی کمپنی میں شراب کی خرید وفروخت کرنا، حساب لکھنا، صرف شراب ہی کے لیے استعمال ہونے والی بوتل بنانا اور شراب بنائے جانے والے اجزاء کمپنی کو دینا جائز نہیں اور ان کاموں میں ملازمت کرنا تعاون علی الاثم میں

شمار ہوگا جس سے قرآن کریم نے منع کیا ہے "**ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**" (سورہ مائدہ ۲/) (اور گناہ اور معصیت کے کام میں تعاون نہ کرو)۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے شراب کے سلسلہ میں دس (قسم کے لوگوں) پر لعنت کی ہے: (۱) شراب کشید کرنے والا (۲) شراب کشید کرانے والا (۳) شراب پینے والا (۴) شراب اٹھانے والا (۵) شراب اٹھوانے والا (۶) شراب پلانے والا (۷) شراب بیچنے والا (۸) شراب کی قیمت کھانے والا (۹) شراب خریدنے والا (۱۰) شراب خریدوانے والا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے: "**انه سمع رسول الله ﷺ یقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر**" (مشکوۃ شریف ۲۴۲/۱) (حضرت جابرؓ نے حضور ﷺ سے فتح مکہ کے سال حضور ﷺ کے مکہ میں رہنے کی حالت میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی بیع کو حرام قرار دیا)۔

علامہ شامی: "ردالمحتار" میں تحریر فرماتے ہیں: "**وما كان سببا لمحظور فهو محظور**" (ردالمحتار ۳۵۰/۶) (جو ممنوع چیز کا ذریعہ ہو وہ بھی ممنوع ہے)۔

اور فتاوی محمودیہ میں مذکور ہے: اگر یہ بوتلیں صرف شراب ہی کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور کسی کام میں استعمال نہیں ہوتیں تو ان کو فروخت کرنا ایک حیثیت سے شراب فروخت کرنے والوں اور خریدنے والوں کی اعانت ہے اور حدیث شریف میں شراب بیچنے والے پر بھی لعنت آئی ہے، خریدنے والے پر بھی لعنت آئی ہے اگر چہ وہ اس کو نہ پیتا ہو، اس لیے اس سے پرہیز کیا جائے (فتاوی محمودیہ ۱۳۳/۱۶)۔ ان وجوہات کی بناء پر شراب کی خرید وفروخت، حساب کتاب لکھنا، شراب ہی کے لیے استعمال ہونے والی بوتل بنانا اور شراب بنائے جانے والے اجزاء کمپنی کو دینے کی ملازمت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ اگر بوتلیں ایسی ہوں کہ ان کو دوسرے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہو یا کمپنی کو

ایسے اجزاء دیئے جاتے ہوں جن سے دوسری جائز اور حلال چیزیں بھی بنائی جاتی ہوں اور یہ اجزاء صرف شراب ہی کے لیے استعمال نہ ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان چیزوں کا کاروبار کرنا اور ان کاموں میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اس سے تعاون علی الاثم ثابت نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیزیں بذات خود معصیت نہیں ہے اور جو چیزیں بذات خود معصیت نہ ہو ان میں اشتراک اور تعاون جائز ہے، چنانچہ جواہر الفقہ میں مذکور ہے: **لیکن** تعاون اس وقت ہوگا جبکہ معصیت اعانت کے بارے میں کہنے یا اس چیز کا اس فعل کے استعمال میں متعین ہونے سے اس حیثیت سے کہ غیر معصیت کا احتمال نہ رکھے (جواہر الفقہ ۲/۳۵۰)۔

نیز فتاوی محمودیہ میں ہے: **"لایکرہ بیع الجاریة المغنیة ...... لأنه لیس عینها منکرا"** (فتاوی محمودیہ ۱۶/۱۳۳) (گانے والی لونڈی بیچنا مکروہ نہیں ہے ...... اس لیے کہ عین شئ میں خرابی نہیں ہے)۔

لہذا اگر نیت میں فساد نہ ہو اور معصیت میں اعانت کا ارادہ نہ ہو تو ان چیزوں کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

۳- الف: اگر سپر مارکیٹ میں ملازمت اختیار کرنے سے حرام کام یعنی شراب وغیرہ بیچنے کی نوبت آئے یا ناجائز چیزوں سے تعلق قائم کرنے کی ضرورت پڑے تو سپر مارکیٹ میں ملازمت کرنا حرام کام میں اشتراک یا تعاون کرنا لازم آئے گا اور حرام کا ارتکاب کرنا یا اس میں تعاون کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **"إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ"** (سورہ مائدہ/۹۰) (شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں شیطان کے سو ان سے بچتے رہو)۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے: **"ان اللہ ورسوله حرم بیع الخمر"** (مشکوۃ شریف ۱/۲۴۲) (اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی بیع کو حرام قرار دیا

ہے)۔

البتہ اگر ایسی صورت ہے کہ سپر مارکیٹ میں ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں صرف مباح اور جائز چیزوں سے تعلق رکھنے کی نوبت آئے گی، حرام چیزوں سے تعلق رکھنے کی نوبت نہیں آئے گی اور نا جائز چیزوں میں تعاون کی ضرورت بھی نہیں ہوگی تو نفس خرید وفروخت حلال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**أحل الله البيع**'' (حوالہ سابق)۔

دوسری بات یہ کہ خرید وفروخت سے لوگوں کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے اور لوگوں کی ضروریات کی تکمیل نیک کام ہے تو اس میں ملازمت اختیار کرنا کار خیر میں تعاون کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**تعاونوا علی البر والتقوی**'' (سورہ مائدہ/۲)۔

ایسی صورت میں جبکہ سپر مارکیٹ میں ملازمت اختیار کرنے کی وجہ سے حرام کام میں اشتراک اور تعاون کی نوبت نہ آئے تو سپر مارکیٹ میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

ب: شریعت مطہرہ میں لوگوں کو فتنہ وفساد اور گناہ ومعصیت کے کاموں سے منع کیا گیا ہے تاکہ معاشرہ میں امن وامان قائم ہو اور الفت ومحبت کے ساتھ لوگ زندگی گزار سکیں، چونکہ اختلاط اجنبیہ سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لیے شریعت مطہرہ نے پردہ کا حکم دیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ''**قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم**'' (سورہ نور/۳۰) ((آپ محمدؐ) ایمان لانے والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی کرے اور اپنے شرمگاہ کی حفاظت کرے)۔

اور حدیث میں ہے: ''**لعن الله الناظر والمنظور إليه**'' (مشکوۃ شریف ۱/۲۷۰) (دیکھنے والے اور جس کو دیکھا جائے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے)۔

لہٰذا اگر تعلیم مخلوط ہو لڑکے اور لڑکی میں پردہ کا اہتمام نہ ہو تو مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے۔

دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تعلیم کے درجات مختلف ہیں، چنانچہ فرائض وواجبات کی تعلیم تو فرض ہے اور حسن اخلاق ومعاشرہ اور روزگار پیشہ وہنر وغیرہ کی تعلیم درجات کے مطابق

مستحب ومباح ہے۔

جو تعلیم وتدریس مستحبات کے قبیل سے ہو اس میں ملازمت اختیار کرنا اور پردہ کی رعایت نہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مستحب کے لیے فرض کو چھوڑنا جائز نہیں ہے، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے: "**الفرائض أفضل من النفل**" (قواعدالفقہ/۹۵) (فرائض نفل سے افضل ہیں)۔

دوسرا قاعدہ ہے: "**فرض العين لايترک بالنافلة أو بما هو من فروض الكفاية**" (قواعدالفقہ/۹۵) (فرض عین نفل یا فرض کفایہ کی وجہ سے چھوڑنا صحیح نہیں ہے)۔

لہذا محض حسن اخلاق ومعاشرہ اور روزگار پیشہ وہنر وغیرہ کے لیے پردہ کو چھوڑنا اور لڑکے اور لڑکی کے مخلوط درسگاہوں میں درس دینا اسی طرح لڑکوں کے مخصوص درسگاہوں میں بغیر پردہ کے لڑکی کا درس دینا یا صرف لڑکیوں کے درسگاہوں میں بغیر پردہ کے لڑکوں کا درس دینا جائز نہیں ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں الاشباہ والنظائر للسیوطی میں ہے: "**جواز النظر منها للتعليم فيما يجب تعلمه وتعليمه كالفاتحة**" (الاشباہ والنظائر للسیوطی/۱۸۱)۔ (جس چیز کی تعلیم وتعلم واجب ہے جیسا کہ فاتحہ اس میں اجنبیہ کی طرف دیکھنے کی گنجائش ہے)۔

نیز مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب ''کفایت المفتی'' میں تحریر فرمایا ہے:

''اجمالا یہ کہ لڑکیوں کے اسکول صرف لڑکیوں کے لیے مخصوص ہونے چاہئے اور ان کے لیے اسکولوں میں جمع ہونے اور آمد ورفت کے ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ فتنہ کا احتمال باقی نہ رہے، نیک کردار اور پاکدامن عورتوں کو تعلیم وتربیت کی خدمت کے لیے مقرر کیا جائے، اگر معلمات نہ مل سکیں تو مجبورا نیک اور صالح قابل اعتماد مردوں کو معین کیا جائے اور ان کی کڑی نگرانی کی جائے''۔

مذکورہ باتوں کی بنیاد پر اگر نیت میں فساد نہ ہو اور خلاف شریعت عمل کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی ملازمت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

ج: مظلوموں کے تعاون اور اس کی نصرت کے سلسلہ میں اسلام نے اتنا زور دیا ہے کہ اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں مل سکتی، چنانچہ اشعث بن سلیم کی روایت میں ہے:

"أمرنا بالنبي صلی ﷺ بسبع ونهانا عن سبع فذكر عيادة المريض ...... ونصر المظلوم" (بخاری شریف ۱/۳۳۱)(ہمیں نبی کریم ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع کیا ان میں سے عیادت مریض ......اور ایک ہے مظلوم کو تعاون کرنا)۔

اور مظلوم کے تعاون کے لیے اور ظالم کے ظلم کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے وکلاء کی ضرورت پڑتی ہے اور آج کل وکلاء کی کثیر تعداد ظالم اور مظلوم میں فرق نہیں کرتی بلکہ بہت سی دفعہ وہ مظلوم کو انصاف سے محروم کردیتی ہے، اور اکثر اوقات وکلاء اپنے موکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، حالانکہ شریعت اسلامیہ ان برائیوں کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتی، اس لیے پیشہ وکالت جائز نہ ہونا چاہئے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ چیزیں وکلاء کے لئے لازم وملزوم کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں، نیز یہ کہ وکلاء کے بنیادی اغراض ومقاصد میں شامل بھی نہیں ہے، اگر وکلاء ان سب برائیوں سے پرہیز کرنا چاہے تو کرسکتے ہیں لہٰذا ہمیں ان کے بنیادی اغراض ومقاصد کے سلسلہ میں غور وفکر کرنا چاہئے۔

جب ان کے بنیادی اغراض ومقاصد میں سے ظالم کے ظلم کو ختم کرنا اور مظلوم کو انصاف دلانا ہے جو شریعت اسلامیہ کے عین مطابق ہے، ایسی صورت میں اس پیشہ کو اختیار کرنا کار خیر میں تعاون کرنے کے مترادف ہے جس کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے ......"تعاونوا علی البر والتقوی" (سورہ مائدہ/۲)(نیکی اور تقوی میں تعاون کرو)۔

۲-مسلمانوں کے اجتماعی اور انفرادی مسائل کے لیے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی کمی محسوس کی جاتی ہے، نیز مسلم وکیل نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے مسائل کا صحیح حل نہیں ہوتا ہے، اس لیے مسلم وکیل کی بہت ضرورت ہے اور قاعدہ

ہے:"**الضرورات تبیح المحظورات**" (قواعد الفقہ/ ۸۹) (ضرورت کی وجہ سے ممنوعات مباح ہوجاتی ہیں)۔

۳-بہت سی دفعہ مسلم وکیل نہ ہونے کی وجہ سے ضرر اور مشقت لاحق ہوتی ہے اور مشقت کی وجہ سے احکام میں تخفیف پیدا ہوتی ہے، چنانچہ فقہی قاعدہ ہے:"**المشقة تجلب التیسیر**" (الاشباہ والنظائر/ ۱۴۰)۔دوسرا قاعدہ ہے:"**الضرر یزال**" (قواعد الفقہ/ ۸۸)۔

۴-"**ولأن الوکالة عقد جائز لایجب علی الوکیل القیام فتجوز أخذ الاجرة فیها**" (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۵۱ بحوالہ الفقہ الاسلامی ۵/ ۴۵۸)۔(اور وکالت جائز عقد ہے، وکیل پر وکالت کرنا واجب نہیں ہے، لہذا وکالت میں اجرت لینا جائز ہے)۔

۵-فتاوی محمودیہ میں ہے:"وکالت ایک عقد اجارہ ہے اگر اجارہ میں عمل یا وقت اور اجر کی تعیین ہوجائے نیز وہ عمل معصیت نہ ہو اور ان طاعات میں سے بھی نہ ہو جن پر اجرت لینا ناجائز ہے تو اجارہ درست ہے، اسی طرح اگر وکالت میں امور مذکورہ کا لحاظ رکھا جائے تو وکالت کی آمدنی حلال ہوگی (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۴۵۳)۔

لہذا اگر سچ مقدمات ہوں، کام اور اجرت متعین ہوجائے اور خلاف شرع عمل کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی صورت میں مذکورہ اغراض ومقاصد کی بناء پر مسلمانوں کے لیے اس پیشہ کو اختیار کرنا جائز ہے۔

د:عام حالات میں انسانی خدمت اور کار خیر میں تعاون کی بناء پر ناجائز چیزیں جائز نہیں ہوتی ہیں، البتہ حاجات اور ضروریات کی بناء پر احکام میں تغیر آسکتا ہے، پیشہ طبابت اور ذریعہ علاج کے سلسلہ میں غور وفکر کرنے سے درج ذیل باتیں واضح ہوجاتی ہیں۔

۱-اس کے ذریعہ انسانی خدمت ہوتی ہے، دنیا دار الاسباب ہے اس میں اسباب ووسائل کی کافی اہمیت ہے، اگر پیشہ طبابت نہ ہو تو ظاہری اعتبار سے زندگی کی بقاء دشوار ہونے کا خطرہ ہے ایسی صورت میں پیشہ طبابت اختیار کرنا انسان کی ضرورت کی تکمیل کرنے کے مترادف

ہے، اور یہ کارِ خیر ہے، اس لیے اس میں ملازمت اختیار کرنا کارِ خیر میں تعاون کرنے کے مترادف ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "**تعاونوا علی البر والتقوی**" (سورہ مائدہ/۲) (نیکی اور تقوی میں تعاون کرو)۔

۴- پردہ کی رعایت ہوتی ہے، اگر غیر مسلم اس میں رہیں گے تو پردہ کی رعایت نہیں کریں گے، اگر مسلم لوگ اس میں رہیں گے تو حتی الامکان پردہ کی رعایت کریں گے۔

اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ عورتوں کے علاج کے لیے عورتوں کے علاج کرنے والی عورتیں یا مردوں کے علاج کرنے کے لئے مرد ملازمین ہوں اور اگر یہ نہ ہوں تو ضرورۃ ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کرنا انسان کی ضرورت کی تکمیل اور کارِ خیر میں تعاون کرنا ہوگا جس کے بارے میں قرآن کریم نے اعلان کیا ہے: "**تعاونوا علی البر والتقوی**" (سورہ مائدہ/۲) (نیکی اور تقوی میں تعاون کرو)۔

البتہ ملازمین کے لیے ضروری ہے کہ جن اعضاء کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے ان میں پردہ کی رعایت کریں اور جس عضو کو دیکھنا ضروری اور ناگزیر ہو صرف اسی حصہ کی طرف نظر کرے، بقیہ اعضاء کی طرف نہ دیکھے چنانچہ فقہی قاعدہ ہے: "**الضرورۃ تقدر بقدرھا**" (قواعد الفقہ/۸۹) (ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت ہی جائز ہوتی ہے)۔

نیز شامی میں مذکور ہے: "**ولایجوز النظر إلیه بشهوة أی إلا لحاجة...... أو مداواتها إلی موضع المرض بقدر الضرورة**" (شامی ۱/۷۹-۸۰) (اور اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں مگر ضرورت کی وجہ سے یا تو مرض کی جگہ میں علاج کیلئے بقدر ضرورت (دیکھنے کی گنجائش ہے)۔

اور فتاوی ہندیہ میں ہے: "**ویجوز النظر إلی الفرج ...... وللطبیب عند المعالجة یغض بصره مااستطاع**" (فتاوی ہندیہ ۵/۳۳۰)۔

۵- اگر کسی ہوٹل میں قیام و طعام کی سہولیات کے ساتھ ناجائز چیزیں جیسے شراب کی

فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت اور پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ ہو، اور ایسے ہوٹل میں رہنے اور ملازمت کرنے والے ملازم کا براہ راست ان چیزوں سے تعلق ہو تو ایسے ہوٹل میں ملازمت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تعاون علی الاثم ہے جس سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے: "**لاتعاونوا علی الاثم**" (سورہ مائدہ/۲) (گناہ میں تعاون نہ کرو)۔

دوسری بات اصول فقہ کا قاعدہ ہے: "**درء المفاسد اولی من جلب المنافع**" (قواعد الفقہ/۵۵) (منفعت کے حصول سے مفاسد کو دور کرنا اولی ہے)۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر حلال اور حرام کا اجتماع ہوتا ہے تو حرمت کو ترجیح ملتی ہے چنانچہ قاعدہ ہے: "**إذا اجتمع الحلال والحرام والمحرم والمبیح غلب الحرام والمحرم**" (قواعد الفقہ/۵۵) (جب حلال اور حرام یا محرم اور مبیح کا اجتماع ہو جائے تو حرام اور محرم غالب ہو جاتا ہے)۔

البتہ اگر حرام اشیاء کی فراہمی سے ہوٹل میں ملازمت کرنے والے کا براہ راست تعلق نہ ہو تو چوں کہ نفس ہوٹل میں کوئی معصیت نہیں ہے اور اس کے بنیادی اغراض ومقاصد مسافرین اور دوسرے لوگوں کے لیے معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، ظاہر ہے نفس مقصد میں کوئی معصیت نہیں ہے بلکہ کار خیر ہے تو ایسی صورت میں اس میں ملازمت اختیار کرنا "**تعاونوا علی البر والتقوی**" (سورہ مائدہ/۲) میں شمار ہوگا۔

نیز نفس ہوٹل میں کوئی معصیت نہیں ہے اور ناجائز وہ چیز ہوتی ہے جو بذات خود معصیت ہو جیسا کہ جواہر الفقہ میں مذکور ہے: "**لکن المعصیة هي ماقامت المعصیة بعین فعل المعین ولایتحقق إلا بنیة الإعانة أو التصریح بها أو تعینها في استعمال هذا الشيء بحیث لایحتمل غیر المعصیة**" (جواہر الفقہ ۲/۳۵۰) (لیکن معصیت وہ ہے جو اعانت کرنے والے کے عین فعل میں معصیت ہو اور یہ متحقق نہیں ہوگا مگر اعانت کی نیت سے یا

اس کی صراحت کرنے سے یا اس چیز کے لیے استعمال متعین ہونے کی وجہ سے اس طور پر کہ غیر معصیت کا احتمال نہ رکھے)۔

لہٰذا اگر کسی ملازم کو حرام اشیاء کی فراہمی سے براہ راست تعلق نہ ہو تو اس کے ایسے ہوٹلوں میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

☆☆☆

حکومت کے مختلف اداروں میں ملازمت کرنے کا شرعی حکم

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

فوج اور پولیس میں ملازمت کا حکم:

اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہماری بہترین رہنمائی کرتا ہے۔ فرماتے ہیں: "لایکون الرجل فقیها حتی یعرف أهون الشرین" کہ آدمی فقیہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کو "أہون الشرین" (دو برائیوں میں سے ہلکی برائی) کی معرفت نہ ہو۔

فوج اور پولیس کی ملازمت میں بھی یہی صورت حال ہے کہ ملازمت کرنے میں جتنا ضرر ہے، ترک کرنے میں اس سے زیادہ ضرر ہے جیسا کہ سوالنامے سے بھی ظاہر ہے کہ "بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے، کیوں کہ فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے اور بسا اوقات مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے لیکن اگر اس چھوٹے ضرر کی رعایت میں فوج وپولیس میں حصہ نہ لیا گیا تو اس سے زیادہ بڑا ضرر لاحق ہوگا۔ تجربات اس پر شاہد ہیں۔ کیوں کہ ان شعبوں میں مسلمانوں کی موجودگی کی وجہ سے مسلمان ان کی زیادتی سے بچ سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس سے مسلمانوں کی معیشت مضبوط ہوگی، اور ان شعبوں میں حصہ نہ لینے کی شکل میں روزگار کے وسائل محدود کرنے کے مترادف ہوگا"۔ اس طرح کی ملازمتوں میں

☆ مفتی مدرسہ جامعۃ العلوم جامع مسجد، پٹکاپور، کانپور (یوپی)۔

اگر تھوڑی دیر استحکام معیشت سے صرف نظر بھی کرلیا جائے تب بھی اہون الشرین یہی ہے کہ مذکورہ وجوہ کی وجہ سے ملازمت میں حصہ لے لیا جائے تاکہ شر کو کم سے کم کیا جاسکے چہ جائے کہ ان میں استحکام معیشت بھی ہے یہ گویا جواز کی مزید تائید ہوگی۔

فقہ اسلامی میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔علامہ ابن تیمیہ ''مجموعۃ الفتاوی'' میں لکھتے ہیں:

''إن الشريعة جاء ت بتحصيل المصالح وتكميلها وتعطيل المضار وتقليلها فإنها ترجح خير الشرين، وشر الشرين وتحصل أعظم المصلحتين بتثبيت أدناه وترفع أعظم المفسدين باحتمال أدناه''۔ (یعنی شریعت مصالح کی تحصیل اوراس کی تکمیل کے لئے آئی ہے اور مقاصد کو ختم کرنے یا اس کو کم کرنے کے لئے آئی ہے، چنانچہ اگر دو خیر ہیں اور دو خیر میں سے ایک ہی ہم کو مل سکتا ہے تو جو بہتر خیر ہوگا اسی کو ہم ترجیح دیں، اس تعلق سے شریعت حکم دیتی ہے۔اور جہاں دو شر ہیں ایک ہی شر سے ہم بچ سکتے ہیں تو بڑے شر سے ہم بچنے کی کوشش کریں)(مقاصد شریعت:۲۲۲)۔

اگر ایک حاملہ عورت ہو اور جنین کو ساقط نہ کئے جانے کی صورت میں عورت کی موت کا یقین ہو تو یہاں دو ہی صورتیں ہیں یا تو جنین کی موت ہوگی یا ماں کی موت ہو جائے گی۔اگر ماں کی موت ہوگی تو بچہ کی پرورش کون کرے گا؟ بیشتر فقہاء کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں جنین کے اسقاط میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر جسم کا کوئی عضو بے کار ہو جائے تو شدید تر ضرر کو دور کرنے کے لئے خفیف تر ضرر کو برداشت کرتے ہوئے اس عضو کو کاٹ دیا جائے گا۔اسی طرح مسئلہ تترس کا ہے۔یعنی اگر دشمن اپنی فوج کے سامنے مسلمانوں کو کھڑا کرکے انسانی ڈھال بنالیا ہے، اگر مسلمان حملہ کریں گے تو پہلے یہ مسلمان قیدی نشانہ بنیں گے، اوران مسلم جانوں کو تلف کرنا پڑے گا۔تو یہاں بھی دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے اس چھوٹے نقصان کو گوارہ کیا جائے گا۔اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں

جہاں اُہون الشرین پر عمل کا حکم دیا گیا ہے۔

تاہم اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ ان شعبوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی مظالم سرزد ہو جاتے ہیں تو بھی مصالح عامہ کی وجہ سے اس ضرر کو گوارہ کرلیا جائے گا۔"**یختار أهون الشرین**"، "**إذا تعارضت مفسدتان، روعی أعظمهما ضررا**" **بارتکاب أخفهما**''، ''**الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف**'' (الاشباہ والنظائر ۱۱۲، بحوالہ مجلۃ المجمع الفقہی الاسلامی ۱۴۸)۔

مخبری اور انٹیلیجنس میں ملازمت:

ملک کی سلامتی، امن و امان کا قیام اور جرائم کی روک تھام ایک ناگزیر اور عام ضرورت ہے اور اس سلسلے میں جن امور غیر شرعیہ کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے ان کی حیثیت جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے عموم کی نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھار ایسا کرنا پڑتا ہے اور یہاں پر بھی جیسا کہ فوج اور پولیس کی ملازمت میں ذکر کیا گیا ذاتی طور پر بچا بھی جاسکتا ہے تاہم اگر غیبت اور تجسس کرنا بھی پڑے تو اس کی اجازت ہے۔قاضی کو تزکیہ شہود کے لئے اس کی ضرورت پڑتی ہے علامہ حصکفی فرماتے ہیں:"**یزکی الشهود سراً وعلناً**'' (درمختار مع الشامی: ۸؍۲۰۸، طبع زکریا) (قاضی گواہوں کی تحقیق خفیہ اور علانیہ کراسکتا ہے)۔اس سے تجسس بھی کرنا پڑے گا اور گواہوں کے عیوب بیان کرنے کی بھی نوبت آئے گی۔اسی طرح روایت حدیث میں جرح وتعدیل اور فن اسماء الرجال میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔محدثین نے راویوں کے حالاتِ زندگی بیان کرنے میں کوئی رعایت نہیں کی، دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کردیا، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ آیت: "**ولاتجسسوا ولايغتب بعضكم بعضاً**" کے تحت فرماتے ہیں:"بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا، یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے، البتہ کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے'' (معارف القرآن ۸؍۱۲۱، طبع ربانی) آگے فرماتے ہیں کہ ''بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی عام حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص

البعض ہے یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہوتی ہے کہ مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت اور مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے، یا کسی کی اولاد و بیوی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے، یا کسی واقعہ کے متعلق فتوی حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار، یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی و دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا، یا کسی معاملہ کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اس کا حال ذکر کرنا، یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلاضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بنا پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ روح المعانی بیان کئے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت ومجبوری سے ذکر کیا گیا ہو'' (معارف القرآن ۸/ ۱۲۳ ، طبع ربانی)۔

شبہ کی بنیاد پر بھی محدود کارروائی کا ثبوت کتب فقہ میں ملتا ہے۔ ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کے روک تھام کے لئے اس شعبہ (مخبری وانٹیلیجنس) کا قیام وقت کی ضرورت ہے، لہذا ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو گوارہ کرتے ہوئے اس شعبے میں ملازمت کی اجازت ہوگی۔ بس کسی سے ذاتی پرخاش نہ نکالی جائے اور کسی کو بلاوجہ غلط طریقے سے نہ پھنسایا جائے۔ فقہی قاعدے بھی اس کی تائید کرتے ہیں: ''**يختار أهون الشرين**'' (دو ضرروں میں ہلکا ضرر اختیار کیا جائے گا) ''**إذا تعارضت مفسدتان روعي أعظمهما ضررا**'' (جو دو مفسدے آپس میں ٹکرا جائیں تو ہلکے ضرر اور فساد کو اختیار کر کے بڑے مفسدے سے بچنے کی سعی کی جائے گی) ''**الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف**'' (ہلکے ضرر کو اختیار کر کے بڑے ضرر کو زائل کیا جائے گا)۔

ایسے بھی ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس حکومت میں رہتا ہے اور اس سے جو

معاہدے ہوئے ہیں ان کا پاس ولحاظ رکھے۔کسی بھی ملک کا رہنے والا شخص اس چیز کا پابند ہوتا ہے کہ وہ خود ملک کے امن وامان اور سلامتی کے لئے خطرہ نہ بنے، اور اگر کوئی خطرہ بن رہا ہے تو وہ حکومت کو اس کی اطلاع دے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:"یا أیها الذین اٰمنوا أوفوا بالعقود" (المائدہ:۱)(اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو)"وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا" (بنی اسرائیل:۳۴)(عہد کو پورا کرو کیوں کہ عہد کے بارے میں قیامت کے روز باز پرس ہوگی)۔

جاسوسی کی ملازمت کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ امور شرکیہ، کفریہ وغیرہ شرعیہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: سوال: خفیہ پولیس کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس نیت سے جائز ہے کہ میں لوگوں کو نقصان سے بچاؤں گا۔یا اس نیت سے کہ دوسرا جو نقصان پہنچاتا ہے اس سے کم پہنچے گا (یعنی اس کے مقابلہ میں مجھ سے نقصان کم پہنچے گا، دوسروں سے زیادہ پہنچے گا)(اسلامی حکومت و دستور مملکت:۲۳۸)۔

عدالتوں میں ملازمت کا حکم:

مثل مشہور ہے:"مالایحصل کله لایترک کله" (جس چیز کو پورے طور پر حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اسے بالکلیہ چھوڑنا بھی مناسب نہیں ہے)۔ہندوستان میں ہمارا پرسنل لا (Personal Law) خصوصاً عائلی مسائل میں محفوظ ہے اگر چہ اس پر عمل درآمد کرانے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ایسی صورت حال میں اگر مسلم وکلاء وجج ہوتے ہیں تو شریعت کا کچھ نہ کچھ پاس ولحاظ رکھ ہی لیتے ہیں۔اس کی ایک مثال ہم پیش کرتے ہیں: شاہ بانو کیس کے حوالہ سے کسی عورت کی عدت کے بعد بھی وجوب نفقہ میں گیند جج کے پالے میں ہوتی ہے۔بعض جج مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ دے دیتے ہیں اور بعض انڈین ایکٹ کے مطابق خلاف شرع فیصلہ دیتے ہیں، اگر مسلم جج ہو تو شاید شریعت کا کچھ پاس ولحاظ رکھ لے۔

اسی طرح صوبہ اتر پردیش میں لڑکیوں کو کھیت کھلیان میں ترکہ کا مسئلہ۔یہاں بھی گیند

جج کے پالے میں ہوتی ہے، چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد اگر لڑکیاں کھیت کھلیان میں اپنا حق وصول کرنا چاہیں اور اس کے لئے انہیں عدالت کا رخ کرنا پڑے تو انہیں ان ہی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ ججیز مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں جبکہ کچھ اس کے خلاف۔ غرض دونوں جگہ لنگڑے لولے قانونوں کا سہارا لے کر ججیز اپنا کھیل کھیلتے ہیں اب اگر مسلم ججیز ہوں گے تو شاید ملی غیرت آ جائے۔

اسی پر وکالت کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، لہٰذا سوالنامے میں جو خدشات وخطرات ظاہر کئے گئے ہیں کہ ''مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو منصفانہ نہیں کہا جاسکتا، اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہو جائے تو اندیشہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی'' بالکل بجا ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''سوال ۹۴۳ فی زمانہ جو مسلمان منجانب سرکار مقدمات فیصل کرتے ہیں وہ احکام شریعت کے مطابق نہیں ہوتے مثلاً (اور پھر سائل کے دلائل پیش کئے ہیں کہ کیوں مقدمات کا حل احکام شریعت کے مطابق نہیں ہوتا، طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم سوال کے اس حصے کو حذف کر رہے ہیں ناقل) ان سب کے باوجود مقدمات کے فیصلہ کرنے کے عہدے قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور آیت ''**ومن لم یحکم بما أنزل الله فأولئک هم الظالمون**'' کی کیا تعبیر ہے؟

جواب: '' قاعدہ شرعیہ ہے کہ اُشد الضررین کے دفع کے لئے اُخف الضررین کو گوارہ کرلیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ حصول نفع کے لئے دینی ضرر کو گوارہ نہیں کیا جاتا۔

اس بنا پر اس مسئلہ میں تفصیل ہوگی کہ جو لوگ ان حکومتوں (اور عہدوں کو اختیار کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ ان کے قبول نہ کرنے سے خود ان کو یا عامہ اہل اسلام کو کوئی ضرر شدید لاحق ہونا غالب ہے یا نہیں۔ پہلی صورت میں تو (یعنی جب کہ ضرر شدید کا خطرہ ہو) ان حکومتوں اور عہدوں کا قبول کرنا جائز ہے۔ اور دوسری صورت میں دیکھنا چاہئے کہ آیا اس شخص کی نیت اس

ضرر کے دفع کی ہے یا کوئی مالی یا جاہی نفع حاصل کرنے کی۔ اول نیت میں جواز کی گنجائش ہے اور دوسری نیت میں ناجائز۔

پس کل تین صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں جواز کی گنجائش ہوئی (یعنی جب ضرر شدید لاحق ہونے کا خطرہ بھی ہو اور دفع ضرر کی نیت سے اس کو حاصل کیا جائے) اور اس صورت میں آیت (مذکورہ فی السوال) کا محمل بقیہ دو صورتیں ہوں گی (یعنی جب کہ ضرر شدید کا خطرہ نہ ہو، یا ہو تو لیکن دفع ضرر کی نیت سے نہیں بلکہ محض حصول نفع کی نیت سے حاصل کرے تو ناجائز ہے) خصوصاً اگر جائز یا مستحسن سمجھے تو کفر ہے۔

البتہ اگر دو ناجائز صورتوں میں بھی سلطنت کی طرف مجبور کیا جائے اور عذر قبول نہ کیا جائے تو پھر ان میں بھی گنجائش ہے لیکن ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو خلاف شریعت سے بچنے کی کوشش کرے اور صرف اس خیال سے خلاف شریعت فیصل نہ کرے کہ آگے جا کر یہ منسوخ ہو جائے گا۔ البتہ جہاں جرم قانون اور عتاب شاہی کا اندیشہ ہو صرف وہاں ہی گنجائش ہو گی۔ ایک صورت میں تو بلا جبر بھی اور دو صورتوں میں بجبر'' (امداد الفتاوی ۳/ ۴۳۰-۴۳۱، بحوالہ اسلامی حکومت و دستور مملکت ۲۳۶-۲۳۷)۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے یہ جواب اس وقت تحریر فرمایا تھا جب انگریزوں کی حکومت تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ حکومتیں مسلمانوں کے تئیں عدل وانصاف کے فقدان اور ظلم و زیادتی میں ان سے آگے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''غیر اسلامی حکومت میں کلیدی عہدے'' سے متعلق فرماتے ہیں: ''ایک اہم سوال یہ ہے کہ غیر اسلامی مملکت کے کلیدی عہدوں، صدارت، وزارت، تحفظ و دفاع، عدلیہ اور رکنیت پارلیمنٹ پر فائز ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ ایسی ملازمتوں میں سیکولر اور غیر مذہبی ریاست ہونے کے لحاظ سے اسلامی قانون اور منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک ہونا اور اس کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑے گا۔

اصولی طور پر ظاہر ہے کہ یہ بات جائز نہ ہوگی۔اس لئے کہ کسی صیغہ کی محض ملازمت سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وہ کسی گنہگارانہ اور خلاف شرع فیصلہ کا اور اس کے نفاذ اور ترویج کا ذریعہ بنے اور عملاً حاکمیت الٰہی کا انکار کرے۔

مگر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایسی ملازمتوں سے یکسر کنارہ کش اور سبکدوش ہوجائیں تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اسلام کے بچے کھچے آثار اور مسلمانوں کے دینی، وتہذیبی اور قومی مفادات کا تحفظ دشوار ہوجائے گا اور مسلمان اس مملکت میں سیاسی اعتبار سے مفلوج، تہذیبی اور مذہبی لحاظ سے مجبور اور اچھوت شہری بن کر رہ جائیں گے۔اس لئے اس اہم تر مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے عہدوں کو بھی قبول کیا جائے گا، بلکہ مصلحتاً ان کے حصول کی کوشش کی جائے گی، البتہ دل میں اس غیر اسلامی نظام کی طرف سے ایک چبھن، اس پر بے اطمینانی اور اسلام کی بالاتری کا احساس تازہ رہنا چاہئے اور موجودہ حالات کو ایک مجبوری کے طور پر گوارہ کرتے رہنا چاہئے۔

اس کی نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون مصر کے خزانہ کی وزارت کی ذمہ داری قبول کرنا بلکہ اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے'' (جدید فقہی مسائل:۹/۳۷۹،۳۸۰)۔

اس لئے عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ضروری معلوم ہوتی ہے اور ''درء المفاسد مقدم من جلب المنافع'' (الفقہ الاسلامی ۱/۱۲۴) کے تحت عدالتوں کی ملازمت مسلمانوں کے لئے جائز ہوگی۔اور سچی بات یہ ہے کہ جج عموماً خود بھی بچ سکتے ہیں، انہیں ظلم یا خلاف انصاف کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا اِلا ماشاء اللہ، جن کی حیثیت شاذ کی ہے۔

شعبۂ انکم ٹیکس و دیگر سرکاری عہدوں میں ملازمت کا حکم:

اس سلسلے میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا یہ اقتباس ہماری آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔حضرت نے ماضی میں بھی مستقبل کے خطرات اپنی دوررس بیں نگاہوں سے دیکھ لئے تھے۔فرماتے ہیں: اور اس وقت مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسی حکومتیں (اور

عہدے) قبول کرلیا کریں، اور یہ اس قاعدہ میں داخل ہے کہ أشد المفسد تین کو دفع کرنے کے لئے أخف المفسد تین (یعنی بڑے مفسدے اور نقصان سے بچنے کے لئے چھوٹا مفسدہ اور چھوٹے نقصان کو) اختیار کرلیا جاتا ہے۔ اور یہ تو یہ بھی برا (اور غلط) لیکن دوسرے مفسدے کے بہ نسبت پھر بھی اخف (ہلکا) ہے۔ اور وہ بڑا مفسدہ یہ ہے کہ ہماری قوم (مسلمان) بالکلیہ دوسروں سے مغلوب نہ ہوجائے، پس اس نیت سے اگر عہدے لے لے (تو اس میں بڑی مصلحت ہے)۔

(الغرض اس قسم کے عہدوں کو) اگر مضرت (نقصان) کو دفع کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے تا کہ امت مسلمہ پر کفار کی طرف سے جو مظالم اور مضرتیں، مصیبتیں و دشواریاں پہنچتی ہیں اہل مناصب (یعنی یہ عہدیدار) بقدر امکان اگر ان کو رفع نہ کرسکیں تو کم از کم تقلیل وتخفیف (یعنی کم تو کرسکیں گے) تو اس صورت میں جواز کی گنجائش ہے" (اسلامی حکومت و دستور مملکت: ۲۳۸)۔

اس سے پولیس، فوج، جج، وکلاء، انکم ٹیکس کے افسران اور دیگر شعبوں کی ملازمت، سبھی چیزوں کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔ درحقیقت ماتحتی میں انسان اپنے اختیار سے باہر کی چیزوں میں آلہ کے مانند ہوتا ہے جیسے قاضی جلاد کو حکم دے کہ اس مجرم کو نوے کوڑے مارنا ہے اور فرض کیجئے کہ واقعی سزا اس کی اسی (۸۰) کوڑے ہو تو بے چارہ جلاد تو حکم کا پابند ہے وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دس (۱۰) کوڑے اس پر ظلماً مارے جارہے ہیں لیکن مارے گا۔ یہاں بھی کچھ صورت حال ایسی ہے۔ اوپر سے حکم ہوتا ہے کہ تمہیں اتنی وصول کرنا ہے اب ماتحت افسر بے چارہ مجبور ہوجاتا ہے اس لئے دیگر ملکوں میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً "الأمور بمقاصدها" کے تحت مذکورہ شعبوں میں ملازمت نہ صرف جائز بلکہ حصول کی کوشش کرنا چاہئے۔

انشورنس کمپنی، بینک یا اس سے متعلق امور میں ملازمت و دیگر کام کاج کا حکم:

بینک میں کسی بھی طرح کی ملازمت کو عموماً علماء ناجائز لکھتے ہیں:

مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاوی میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: سوال: ''بینک بیمہ کمپنی اور محکمہ انکم ٹیکس، جس میں ٹیکس کی تشخیص وتحصیل کا کام ہوتا ہے اسی طرح کسٹم آبکاری وغیرہ ان محکموں میں ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بینک اور بیمہ ربوا ہے، اور ٹیکسوں کی تشخیص کا طریق مروج ظلم ہے، ان کے مصارف بھی صحیح نہیں ہیں۔ اس لئے ان میں ملازمت جائز نہیں، قال الله تعالیٰ: ''ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان'' (احسن الفتاویٰ ۸/۹۱)۔

مفتی تقی صاحب عثمانی نے ایک فرق ضرور کیا ہے کہ بینک کے علاوہ دیگر کاروبار میں سود کے معاملہ کو لکھنے والے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو معاملہ میں معین بھی ہے اور ایک وہ جو صرف لکھتا ہے، عقد میں معاونت نہیں کرتا جیسے اکاؤنٹنٹ اور آڈٹ کرنے والا۔ اور حافظ ابن حجر کے حوالہ سے تفصیل بیان کی ہے کہ ''کاتب سود سے مراد وہ شخص ہے جو کہ عقد سود کے وقت سود وغیرہ کا حساب لکھ کر عاقدین کی اس عقد میں معاونت کرتا ہے وہ سود کی وعید میں داخل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص عقد سود کے انعقاد کے وقت یہ حساب وکتاب نہیں لکھتا بلکہ عقد کے بعد جب وہ پچھلے عرصے کے تمام حسابات اور کارگزاری اور رپورٹ وغیرہ لکھتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا ...... اگر اس تفصیل کو پیش نظر رکھا جائے تو اس سے ان حضرات کی الجھنیں دور ہوسکتی ہیں جن کا کام بنک کے علاوہ دیگر سودی کاروبار میں اکاؤنٹس اور آڈٹ وغیرہ کا ہے'' (درس ترمذی ۴/۳۹)۔

لیکن بینک کے ملازموں کو پھر بھی کوئی راحت نہیں ملی کیوں کہ وہاں تو ساری عمارت ہی سودی بنیادوں پر قائم ہے اور تنخواہوں کی ادائے گی بھی سود ہی سے ہوتی ہے۔ خواہ وہ ادنیٰ چپراسی ہو یا بڑا بابو اور افسر۔ چنانچہ مفتی تقی صاحب آگے تحریر فرماتے ہیں:

''البتہ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بینک کی ملازمت کیوں حرام ہے؟ اس لئے کہ آج کل تو ہر جگہ پیسہ بنک ہی کے واسطے سے آتا ہے۔ کوئی بھی چیز سود سے پاک نہیں ہے، لہٰذا پھر تو ہر چیز حرام ہونی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے ہر چیز کی حد مقرر کردی ہے کہ اس حد تک

جائز ہے اور اس حد کے آگے نا جائز ہے، لہذا بینک کی ملازمت کے نا جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بینک کے اندر سودی لین دین ہوتا ہے اور جو شخص بھی بینک میں ملازم ہے وہ کسی نہ کسی درجہ میں سودی لین دین میں تعاون کر رہا ہے اور کسی بھی گناہ کے کام میں تعاون کرنا قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**وتعاونوا علی البر والتقوی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**" (المائدہ:۲) اس وجہ سے بینک کی ملازمت حرام ہے" (درس ترمذی ۴/ ۳۹)۔

سود پر وعید کے پیش نظر ہم بھی کسی رعایت کے حق میں نہیں ہیں اور نہ ہی اس میں قیاس یا اجتہاد کی گنجائش پاتے ہیں، البتہ موجودہ حالات کے اعتبار سے مشروط رخصت کے حق میں ہیں کہ ہر مبتلی بہ اپنے ذاتی احوال کو کسی خدا ترس عالم کے سامنے رکھ کر اپنے بارے میں حکم حاصل کر لے۔

بعض علماء نے بینک کی ان ملازموں کے درمیان جو براہ راست سودی لین دین میں ملوث ہوتے ہیں اور ان ملازموں کے درمیان جو براہ راست ملوث نہیں ہوتے (جیسے چپراسی و دربان وغیرہ) فرق کیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ چوں کہ چپراسی سودی لین دین میں ملوث نہیں ہے اس لئے اس کی اجرت درست ہوگی۔ حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔ ملازمت محض ملازمت کوئی چیز نہیں بلکہ نتیجہ اور مقصد تنخواہ ہوتی ہے اور تنخواہ میں دونوں برابر ہیں، جو براہ راست ملوث ہے اسے بھی تنخواہ بینک کے کمائے ہوئے اضافی سود سے ملتی ہے اور چپراسی و دربان کی تنخواہ بھی اسی سودی مد سے ہوتی ہے۔ پھر فرق کی وجہ کیا ہے؟ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاونت کے اعتبار سے چپراسی بہ نسبت بابو کے کم معین ہے یا معین نہیں ہے۔ لیکن آخر تنخواہیں کہاں سے آتی ہیں؟ تنخواہوں کا معاملہ تو یکساں ہے۔ کیوں کہ تنخواہیں سب کی بینک ہی دیتا ہے نہ کہ حکومت۔ اور بینک کے منافع سوائے سود کے اور نہیں ہوتے۔

یہ پوچھے جانے پر کہ اگر بینک دیوالیہ ہو جائے تو ملازمین کی تنخواہیں کون دیتا ہے بینک

کے ملازمین نے بتایا کہ بینک کے دیوالیہ ہوجانے کی صورت میں بھی تنخواہوں کا نظم حکومت کے ذمہ نہیں ہوتا بلکہ دیوالیہ شدہ بنک کو اس سے بڑی شاخاؤوں میں ضم کر کے تنخواہوں کا نظم کیا جاتا ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ تنخواہوں کا نظم حکومت کے خزانے سے ہوتا ہے بنک کو اس سے کچھ لینا دینا نہیں، تو ایسی صورت میں چپراسی دربان وغیرہ کی تنخواہیں درست ہوجائیں گی ورنہ نہیں۔

جہاں تک تعلق انشورنس کا ہے تو اس میں ربوا کے ساتھ قمار کی بھی آمیزش ہوتی ہے، اب جو انشورنس جائز نہیں ہیں ان میں ملازمت بھی درست نہ ہوگی۔ اور انشورنس کی جو شکلیں جائز ہیں خواہ جبری ہوں جیسے بعض سرکاری ملازمتوں وغیرہ یا جبری نہ ہوں لیکن مصلحت انشورنس کی ہو ایسی شکل میں اس کی ملازمت کی بھی گنجائش ہونی چاہئے۔ کیونکہ جب بعض شکلوں میں انشورنس کی اجازت ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کے لئے کسی غیر مسلم ایجنٹ کو ڈھونڈھا جائے، اور اگر وہاں نہ ملے تو وہ تلاش کرتا ہوا ادھر ادھر کا سفر کرے۔ حاصل یہ کہ جب انشورنس کی تمام صورتوں کا حکم یکساں نہیں ہے تو اس کی ملازمت کے عدم جواز کا حکم بھی یکساں نہ ہوگا۔ بلکہ حادثہ انشورنس، جبری انشورنس جو بعض سرکاری ملازمتوں میں یا پرائیویٹ ملازمتوں میں (labour law) کے تحت ہوتا ہے، یا انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے انشورنس ہو، اس طرح کے انشورنس کو چوں کہ اکثر علماء نے جائز قرار دیا ہے، لہٰذا ان کی ایجنسی بھی ''الشيء إذا ثبت، ثبت بلوازمه'' کے تحت جائز ہونا چاہئے۔

اس موقع پر یہ بات قابل غور رہے کہ ''الضرورات تبیح المحظورات'' میں جس ضرورت کا ذکر ہے اور فقہاء کرام جس کی تشریح ''اضطرار'' سے کرتے ہیں وہ درحقیقت ایک انفرادی صورت حال ہے، عمومی احوال میں رخصت پر عمل کرنے کے لئے ضرورت بمعنی اضطرار نہیں بلکہ صرف حاجت کافی ہے جیسا کہ ضرورت اور حاجت کی بحث میں تفصیلاً ذکر کیا جاچکا ہے اور آج کسب معاش کے سلسلے میں اکثر افراد کو یہ حاجت متحقق ہے، نیز حاجت کی تشریح اور ضروریات زندگی بھی

بدل چکی ہیں جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: **"ألا إن أهل العلم قد نصوا على أن الحاجة قد تاخذ حكم الضرورة فقالوا: ان الحاجة تنزل منزلة الضرورة: عامة كانت أو خاصة"** (الاشباہ والنظائر للسیوطی ۷۱ بحوالہ مجلۃ المجمع الفقہی الاسلامی ۱۵۱)۔

(اہل علم نے صراحت کی ہے کہ حاجت کبھی ضرورت کا درجہ لے لیتی ہے، حاجت عام ہو یا خاص ہو) **"أن التسهيلات التشريعية الاستثنائية لاتقتصر على حالات الضرورة الملجئة، بل حاجات الجماعة، والافراد، ممادون الضرورة، توجب التسهيلات والإستثنائية أيضا"** (شرح القواعد الفقہیہ ۲/ ۹۹۷)۔(شرعی استثنائی سہولیات کا انحصار صرف ضرورت ملجئہ پر ہی ہے بلکہ یہ شرعی رخصت، ضرورت سے کم درجہ کی اجتماعی یا انفرادی حاجت پر بھی مل جاتی ہے)۔

"فاذا كانت هناك حاجة عامة للجماعة المسلمة أو خاصة بشخص من أفرادها، نزلت هذه الحاجة منزلة الضرورة، في جواز الترخيص لأجلها" (الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیہ ۲۴۲) (جماعت المسلمین کو یا خاص کسی فرد کو اگر کوئی حاجت عامہ پیش آجائے تو یہ حاجت رخصت کے جواز کے سلسلے میں ضرورت کا درجہ لے لیتی ہے)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رخصت کے حصول کے لئے صرف ''ضرورت'' بمعنی ''اضطرار'' ہی ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات ''حاجت'' پر بھی رخصت حاصل ہوجاتی ہے بشرطیکہ حاجت عامہ ہو، اور کسب معاش کے سلسلے میں اس وقت جو صورت حال ہے خصوصاً ہمارے ملک میں مسلمانوں کے لئے وہ حاجت عامہ میں داخل ہے۔

اباحیت کا دروازہ نہ کھل جائے اور لوگ اس کا غلط استعمال نہ کرنے لگیں، اس لئے اس موقع پر ضروری ہے کہ حاجت کے ضرورت شرعیہ کا درجہ لے لینے کی مزید تحدید وتشریح کردی جائے۔ چنانچہ الدکتور ناصر بن محمد بن شری الغامدی وکیل کلیہ الشرعیہ جامعۃ اُم القری فرماتے ہیں:

حاجت کب ضرورت کا درجہ لے لیتی ہے، اہل علم نے چند شرطیں لگائی ہیں، جن میں اہم یہ ہیں: (۱) وہ مشقت جس نے بندے کو حاجت کے وقت عام شرعی حکم کی مخالفت پر آمادہ کیا ہو، وہ مشقت ایسی ہو کہ مبتلی بہ کو غیر معتاد مشقت اور حرج تک پہنچادے۔ (۲) حاجت متعین ہو اور عادۃً دوسرا کوئی شرعی طریقہ ایسا نہ بچا ہو جو غرض مقصود تک پہنچادے (۳) حاجت کے جانچنے پرکھنے میں عام حالات میں ایک متوسط آدمی کی حالت کا اعتبار ہوگا، خاص حالات کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا (۴) اس حاجت کے معتبر ماننے کے لئے کسی شرعی قاعدے کی تائید حاصل ہو، اور اس کے جنس کی کوئی شرعی نظیر موجود ہو (مجلۃ المجمع الفقہی الاسلامی ۱۵۱، ۱۵۲)۔

مذکورہ بالا عبارتیں یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ دور حاضر میں مذکورہ ملازمتوں کی رخصت صرف اسی وقت نہیں ہوگی جبکہ انسان بھکمری کا شکار ہوجائے بلکہ اس وقت زندگی گزارنے میں جو پیچیدگیاں آرہی ہیں انہیں حل کرنے کے لئے بھی اس کی گنجائش ہوگی۔

شراب کی کمپنی میں ملازمت کا حکم:

یہ بات بیان محتاج نہیں کہ گناہ کے درجات ہوتے ہیں، ایک شخص نے کسی کو بندوق دی، ایک نے راستہ بتلایا اور ایک نے قتل کردیا، ظاہر ہے اس قتل میں تینوں مجرم ہیں لیکن تینوں کے جرم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس کو دلیل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی اعتبار سے شراب کے کمپنی کے مسلم ملازمین کا حکم ہوگا، البتہ اس سلسلے میں فقہاء نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے جس سے اس مسئلہ کو حل کرنے میں کافی رہنمائی ملتی ہے، وہ یہ کہ اگر ممنوعہ چیز ایسی ہے جس کی ذات سے معصیت کا قیام ہے تو اس کا بیچنا یا تعاون کرنا مکروہ ہے۔ جیسے "**بیع أمرد ممن یلوط به وبیع سلاح من أهل الفتنة، لأن المعصیة تقوم بعینه**" (درمختار مع الشامی ۹/۵۶۱، طبع زکریا)۔ (امرد کا بیچنا لوطی سے، اور ہتھیار کا بیچنا اہل فتنہ سے، کیوں کہ معصیت کا قیام بعینہ اس چیز سے ہے) یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

اور اگر اس کی ذات سے معصیت کے قیام کا تعلق نہیں تو امام صاحبؒ کے یہاں جائز ہے جیسے ''**وجاز بيع العصير وعنب ممن يعلم أنه يتخذه خمراً، لأن المعصية لاتقوم بعينه بل بعد تغيره**'' (درمختار مع الشامی ۹/ ۵۶۰، طبع زکریا)، (شیرۂ انگور، اور انگور ایسے شخص سے بیچنا جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ شراب بنائے گا، جائز ہے کیوں کہ معصیت کا قیام اس کے عین سے نہیں بلکہ تغیر کے بعد ہے)''**وجاز تعمير الكنيسة وحمل خمر ذمي**'' (درمختار مع الشامی ۹/ ۵۶۲، طبع زکریا) (چرچ کی تعمیر کرنا، ذمی کی شراب اٹھانا جائز ہے کیوں کہ اجیر کے عمل میں معصیت نہیں ہے)۔

البتہ صاحبین کے یہاں اس کی دو قسمیں ہیں، صاحب معاملہ کو یہ معلوم ہے یا نہیں، اگر معلوم ہے تو مکروہ ورنہ نہیں۔ گویا صاحبین کے یہاں اس سلسلے میں قصد و ارادہ اور علم پر کراہت کا دارومدار ہے۔

علامہ شامیؒ اور علامہ حصکفیؒ نے اس موقع پر بڑی تفصیلی بحثیں کی ہیں لیکن ہم آج کے نامور فقیہ علامہ وہبہ زحیلی کی زبانی اس مسئلہ کو اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد اس سوال کے اجزاء پر کلام کریں گے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی معرکۃ الاراء کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں مذہب احناف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**يجوز للشخص عند أبي حنيفة أن يوجر نفسه أو سيارته أو دابته بأجر لتعمير كنيسة، أو لحمل خمر ذمي، لا لعصرها؛ لأنه لامعصية في الفعل عينه، لأن عقد الإجارة على الحمل ليس بمعصية ولا سبب لها، وإنما تحصل المعصية باختيار الشارب، وقديكون حملها للإراقة أو التخليل**

أما عصرها بقصد الخمرية كمعاصر الخمور في بلادنا أو في أمريكا مثلا لمسلم فيحرم، لأن المعصية في الفعل عينه، وأجاز ابو حنيفة أيضا إجارة بيت لاتخاذه كنيسة أو لبيع الخمر فيه في بلاد غالب أهلها أهل الذمة؛ لأن

الإجارة تقع على منفعة البيت، ولهٰذا تجب الأجرة بمجرد التسليم، ولامعصية فيه، وإنما المعصية بفعل المستاجر، وهو المختار فيه.

ولاتجوز تلک الإجارة في بلاد غالب أهلها الإسلام؛ لأن أهل الذمة لايمكنون من اتخاذ الكنائس وإظهار بيع الخمورونحو ذالک في الأصح۔

وقال الصاحبان والأئمة الثلاثة: لاينبغي كل تلک الإجارات، وهي مكروهة، لأنها إعانة على المعصية، ولأنه عليه السلام لعن في الخمر عشرة، وعد منها "حاملها"۔

واعتبر أبوحنيفة الحديث محمولا على الحمل المقرون بقصد المعصية وعلى كل حال فرأيه قياس، ورايي الصاحبين استحسان" (الدر مختار ۵/ ۲۷۲،بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۶۸۸)۔(امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ایک شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی گاڑی کو یا اپنی جانور کو چرچ وغیرہ کی تعمیر، یا کافر کی شراب اٹھانے کے لئے اجرت پر دے دے، نہ کہ شراب کو نچوڑنے کے لئے، اس لئے کہ نفس فعل میں کوئی معصیت نہیں ہے، کیوں کہ شراب کے اٹھانے پر عقد اجارہ کرنا نہ معصیت ہے، اور نہ سبب معصیت، بلکہ معصیت تو شارب کے اختیار سے ہے اور ممکن ہے کہ شراب کا اٹھانا اسے پھینکنے یا سرکہ بنانے کی غرض سے ہو۔ بہر حال شراب بنانے کی غرض سے عرق کشید کرنا جیسا کہ ہمارے دیار میں یا مثلاً امریکہ میں عرق کشید کرنے والے، تو یہ فعل مسلمان کے لئے حرام ہے، کیوں کہ یہاں معصیت نفس فعل میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے اپنے گھر کو چرچ بنانے یا شراب بیچنے کے لئے اجرت پر دینے کو جائز قرار دیا ہے ایسے ملکوں میں جہاں کفار کی کثرت ہو، کیوں کہ اجارہ گھر کی منفعت پر واقع ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اجرت محض گھر حوالہ کردینے سے واجب ہوجاتی ہے اور اس میں کوئی معصیت نہیں ہے بلکہ معصیت تو فعل مستأجر میں ہے اور وہ اس میں خود مختار ہے، البتہ اپنے گھر کو اس کام کے لئے اجرت پر دینا مسلم اکثریت ممالک میں تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح قول کے

مطابق ذمیوں کو چرچ وغیرہ بنانے، اور کھلے عام شراب وغیرہ بیچنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اجارات درست نہیں ہیں، بلکہ مکروہ ہیں کیوں کہ اس میں "اعانت علی المعصیة" ہے۔آپ علیہ السلام نے شراب سے متعلق دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور شراب اٹھانے والے کو بھی انہیں میں شمار کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے حدیث شریف کا محمل اس اٹھانے کو قرار دیا ہے جس میں معصیت کا قصد ہو۔ بہر کیف امام صاحب کی رائے قیاس ہے، اور صاحبین کی رائے استحسان)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مذہب پر عمل کرنے میں بڑی راحت بلکہ وقت کا تقاضہ ہے اور اس قول کو چھوڑنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے۔ اس لئے جو ملازم بنفس نفیس شراب کی خرید وفروخت میں ملوث ہیں ان کی ملازمت درست نہ ہوگی، لیکن جو لوگ کمپنی کے لئے شراب کی بوتل بناتے ہیں (بشرطیکہ بوتل میں شراب کا نام یا اڈورٹیز منٹ (Advertisement) نہ ہو) یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزاء (Raw Material) فروخت کرتے ہیں جن سے شراب بنائی جاتی ہے تو ان کا یہ عمل اور ملازمت درست ہوگی۔ کیوں کہ اجزاء (Raw Material) فروخت کرنا، یا پیش کرنا بہر حال شیرۂ انگور بیچنے سے کم درجہ رکھتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک شیرۂ انگور ایسے شخص سے بھی بیچنا جائز ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ شراب بنائے گا۔ اس طرح کمپنی کے لئے شراب کی پیٹیاں، گتے (Cartone) رکھنا، اٹھانا، ادھر سے ادھر منتقل کرنا یہ بھی جائز ہوگا جیسا کہ "جاز حمل خمر ذمي" سے معلوم ہوا۔ کیوں کہ اٹھانے اور منتقل کرنے میں اراقۃ الخمر کا بھی احتمال ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کمپنی کے وہ کام جن میں براہ راست شراب کا پینا، پلانا، بیچنا خریدنا نہ ہو اس میں ملازمت و دیگر کام کاج کی اجازت ہوگی۔

سپر مارکیٹ وغیرہ میں ملازمت کا حکم:

سپر مارکیٹ کی نوعیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، اسی اعتبار سے حکم لگے گا مثلاً ایک شکل یہ

ہوتی ہے کہ بہت ساری دوکانیں اور شوروم الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر مکان وشوروم میں جدا جدا سامان ملتا ہے، مالک (owners) سب کے کبھی مختلف ہوتے ہیں اور کبھی متحد ایسی صورت میں جس دوکان اور شوروم میں صرف شراب فروخت ہو اس میں ملازمت جائز نہ ہوگی۔ کیوں کہ وہ من وجہ بیچنے والا ہوا اگرچہ یہ مالک کا وکیل ہے اور یہ بیچنا مالک کی طرف سے ہے لیکن بیع میں وکیل ہی اصل کے درجہ میں ہوتا ہے، اس لئے شکلاً بیع پائی گئی اور نبی کریم علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے، تو صریح نص کے ہوتے ہوئے قیاس درست نہ ہوگا اور اس لئے یہ ملازمت جائز نہ ہوگی۔

سپر مارکیٹ کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ بہت بڑی دوکان یا شوروم ہے اور اس میں ایک ساتھ چھوٹی بڑی بہت ساری اشیاء دستیاب ہیں پھر اس کی بھی دو شکلیں ہیں ایک یہ کہ خریدار سامان ٹرالی از خود لے کر سامان، ٹرالی میں جمع کرتا رہتا ہے اور پھر آخر میں آکر کیش کاؤنٹر (Cash Counter) پر قیمت ادا کر کے بل لے لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس شوروم یا دوکان میں سیلس مین، کسٹمر کے مطالبہ پر سامان دیتا ہے اور مالک پیسے وصول کرتا ہے۔ آخر الذکر دونوں صورتوں میں پہلی صورت بے غبار معلوم ہوتی ہے کیوں کہ یہاں سیلس مین اور ملازم نہ بیچنے والا ہے، نہ اٹھانے والا، بس کیشیر (Cashier) کی طرح کام کر رہا ہے یا نگرانی وغیرہ دوسری ڈیوٹیاں انجام دے رہا ہے، ایسی صورت میں سب کچھ صحت وسقم مالک کی گردن پر ہوگا اگر وہ مسلمان ہے، اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کے یہاں تو شراب کی خرید وفروخت شرعاً بھی جائز ہے۔ اور آخر الذکر دونوں صورتوں کی دوسری صورت میں جس میں اس دوکان یا شوروم میں بہت سارا سامان ملتا ہے اور ایک سامان شراب بھی ہے ایسی صورت میں ''للاکثر حکم الکل'' کے ضابطے سے گنجائش معلوم ہوتی ہے کیوں کہ جملہ اشیاء کے مقابلہ میں شراب بمنزلہ جزء کے ہے اور سیلس مین سے کبھی کبھار اس کا (یعنی کسٹمر کو شراب دینے) کا ارتکاب ہوتا ہے، لہذا غالب پر حکم لگاتے ہوئے گنجائش ہونا چاہئے۔

یہ حکم عام حالات میں ہے البتہ معاش سے بدحال شخص کے لئے مذکورہ تین شکلوں میں پہلی شکل سے اجتناب لازم ہے، "ومن یتق الله یجعل له مخرجاً" (اگر اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ضرور کوئی راہ پیدا کردے گا) نیز اس شکل سے بچنا ممکن بھی ہے۔ اور آخر الذکر دونوں شکلوں میں اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے۔

سپر مارکیٹ میں دوکان وشوروم کی سیلس مینی کے علاوہ ملازمت کے درجنوں شعبے ہوتے ہیں، چپراسی سے لے کر منیجر تک، ان تمام شعبوں میں ملازمت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مخلوط تعلیم یا خلاف جنس کو تعلیم دینے والے اداروں میں تدریسی ملازمت کا حکم:

جہاں تک تعلق مخلوط تعلیم کی تدریس کا ہے تو اس میں فتنہ کم، بدنگاہی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے، پڑھانے والا مرد ہو یا عورت جب اپنے مخالف جنس (Opposite Sex) کو تعلیم دیتے ہیں تو چوں کہ کلاس روم وغیرہ میں ایک سے زائد لڑکے یا لڑکیاں ہوتی ہیں اس لئے ایسی خلوت نہیں ہو پاتی جو باعث فتنہ ہو سوائے بدنظری کے، اب اگر اس کی وجہ سے یہ ملازمت نہ جائز قرار دی جائے تو حرج لازم آئے گا اور معیشت کے وسائل تنگ کرنے کے مترادف ہوگا، لاکھوں پروفیسر، ریڈرس، ٹیچرس، اور بورڈ کے اداروں میں پڑھانے والے مولوی وفاضل وغیرہ ملازمت کے ناجائز ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہو جائیں گے کتنے ہی لوگ ہیں جو فی نفسہ شرافت اور تدین باقی رکھتے ہوئے بڑی بڑی یونیورسٹیوں، جامعات، اسکولوں اور کالجوں میں پڑھاتے ہیں جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے۔ اگر اسے مکروہ بھی قرار دیا جائے تو "اَھون البلیتین" کے پیش نظر گنجائش دینا ہوگا۔

اس سلسلے میں حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے واقعے سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔ واقعہ مشہور ہے "کہ ایک خاتون حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کا خط لے کر مکہ جارہی تھی جس میں اہل مکہ کو اس خبر سے آگاہ کیا گیا تھا، کہ مدینہ کے دس ہزار فوجی مکہ فتح کرنے آرہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ کو مخفی رکھنا چاہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس خاتون کو

راستے میں پکڑلیا، اور اس سے خط طلب کیا، اس نے خط کا انکار کیا، انھوں نے محسوس کیا کہ اگر یہ خط مکہ چلا گیا اور اہل مکہ نے خبر پا کر پہلے مدینہ پر حملہ کردیا تو یہاں سیکڑوں بلکہ ہزاروں لوگ حملہ میں شہید ہوسکتے ہیں، مدینہ کی حرمت پامال ہوگی اور عرب کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ یہ لوگ ماہ حرام میں جنگ کررہے ہیں، ایک طرف اتنی بڑی مصلحت تھی، چنانچہ انھوں نے عورت کو دھمکی دی کہ یا تو خط نکالو ورنہ ہم تمہیں ننگا کردیں گے، وہ خط چھپائے تھی، اتنی بڑی مصلحت اور بڑے نقصان سے بچنے کے لیے انھوں نے اس چھوٹے نقصان کو گوارہ کرنا چاہا کہ عورت اگر خط نہیں دیتی ہے تو اس کے کپڑے نکال کر خط حاصل کرلیا جائے" (مقاصد شریعت ۲۵۹)۔

اس طرح یہاں بھی اتنے کثیر افراد کے ترک ملازمت کی وجہ سے مالی نقصان ہوگا، اور یہ سبب بنے گا جانی نقصان کا، اور دینی نقصان کا (کاد الفقران یکون کفراً)۔

نیز بات جب اختلاط اور بدنگاہی کی آتی ہے تو فقط تدریس ہی کیوں؟ کون سی ایسی جگہ ہے جہاں یہ اختلاط پایا نہ جاتا ہو، سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں میں مردوں کے روبرو عورتیں بھی ہوتی ہیں اور وہاں اختلاط تدریس کے مقابلہ زیادہ ہوتا ہے، وسائل گناہ بھی زیادہ ہوتے ہیں، مواقع بھی کثیر ہوتے ہیں اور پابندیاں بھی کم ہوتی ہیں، تو پھر کیا ان شعبوں میں ملازمت چھوڑ دی جائے؟ بلکہ آگے بڑھ کر محنت مزدوری کرنے والے لوگ بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔ آج کل لیبر (Labaur) اور مزدور طبقہ خواہ مکانات کی تعمیر ہو یا سڑکوں، پلوں اور دیگر تعمیراتی کام (Costruction) میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرتی ہیں تو کیا ایسی جگہوں سے لوگ اپنے آپ کو ملازمت ومزدوری سے کھینچ لیں؟ ایک قدم اور آگے بڑھائیے، کاس میٹیک (Cosmetic) کی دوکانوں میں خریداری کے لئے عورتیں ہی بھری رہتی ہیں، اور دن بھر عورتوں سے ہی گفتگو اور اختلاط رہتا ہے، تو پھر یہ کام کرنے والے لوگ کیا کریں؟ آج کل گارمنٹس (سلے ہوئے کپڑوں) کی خریداری بھی عموماً عورتیں کرتی ہیں تو اس طرح کے دوکاندار کیا کریں؟ الغرض اگر خلاف جنس (Opposite sex) سے اختلاط کی بنیاد پر تدریس کے

عدم جواز کا حکم لگایا گیا تو پھر یہ سلسلہ تھمنے کے بجائے وسائل روزگار کو بند کر کے ہی دم لے گا، بلکہ اپنے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بازار اور مارکیٹ جانا بھی تو دشوار ہو جائے گا، ہر جگہ عورتوں کی کثرت ہے اور کسی نہ کسی درجہ میں اختلاط ہوتا ہے، لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ اب لوگ دوکانوں اور شوروموں میں سیلس مین کے ساتھ ساتھ سیلس لیڈی بھی رکھتے ہیں، اب بے چارے چھوٹی موٹی ملازمت کرنے والے کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ اس لئے بات صرف مخلوط تعلیمی اداروں میں تدریس کی نہیں بلکہ بہت سارے شعبے متاثر ہو جائیں گے۔

وکالت کا پیشہ:

وکالت کے بارے میں تھوڑا بہت ہم سوال نمبر ا کی شق نمبر (د) کے ضمن میں عرض کر آئے ہیں، مزید یہ کہ وکالت میں وکیل کے لئے غلط مقدمات کی پیروی جائز نہیں ہے اور یہاں ایسی کوئی حاجت بھی نہیں کہ وہ اپنا پیشہ چلانے کے لئے غلط کیس کی وکالت کرے اور ظالم کی مدد کرے بلکہ تجربات یہ ہیں کہ جو وکلاء صاف ستھرے اور صحیح کیس لیتے ہیں وہ ترقی کرتے ہیں، یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ایک وکیل اپنی وکالت میں اگر ظالم و مظلوم کا فرق کرے گا اور صرف وہی کیس لے گا جس میں مظلوم کی حمایت ہو تو اسے اپنے پیشے سے ہاتھ دھونا پڑے گا، ایسا نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، رہا جھوٹ بلوانے کا مسئلہ تو اگر یہ حق کی وصولیابی کے لئے ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جھوٹ بولنا بلا شبہ گناہ ہے لیکن مقصد درست ہو تو جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے، کون نہیں جانتا کہ وہ جھوٹ جس سے دو جھگڑنے والے مل جائیں ہزار درجہ بہتر ہے اس سچ سے جس میں سر پھٹول ہو، ٹھیک اسی طرح یہاں ''الأمور بمقاصدہا'' کے تحت اگر کسی کا حق، جھوٹ بول کر مل رہا ہے تو ایسے جھوٹ سے کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً ایک ظالم، دبنگ مقروض، اپنے کمزور قرض خواہ سے کہتا ہے کہ اگر تم اقرار کر لوگے کہ میرے ذمہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے تو میں تم کو تمہاری رقم واپس کر دوں گا ورنہ نہیں، ظاہر ہے یہاں اس جھوٹے اقرار سے جس میں اسے اس کا حق مل رہا ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

بہر کیف وکالت کا پیشہ درست ہے، لیکن غلط مقدمات کی پیروی کرنا بالکل جائز نہیں ہے، اور رہی بات جھوٹ بولنے کی تربیت دینا تو اس کا مدار نیت پر اور ''الامور بمقاصدہا'' پر ہے۔

پیشہ طبابت:

وکالت کی طرح یہاں بھی ایک ڈاکٹر اور طبیب کو اپنے پیشے میں ایسی کوئی ضرورت متحقق نہیں ہوتی کہ ہاسپٹل کے انتظامیہ کے اس طرح کے مطالبات کو قبول کرے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہاسپٹل کم، ڈاکٹرس خود اپنے کمیشن کے چکر میں زیادہ رہتے ہیں، اسی لئے وہ غیر ضروری آپریشن اور بے ضرورت ٹسٹ کرانے پر مریض کی غلط رہنمائی کرتے ہیں، ایسا سننے میں نہیں آیا کہ کسی ڈاکٹر کو صرف اس وجہ سے ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا ہو کہ وہ بلا وجہ آپریشن اور بلا وجہ ٹسٹ کیوں نہیں لکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر کی ذاتی دلچسپی اور نفع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس طرح کے غیر اخلاقی اور غیر شرعی اُمور پر ذرا بھی نہیں شرماتا، زوال ملازمت یا پیشہ کم چلنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اکثر ڈاکٹر پچاس یا سو روپے لے کر جھوٹا میڈیکل سر ٹیفکٹ لکھ دیتے ہیں جبکہ کچھ ڈاکٹر ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے اپنے کلینک میں تختیاں ٹنگوادی ہیں کہ ہمارے یہاں فرضی اور جھوٹے سرٹیفکٹ نہیں دیئے جاتے، دیکھنے میں آتا ہے کہ آخر الذکر قسم کے ڈاکٹر ہر اعتبار سے زیادہ کامیاب رہتے ہیں۔

سوال کا یہ جزء کہ ''سرکاری ہاسپٹلوں کے علاوہ پرائیویٹ ہاسپٹل میں بھی مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہے جس کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے''۔ اس سوال سے ہم اتفاق نہیں کرتے، یا ہم سوال سمجھ نہیں سکے، کیوں کہ آج کل اسپتال بالکل کامرشیل (Commercial) ہوگئے ہیں، وہ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے احتراز کرتے ہیں جس سے ان کا کسٹمر ناراض ہو، اگر سوال میں مثال بھی دے دی جاتی کہ آخر کون سی وہ شکل ہے جس میں یہ نوبت پیش آتی ہے تو بہتر ہوتا، ہم نے ڈاکٹروں سے

اوراسپتال جاکرمعلوم کیا، جواب یہی ملا کہ ہمیں کیاغرض ہے کہ ہم ایسا کریں یا ہم توخودمریض کی ایما دیکھتے ہیں، پہلے اس میں مشورہ کرتے ہیں، بلکہ مریض مرد ہو یا عورت، وہ خود یا اس کے اہل خانہ ڈاکٹر کا انتخاب کرتے ہیں کہ ہم کوفلاں ڈاکٹر سے اپنا کیس کرانا ہے اور پھر اس اعتبار سے اسپتال والے ڈاکٹر کا انتظام کرتے ہیں۔ پرائیویٹ اسپتالوں میں تو ایسا نہیں ہوتا ممکن ہے سرکاری اسپتالوں میں ایسا ہوتا ہو۔

اس موقع پر بحث کا ایک پہلو اور ہے وہ یہ کہ عورتوں کے ولادت کے مسائل (Delivary case) میں اگر نوبت آپریشن کی آتی ہے یا دل کی بائی پاس سرجری اور پیٹ سے متعلقہ امراض میں اگر نوبت آپریشن کی آتی ہے (عورتوں کا سارا بدن ہی قابل ستر ہے) تو احتیاطی تدابیر کے پیش نظر مرد ڈاکٹر کی موجودگی لازم تصور کی جاتی ہے بلکہ مرد ہی آپریشن کرتے ہیں، لیڈی ڈاکٹر بھی وہاں موجود رہتی ہیں، آپریشن کے وقت بے ہوش کرنے والا ڈاکٹر الگ ہوتا ہے، جب تک آپریشن ہوتا ہے اس کی موجودگی بھی ضروری ہوتی ہے، اگر تیماردار یا مریض راضی نہ ہو تو اسپتالوں کو کیا پڑی ہے کہ مردوں کے آپریشن کے لئے عورتوں کو اور عورتوں کے آپریشن کے لئے مردوں کو مجبور کریں، ہاں مجبوری کے احکام الگ ہیں، کانپور جیسے بڑے شہر میں اسپتالوں اور نرسنگ ہوموں سے معلومات فراہم کیں لیکن ایسا کچھ نہیں نکلا، اور جہاں تک تعلق سرکاری اسپتالوں کا ہے تو وہاں ڈیوٹیاں متعین ہوتی ہیں، جس کی ڈیوٹی میں جو آیا اسے وہ کیس دیکھنا ہے۔

لیکن اگر بالفرض ایسا ہوتا ہے تو یہ غور کرنا ہوگا کہ کیا ڈاکٹرس کو ایسی کوئی حاجت متحقق ہے جس کی وجہ سے وہ مجبور ہوں؟ اگر حاجت متحقق نہیں ہے اور وہ حلال طریقے سے اپنی ضروریات کا تکفل کرسکتے ہیں تو فوراً ایسے اسپتالوں کو چھوڑ دیں، ان کے لئے اس طرح کی ملازمت جائز نہ ہوگی۔

فائیو اسٹار، سیون اسٹار ہوٹلوں میں ملازمت کا حکم:

اس طرح کے ہوٹلوں میں ملازمت کے درجنوں شعبے ہوتے ہیں، ادنی چپراسی سے

لے کر اعلیٰ منیجر تک، پھر ہوٹلوں میں کچھ چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ اصلاً وہ چیزیں مباح ہوتی ہیں، جواز اور عدم جواز کا حکم فاعل مختار کے اپنے طرز استعمال پر موقوف ہوتا ہے جیسے سوئمنگ پول (Swimming Pool) میں نہانا، اچھے ہوٹلوں میں یہ فیسلیٹی بھی ہوتی ہے، ایسا اگر سارے نہانے والے مرد ہوں، بے ستری نہ ہو، تنہا میاں بیوی ہوں تو جیسے چاہیں نہا سکتے ہیں، البتہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا استعمال اور فراہمی دونوں ناجائز ہیں جیسے شراب اور خنزیر کی فراہمی اور ان کا استعمال، پھر یہ دونوں چیزیں اگر ہوٹل غیر مسلم کا ہے تو خرید و فروخت بھی اس کے لئے جائز ہے، اس طرح کے ہوٹلوں میں صرف ایک دو شعبے ایسے ہیں جہاں براہ راست ملازم کو حرام چیزوں کی فراہمی سے تعلق ہوتا ہے اور فاعل مختار کے علاوہ فراہم کرنے والے کا بھی تعلق ہوتا ہے جیسے کھانا کھلانے کے وقت سروس کرنے والے لڑکے اور ویٹر انہیں کھانے کے ساتھ ساتھ کھانے والوں کی میز پر شراب یا خنزیر بھی لگانا پڑ سکتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ہوٹل کے اس شعبے میں ملازمت درست نہ ہوگی، اس کے علاوہ دیگر شعبوں میں ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ ان شعبوں میں شراب وغیرہ ادھر ادھر سے منتقل کرنا پڑے کیوں کہ امام صاحب کے یہاں شراب ونجاست وغیرہ کے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"ومن استاجر حمالايحمل له الخمر فله الأجر في قول ابي حنيفة ...... وذكر في "الجامع الصغير" انه يطيب له الأجر في قول أبي حنيفة" (بدائع ۴/ ۱۴۱ طبع دار الکتب) (جس نے قلی کو اجرت پر لیا کہ وہ اس کے لیے شراب اٹھائے تو قلی اجرت کا مستحق ہے، جامع صغیر میں ہے کہ امام صاحب کے قول کے مطابق اس کے لئے اجرت طیب اور پاک ہے)۔

ہوٹلوں میں اگر شراب کی بوتلوں، کارٹونوں یا لحم خنزیر وغیرہ ادھر سے ادھر منتقل کرنا پڑے تو "اراقۃ شراب" پر احتمال کی وجہ سے امام صاحب کے قول کے مطابق کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن کھانا کھلانے کی سروس میں چوں کہ کھانے کی میز پر شراب لگانا پڑتا ہے اور یہاں

شراب پلانے کے سوا کوئی دوسرا احتمال بھی نہیں پایا جاتا اس لئے صریح حدیث کے پیش نظر عام حالات میں اس طرح کی ملازمت جائز نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ بقیہ شعبوں میں ملازمت درست ہوگی، ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں: "**للمسلم إذا لم يجد عملاً مباحاً شرعاً، العمل في مطاعم الكفار بشرط ألايباشر بنفسه سقي الخمر أو حملها أو صناعتها أو الا تجار بها، وكذلك الحال بالنسبة لتقديم لحوم الخنازير ونحوها من المحرمات**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷؍ ۵۱۱۰)، (ایک مسلمان کے لیے جب وہ کوئی شرعاً مباح روزگار نہ پائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کافر کے ہوٹل میں ملازمت کرلے بشرطیکہ اسے براہ راست شراب پلانے، اٹھانے، بنانے، یا بیچنے وخریدنے وغیرہ کا عمل نہ کرنا پڑے، یہی لحم خنزیر اور دیگر محرمات کا حکم ہوگا)۔

یعنی اگر براہ راست اسے ان اشیاء کو کھلانا پلانا، بنانا یا خرید وفروخت کرنا پڑے تو ان شعبوں میں ملازمت جائز نہ ہوگی، ہوٹل کے بقیہ شعبہ جات میں ملازمت جائز ہوگی، ڈاکٹر صاحب نے یہاں اٹھانے اور منتقل کرنے کو بھی عدم جواز کے دائرے میں ذکر کیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے بدائع کے حوالہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ نفس اٹھانے اور منتقل کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا ایسے ہوٹلوں میں اگر شراب یا لحم خنزیر کھلانا، پلانا یا خرید وفروخت کرنا پڑے تب تو اس شعبہ میں ملازمت درست نہ ہوگی اس کے علاوہ دیگر شعبوں میں ملازمت درست ہوگی اگر چہ اس کو شراب اور لحم خنزیر ادھر سے ادھر منتقل کرنا پڑے۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے ان ہوٹلوں میں ملازمت کا حکم معلوم ہوگیا جہاں رقص اور موسیقی ہوتی ہے کہ اس طرح کے عریاں اور بے حیا شعبوں میں بحیثیت ملازم ان پروگراموں کا انتظام وانصرام کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا اور اس شعبہ میں ملازمت درست نہ ہوگی، کیونکہ وہ براہ راست ملوث ہوگا اور اس کے لئے حظ نفس بھی ہوگا۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے ہوٹلوں میں جن شعبوں میں ملازمت کی گنجائش

یا اجازت ہے، تنخواہیں تو ہوٹل کے آمدنی سے دی جائیں گی اور ہوٹل کی آمدنی مشتبہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عموماً ہوٹلوں کی غالب آمدنی (اگرچہ ہوٹلوں میں مذکورہ چیزیں ہوتی ہیں) جائز ہوتی ہے، لہٰذا تنخواہوں میں وصول ہونے والی رقم بھی ملازم کے لئے درست ہوگی۔

بہرحال اس طرح کے ہوٹلوں میں جہاں براہ راست حرام چیزوں کے ساتھ ملوث ہو وہاں ملازمت جائز نہ ہوگی، اس کے علاوہ ان شعبوں میں جہاں براہ راست ملازم ملوث نہ ہو وہاں ملازمت درست ہوگی۔

☆☆☆

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

مولانا محمد نورالدین بھاگل پوری ☆

۱-(الف):

بلاشبہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور ملک میں امن وامان قائم کرنا ایک ناگزیر ضرورت ہے اس کے بغیر ملک میں امن وامان قائم نہیں ہوسکتا، البتہ اس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنے کی شکل میں مسلمان فوجیوں کو بعض مرتبہ خلاف شرع امور کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اس جہت سے اس ملازمت میں کچھ مفاسد پائے جاتے ہیں، لیکن دوسری جہت سے اس میں بہت سی مصلحتیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً فوج کی ملازمت امن وامان کے قیام کا ایک قوی اور موثر ذریعہ ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔ حدود وقصاص اور تعزیرات کی مشروعیت اسی مقصد کے پیش نظر ہوئی ہے، فوج میں مسلمانوں کی نمائندگی کی وجہ سے مسلمان فوج کی زیادتی اور فرقہ پرستوں کی ظلم وبربریت سے بچ سکتے ہیں، نیز یہ معاش کا بھی ایک بڑا ذریعہ ہے گویا اس میں مفاسد اور مصالح دونوں پائے جاتے ہیں، البتہ مصالح غالب ہے اور مفاسد مغلوب ہے اور قاعدہ ہے، جب مصالح اور مفاسد دونوں پائے جائیں تو مفاسد کو برداشت کرکے مصالح کو حاصل کیا جائے گا جیسا کہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے:

"وقد تراعی المصلحة لغلبتها علی المفسدة" (الأشباہ والنظائر: ۱۴۸)۔

(۲) فوج میں مسلمانوں کی ملازمت یقیناً شرعی اعتبار سے کچھ مضرتوں کو شامل ہے

☆ المعہد العالی، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا لیکن مسلمانوں کی عدم نمائندگی ان سے کہیں شدید مضرتوں کے متضمن ہیں، اگر فوج میں مسلمان نہ ہو تو مسلمان فرقہ پرستوں بلکہ خود فوج کی زیادتی کا شکار ہونا پڑے گا جیسا کہ بعض فرقہ وارانہ فسادات میں اس کا مشاہدہ بھی کیا جا چکا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں موجودہ پُرخطر حالات میں جب کہ فرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں، ہندوستان کو ہندو راشٹر بنا دینا چاہتے ہیں اور اس کے لئے فوج کی ذہن سازی بھی کی جارہی ہے، ایسے حالات میں اگر مسلمان قابل قدر تعداد میں اس ملازمت کو اختیار نہیں کریں گے تو نہ صرف ان سے جان و مال بلکہ اسلامی اقدار و روایات کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

(۳) اس طرح جواز کی شکل میں پایا جانے والا ضرر خاص ہے اور عدم جواز کی شکل میں پایا جانے والا ضرر "ضرر عام" ہے اور قاعدہ ہے: "**يتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام**" کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کیا جاتا ہے (الاشباہ والنظائر: ۱۴۲)۔

لہٰذا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت کرنا درست ہے اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی حلال ہے۔

(ب) شعبۂ پولیس میں ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں مسلمان پولیسوں کو بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اس جہت سے اس ملازمت میں کچھ خرابی پائی جاتی ہیں جو کہ خلاف شرع ہیں، لیکن دوسری جہت سے اس میں بہت سی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً پولیس کی ملازمت حوادث و جرائم کے روک تھام، چوری، ڈکیتی اور بلاوجہ ایک دوسرے کو قتل کے انسداد کا ایک بہترین ذریعہ ہے جو شرعاً مطلوب ہیں۔ پولیس میں مسلمانوں کی نمائندگی کی وجہ سے مسلمان پولیس کی ظلم و زیادتی سے محفوظ رہ سکتے ہیں، اگر پولیس میں مسلمان نہ ہو تو مسلمانوں کو بہت سی پریشانیوں اور آفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ خاص طور سے موجودہ دور میں جب کہ دشمنان اسلام مسلمان کے خلاف طرح طرح کی سازشیں رچ رہے ہیں، مدارس و مکاتب اور مساجد پر حملے

ہورہے ہیں، ایسے حالات میں اگر مسلمان اس ملازمت کو اختیار نہیں کریں گے تو نہ صرف جان و مال بلکہ اسلامی روایات پر دھچکا لگے گا، جہاں تک اس شعبہ میں مفاسد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہئے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ بعض افعال ایسے ہیں کہ شرعی کلی قانون سے حرام ہیں لیکن ضرورت میں شرعاً اس کی اجازت دیدی جاتی ہے چنانچہ اصولیین کا قاعدہ ہے: **"الضرورات تبیح المحظورات"**۔

"وأن تقديم أرجح المصالح فأرجحها محمود حسن وأن درء المفاسد محمود حسن وأن تقديم المصالح الراجحة على المرجوحة محمود حسن وأن درء المفاسد الراجحة على المصالح المرجوحة محمود حسن" (قواعد الأحکام: ۷)۔

اسی طرح اگر اس شعبہ میں ملازمت کو ناجائز قرار دے دیا جائے تو مسلمان حرج میں پڑ جائیں گے، تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہوجائیں گے جب کہ شریعت میں حرج اور تنگی کو دور کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **"إنما يريد الله بكم اليسر"** اسی طرح اصولیین کا قاعدہ ہے: **"الحرج مدفوع"** اسی طرح اگر اس شعبہ میں ملازمت کی اجازت نہ دی جائے تو معیشت کا ایک وسیع ذریعہ مسدود ہوکر رہ جائے گا، لہٰذا مسلمانوں کے لئے پولیس کی ملازمت جائز ہے۔

(ج) امن وامان کے قیام کی غرض سے مخبری شرعاً مطلوب ہوگا۔ اسی طرح ضروریات دین پانچ ہیں: تحفظ دین، نفس، عرض، مال، عقل ان میں سے تین نفس، عرض اور مال کے تحفظ کے لئے مخبری معین بلکہ ایک حد تک ضروری ہے۔ اس اعتبار سے مخبری ایک مطلوب عمل ہے، البتہ اس شعبہ میں ملازمت کی صورت میں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ تجسس اور غیبت علی الاطلاق شریعت میں ممنوع نہیں ہے بلکہ اس کی بعض شکلیں مباح ہیں تجسس کے سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "اگر کسی سے مضرت

پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس مضرت رساں کی تدبیروں اور ارادے کا تجسس کرے تو جائز ہے (بیان القرآن:۹۹۶)۔

اسی طرح غیبت کی کچھ شکلیں جائز ہیں، چنانچہ غیبت کے سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ غیبت والی آیت عام مخصوص البعض ہے، یعنی اگر برائی ذکر کرنے کی کوئی ضرورت ہو یا مصلحت جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت میں داخل نہیں جیسے ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو ظلم کو دفع کر سکے یا مستفتی صورت واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے یا مسلمانوں کو کسی شر دنیوی یا دینی سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلا دے یا کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ظاہر کر دے۔ ومثل ذلک یا جو شخص اپنے فسق کو خود آشکارا کرتا ہو اس کے اعمالِ بد کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں (بیان القرآن:۹۹۶)۔

اسی طرح صاحب روح المعانی نے بھی غیبت کے مباح ہونے کی چھ شکلیں بیان فرمائی ہے: **قد تجب الغيبة لغرض صحيح شرعي لايتوصل إليه إلا بها وتنحصر في ستة أبواب.**

الأول: التظلم فلمن ظلم أن يشكو لمن يظن له قدرة على إزالة ظلمه لا تخفيفه.

الثاني: الإستعانة على تغيير المنكر بذكره لمن يظن قدرته على إزالته.

الثالث: الإستفتاء فيجوز للمستفتي أن يقول للمفتي ظلمني فلان كذا.

الرابع: تحذير المسلمين من الشر كجرح الشهود والرواة والمصنفين والمتصدين لإفتاء مع عدم أهلية فتجوز إجماعا بل تجب.

الخامس: أن يتجاهر بفسقه كالمكاسين وشربة الخمر ظاهراً فيجوز ذكره بما تجاهروا فيه دون غيره إلا أن يكون له سبب اٰخر.

السادس: للتعريف بنحو لقب كالأعور والأعمش فيجوز وإن أمكن تعريفه لغيره (روح المعانی ۱۴/ ۲۴۱)۔

مخبری میں غیبت اسی مقصد کے لئے ہوتی ہے۔

جب امن وامان کی غرض سے مخبری مطلوب ہے اور اس کے لئے جس قسم کے تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے وہ مباح ہے اور دوسرا کوئی مانع نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس شعبہ میں ملازمت کرنا مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا۔

ٹیکس جو حکومت عوام سے وصول کرتی ہے وہ دو طرح کے ہیں بعض منصفانہ ہیں اور خود اسلام میں ان کی گنجائش ہے مثلاً پانی، روشنی، سڑک، ہسپتال وغیرہ سہولتوں کے بدلے حکومت جو ٹیکس لیا کرتی ہے اس کا فائدہ محسوس طور پر ہماری طرف لوٹا دیتی ہے چنانچہ فقہاء کے یہاں اس کی نظیر موجود ہے: ''**فان أريد بها مايكون بحق ككري النهر المشترك وأجر الحارس والمؤظف لتجهيز الجيش وفداء الأسارى وغيرها جازت الكفالة بها على الاتفاق**'' (ہدایہ ۳/۱۰۹)۔

دوسری قسم کے ٹیکس ایسے ہیں جن کو غیر منصفانہ اور ناواجبی کہا جاسکتا ہے اور ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئیں ہیں وہ ظالمانہ ہیں، مثلاً انکم ٹیکس بسا اوقات اسی فی صد تک پہنچ جاتا ہے، شرعی اعتبار سے غیر منصفانہ ہونے کے علاوہ اس قسم کے ٹیکس غیر معقول بھی ہیں کہ ایک شخص اپنے گاڑھے پسینہ سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں اس کا بڑا حصہ حکومت وصول کرتی ہے، اسی طرح ان کے مصارف صحیح نہیں ہے یعنی اس کو ٹھیک طریقہ پر عوام کے فلاح وبہبود پر استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ آمدنی کا وافر مقدار حکمراں کی عیش کوشی اور غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور اس میں لوگوں کی حیثیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا صرف آمدنی کا لحاظ کیا جاتا ہے مصارف کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا جو شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ "**وان أخذ العشر والخراج على خلاف ماورد به الشرع يكون ظالماً وأخذ المستحل له كافر وأمراء زماننا فاسقون ظالمون لأنهم أخذوا الخراج والعشر والجزية وصرفوه على خلاف ماورد به الشرع**'' (حاشیۃ الطحطاوی ۲/۴۶۱)۔

لہٰذا پہلی قسم کے انکم ٹیکس کے شعبوں میں ملازمت جائز ہے اور اس میں ملنے والی تنخواہ حلال ہے اور مذکورہ سوال میں جس نوعیت کے ٹیکس کا ذکر ہے وہ بالکل ایک ناواجبی اور ظالمانہ ٹیکس ہے یہاں تک کہ ایسے ٹیکس کے وصول کے لئے بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تحقیق کرنی پڑتی ہے اور لوگوں پر ظلم کیا جاتا ہے جو شریعت میں کسی طرح روا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے اموال کی دو قسمیں کردی اموال ظاہرہ، اموال باطنہ اور اموال باطنہ کے زکوٰۃ نکالنے کا اختیار مالکوں کو دیدیا تاکہ لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تحقیق کر کے پریشانی میں نہ ڈالے، لہٰذا اس طرح کے شعبوں میں ملازمت کرنا گویا اعانت علی المعصیۃ ہے۔ اور جس طرح خود گناہ کے کاموں میں ملوث ہونا حرام ہے اسی طرح ناجائز کاموں میں مدد کرنا بھی حرام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان"**۔

۲ (الف):

سود میں خود ملوث ہونا ہی گناہ نہیں ہے بلکہ اس کے کاروبار میں مدد و معاون ہونا بھی معصیت ہے، یوں تو تمام ہی گناہ کے کاموں میں اعانت ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"لاتعاونوا علی الاثم والعدوان"** لیکن خاص طور سے سود کے متعلق آپ ﷺ کی صراحت موجود ہے چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے: **"لعن رسول اللہ ﷺ اکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء"** (صحیح المسلم ۲/۲۸)۔

(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کے کاتب نیز گواہوں سبھی پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ وہ سبھی برابر ہیں)۔ اس حدیث میں اللہ کے رسول نے سود کے لکھنے والوں اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بینک کی ایسی ملازمت جس میں آدمی کسی ذمہ دارانہ عہدہ پر فائز ہو یا سودی معاملات لکھنے پڑتے ہوں تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی حیثیت ربوا کے کاتبین اور گواہوں کی ہوگئی اور ان کو حضور ﷺ نے نہ صرف یہ

کہ ملعون قرار دیا ہے بلکہ سودخوروں کے مساوی قرار دیا ہے ہاں ایسی ذمہ داری جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہ ہو بلکہ وہ بینک کے دوسرے امور پر فائز ہو مثلاً واچ مین وغیرہ کے کام پر ملازم ہوں تو ان کے لئے اس ملازمت کو اختیار کرنا جائز ہے۔ہاں اگر کوئی شخص بینک میں ملازمت کر رہا ہو اور ان کو کوئی دوسری ملازمت نہ مل رہی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اسی میں ملازم رہتے ہوئے دوسری ملازمت تلاش کرے اور جب مل جائے تو اس کو چھوڑ دے۔

"إن العمل فی البنوک والمؤسسات التی یقوم نظامها الأساسی علی الإقراض بفائدة إذا کان فی مجال الوظائف التی یقوم علیها الربا مباشرة من القراض والاقتراض وکتابة عقوده ووثائقه والشهادة علیه وکفالته، وحسابه وتحصیله واعتماده والمطالبة به قانونیا ونحو ذلک فانه حرام، أما الأعمال الأخری التی لاعلاقة لها بالربا مباشرة کالحساب الجاری والشیکات والحوالات وأعمال الحراسة، والنظافة والمراسلة فانها جائزة مع الکراهة"

(مجموعۃ الفتاوی الشرعیۃ ۱۶۱/۸)۔

اسی کی اندر بینک کے کمپیوٹر کی مرمت اور بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت داخل ہے کہ اس طرح کی ملازمت کرنا درست ہے کیوں کہ یہ کام بذات خود معصیت نہیں ہے، اسی طرح بینک کے مکان کی تعمیر میں کام کرنا درست ہے کیوں کہ یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہیں ہے، لہٰذا یہ اعانت علی المعصیۃ میں داخل نہیں ہوگا، "ولو اٰجر نفسه لیعمل فی الکنیسة ویعمرها لا بأس به لأنه لامعصیة فی عین الفعل" (البحرالرائق ۳۷۲/۸)۔

اسی کے ذیل میں ایک مسئلہ آتا ہے کہ بینک کے لئے اپنا مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہئے کہ بینک ایک سودی کاروبار ہے، اس لئے اگر پہلے سے اس کو علم ہے کہ یہ شخص مکان کو کرایہ پر لے کر بینک بنائے گا تو خالص اس مقصد کے لئے مکان کرایہ

پر دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ معصیت میں ایک طرح کا تعاون ہے، ہاں اگر اس کو پہلے سے علم نہ ہوتو پھر اس کے لئے مکان کا کرایہ پر دینا بلا کراہت جائز ہے۔

"لاباس بان یواجر المسلم داراً من الذی یسکنها فان شرب فیها الخمر أو عبد فیها الصلیب او أدخل فیها الخنازیر لم یلحق للمسلم اثم فی شئ من ذلک، لأنه لم یواجرها للملک والمعصیة فی فعل المستاجر دون قصد رب الدار فلا اثم علی رب الدار فی ذلک" (المبسوط: ۱۰/۳۰۹)۔

"واجارة البیت ممن یبیع فیه الخمر أو یتخذها کنیسة أو بیت نار وامثالها فکله مکروه تحریما بشرط أن یعلم به البائع والاٰجر من دون الصریح به باللسان، فإن لم یعلم کان معذوراً وان علم وصرح کان داخلاً فی الإعانة المحرمة" (جواہر الفقہ ۲/۴۴۵)۔

۲- ب: کسی شخص کا انشورنس کمپنی میں ملازمت کرنا یا ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز ہے یا نہیں، تو جاننا چاہئے کہ یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اگر چہ انشورنس کو ازراہ ضرورت علماء نے جائز قرار دیا ہے، لیکن فقہاء کا اصول یہ ہے کہ جو چیز ضرورتاً جائز قرار دی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود مسلمان ہی اس کی کمپنی میں ملازمت کریں اور اس کا ایجنٹ بنیں اس لئے کہ اس کی کمپنی میں ملازمت کرنا یا ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا اعانت علی المعصیۃ کے قبیل سے ہے اور اعانت علی المعصیۃ کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے: "ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان"، اس لئے اس کی کمپنی میں ملازمت کرنا اور اس میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز نہیں ہے۔

(سوال ۲) اگر کوئی شخص شراب کی کمپنی میں ملازمت کرتا ہے اور اس کی خرید وفروخت کرتا ہے تو ایسی ملازمت حرام ہے۔ "ابن عمر یقول قال رسول اللہ ﷺ: لعن الله الخمر وشاربها وساقیها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إلیه" (سنن ابی داؤد ۲/۵۱۷)۔

(۲) اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کی کمپنی میں شراب کی بوتل بنانے کی ملازمت کرتا ہے اور یہ بوتلیں صرف شراب ہی کے لئے استعمال ہوتی ہیں اور کسی کام میں استعمال نہیں ہوتیں تو پھر اس شخص کے لئے اس کمپنی میں ملازمت کرنا حرام ہے کیوں کہ یہ اعانت علی المصیۃ میں داخل ہے اور وہ اس طرح سے کہ جب کمپنی والے نے اس کو ملازم رکھا تو اس نے اس بات کی صراحت کر دی کہ تمہیں شراب کی بوتلیں بنانا پڑے گا گویا اس کی مثال یوں ہوئی کہ جیسے اگر صلب عقد میں متعاقدین کی طرف سے یہ صراحت آجائے اور یوں کہے کہ اس مکان کو کرایہ پر دے تا کہ میں اس میں شراب بیچوں پھر اس نے کہا میں نے اس کو کرایہ پر دیا اس صراحت کی وجہ سے نفس عقد معصیت کو متضمن ہو گیا اور یہ حرام ہے، اس طرح یہاں بھی یہ ملازمت اعانت علی المعصیت کو متضمن ہے لہٰذا اس کے لئے ایسی ملازمت کرنا حرام ہے۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کی کمپنی میں حساب وکتاب کرنے کی ملازمت کرتا ہے تو ایسی ملازمت حرام ہے جس طرح سود کے لکھنے کی ملازمت حرام ہے کیوں یہ اعانت علی المصیۃ ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص شراب کی کمپنی کو ایسے اجزاء پیش کرتے ہیں جس سے شراب بغیر کسی تغیر وتبدیلی کے بنائی جاتی ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر تغیر کے بعد اس سے شراب بنائی جاتی ہے تو وہ مکروہ تنزیہی ہے۔

”وإن كان سببا بعيداً بحيث لاتفضي إلى المعصية على حالته الموجودة بل يحتاج إلى احداث صنعة فيه كبيع الحديد من أهل الفتنة و امثالها فتكره تنزيها“ (جواہر الفقہ ۴۵۵/۲)۔

۳-(الف):

سپر مارکیٹ میں ملازمت کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، کیوں کہ اس طرح کے مارکیٹ میں مختلف شعبے ہوتے ہیں جس میں ضروریات زندگی کی مختلف چیزیں فروخت کی جاتی ہیں، مثلاً

اشیاءِ خوردنی کے سامانوں کا شعبہ، کپڑوں کا شعبہ، میڈیکل کا شعبہ اسی طرح اس کے ایک حصے میں شراب کا بھی شعبہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس طرح کے مارکیٹ میں ملازمت کرتا ہے تو اس میں ملازمت کرنے کی مختلف صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ ایسی ملازمت کر رہا ہے جو پورے مارکیٹ کو محیط ہے یعنی کہ پورے مارکیٹ کا حارس ہے یا پورے مارکیٹ کے آمد وخرچ کا حساب کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ایسی ملازمت کر رہا ہے جن کا تعلق صرف ایک شعبہ سے ہے مثلاً وہ کپڑوں کے شعبے میں کپڑا فروخت کرنے کی ملازمت کرتا ہے، یا میڈیکل کے شعبہ میں دوا فروخت کرنے کی ملازمت کرتا ہے یا اس کے علاوہ کسی دوسرے خاص شعبے میں ملازمت کرتا ہے، ان تمام ملازمتوں کے حکم کی اصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح کے مارکیٹ میں شراب یا حرام اشیاء سے احتراز کرتے ہوئے جائز ضروریات زندگی کی فروخت کرنے کی یا حساب وکتاب کرنے کی ملازمت کرتا ہے اور اس شخص کا حرام اشیاء کے فروخت کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر ان کے لئے اس مارکیٹ میں ملازمت کرنا درست ہے۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ اس مارکیٹ میں ملازمت کرنے کی صورت میں من جملہ شراب بیچنے والوں کو تقویت ملے گی تو اتنی سی تعاون کی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت یوسف کے فرعون کے وزارت خزانہ کو قبول کرنے کی صورت میں ظاہراً کافروں کے ساتھ تعاون ہو رہا تھا لیکن جس طرح وہاں اتنی سی تعاون کو برداشت کیا گیا اسی طرح یہاں ضمناً تعاون کو برداشت کیا جائے گا۔ البتہ شراب کے شعبہ میں شراب فروخت کرنے کی ملازمت کرنا حرام ہے، کیوں کہ شراب بیچنے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے: **"لعن رسول الله في الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة إليه وساقيها وبائعها واكل ثمنها والمشترى لها والمشتراة"۔**

۳-(ب):

بلا شبہ تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے، لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے جو مستحسن نہیں ہے اس لئے کہ شریعت کا اصل

حکم یہ ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے پرہیز کیا جائے خاص طور پر ایسی ملازمت اختیار کرنا جس میں نامحرم خواتین کے ساتھ مستقل میل جول ہو بغیر ضرورت کے جائز نہیں، لہٰذا حکومت اور مسلم معاشرہ کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے بجائے لڑکوں کے لئے الگ اور لڑکیوں کے لئے الگ تعلیمی ادارے قائم کریں اور مناسب یہ ہے کہ دونوں کے اساتذہ ان ہی کے جنس سے ہوں لیکن چونکہ موجودہ دور میں مخلوط تعلیم اتنا عام ہو چکا ہے، وہ ایک ضرورت بن کر رہ گیا ہے اس لئے اگر مرد اساتذہ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو تو مرد اساتذہ کے لئے اس شرط کے ساتھ تعلیم دینا جائز ہے کہ حتی الامکان اپنے آپ کو بے پردہ نامحرم خواتین سے دور رکھیں اور پڑھاتے وقت اپنی نگاہ کو نیچی رکھیں اور اپنی نگاہ اور اپنی دل کی حفاظت کریں۔

''وینبغي أن یکون القائم بتعلیم الإناث امراۃ صالحۃ لھذہ المھنۃ فاذا تعذر ذلک فلا بأس بالرجل الکفوء الامین التقی الورع، لأن وجود الرجل مع جماعۃ النساء لایتحقق بہ الخلوۃ المحرمۃ شرعاً أن النبیﷺ وعظ النساء وکان معہ بلال وقد جاء في صحیح البخاری ''أن رسول اللہ خرج ومعہ بلال فظن أنہ لم یسمع النساء فوعظھن وأمرھن بالصدقۃ فجعلت المراۃ تلقي بالقرط والخاتم، وبلال یاخذ في طرف ثوبہ''۔

وفي صحیح مسلم أن النبي ﷺ قال: لایخلون رجل بامراۃ إلا ومعھا ذو محرم قال الامام النوی في شرح ھذا الحدیث ...... وکذا لواجتمع رجال بامراۃ اجنبیۃ فھو حرام، بخلاف مالو اجتمع رجل بنسوۃ اجانب فان الصحیح جوازہ'' (المفصل فی احکام المراۃ ۴/۲۵۷-۲۵۶)۔

اسی طرح لڑکوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ ہی تعلیم کا فریضہ انجام دیں لیکن اگر مرد اساتذہ نہ مل رہے ہوں اور اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوں اور خواتین اساتذہ تعلیم دیں تو اس شرط کے ساتھ تعلیم کا فریضہ انجام دے سکتی ہیں کہ وہ اس طور پر حدود شرعیہ میں رہے کہ اس

کی عزت وعفت پر داغ نہ آئے اور حجاب شرعی کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے وہ تدریس کی خدمت انجام دے رہی ہو تو پھر اس کا یہ عمل اور ملازمت درست ہوگا ورنہ نہیں نیز وہ حصہ کھلنے نہ پائے جن کا اجنبی مردوں کا دیکھنا حرام ہے۔

"ويجوز للمرأة أن تتولى تعليم الرجال الأجانب بشرط عدم وجود البديل من الرجال وبشرط التزامها الحجاب والأدب الشرعي في تعليم الرجال الأجانب والله اعلم ولافرق بين الحقيقة والصورة من حيث كشف مالايجوز النظر إليه من الرجال الأجانب" (مجموعۃ الفتاوی الشرعیہ ۳۴۹/۸)۔

۳-(ج):

وکالت ایک عقد اجارہ ہے، اگر اجارہ میں عمل یا وقت اور اجرت کی تعیین ہو جائے، نیز وہ عمل معصیت نہ ہو اور ان طاعات میں سے بھی نہ ہو جن پر اجرت لینا ناجائز ہو تو اجارہ درست ہے، اسی طرح اگر وکالت میں امور مذکورہ کا لحاظ کیا جائے یعنی اگر سچے مقدمات میں باقاعدہ کام اور اجرت معین کر کے وکالت کی جائے اور کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ کیا جائے تو اس طرح سے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے، اور جس وکالت میں معصیت پر اجر لیا جائے یعنی جھوٹے اور ناحق مقدمہ کی پیروی کی جائے اور ظالم کی اعانت کی جاوے ایسی وکالت اور اس کی آمدنی ناجائز ہے: **"لايجوز أخذ الاجرة على المعاصي كالغناء والنوح والملاهي؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد فلايجب عليه الاجر، وان إعطاء الاجر أو بعضه، لايحل له ويجب عليه رده.** (مجمع الانہر ۳۸۴/۱)۔

لہٰذا اب اگر کوئی شخص مظلوم کو انصاف دلانے کے مقصد سے اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کا ارادہ ہو تو اس شخص کے لئے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے تا کہ مسلمانوں کی وکالت ہو سکے۔ **"الاصل في الوكالة الاباحة قد تصح مندوبة إن كانت إعانة على مندوب وقد تصير مكروهة إن أعانت على مكروه وقد تكون حراماً إن أعانت**

علی حرام وقد تکون واجبة إن دفعت ضرراً عن المؤکل۔

تصح الوکالة بأجر وبغیر أجر، لأن النبی ﷺ کان یبعث عماله لقبض الصدقات، ویجعل لهم عمولة ولهذا قال له أبناء عمه لوبعثنا علی هذه الصدقات، فنؤدی مایؤدی الناس ونصیب مایصیب الناس، أی العمولة، ولأن الوکالة عقد جائز لایجب علی الوکیل القیام فیجوز أخذ الاجرة فیها بخلاف الشهادة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۰۵۸/۵)۔

(۳) اگر سچ مقدمات لیتا ہو اور کسی خلاف شرع امر کا ارتکاب اس میں نہ کرنا پڑتا ہو تو پیشہ وکالت جائز ہے اور جو آمدنی خلاف شرع طریقہ پر حاصل کی جائے گی وہ حرام ہوگی (فتاوی محمودیہ ۴۰۲/۱۳)۔

اس طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے وکالت کے جواز کے ایک لمبے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا جس کا حاصل یہ ہے وکالت کا پیشہ فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو (امداد الفتاوی ۳۲۰/۳)۔

(د) انسان کے وجود کے بارے میں اسلام کا تصور ہے کہ وہ خود ایک امانت ہے اس کے لئے اپنے جسم میں وہی تصرف جائز اور درست ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو وہ اپنے منشاء و مزاج کے مطابق خود اپنے جسم کو نقصان پہنچانے یا اس میں تغیر و تبدل کرنے کا مزاج نہیں، اپنے آپ کی حفاظت اس کا شرعی فریضہ ہے اور صحت جسمانی کو برقرار رکھنے کی امکان بھر سعی تقاضاء امانت کے تحت اس کی ذمہ داری ہے اور انسان پر اپنے جسم کی حفاظت شرعی فریضہ ہے تو دوسرے لوگوں کے جسم کی حفاظت کی ذمہ داری تو بدرجہ اولی ہوگی اور فن طب چوں کہ ایک ایسا فن ہے جن کو علماء اسلام نے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا اور اطباء چوں کہ صحت انسانی کی حفاظت جیسا اہم فریضہ اور عظیم الشان خدمت انجام دیتے ہیں اس لئے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت نازک ہیں۔ ہمدردی و بہی خواہی صبر و حلم، اجتماعی مفادات کا خیال اور اپنے فن میں بصیرت

مندی وحاضر دماغی، مریضوں سے اچھا برتاؤ، خدمت خلق کا جذبہ اور شریعت کی قائم کی ہوئی حدود پر استقامت طبیب کے لئے متاع اولین کا درجہ رکھتے ہیں اور جب طبیب کی اتنی بڑی ذمہ داری ہے تو اب ایسے ہاسپٹلوں میں پیشہ طبابت اختیار کرنا جہاں بلاوجہ آپریشن یا ٹسٹ لکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے کیوں کر درست ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب واقعی آپریشن کی ضرورت ہو بھی تو ڈاکٹر کے لئے اس وقت تک آپریشن کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ خود وہ یا اس کے اولیاء اجازت نہ دے دیں چنانچہ اگر کسی ڈاکٹر نے بلا اجازت آپریشن کیا یا کوئی ایسا طریقہ علاج اختیار کیا جو امکانی طور پر ہلاکت کا باعث ہوسکتا ہے اور مریض کی جان چلی گئی یا اس کا کوئی عضو جاتا رہا تو معالج پر اس کی ذمہ داری ہوگی ۔تو پھر ایسے شخص کے لئے آپریشن یا ٹسٹ لکھنا جن کو آپریشن کی ضرورت نہ ہو کیسے درست ہوسکتا ہے۔

اسی طرح آج کل ہاسپٹلوں میں مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر مجبور کیا جاتا ہے جس کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے تو ایسے ہاسپٹلوں میں پیشہ طبابت جائز ہے یا نہیں تو جاننا چاہئے کہ اصل یہ ہے کہ اگر ماہر فن خاتون ڈاکٹر موجود ہو تو اسی کے ذریعہ بیمار خاتون کا علاج ضروری ہوگا، اگر وہ موجود نہ ہو تو قابل اعتماد غیر مسلم خاتون ڈاکٹر سے علاج کرایا جائے گا، وہ بھی نہ ہو تو مسلم مرد ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے گا، وہ بھی اگر موجود نہ ہو تو غیر مسلم مرد ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی جائیں گی، البتہ مرض کی تشخیص اور علاج میں صرف اسی قدر حصہ دیکھنا درست ہوگا جس قدر ضروری ہو، اس سے زائدہ حصہ کھولنے کی اجازت نہیں ہوگی، بہ قدر استطاعت نگاہ نیچی رکھنا بھی ضروری ہوگا نیز مرد ڈاکٹر کے ذریعہ خاتون مریض کے علاج کے وقت مریضہ کے کسی محرم، یا شوہر یا کسی معتمد شخص کی موجودگی ضروری ہوگی، تاکہ خلوت کا خدشہ نہ رہے۔

”ویجوز للطبیب أن ینظر إلی موضع المرض منها أما إذا کان المرض في سائر بدنها عند الفرج فانه یجوز له النظر إلیه عند الدواء لأنه ضرورة وان

فی موضع الفرج ...... فینبغی ان یعلم امراۃ تداویھا فإن لم یوجد امراۃ تداویھا خافوا علیھا أن یھلک أو یصیبھا بلاء أو وجع لایحتمل ستروا منھا کل شئ إلا موضع العلۃ ثم یداویھا الرجل ویغض بصرہ مااستطاع الا من موضع المرض وکذلک نظر القابلۃ والختان" (الجوہرۃ النیرۃ ۱۶۸/۳)۔

لہٰذا ایسے ہاسپٹلوں میں جہاں مرد ڈاکٹر کو خواتین مریض یا خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے علاج پر مجبور کیا جاتا ہو درست نہیں ہے، کیوں کہ مرد کا عورتوں کے قابل ستر حصے کو دیکھنا یا عورت کا مرد کے شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے اور چوں کہ اس میں کوئی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ وہ اس طرح کی ملازمت چھوڑ کر اپنا کلینک کھول سکتا ہے اور اس میں اس عظیم الشان خدمت کو انجام دے سکتا ہے۔

۳-موجودہ سماج میں ہوٹل ایک ضرورت بن گئی ہے تاکہ مسافروں کی ضرورت پوری ہوسکے لیکن آج کل بڑے بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شرعاً حرام ہیں۔ مثلاً شراب کی فراہمی خنزیر اور حرام غذا کا انتظام وغیرہ اب اگر کوئی شخص اس طرح کے ہوٹل میں ملازمت کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ یہ شخص مسافروں کو شراب کی بوتل لاکر پیش کرتا ہے یا حرام غذا مسافروں کے سامنے رکھتا ہے یا ان کے علاوہ دوسری حرام چیزوں کی فراہمی کرتا ہے جس سے اس شخص کا براہ راست تعلق ہے تو پھر اس شخص کے لئے ایسی ملازمت کرنا حرام ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص ایسے ہوٹلوں میں واچ مین کا کام کرتا ہے صفائی کا کام کرتا ہے یا ان کے علاوہ دوسرا کام جس کا تعلق براہ راست حرام چیزوں کی فراہمی سے نہیں ہے تو پھر اس کے لئے ملازمت کرنا درست ہے، کیوں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اور اصولیین کا قاعدہ ہے: **"الاصل فی الأشیاء الإباحۃ"** کہ اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے اور چوں کہ اس ملازمت میں کوئی مانع نہیں ہے لہٰذا یہ ملازمت جائز ہے۔ اسی طرح تفریح امر مطلوب ہے اور ہوٹل امر

مطلوب کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ بھی مطلوب ہو گا اور جب مطلوب شیٔ ہے تو پھر اس میں ملازمت جائز ہے جب کہ مانع نہ پایا جائے۔

☆☆☆

مختلف شعبوں میں ملازمتوں کے شرعی احکام

مولانا محمد جاوید کوثر ☆

۱- (الف):

فوج کا اصل کام ملک کی حفاظت اور امن وامان کو قائم رکھنا ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے۔ حدود وقصاص اور تعزیرات کی مشروعیت اسی مقصد کے پیش نظر ہوئی ہے۔ اس جہت سے فوج کی ملازمت فی نفسہ نہ صرف مباح، بلکہ مطلوب ہے، لیکن جب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ فوج کی ملازمت میں کچھ مفاسد بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً بعض اوقات فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے، بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل مسلمان ہی ہوتا ہے تو کیا ان مفاسد کے باوجود ایک مسلمان کے لئے فوج کی ملازمت جائز ہوگی؟ تو ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ غور طلب بن جاتا ہے، لیکن شریعت کے مزاج اور درج ذیل فقہی قواعد ونظائر کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کیلئے حصول مال وزر کے بجائے قیام امن وامان اور تحفظ جان ومال کے ارادے سے اس ملازمت کو اختیار کرنا جائز ہونا چاہئے:

۱۔ فقہ کا قاعدہ ہے: " **کم من شئی یثبت ضمنا لا یثبت قصداً**" (عینی حاشیہ ہدایہ ثالث ۵۲)، "**یفتقر فی الشئی ضمنا مالا یفتقر قصداً**" (الاشباہ والنظائر ۱۸۶)۔

یعنی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا ارتکاب قصداً تو جائز نہیں، مگر دوسرے امر مقصود کے ضمن میں اگر بطور لزوم ارتکاب کرنا پڑے تو گوارا کرلیا جاتا ہے، فقہ میں اسکے بہت سے نظائر پائے

☆ متعلم المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

جاتے ہیں۔

اس فقہی قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فوج کی ملازمت سے اصل مقصد امن وامان کا قیام ہو، مال وزر کا حصول نہ ہوتو اصل مقصود کے شرعاً مطلوب ہونے کی بنا پر اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

۲۔فوج کی ملازمت یقیناً کچھ مضرتوں کو شامل ہے، لیکن مسلمانوں کا اس ملازمت سے کنارہ کش ہوجانا ان سے کہیں شدید تر مضرتوں کا باعث ہے، کیونکہ اگر فوج میں مسلم نمائندگی نہیں ہوگی تو جہاں ایک طرف مسلمانوں کے لئے معاش کی ایک بڑی راہ مسدود ہوجائیگی وہیں دوسری طرف انہیں فرقہ پرستوں، بلکہ خود فوج کی زیادتی وبربریت کا شکار ہونا پڑیگا، بعض فرقہ وارانہ فسادات میں اس کا مشاہدہ بھی کیا جاچکا ہے، خصوصاً ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ فرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں اور اس ملک کو ہندو راشٹر بنادینا چاہتے ہیں، جس کے لئے دیگر شعبے کے افراد کے ساتھ ساتھ فوج کی بھی ذہن سازی کی جارہی ہے ۔اگر مسلمانوں کی معتد بہ تعداد اس ملازمت کو اختیار نہیں کریگی تو نہ صرف ان کے جان ومال، بلکہ اسلامی اقدار وروایات کو بھی شدید خطرہ لاحق ہوجائے گا اور فقہ کا قاعدہ ہے:

"لوكان أحدهما أعظم ضررا من الآخر فان الاشد يزال بالأخف" (الاشباہ والنظائر ۱۴۵)۔

"إذا تعارض مفسدتان روعي أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما" (الاشباہ والنظائر ۱۴۸)۔

"وأن تقديم المصالح الراجحة على (المفاسد) المرجوحة محمود حسن وأن درأ المفاسد الراجحة على المصالح المرجوحة محمود حسن" (قواعد الاحکام ۷)۔

لہذا ان قواعد کی بنیاد پر ضرر اشد کو دور کرنے کے لئے ضرر اخف کو برداشت کرتے ہوئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہونا چاہئے۔

سوال:۱-(ب)

پولس کا بنیادی مقصد اپنے متعلقہ علاقہ کی دیکھ بھال، وہاں امن وامان قائم رکھنا، مظلوموں کی اعانت اور ظالموں کو ظلم سے روکنا ہے، اگر کہا جائے کہ آپ ﷺ نے اپنے جامع ارشاد "انصر أخاک ظالما أو مظلوما" کے ذریعہ جس عمل کی تعلیم دی ہے وہی پولس کا اصل کام ہے تو شاید بے جا نہ ہوگا، اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے پولس کی ملازمت اختیار کرنا فی نفسہ نہ صرف مباح، بلکہ مطلوب ہوگا، جہاں تک یہ خیال ہے کہ اس ملازمت کی وجہ سے اچھا انسان بھی بدزبان اور ظلم وجور کا خوگر بن جاتا ہے تو یہ کوئی لازمی شئی نہیں ہے، بہت سی ایسی مثالیں بھی ہیں جو اس خیال کی تردید کرتی ہیں، البتہ کچھ دوسرے مفاسد جن میں سے بعض کا ذکر سوال میں موجود ہے ضرور پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ سوال سامنے آتا ہے؟ مسلمانوں کیلئے اس شعبے کی ملازمت جائز ہوگی یا نہیں؟ لیکن درج ذیل دلائل کی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے ظلم وجور کی روک تھام اور امن وامان کے قیام کی غرض سے اس ملازمت کو اختیار کرنا جائز ہونا چاہئے۔

۱۔ پولیس کا اصل مقصود شرعا مطلوب ہے، اس امر مطلوب کے ضمن میں بعض مفاسد کا ارتکاب بطور لزوم کرنا پڑتا ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ اگر امر مطلوب کے ضمن میں کچھ امور کا ارتکاب بطور لزوم کرنا پڑے تو اسے گوارہ کرلیا جاتا ہے: "کم من شئي یثبت ضمنا لا یثبت قصدا" (عینی حاشیہ ھدایہ ثالث ۱۸۶)۔

۲۔ بہت سے ایسے مقامات پر جہاں پولس میں افراد نہیں تھے یا نہ کے برابر تھے وہاں پولس کا غیروں کی پشت پناہی کرنا بلکہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی جان واملاک کو تباہ کرنا، بہت سے کیس میں بے قصور مسلمانوں کو محض تعصب کی بنیاد پر مورد الزام ٹھہرانا اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ مسلمانوں کا پولس کے شعبے سے کنارہ کش ہوجانا ایسے مفاسد اور نقصانات کا باعث ہے جو ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں پائے جانے والے مفاسد ونقصانات سے عام بھی ہیں اور شدید تر بھی اور اصول یہ ہے: " یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام"، " اذا

تعارض مفسدتان روعی اعظمهما ضررا بارتکاب أخفهما"۔

لہذا ان اصول وقواعد کی روشنی میں جبر وتشدد کی روک تھام اور امن وامان کے قیام کی غرض سے مسلمانوں کے لئے پولس کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا، البتہ ضروری ہوگا کہ خلاف شرع امور کے ارتکاب سے حتی المقدور پرہیز کریں، جن امور کا ارتکاب بدرجہا مجبوری کرنا پڑے انہیں دل سے برا سمجھیں اور اللہ سے توبہ واستغفار کرتے رہیں۔

ج-مخبری کا نفس جواز خود حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ مکہ میں مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے۔

اس جہت سے بھی مخبری کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ اہم مقاصد دین پانچ ہیں: (۱) تحفظ دین (۲) تحفظ نفس (۳) تحفظ عقل (۴) تحفظ عرض (۵) تحفظ مال۔ ان میں سے اکثر کیلئے مخبری معین، بلکہ ایک حد تک ضروری ہے، جہاں تک یہ سوال ہے کہ اس ملازمت میں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں تجسس شبہ مضرت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور شبہ مضرت کی بناء پر تجسس جائز ہے، مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

البتہ اگر کسی سے مضرت کے پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس مضرت رساں کی تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے (بیان القرآن سورہ حجرات)۔

اسی طرح غیبت کا ارتکاب دفع مضرت کی غرض سے کیا جاتا ہے اور اس کی بھی شرعا اجازت ہے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"إذا کان الرجل یصوم ویصلي ویضر الناس بیده ولسانه فذکره بما فیه لیس بغیبة حتی لو اخبر السلطان بذلک لیزجره لا اثم علیه" (الدر المختار مع الرد ۹/ ۵۸۵)۔

"قال العلماء : تباح الغیبة في کل غرض صحیح شرعا حیث یتعین

طریق إلی الوصول إلیه بها کالتظلم ... واعلام من له ولایة عامة بسیرة من هو تحت یده" (فتح الباری کتاب الادب ۱۰/ ۵۷۸)۔

جب نفس مخبری کا جواز حدیث سے ثابت ہے اور جس قسم کے تجسس وغیبت کا ارتکاب اس میں کرنا پڑتا ہے شرعاً اس کی اجازت ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس شعبے کی ملازمت ناجائز ہو، اس لئے مخبری اور انٹیلیجنس کے شعبہ کی ملازمت جائز ہوگی۔

د- عدالتوں کے قیام کا اصل مقصد انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو فیصل کرنا ہے، لیکن ہمارے ملک کا دستور سیکولر ہے، اس کے بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم ہیں، عدلیہ کی ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں ان قوانین کی تطبیق دیتے ہوئے بہت سے منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک اور ان کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑے گا، اس لحاظ سے اصولی طور پر یہ ملازمت درست نہیں ہوگی، لیکن مسلمانوں کی نسبت سے عدلیہ کے رویے کو دیکھتے ہوئے اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اگر مسلمان اس ملازمت سے کنارہ کش ہوجائیں گے تو اسلام کے موجودہ آثار واقدار اور مسلمانوں کے مذہبی، تہذیبی اور قومی مفادات کو شدید خطرات لاحق ہوجائیں گے اور ان کا تحفظ انتہائی دشوار ہوجائے گا اور مسلمان اس ملک میں ہر اعتبار سے مفلوج ومجبور ہوکر رہ جائیں گے، اس لئے اس اہم تر مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے دفع مضرت کی غرض سے عدلیہ کی ملازمت نہ صرف جائز ہوگی، بلکہ اس کے حصول کی کوشش کی جائے گی، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصلحت کے پیش نظر حکومت کافرہ کی وزارت کو طلب فرمایا تھا۔

کتب فقہ میں بھی اس کے نظائر ملتے ہیں، مثلاً درمختار میں ہے: **"ویوجر من قام بتوزیعها بالعدل وإن کان الأخذ باطلا"** (الدرمع الرد ۳/ ۲۸۰)۔

علامہ شامی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **قوله" ویوجر من قام بتوزیعها بالعدل " أی بالمعادلة کما عبر فی القنیة أی بأن یحمل کل واحد بقدر طاقته ، لأنه**

لو ترک توزیعها إلی الظالم ربما یحمل بعضهم مالا یطیق فیصیر ظلما علی ظلم ففی قیام العارف بتوزیعها بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجر"(ردالمحتار باب العشر ۳/۲۸۰)۔

جس طرح اس مسئلہ میں طریق وصولیابی کے باطل ہونے کے باوجود تقلیل ظلم کے پیش نظر تقسیم کی ذمہ داری کو قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے، بلکہ اسے قابل اجر قرار دیا گیا ہے اسی طرح عدلیہ کی ملازمت بھی مفسدہ کے باوجود دفع مضرت کی غرض سے جائز ہوگی ۔حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، عدلیہ کی مختلف ملازمتوں سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

پس فی نفسہ حرام ہونے کے بعد ان کو اگر جلب منفعت مالیہ یا جاہیہ کی غرض سے اختیار کیا جاوے تو کسی حال میں جائز نہیں اور اگر دفع مضرت کی غرض سے کیا جاوے کہ امت مسلمہ پر کفار کی طرف سے جو مظالم ومضرات پہنچے یہ اہل مناصب بقدر امکان ان کو اگر دفع کرسکیں تو اس صورت میں حکم جواز کی گنجائش ہے(امداد الفتاوی ۳/۴۰۹،۴۰۸)۔

البتہ ضروری ہے کہ دل میں غیر اسلامی قانون کی طرف سے نفرت اور اسلام کی برتری کا کامل یقین ہو اور شریعت سے متصادم قوانین کی تطبیق وتنفیذ کو مجبوری کے طور پر گوارہ کیا جائے۔

ھ-ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کا فیصد بہت زیادہ ہے، یہ بسا اوقات ۸۰ فیصد تک پہنچ جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایک شخص کی کمائی کا اتنا بڑا حصہ اجتماعی مفاد کے نام پر وصول کرلینا جبکہ وہ شخص سیل ٹیکس، بلدیہ کا ٹیکس وغیرہ علاحدہ ادا کرتا ہو سراسر ظلم ہے، پھر اس وصول شدہ رقم کا بڑا حصہ عوامی فلاح پر صرف کرنے کے بجائے حکمرانوں کی بیجا عیش پرستی کی نذر کردینا ظلم بر ظلم ہے اور اس شعبے کی ملازمت اختیار کرنا تعاون علی الظلم ہے جو کہ نص قطعی "**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" (مائدہ:۲)اور" **فلن أکون ظهیرا للمجرمین**" (سورۂ قصص) کی رو سے حرام ہے۔

مزید یہ کہ انکم ٹیکس کے لئے بسا اوقات لوگوں کے ذاتی معاملات واملاک کے سلسلے میں تجسس کرنا پڑتا ہے اور تجسس بھی نص قرآن "**ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم**

بعضا" (الحجرات ۱۲) کی بنیاد پر حرام ہے اور ظاہر ہے کہ اس ملازمت کے حوالے سے کسی قسم کی ضرورت وحاجت نہیں پائی جاتی ،اس لئے اس شعبے کی ملازمت تعاون علی الظلم اور تجسس حرام پر مبنی ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

۲- (الف) اگلے کئی سوالوں کا تعلق اعانت علی المعصیت اور تسبب للمعصیہ سے ہے جو نص قرآنی سے حرام ہے۔

"ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان " (المائدہ ۲)**"فلن أکون ظهیرا للمجرمین "**(القصص ۱۷)۔

لیکن اعانت اور تسبب کے مختلف درجات ہیں، اگر حرمت کا حکم ان تمام کو عام رکھا جائے تو اکثر مباحات اسکی زد میں آجائیں گے اور معاملہ شدید تنگی ،حرج ، بلکہ تکلیف مالا یطاق تک پہنچ جائے گا،حضرت مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"لا یخفی أن العون والاعانة والتسبب بشئی أمر واسع ، یضیق عنه نطاق الحصروله درجات متفاوتة قربا وبعدا فاطلاق الحرمة علی جمیعها مطلقا یلتحق بتکلیف ما لا یطاق، فإن مکاسب الإنسان کلها ینتفع بها کل إنسان برا کان أو فاجرا لا یمکن التحرز عنه" (احکام القرآن ۳/۷۵)۔

اس لئے پہلے اس اعانت وتسبب کی وضاحت نا گریز ہے جو مذکورہ بالا نصوص کا مصداق ہیں اور شرعا حرام ہیں ،اس سلسلے میں اس تحقیق کا خلاصہ نقل کرتا ہوں جس کو مفتی شفیع صاحب نے اپنے رسالہ "تفصیل الکلام فی مسئلة الاعانة علی الحرام" میں فقہاء کی تصریحات کو سامنے رکھ کر تحریر فرمایا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو اعانت شرعا حرام ہے وہ ہے جس میں معصیت کا قصد وارادہ حقیقتا یا حکما پایا جاتا ہو۔حقیقتا کا مفہوم یہ ہے کہ احد المتعاقدین نے صلب عقد میں ہی معصیت کی تصریح کردی یا تصریح تو نہ کی ہو،لیکن معصیت پر اعانت کا ارادہ کر رکھا ہو اور حکما کا مفہوم یہ ہے کہ

وہ عمل ایسا ہو جو معصیت کیلئے متعین ہو، جیسے آلات موسیقی وغیرہ کا بنانا اور بیچنا، اگر معصیت کا ارادہ نہ حقیقتاً پایا جائے اور نہ حکماً تو پھر عنایت علی المعصیۃ کا تحقق نہیں ہوگا (تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام ملحق بجواہر الفقہ ۲/۴۴۷)۔

اعانت سے قریب قریب ایک دوسری چیز تسبب، یعنی معصیت کا سبب اور ذریعہ بننا ہے، تسبب کی تفصیل یہ ہے کہ سبب کی اولا دو قسمیں ہیں: (۱) سبب قریب (۲) سبب بعید، پھر سبب قریب کی دو قسمیں ہیں (۱) سبب قریب محرک (۲) سبب قریب موصل، گویا سبب کی کل تین قسمیں ہو گئیں۔

(۱) سبب قریب محرک: ایسا سبب جو معصیت کا باعث ہو کہ اگر یہ سبب نہ ہوتا تو بظاہر معصیت کا صدور ہی نہ ہوتا، جیسے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنا معبود حقیقی پر کفار کی زبان درازی کا سبب محرک ہے۔

(۲) سبب قریب موصل: ایسا سبب جو معصیت کے لئے محرک وداعی تو نہ ہو، لیکن معصیت تک پہنچانے والا ہو اور اس کا تعلق معصیت سے براہ راست ہو، اس طرح کہ اس سے معصیت کے متعلق ہونے کے لئے کسی دوسرے عمل کی ضرورت نہ ہو، جیسے مسلمانوں سے برسرِ پیکار دشمنوں کے ہاتھوں ہتھیار فروخت کرنا، علم کے باوجود ایسے سبب کا ارتکاب کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر لاعلمی میں صدور ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) سبب بعید: ایسا سبب جو اپنی حالت پر باقی رہتے ہوئے موصل الی المعصیۃ نہ ہو، بلکہ اس سے معصیت کے متعلق ہونے کیلئے کسی دوسرے عمل کی ضرورت پڑے۔ جیسے انگور کی بیع ایسے شخص سے جو اس سے شراب تیار کرے، ایسا معاملہ بلا کراہت جائز ہے، البتہ معصیت کے علم کے بعد مکروہ تنزیہی ہے (تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام ملحق بجواہر الفقہ ۲/۴۴۴-۴۴۶)۔

اور ایسے امور جن کا تعلق معصیت سے انتہائی دور دراز کا ہے انہیں برتنا بلا کراہت جائز ہے۔

"فالقسم الثالث أهدرتها الشريعة عن الاعتبار إلا اذا الحق به نية الاعانة في المعصية أو صراحته في صلب العقد" (أحکام القرآن ۳/۴۸۰)۔

اس تفصیل کے بعد اصل جواب یہ ہے کہ بینک کی ملازمت کے جواز وعدم جواز کا مدار اس پر ہے کہ اس ملازمت کا علاقہ سودی کاروبار سے ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس نوعیت کا ہے، لہذا بینک کی ایسی ملازمتیں جو سودی کاروبار پر تعاون یا سبب قریب محرک کے زمرے میں آتی ہیں وہ حرام ہیں، جو سبب قریب موصل کے درجے میں آتی ہیں وہ مکروہ تحریمی ہیں اور جو سبب بعید کا درجہ رکھتی ہیں وہ مکروہ تنزیہی ہیں اور جو ملازمتیں ان میں سے کسی بھی درجے میں نہیں آتیں بلکہ ان کا تعلق سودی کاروبار سے انتہائی دور دراز کا ہے وہ بلا کراہت مباح ہیں۔

مثلاً بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایئر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت ایسے امور ہیں جن کا سودی کاروبار سے مذکورہ تفصیل کے مطابق نہ تو تعاون کا علاقہ ہے اور نہ تسبب حرام کا جبتک کہ معصیت کا قصد وارادہ نہ کیا جائے، اس لئے یہ ملازمتیں جائز ہوں گی۔

"قطاع الافتاء والبحوث الشرعيه كويت" نے بھی اس طرح کی ملازمت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے:

"ان العمل في البنوك والمؤسسات التي يقوم نظامها الأساسي على الاقراض بفائدة إذا كان في مجال الوظائف التي يقوم عليها الربا مباشرة من الاقراض والاقتراض وكتابة عقوده ووثائقه والشهادة عليه وكفالته وحسابه وتحصيله واعتماده والمطالبة به قانونيا ونحو ذلك فإنه حرام، أما الأعمال الأخرى التي لا علاقة لها بالربا مباشرة كالحساب الجاري والشيكات والحوالات وأعمال الحراسة والنظافة والمراسلة فإنها جائزة مع الكراهة" (مجموعۃ الفتاوی الشرعیہ ۹/۱۶۱)۔

اسی طرح بینک کے مکان کی تعمیر کا کام بھی سودی کاروبار کے لئے قصد وارادہ کے بغیر

تعاون یا تسبب کا درجہ نہیں رکھتا، اس لئے یہ ملازمت بھی جائز ہوگی اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے کنیسہ کی تعمیر کی ملازمت کو جائز قرار دیا ہے۔ "عیون المسائل فی الفروع الحنفیہ" میں ہے:

"ولو أن رجلاأجر نفسه ليعمل في الكنيسة فيعمرها بالأجر فلا بأس به"۔

اسی طرح شامی میں ہے:

"وجاز تعمير كنيسة قال في الخانية: ولو أجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمر ها لا بأس به؛ لأنه لا معصية في عين العمل" (ردالمحتار ۹/۵۶۲)۔

البتہ سودی کاروبار کے قیام وبقاء اور فروغ کے ارادے سے ان ملازمتوں کو اختیار کرنا تعاون علی المعصیۃ ہونے کی بنا پر حرام ہوگا۔

اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا سودی کاروبار کیلئے سبب قریب موصل کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے جانتے بوجھتے بینک کو مکان کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر اس کے ساتھ قصد وارادہ بھی داخل ہوگیا تو حرام ہوگا، جیسا کہ مفتی شفیع صاحب نے شراب کی خرید وفروخت یا کنیسہ وغیرہ بنانے کے واسطے مکان کرایہ پر دینے کو سبب قریب موصل شمار کرتے ہوئے یہی تفصیل ذکر کی ہے:

"وان لم يكن محركا وداعيا بل موصلا محضا وهو مع ذلك سبب قريب بحيث لا يحتاج في اقامة المعصية به إلى إحداث صنعة عن الفاعل كبيع السلاح عن اهل الفتنة ...... واجارة البيت ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنيسة أو بيت نار وأمثالها ،فكله مكروه تحريما بشرط أن يعلم به البائع والاٰجر من دون تصريح به باللسان ،فإنه إن لم يعلم كان معذورا وان علم صرح كان داخلا في الإعانة المحرمة" (جواہر الفقہ ۲/۴۴۷)۔

ویسے شراب کی خرید وفروخت یا کنیسہ وغیرہ کیلئے مکان کرایہ پر دینے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول قیاس پر مبنی ہے اور صاحبین کا قول استحسان پر جیسا کہ "حاشیہ زیلعی چلپی" میں مرقوم ہے :"قول الإمام قیاس وقول صاحبیه استحسان" اور قیاس واستحسان میں ٹکراؤ کی صورت میں استحسان کو ترجیح ہوتی ہے، لہذا اصولی طور پر صاحبین کا قول راجح ہوا اور جس طرح سے شراب کی خرید فروخت وغیرہ امور معصیت کے لئے اپنا مکان کرایہ پر دینا ناجائز ہے، اسی طرح سے بینک کو اپنا مکان کرایہ پر دینا (جو کہ سودی کاروبار کرتا ہے) ناجائز ہوگا۔

۲- (ب): شراب کمپنی کی مختلف ملازمتوں کا حکم بھی اعانت علی المعصیہ اور تسبب للمعصیہ ہونے یا نہ ہونے پر موقوف ہے، اس لئے اعانت وتسبب کی سابقہ وضاحت کی روشنی میں جواب نقل کیا جاتا ہے۔

شراب کمپنی میں شراب کی خرید فروخت کی ملازمت اختیار کرنا، شراب کی بیع وشراء کے لئے وکیل بننا ہے اور شراب کی بیع وشراء حرام ہے۔

"ولا یجوز بیع الخمر والخنزیر لقوله علیه السلام فیه أن الذی حرم شربها حرم بیعها وأکل ثمنها" (الہدایہ ۳/ ۱۰۲)۔

اور حرام امور کی وکالت بھی حرام ہوتی ہے۔

"الأصل فی الوکالة الاباحة ...... وقد تکون حراما إن أعانت علی حرام" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۰۶۱)۔

اس لئے شراب کمپنی میں بیع وشراء کی ملازمت اختیار کرنا حرام ہوگا، کمپنی میں بوتل بنانے کی ملازمت جائز ہے، کیونکہ بوتلیں بنانا نہ تو شراب کے کاروبار پر تعاون ہے اور نہ اس کیلئے تسبب جب تک کے قصد وارادہ یا صراحت نہ پائی جائے، ہاں اگر معصیت کی صراحت کردی گئی ہو یا اس کی نیت ہی شراب کے کاروبار پر تعاون کی ہو تو پھر تعاون علی المعصیة ہونے کی بنا پر یہ ملازمت بھی حرام ہوگی۔

اسی طرح شراب سے متعلق حساب وکتاب لکھنا شراب کی اشاعت پر تعاون ہے، اس لئے شراب سے متعلق حساب وکتاب کی ملازمت بھی حرام ہوگی۔

شراب کی کمپنی کو ایسے اجزاء پیش کرنے کے سلسلے میں جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے اور دوسری چیزیں بھی بنائی جاسکتی ہیں تفصیل کی جائے گی، لہذا سب سے پہلے ان اجزا کو دیکھا جائے گا اگر وہ اجزا ایسے ہیں جن سے اسی حالت میں شراب بنائی جاسکتی ہے جیسے انگور کا رس تو یہ مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ اتخاذ مسکر کے لئے سبب قریب موصل ہے۔

"وان لم یکن محرکا وداعیا بل موصلا محضا ...... کبیع السلاح من اهل الفتنة وبیع العصیر ممن یتخذه خمرا ...... فکله مکروه تحریما بشرط أن یعلم به البائع" (تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام ملحق بجواہر الفقہ ۲ ۴۳۲)۔

اور اگر ایسے اجزاء ہیں جن سے تبدیلی کے بغیر شراب نہیں بنائی جاسکتی، جیسے انگور تو ایسے اجزاء پیش کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

"وأما السبب البعید کبیع الحدید من اهل الفتنة وبیع العنب ممن یتخذ خمرا ...... وأمثالها إذا علم فتکره تنزیها" (بحوالہ سابقہ)۔

یہ سب اس وقت ہے، جبکہ اس نے شراب بنائے جانے کے ارادے سے یہ اجزاء پیش نہ کئے ہوں اور نہ اس کی صراحت کی گئی ہو، اگر اس کا ارادہ یہی ہو یا اس کی صراحت کردی گئی ہو تو پھر تعاون علی المعصیہ ہونے کی بنا پر یہ عمل حرام ہوگا۔

سوال ۳-(الف):

سپر مارکیٹ کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مختلف ضروریات زندگی سے متعلق مختلف گوشے ہوتے ہیں، ایک گوشہ شراب کا بھی ہوتا ہے، اس مارکیٹ میں بعض ملازمین شراب کے گوشے پر مامور ہوتے ہیں بعض دیگر اشیاء ادویات، کپڑے وغیرہ کے گوشے پر اور بعض کی ملازمت کا تعلق پوری مارکیٹ سے ہوتا ہے، جیسے منیجر، سیلس مین اور چپراسی وغیرہ۔

سپر مارکیٹ کی ایسی ملازمتیں جن کا تعلق خاص شراب کے گوشے سے ہے وہ نا جائز ہیں، کیونکہ جناب رسول کریم ﷺ نے شراب کے بیچنے والے، خریدنے والے، پینے والے، پلانے والے اسکولانے ولیجانے والے سب پر لعنت فرمائی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کا مقصد حصر نہیں ہے بلکہ شراب کے معاملے کیلئے کسی بھی طرح سے ذریعہ اور واسطہ بننے سے منع کرنا ہے اور ایسی ملازمت اختیار کرنے کی صورت میں شراب کی بیع وفروخت کیلئے ذریعہ بننا لازم آتا ہے۔

نیز اس گوشے کے ملازم کو خریدار کے مانگنے پر شراب دینی ہوتی ہے اور سیل ہونے کے بعد وہاں دوسری شراب لاکر رکھنی ہوتی ہے، جبکہ آپ ﷺ نے صراحتاً اس سے منع فرمایا ہے۔

شراب کے لانے ولے جانے کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں گوکہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

"وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي بنفسه أو دابته بأجر. قوله : (وحمل خمر ذمي) قال الزيلعي: وهذا عنده وقالا هو مكروه، لأنه عليه الصلاة والسلام لعن في الخمر عشرة وعدمنها حاملها" (شامی ۹/ ۵۶۲)۔

لیکن نہایہ کے حوالے سے علامہ شامی نے لکھا ہے کہ امام صاحب کا قول قیاس پر مبنی ہے اور صاحبین کا قول استحسان پر "وزاد في النهاية وهذا قياس وقولهما استحسان" (بحوالہ سابقہ)۔

اور ترجیح استحسان کو ہوتی ہے، اس لئے صاحبین کا قول راجح ہوگا اور شراب کا لانا اور لیجانا نا جائز ہوگا اور سپر مارکیٹ کے شراب کے گوشے کی ملازمت چونکہ اسکو شامل ہے، اس لئے یہ ملازمت ناجائز ہوگی۔

اسی طرح پوری سپر مارکیٹ سے تعلق رکھنے والی ایسی ملازمتیں جن کا تعلق ہر طرح کے اشیاء کی خرید وفروخت سے ہوتی ہے، جیسے منیجر کی ملازمت ناجائز ہوگی کیونکہ یہ ملازمت درحقیقت وکالت للبیع ہے اور اشیاء میں شراب بھی ہے، اس لئے ایسی ملازمت کا اختیار کرنا شراب کی بیع

وشراء کیلئے وکیل بنتا ہوگا اور یہ وکالت وکالت علی الحرام ہونے کی بنا پر شرعاً ناجائز ہے۔

"الأصل في الوكالة الإباحة............ وقد تكون حراما إن أعانت على حرام" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۴۰۶۱)۔

البتہ دیگر اشیاء کے شعبے کی ملازمت یا ایسی عمومی ملازمت جس کا تعلق بیع وشراء سے نہیں ہے، جیسے حراست اور صفائی وغیرہ کی ملازمت درست ہوگی، کیونکہ عدم جواز کی دلیل نہیں پائی جاتی۔

سوال ۳-(ب):

فتنے سے امن کی صورت میں بوقت ضرورت مرد وزن کا ایک دوسرے سے کلام کرنا اور ایک دوسرے کو دیکھنا درست ہے۔

"فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلى وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام هذا في زمانهم وأما في زمانا فمنع من الشابه"۔

"قال الشامي ؛ قوله : " مقيد بعدم الشهوة " قال في التاتار خانيه ،وفي شرح الكرخي النظرالي وجه الأجنبية الحرة ليس بحرام ،ولكنه يكره بغير حاجة وظاهره الكراهة ولو بلا شهوه ...... قوله" وأما في زماننا فمنع من الشابة" لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة كما قدمه في شروط الصلاة"(شامی ۹/ ۵۳۲)۔

اسی طرح بوجہ حاجت عدم خلوت، عدم ملامست اور حدود شرع کی رعایت کی شرط کے ساتھ عورتوں اور مردوں کا اختلاط بھی درست ہے۔

"يختلف حكم اختلاط الوجال بالنساء بحسب موافقته لقواعد الشريعة أو عدم موافقته فيحرم الاختلاط اذا كان فيه":

(الف)الخلوة بالأجنبية والنظر بشهوة إليها۔

(ب)تبذل المرأة وعدم احتشامها۔

(ج)عبث ولهو وملامسة للأبدان......

”ويجوز الاختلاط اذا كانت هناک حاجة مشروعة مع مراعاة قواعد الشريعة“ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲/ ۲۹۰۔۲۹۱)

اوراس سے انکارنہیں کیاجاسکتا کہ عصری تعلیم بھی آج قومی وملی ضرورت بن چکی ہےاور جس طرح سے ان علوم کاحصول ضرورت وحاجت ہے،اسی طرح سے ان درسگاہوں میں ملازمت اختیارکرنا بھی ایک حاجت ہے، کیونکہ اگر مسلمان ان درسگاہوں میں ملازمت نہیں کریں گےتو فسادوبگاڑمزید بڑھ جائے گا،اس لئے ایسی درس گاہوں کی ملازمت جائز ہوگی بشرطیکہ پردےاور دیگرشرعی حدود کی رعایت کی جائے اورفتنہ کااندیشہ نہ ہو۔

”قطاع البحوث والافتاءکویت“نے بھی عورتوں کےمردوں کوتعلیم دینے اورمردوں کے عورتوں کوتعلیم دینے کےسلسلے میں مذکورہ شرائط کےساتھ جواز کافتویٰ دیاہے۔

”يجوز للمرأة أن تتولى تعليم الرجال الأجانب بشرط عدم وجود البديل من الرجال وبشرط التزامها الحجاب والأدب الشرعي في تعليم الرجال الأجانب“ (مجموعۃ الفتاویٰ الشرعیہ ۸/۳۹۵)۔

”ان تدريس الرجل لنساء الأجنبيات جائز بشرط أن لا تكون هناک خلوة وتنتفي الخلوة بوجود رجل آخر أو امرأة أو بقاء الباب مفتوحا أو نحو ذلک ممالا يؤمن معه دخول ثالث ويجب على المدراسات التزام اللباس الشرعي والآداب الإسلاميه وعلى المدرس اجتناب النظر المحرم“(بحوالہ سابقہ)۔

لیکن زمانے کےفسادوبگاڑکےپیش نظرمسلمانوں کواجتماعی کوششوں سے ایسےادارے قائم کرنے چاہئے جہاں عورتوں اورمردوں کی الگ الگ تعلیم کانظم کیاجائے۔

سوال ۳-(ج):

وکالت کاپیشہ فی نفسہ جائز ہے:

"تصح الوكالة بأجر وبغير اجر" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۰۵۸۵)۔

لیکن مروج پیشہ وکالت کے دو رخ ہیں، پہلا رخ تو یہ ہے کہ اس کا اصل مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے جو کہ ایک مستحسن عمل ہے اور امور مستحسنہ کی وکالت بھی مستحسن ہوا کرتی ہے۔

"الأصل في الوكالة الإباحة وقد تصبح مندوبة إن كانت اعانة على مندوب" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۴۰۶۱)۔

اس جہت سے پیشہ وکالت کی اباحت میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا، لیکن اسکا دوسرا رخ یہ ہے کہ آج پیشہ وکالت میں حقائق سے چشم پوشی، دروغ گوئی، اپنے مؤکل کی بے جا حمایت اور جانتے بوجھتے مظلوم کو انصاف سے محروم کردینا، جیسے بہت سے منکرات پائے جاتے ہیں اور اصولی بات یہ ہے کہ جب کسی مباح یا مستحب عمل میں عام طور پر منکرات پائے جاتے ہوں تو "سداً للذرائع" اس سے بالکل منع کردیا جاتا ہے، گرچہ بعض اوقات وہ منکر سے خالی ہو (احکام القرآن ۳/ ۲۵۳)۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ پیشہ وکالت کو بالکل ممنوع قرار دیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے لئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے، اگر مسلم وکلاء نہیں ہوں گے تو مقدمات کی پیروی غیر مسلموں کو سونپی جائے گی، بہت ممکن ہے کہ وہ مذہبی جذبات سے مغلوب ہوکر عدالت میں سنجیدہ بحث نہ کریں، خصوصاً اس وقت جبکہ معاملہ مسلم پرسنل لاء یا اسلامی شعائر سے متعلق ہو، اس طرح بہت سے مسائل میں یا تو مسلمانوں کو انصاف سے محروم ہونا پڑے گا یا بہت تاخیر سے انصاف مل پائے گا جو یقیناً دشواری اور مشقت کا باعث ہوگا، اس لئے اس کو بالکلیہ ممنوع نہیں کہا جاسکتا ہے۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں رخ کی رعایت کرتے ہوئے اس شرط کے ساتھ پیشہ وکالت کو جائز قرار دیا جائے کہ وکلاء حتی الوسع شرعی حدود کی پاسداری کریں، حقائق کو ملحوظ رکھیں

اور کذب بیانی سے گریز کریں، چنانچہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ پیشہ وکالت جائز ٹھہرا مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو (امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۰)۔

سوال ۳-(و):

ہاسپیٹل انتظامیہ کا محض ہاسپیٹل اور اس کی لیبارٹری کی آمدنی بڑھانے کی غرض سے ڈاکٹروں کو بلا ضرورت آپریشن اور ٹسٹ لکھنے اور مریض کے سامنے ضرورت کا اظہار کرنے پر مجبور کرنا غدر، کذب اور مصیبت زدہ پر سراسر ظلم ہے جو نہ صرف اسلام، بلکہ تمام شرائع میں حرام ہیں، ایسے ہاسپٹلوں کی ملازمت اختیار کرنا حرام پر تعاون اور ظالموں کی اعانت ہے جو کہ نص قطعی " **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** " (المائدہ ۲) اور "**فلن أکون ظهیرا للمجرمین**" (القصص ۱۷) سے حرام ہے اور متبادل کے پائے جانے کی بناء پر ایسی ملازمتوں کی ضرورت بھی نہیں پائی جاتی اس لئے یہ ملازمت ناجائز ہوگی۔

البتہ جن ہاسپٹلوں میں بلا ضرورت آپریشن یا ٹسٹ لکھنے پر مجبور نہ کیا جاتا ہو، لیکن مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہو جس کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے ان کی ملازمت کی محدود اور مشروط اجازت دی جاسکتی ہے کیونکہ اعضاء مستورہ کو دیکھنا منہی لغیرہ ہے اور غیر فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے بچے جن کی طرف سے فتنے کا اندیشہ نہیں ان کے پردے کو ماں باپ پر لازم قرار نہیں دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شاہدین زنا کیلئے زانی اور زانیہ کی شرمگاہوں کی طرف دیکھنے کی اجازت ہے حالانکہ وہاں کوئی ضرورت نہیں پائی جاتی۔

" **ألا یری أنه یجوز النظر إلیه لتحمل الشهادة علی الزنا ولا ضرورة**" (الاختیار ۴/۱۵۴)۔

اور منہی لغیرہ کی اجازت غیر کے منتھی ہونے کی صورت میں دی جاسکتی ہے، اس لئے ایسے ہاسپٹلوں کی ملازمت درج ذیل شرائط وحدود کے ساتھ دی جاسکتی ہے: (۱) (فتنہ کا خوف نہ ہو) (۲) خلوت کا تحقق نہ ہونے پائے اس طرح کے اپنے چیمبر میں کسی تیسرے شخص کو بھی موجود رکھے اور پردے کی آڑ میں مریض کا معائنہ کرے (۳) مرض زدہ عضو کے علاوہ دیگر قابل ستر حصے کے پردے کا اہتمام کرے۔ (۴) ضرورت سے زائد حصے کو دیکھنے اور چھونے سے حتی الامکان پرہیز کرے۔

"فإن لم توجد وخافوا عليها أن تهلک أو يصيبها و جع لا يحتمله يستر وا فيها کل شئي إلاموضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطا ع إلا عن موضع الجرح" (الشامی ۹/۵۳۳)۔

سوال ۳- (ھ):

ہوٹلیں موجودہ زمانہ میں ایک نفع بخش اور وسیع ذریعہ معاش بن چکے ہیں، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لے کر قیام وطعام کی سہولت فراہم کرنا ہے، لیکن آج کے بڑے ہوٹل عموما منکرات سے خالی نہیں ہوتے، ان کی ملازمت کو علی الاطلاق جائز قرار دینا منکرات پر تعاون کی اجازت دینے کے مترادف ہوگا، جبکہ اس سے علی الاطلاق روکنا تنگی کا باعث ہوگا، اس لئے ان ہوٹلوں کی ایسی ملازمتیں جن کا تعلق براہ راست حرام امور سے ہو، جیسے شراب لانے، پیش کرنے، خنزیر اور دیگر حرام غذا کے لانے، بنانے، پیش کرنے، رقص وموسیقی وغیرہ کی ملازمت ناجائز ہوگی، نبی کریم ﷺ سے شراب لانے اور پیش کرنے والوں کے بارے میں وعید منقول ہے۔

"قال رسول الله ﷺ لعن الله الخمر وشاربها وساقيها...... وحاملها والمحمولة اليه" (سنن أبي داؤد کتاب الأشربہ ۵۱۷)۔

رقص اور موسیقی کے لئے عقد اجارہ کی عدم صحت پر بھی فقہاء کی عبارتیں دلالت کرتی ہیں:

(لا تصح الاجارة لعسب التیس ...... ولا لأجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی و لو أخذ بلا شرط یباح) وفی المنتقی : امرأة نائحة أو صاحبة طبل أو زمر اکتسبت مالا ردته علی أربابهم إن علموا والا تتصدق به، وان من غیر شرط فهو لها قال الامام الاستاذ : لا یطیب والمعروف کالمشروط۔قلت : وهذا مما یتعین الأخذ به فی زماننا لعلمهم أنهم لا یذهبون الا بأجر البتة" (شامی ۷۶-۷۵/۹)۔

اوراصل یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تعاون علی الاثم کوشامل ہیں جوکہ نص قرآنی سے حرام ہے۔

ایسی ملازمتیں جن کا تعلق براہ راست حرام چیزوں سے نہیں ہے، جیسے حلال اشیاء کے لانے اورپیش کرنے آنے والوں کا استقبال کرنے اورصفائی وغیرہ کی ملازمت ــــــ گرچہ ان میں تعاون علی الاثم کا شبہ ہوتا ہے، اس جہت سے کہ یہ ایسے ہوٹلوں کی ملازمت ہے جس میں منکرات پائے جاتے ہیں،لیکن یہ شرعاً معتبر نہیں ہےاور حرمت کی کوئی اوروجہ نہیں پائی جاتی، اس لئے "الأصل فی الأشیاء الإباحة" کی بنیاد پر یہ ملازمتیں جائز ہوں گی۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

مختلف ملازمتوں کے احکام

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ☆

موجودہ دور کے حالات نے دارالکفر ، دارالحرب اور دارالاسلام کے مفاہیم کو بدل کر رکھ دیا ہے...... ہماری پرانی کتب فقہ میں جس طرح کفر اور اسلام کی بنیاد پر ایک ملک کو دوسرے ملک سے الگ کیا گیا ہے، اب اس انداز میں ان کو متعین کرنا ناممکن سا ہو گیا ہے، ایک اسرائیل کو چھوڑ کر غالباً کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس کو دارالحرب کا نام دیا جا سکے۔

دنیا کے کتنے ہی ملک ہیں جن میں مسلمان اقلیت کے طور پر آباد ہیں اور دیانت داری کے ساتھ دیکھا جائے تو مسلم اقلیتوں کے لئے اس وقت جمہوری یا ڈیموکریٹک نظام حکومت کا کوئی بدل نہیں ہے۔

سیکولر نظام حکومت جس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ نہ کسی مذہب کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ کسی کی جانب داری کرتا ہے بلکہ مذہبی غیر جانبداری کو بطور نظام فکر اپناتا ہے یہ اقلیتوں کے لئے موجودہ وقت میں سب سے بڑی نعمت ہے...... لادینی جمہوریت میں مذہب کی آزادی، صحافت کی آزادی، نظام قضا کی خودمختاری، اقلیتوں کے حقوق وہ چیزیں ہیں جو قوموں کی شریفانہ زندگی کے لئے مطلوب ہیں۔

اب جو مسلمان ڈیموکریسی کی بات کرتا ہے وہ اس اعتبار سے کرتا ہے کہ وہ حکومت کی ایک شکل ہے اور وہ اس لئے اپناتا ہے کہ اس کے ذریعہ عدل وانصاف قائم ہو سکے، شورائی نظام

☆ دارالسلام اسلامی مرکز، مالیر کوٹلہ (پنجاب)۔

وجود میں آئے، حقوق انسانی کا احترام ہو اور ظلم و زیادتی سے روکا جائے۔

اصل مسئلے پر کچھ عرض کرنے سے پہلے بطور تمہید چند باتیں سامنے رہنی چاہئیں تاکہ اصل مسئلے کو سمجھنے اور سوالات کا شریعت کی روشنی میں حل نکالنے میں مدد مل سکے۔

پہلی یہ ہے کہ امت مسلمہ دوسری قوموں کی طرح اس کا جینا صرف جینے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کی زندگی کا ایک خاص اور اہم مقصد ہے اور وہ ہے معروفات کو قائم کرنا اور منکرات سے سوسائٹی کو پاک و صاف کرنا جیسا کہ ارشاد ہوا:

"کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" (آل عمران:۱۱۰)۔

اسی مضمون کو سورہ توبہ میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"الآمرون بالمعروف والنّٰهون عن المنكر والحافظون لحدود الله" (سورۂ توبہ:۱۱۲)۔

قرآن مجید کے ان ارشادات سے یہ سمجھنا دشوار نہیں ہے کہ امت مسلمہ اپنی ترکیب، اپنے مزاج اور مقاصد کے اعتبار سے دوسری قوموں سے مختلف ہے۔

دوسری بات جو قرآن مجید سے ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے برائی کی ہر شکل سے تعاون کرنے سے روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ تمہارے ہاتھ مدد کے لئے آگے بڑھیں، تو صرف نیکی کے لئے، فرمایا:

"وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (مائدہ:۲)۔

تیسری بات یہ کہ برائی کے ساتھ صرف اتنا ہی نہیں کہ تعاون نہ کیا جائے بلکہ برائی کے ساتھ سمجھوتہ بھی نہ کیا جائے، بلکہ اپنی طاقت اور قوت وحیثیت کے مطابق برائی کا مقابلہ کیا جائے اور آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے برائی کو برا سمجھا جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده إن لم يستطع فبلسانه وان لم

یستطع فبقلبه''(تم میں سے کوئی شخص اگر کسی برائی کو دیکھے اگر طاقت ہے تو ہاتھ سے، طاقت نہیں تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو دل سے اس کو برا جانے)۔

ان چند اصولی اور تمہیدی باتوں کے بعد ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مغربی طرز کا سیکولر جمہوری نظام جو ہندوستان سمیت دنیا کے زیادہ تر غیر مسلم ملکوں میں رائج ہے وہ کوئی آئیڈیل نظام حکومت نہیں ہے اور اس میں اخلاقیات اور خاص طور پر اسلامی اخلاقیات کے لئے گنجائش نہیں ہے، ایسے نظام حکومت میں جو غیر اسلامی ہو اہل ایمان کے لئے تین راہیں ہوتی ہیں: ۱-ہجرت، ۲-جہاد، ۳-دعوت۔

ہجرت کا معاملہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو چکی ہے، حقیقی طور پر ایک بھی ایسی مسلم مملکت موجود نہیں ہے جو ان تمام مسلمانوں کو اپنی حدود میں جگہ دے سکے جو غیر مسلم حکومتوں کے سائے میں رہتے ہیں، ایسے حالات میں دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کی بات کرنا غیر حقیقی ہے۔

رہی بات جہاد کی تو جہاد کی آخری صورت قتال اس کے لئے جو شرائط ہیں اور جو حالات ہیں وہ بھی اس وقت زیر بحث لانا ہوا میں گرہ باندھنا ہے، جزوی طور پر بعض حصوں میں جہاد کی تحریکیں چل رہی ہیں وہ بھی بحث کی طالب ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ مسلم ملکوں کی بے حسی اور عیش پوشی کو دیکھتے ہوئے سخت دشوار ہے کہ ان کے بارے میں کوئی رائے زنی کی جائے، مثلاً فلسطین کا معاملہ کھلا ظلم اور جارحیت ہے لیکن بین الاقوامی حالات ابھی تک ایسے نہیں ہیں کہ فلسطین کے بارے میں خوش گوار امیدیں قائم کی جاسکیں، آزادی کی وہ تصورات جن میں ہندوستان میں ریشمی رومال کی تحریک یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد اٹھی تھی، بین الاقوامی حالات بدل جانے سے وہ از سر نو غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں، ابھی تک تو اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ اقوام متحدہ کے طرز پر مسلم ملکوں کی کوئی فیڈریشن وجود میں آئے اور ایسا اتحاد قائم ہو سکے جو کم سے کم یہ ثابت کر دے کہ

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا کے اندرون بیرون دریا کچھ نہیں

تیسرا معاملہ دعوت کا ہے، بے شک اس کے مواقع آج پہلے سے کہیں زیادہ ہیں، ہندوستان میں مذہب تبلیغ کی آزادی ہے اور اس کو اپنا مقصد بنا کر ہمیں اپنی ملی زندگی کا نظام قائم کرنا چاہئے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ مغربی طرز کا سیکولر جمہوری نظام حکومت کوئی آئیڈیل نظام نہیں ہے، لیکن اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ بھارت کا آئین ایک فیڈرل سسٹم ہے اس لئے اس نظام حکومت میں مسلمانوں کے لئے حصہ لینا اس صورت میں جائز ہوگا کہ وہ دیانت، امانت، اخلاق اور ان تمام حدود کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے حکومت سازی میں حصہ لیں، مگر ان تمام گراوٹوں سے بچتے رہیں، جو بے ایمانی، دھاندلی بازی اور بدعہدی کی صورت میں سیاست کا ایک حصہ بنتی جارہی ہیں، مسلمانوں کو اپنے مقام اور حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس نیت کے ساتھ حکومت اور ملازمت میں شرکت کرنی جائز ہوگی کہ وہ اس کے ذریعہ خیر امت کے فرائض آسانی کے ساتھ ادا کرسکیں۔

ان تمہیدی اور اصولی باتوں کے بعد اب ہم ان سوالات کا جائزہ لیتے ہیں اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر غور کرتے ہیں تا کہ ایک مسلمان کے لئے اپنے دین پر عمل کرتے ہوئے رزق حلال حاصل کرنے کی جائز صورتیں نکل سکیں:

۱-الف: اس سوال کا شریعت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو مجموعی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ مسلمانوں کو فوج کی ملازمت سے گریز نہیں کرنا چاہئے، فوج میں ہر ایک کے مذہب کا احترام کیا جاتا ہے، ان کے لئے عبادت گاہیں اور معلم مقرر کئے جاتے ہیں اور ایک مسلمان کے لئے قولی اور عملی دعوت اسلام کا بہت اچھا موقع ہوتا ہے اور وہ اپنے کردار و عمل سے دین کا مبلغ اور اس کا داعی بن سکتا ہے، ہمیں اس کی ایک مثال حبشہ میں مسلمانوں کے قیام کی

صورت میں ملتی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: سیرت ابن ہشام ۱/۱۸۳، البدایہ والنہایہ ۳/ ۸۷، مطبوعہ قاہرہ، غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل، مولانا اختر امام عادل ص ۸۱-۸۲)۔

مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے پیش نظر فوج کی ملازمت درست ہوگی، البتہ اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جو اسلام کی واضح تعلیمات سے متصادم ہو تو اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی اور جمہوریت میں اس کی گنجائش موجود ہے۔

ب- اس میں شک نہیں کہ برطانوی حکومت کے زمانے میں پولیس کا شعبہ بہت بدنام رہا ہے اور برطانوی حکومت نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں پولیس کو لوگوں پر ظلم ڈھانے اور ان کے اخلاق بگاڑنے کے لئے استعمال کیا ہے، حالانکہ خود برطانیہ میں پولیس کا شعبہ بڑا ذمہ دار اور ڈسپلن کا پابند بلکہ عوام کا خادم سمجھا جاتا ہے۔

آزادی کے بعد آہستہ آہستہ اس شعبے میں بڑی اصلاحات ہوئی ہیں، تعلیم یافتہ لوگ پولیس میں آئے ہیں، اور عوام کے ساتھ ان کے رویئے میں اب پہلی جیسی دھاندلی نہیں رہی ہے، آہستہ آہستہ اس شعبے کی تطہیر کا کام کیا جارہا ہے، اس لئے مسلمانوں کو بھی اور خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس شعبے میں آنا چاہئے اور اپنے حسن کردار سے لوگوں کے دل جیتنے چاہئیں بلکہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں مسلمان اپنے قول وعمل کے اعتبار سے بہتر مظاہرہ کریں اور حسن اخلاق سے اس شعبے کے لوگوں کو اور عوام کو فائدہ پہنچائیں، کسی پر ظلم اور زیادتی سے پرہیز کریں، انصاف سے کام لیں، رشوت سے پرہیز کریں تو امید یہ ہے کہ بہت اچھے اثرات سامنے آسکتے ہیں۔

ج- مخبری یہ حکومت کی ضرورت ہے، جس کا تعلق امن وامان، ملک کی سلامتی اور جرائم کی روک تھام سے ہے، اس میں جو لوگ کام کرتے ہیں اور چھان بین کے لئے جستجو کرتے ہیں ان کا یہ کام چونکہ ضرورت کے تحت ہے اس لئے وہ تجسس اور غیبت کے گناہ گار نہیں ہیں، "لاتجسسوا" (ٹوہ مت لگاؤ) کی ممانعت اس صورت میں ہے جب آدمی دوسرے کا بھید

لے کر اس کو رسوا کرے، اسی طرح "لا یغتب بعضکم بعضا" کا حکم اس صورت میں ہے جب دوسرے کا عیب ظاہر کر کے اس کو رسوا کیا جائے، لیکن شعبہ مخبری میں چونکہ اجتماعی مفاد کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، اس لئے اس شعبے میں ملازمت کرنے والے لوگ اپنے اس فعل کی وجہ سے گناہگار نہ ہوں گے، لیکن اگر کوئی بے قصور کو پھنسانے کے لئے اس کے خلاف فرضی رپورٹیں کرتا ہے تو وہ شرعا، اخلاقا، قانونا مجرم ہے اور ایک مسلمان سے یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے فرائض کو بھول کر ایسی غلطی کرے گا۔

د- انصاف کی فراہمی اور جرم اور حق تلفی کی روک تھام کے لئے مسلمانوں کو عدلیہ میں شریک ہونا چاہئے بلکہ ان کو ملکی قانون کے ساتھ شرعی قانون کی بھی اچھی واقفیت ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے فیصلوں میں اسلامی قوانین کے حوالے سے اسلامی قانون کے منصفانہ اور عادلانہ نظام کو بطور حوالہ پیش کر سکیں، عدالتوں کے فیصلوں میں اسلام سے انحراف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام طور پر جج اسلامی قوانین سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے، ہمارے وکیل اور جج اگرچہ مسلم پرسنل لاء بطور مضمون کے پڑھتے ہیں مگر ان کے سامنے جو کتابیں ہوتی ہیں وہ اسلامی قانون کے مزاج کی صحیح نمائندگی نہیں کر پاتیں چونکہ یہ لوگ اصل مآخذ عربی سے واقف نہیں ہوتے اور ان کا ذریعہ انگریزی ہوتا ہے اس لئے ہمیں انگریزی میں ان کو ایسی کتابیں فراہم کرنی چاہئیں جو صحیح طور پر اسلام کو سمجھانے والی ہوں، اس سے امید ہے کہ کافی حد تک ان کے فکر میں تبدیلی آسکے گی۔

ھ- حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح انکم ٹیکس کے محکمے میں بھی ملازمت کرنا درست ہوگا، اگر انکم ٹیکس کی شرح زیادہ ہے تو اس کو ملکی پیمانے پر اٹھایا جاسکتا ہے، اور پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ زیر بحث لایا جاسکتا ہے کہ کتنی شرحیں مناسب ہیں، اور ان کا استعمال کس طرح ملک کے فائدے کے لئے اور لوگوں کی بھلائی کے لئے ہونا چاہئے، کیونکہ جمہوریت میں عوامی نمائندگی اگر مناسب ہو اور وہ بیدار ہو تو اس طرح کے مسائل پر گرفت کر سکتی ہے، خاص طور پر مسلم نمائندوں کو

آگے بڑھ کران معاملات پر اظہار خیال کرنا چاہئے اور انصاف کی راہیں ہموار کرنی چاہئیں۔

پرائیویٹ ملازمت:

الف–بینک میں ایسے کام کی ملازمت کرنا جو جائز ہو جائز ہے، اس کی ہر ملازمت ناجائز نہیں ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ولو استاجر الذمي مسلما ليبني له بيعة أو كنيسة جاز ويطيب له الاجر كذا في المحيط" (فتاوی ہندیہ، کتاب الاجارۃ)۔

(اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے گرجا یا کنیسا اجرت پر تعمیر کرنے کو کہے تو جائز ہے اور اجرت بھی حلال وطیب ہے)۔

مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ نے اس کی صراحت کی ہے کہ بینک کی ہر ملازمت ناجائز نہیں ہے، ایسے کام کی ملازمت کرنا جو جائز ہو جائز ہے (نظام الفتاوی ص ۲۱۳، شائع کردہ اصلاحی کتب خانہ دیوبند)۔

ب–لائف انشورنس کے بارے میں علماء کا متفقہ فتوی ہے کہ لائف انشورنس خواہ کسی قسم کا ہو اس میں سود تو ضرور ہی ہوگا اور اکثر قمار بھی ہوگا اور ربوا اور جوا دونوں شریعت میں حرام اور ناجائز ہیں۔

البتہ شرعی مجبوری کی بات دوسری ہے، مثلاً قانونا لازم ہو جائے...... یا کسی مقام کے حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ بغیر انشورنس کے جان و مال کی حفاظت مشکل ہو جائے یا مثلاً ملازمت نہ ملے یا ملازمت برقرار اور بحال نہ رہے اور بغیر ملازمت کے گذارہ مشکل ہو یا معاشرہ قائم نہ رہے تو بوجہ مجبوری کے محض مجبوری کے بقدر گنجائش نکل سکے گی، مگر شرط یہ ہوگی کہ جمع کی ہوئی رقم سے زائد جو رقم ملے، ثواب کی نیت کئے بغیر بلکہ اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے محتاج غربا اور مساکین کو دے دی جائے اور استغفار و دعا کا معمول رکھا جائے (نظام الفتاوی ص ۳۲۷، ۳۲۸)۔

بینک کی طرح لائف انشورنس کی ملازمت کا بھی حکم یہی ہوگا کہ جو کام جائز ہیں ان کی ملازمت جائز ہوگی، انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست نہ ہوگا۔

ج-شراب کی کمپنی میں بھی ملازمت کا وہی حکم ہوگا جو بینک یا لائف انشورنس کا ہے کہ وہ کام جو فی نفسہ جائز ہیں ان میں ملازمت کرنی جائز ہوگی، جیسے الیکٹریشین کی ملازمت، اے سی وغیرہ کے کام یا چوکیداری، یہ کام بذات خود جائز ہیں، لہٰذا ان کی اجرت بھی جائز ہوگی۔

۳-الف: شیئر مارکیٹ کا کاروبار فی نفسہ جائز ہے اور اس میں ملازمت کرنا بھی جائز ہے، اگر اس میں شراب کا بھی کوئی گوشہ ہو تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اور عام طور پر کمپنی والے یا مالکان اس طرح کی چیزوں میں رعایت بھی دے دیتے ہیں، بلکہ ان پر اس کا اچھا اثر مرتب ہوتا ہے اگر ان کو بتایا جائے کہ اسلام میں شراب حرام ہے تو امید یہ ہے کہ وہ اس حکم کا احترام کریں گے اور اس مسلمان ملازم کو اس خدمت سے مستثنیٰ رکھیں گے۔

ب-مخلوط تعلیم اگرچہ پسندیدہ نہیں ہے اور اس کی خرابیاں بھی سامنے آتی رہتی ہیں لیکن ایک مسلمان ٹیچر کو اپنے کردار و عمل سے اس کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو اسلام نے عورت اور مرد کے تعلق سے احتیاط کی تعلیم دی ہے، غض بصر کرتے ہوئے حتی الامکان اس سے بچنا چاہئے کہ خلوت میں کسی لڑکی اور خاص طور پر بالغ لڑکی کو تعلیم نہ دی جائے، اسی طرح خاتون اساتذہ کو بھی اس بات کا دھیان رکھتے ہوئے مجبوراً اس کو گوارا کر لینا چاہئے لیکن کوشش یہی ہونی چاہئے کہ مرد اساتذہ لڑکوں کے اسکول میں اور خاتون اساتذہ لڑکیوں کے اسکول میں تعلیم دیں، اگر مجبوراً ایسی صورت پیش آئے تو ہر طرح سے محتاط رہیں۔

ج- مادیت کے غلبے نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا ہے اور اس کی لپیٹ میں وہ معزز پیشے بھی آ گئے ہیں جن کو سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، وکالت کا پیشہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس اندھیرے میں بھی کہیں نہ کہیں روشنی کی چمک نظر آتی ہے،

اور ایسے وکیل بھی ہیں جو دولت کی ہوس میں اپنے اصولوں کو قربان نہیں کرتے اور آج بھی ان کی قدر کی جاتی ہے۔

ایسے لوگ اہل اسلام میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہیں، لیکن ایک مسلمان سے بجا طور پر یہ امید ہوتی ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس پیشے کی توقیر اور بڑھائے گا، اس لئے مسلمانوں کو یہ پیشہ ضرور اختیار کرنا چاہئے اور ہماری کچھ سماجی اور مذہبی ایسی تنظیمیں ہونی چاہئیں جو ان لوگوں تک رسائی حاصل کر کے ان کی اخلاقی تربیت کا بندو بست کریں، اور اس کے ساتھ ان کو اسلامی قوانین سے بھی آگاہ کریں اور اس کی حکمتیں ان کو سمجھائیں، اس طرح امید ہے کہ اس پیشے میں بھی ہمیں اچھے مسلمان وکیل دیکھنے کو ملیں۔

د- جہاں تک ایک مسلمان کا تعلق ہے اسے ہر حال میں شرعی حدود کا حتی الامکان لحاظ رکھنا چاہئے، مگر اصلاح کے لئے یہ طریقہ درست نہ ہوگا کہ ہم ہسپتالوں کی ملازمت اس لئے چھوڑ دیں کہ وہاں برائیاں داخل ہوگئی ہیں، بلکہ ہمیں ان برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور اصل بات تو وہی ہے کہ مادہ پرستی نے ذہنوں کو گندہ کر دیا ہے اور انسان کو بے راہ رو کر دیا ہے، معاشرے کا ہر قضیہ اصلاح کے قابل ہے۔

ھ- جہاں تک ہوٹلوں کی ملازمت کا تعلق ہے فی نفسہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہوٹلوں میں جو چیزیں شرعاً ناجائز ہیں جہاں تک ہو سکے ان سے پرہیز کرنا چاہئے اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی ملازمت کے کام کو دیانت اور صداقت کے ساتھ انجام دینا چاہئے۔

زندگی کے ہر شعبے میں خرابیاں اس درجہ گھس چکی ہیں کہ اگر تمام جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو انسان کے لئے بہت دشواریاں پیدا ہوں گی، اس لئے اضطرار کی حالت کو عمومی حالت پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔

☆☆☆

مختلف ملازمتوں کے احکام ومسائل

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

اللہ پاک نے انسانوں کے مختلف طبقات بنائے ہیں، ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو اپنی ذہنی یا جسمانی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اور اس فائدہ پر مالی معاوضہ وصول کرتا ہے، نظام عالم کی بقاء میں اس طبقہ کا بڑا حصہ ہے، ریاستوں اور حکومتوں کی بنیاد اس پر قائم ہے، یہی چیز انسان کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے، بندہ کے ادھورے پن کا احساس جگاتی ہے، اسی سے ہر ایک کی انفرادیت قائم ہوتی ہے، اللہ نے انسان کی فطرت بھی ایسی بنائی ہے کہ ایک دوسرے کے کام آکر فرحت محسوس ہوتی ہے، کسی کی مدد کرکے دل کو سکون ملتا ہے، کسی کی ضرورت پوری کرکے خود کو کسی لائق محسوس کرتا ہے، انسان کسی کا کام کرکے اس کی اجرت نہ لے تو یہ تعاون باہمی ہے اور اگر اجرت لے تو یہ ملازمت ہے۔

بنیادی ہدایات:

البتہ ضروری ہے کہ کوئی بھی کام شریعت کے دائرہ میں رہ کر انجام دیا جائے، اور ہر ایسے کام سے پرہیز کیا جائے جو گناہ کے دائرہ میں آتا ہو یا گناہ تک لے جاتا ہو، ایک مومن کو ہر چیز سے پہلے اس پر دھیان دینا ضروری ہے، اس سلسلے میں شریعت نے جو بنیادی ہدایات دی ہیں وہ ہمہ وقت پیش نظر رہنا چاہئے۔

”تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان“ (مائدہ:۲)۔

☆ ناظم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار۔

"رب بما أنعمت علی فلن أکن ظهیرا للمجرمین" (قصص:۱۷)۔

مزید قرآن اس امت کے منصبی فرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے:

"کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر" (آل عمران:۱۱۰)۔

کئی ایسے کام ہیں جن کے کرنے یا ان کی اجرت لینے سے محض اس لئے روکا گیا کہ وہ معصیت ہیں یا معصیت تک لے جانے والے ہیں، مثلاً:

"عن أبی جحیفةؓ أن النبی ﷺ نهی عن ثمن الدم وثمن الکلب وکسب البغی ولعن آکل الربوا وموکله والواشمة والمستوشمة والمصور رواه البخاری" (مشکوۃ باب الکسب وطلب الحلال/۲۴۱)۔

(حضرت ابوجحیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خون اور کتا کی قیمت اور بدکاری کی اجرت سے منع فرمایا ہے، سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے، بدن گوندھنے والی اور گوندھوانے والی عورت اور تصویر سازی کرنے والے شخص پر لعنت فرمائی ہے)۔

حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے سال شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا (بخاری ومسلم بروایت حضرت جابرؓ مشکوۃ: ۲۴۱)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کتا اور بلی کی خرید وفروخت سے منع فرمایا (مسلم مشکوۃ:۲۴۱)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے گانے بجانے کی کمائی سے منع فرمایا ہے (شرح السنۃ، مشکوۃ:۲۴۲)۔

آپ ﷺ نے ایسی باندیوں کی خرید وفروخت سے بھی منع فرمایا جو گانے بجانے کا پیشہ رکھتی ہوں اور ان کی کمائی کو حرام قرار دیا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ:۲۴۲)۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے تعلق سے دس ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو اس معصیت میں مددگار بنتے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ ۲۴۲)۔

حضور ﷺ نے مشکوک اور مشتبہ کمائی سے بھی منع فرمایا اور اس کو چھوڑ دینے کی تلقین فرمائی (نسائی، دارمی، مشکوۃ: ۲۴۲)۔

فقہاء لکھتے ہیں:

"لایجوز الاستیجار علی شئ من الغناء والنوح والمزامیر ولااجولھم" (فتاوی عالمگیری ۴/۴۴۹)۔

(مزامیر، نوحہ خوانی اور گانے بجانے وغیرہ کاموں کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں، اور نہ ان کاموں پر کوئی شخص اجرت کا حقدار ہوگا)۔

ان تعلیمات وہدایات سے اسلام کے مزاج ومذاق کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اسلام ہر معصیت کا سر کچل دینا چاہتا ہے اور ہر ایسے عمل کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جس سے معاشرہ کی صالح قدریں متزلزل ہوں، معروف کے بجائے منکر کا فروغ ہو، اور انسان شعوری طور پر رحمٰن کے بجائے شیطان کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

بعض مخصوص حالات:

البتہ یہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز کرنا مناسب نہیں کہ کبھی انسان ایسے حالات سے بھی دو چار ہوتا ہے جس میں وہ معصیت کے کسی کام کے لئے اپنے کو مجبور محسوس کرتا ہے، ایسے حالات میں شریعت کا مزاج درج ذیل نصوص وقواعد سے سمجھ میں آتا ہے:

"إلا من أکرہ وقلبہ مطمئن بالإیمان" (نحل: ۱۰۶)۔

(یعنی مجبور کے لئے گنجائش ہے، بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)۔

"ماجعل علیکم فی الدین من حرج" (حج: ۷۸)۔

(تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی)۔

"یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (بقرہ:۸۵)۔

(اللہ پاک تمہاری آسانی چاہتے ہیں، تمہاری دشواری نہیں چاہتے)۔

ارشادنبوی ﷺ ہے:

"بعثت بالحنفیۃ السمحۃ" (مسند احمد عن ابی اُمامۃ ۵/۲۶۶)۔

(مجھے آسان اور سیدھا دین دے کر بھیجا گیا ہے)۔

"إنما بعثتم میسرین ولم تبعثو امعسرین" (بخاری باب صب الماء علی البول فی المسجد)۔

(تمہیں اس لئے بھیجا گیا کہ تم آسانی کا معاملہ کرو نہ کہ تنگی کا)۔

"یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا" (بخاری کتاب العلم)۔

(آسانی پیدا کرو تنگی میں لوگوں کو نہ ڈالو، خوش خبری سناؤ نفرت پیدا نہ کرو)۔

مشہور فقہی ضابطہ ہے:

"الضرورات تبیح المحظورات" (قواعد الفقہ)۔

(ضرورتیں ناجائز کو مباح کر دیتی ہیں)۔

"المشقۃ تجلب التیسیر" (قواعد الفقہ)۔

(مشقت آسانی پیدا کرتی ہے)۔

"ما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا" (قواعد الفقہ)۔

(جو چیز ضرورت کی وجہ سے مباح کی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے)۔

ان نصوص وقواعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اگر مجبوری کے حالات میں وقتی طور پر دل کی ناگواری کے ساتھ کسی معصیت میں مبتلا ہو یا بالواسطہ اس کو تعاون فراہم کرے، تو اس کی کسی درجہ میں گنجائش ہے، بشرطیکہ:

۱- وہ کام ایسا نہ ہو جس کا مقصد ہی گناہ ہو جیسے بت فروشی، بت گری، فلمی گانوں اور فحش تصاویر کی خرید وفروخت وغیرہ۔

۲-یا عمل تو درست ہو اور نیت بھی خیر ہو مگر ایسے قرائن موجود ہوں جن سے پتہ چلتا ہو کہ اس کے اس کام سے گناہ کو تقویت حاصل ہوگی تو یہ کراہت سے خالی نہ ہوگا، جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ غلام فروخت کرنا جو لواطت کا مریض ہو یا ایسے ملک کے ہاتھ اسلحہ بیچنا جو مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہو وغیرہ (شامی ۵/ ۳۸۷)۔

۳-یا درست کام کے پس پردہ غلط نیت چھپی ہوئی ہو اور اس بات کا اسے علم ہو تو ایسے کام میں بھی شامل ہونا تعاون علی المعصیت ہے مثلاً فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم مکان اس لئے کرایہ پر لے کہ اس میں وہ شراب کا کاروبار کرے گا تو صاحبین کے مسلک کے مطابق اس کو مکان کرایہ پر دینا درست نہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کی گنجائش ہے (المبسوط ۱۶/ ۳۸)۔

اس ضمن میں فقہاء نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ایسا کام جس سے کسی معصیت کا براہ راست تعاون نہ ہوتا ہو یا بہت دور کے واسطوں سے تعاون ہوتا ہو تو یہ تعاون ناجائز نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص کسی مزدور سے شراب کے مٹکے اٹھوائے یا انگور کا رس نچوڑنے پر متعین کرے تو یہ معاملہ درست ہوگا، اور اس سے حاصل ہونے والی اجرت بھی امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حلال ہوگی، اس لئے کہ شراب اٹھانے کا مقصد پینا پلانا ہی ضروری نہیں اسی طرح انگور کا رس سرکہ کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے (بدائع الصنائع ۴/ ۱۹۰)۔

اس تفصیل کی روشنی مین اس ضمن میں اٹھنے والے سوالات کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے، مثلاً:

بعض سرکاری ملازمتیں:

۱-حکومت کا ایک اہم شعبہ فوج ہے، جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بہتر مقاصد ہیں لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند

ہوتا ہے، اسی طرح کبھی یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مسلمان فوجی کا مد مقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہو، اس کے باوجود کسی غیر مسلم ملک میں فوج کی ملازمت درست ہے، کیونکہ:

☆بنیادی طور پر اس شعبہ کے مقاصد جائز اور درست ہیں، مفاسد اس کا لازمی حصہ نہیں ہیں، بلکہ محض اتفاقات ہیں، اور حکم کا مدار وہ چیزیں بنتی ہیں جن پر شے کی اساس قائم ہو۔

☆مصالح کے مقابلے میں مفاسد کی مقدار بہت کم ہے، اس لئے ''للاکثر حکم الکل'' کے اصول پر مفاسد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

☆فوج میں مسلمانوں کی قابل لحاظ تعداد کا رہنا مسلمانوں کے لئے اجتماعی طور پر مفید ہے اس کے ذریعہ بہت سے سیاسی اور اخلاقی مقاصد کا حصول ممکن ہے وغیرہ۔

☆یہ روزگار کا وسیع ذریعہ ہے، ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں کے لئے مناسب ملازمتوں کا حصول بہت مشکل ہوتا جارہا ہے، فوج کی ملازمت سے روک دینا معاش کے ایک بڑے دروازے کو بند کرنے کے مترادف ہوگا، وغیرہ۔

۲- یہی حکم پولیس کے شعبہ کا ہے، اس شعبہ کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، مگر پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے اقرار جرم کرانے کے لئے ایذارسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان بھی اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بد زبان اور ظلم وستم کا خوگر بن جاتا ہے، وغیرہ، لیکن اپنے اصل بنیادی مقاصد کی وجہ سے پولیس کی ملازمت درست ہے، اور جو خرابیاں ہیں وہ باہر سے آئی ہیں، شعبہ کا لازمی جزو نہیں ہیں، وہ اصلاح طلب ہیں، ان کو دور کیا جانا چاہئے۔

نیز اگر پولیس میں مسلمان نہ ہوں تو اس سے مسلمانوں کو نقصان اور انصاف سے محرومی کا اندیشہ زیادہ ہے، علاوہ ازیں ایک بڑے ذریعہ رزق سے محرومی اختیار کرنا ہے۔

۳- شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس کا بھی یہی حکم ہے، اس شعبہ کا مقصد ملک کی سلامتی، امن وامان

اور جرائم کی روک تھام کے لئے جدوجہد کرتا ہے، کسی بھی ملک کی یہ ناگزیر ضرورت ہے، اور اپنے مقاصد کے لحاظ سے ناجائز نہیں ہیں، البتہ اس شعبہ میں کام کرنے والوں کو تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور کبھی محض شبہ کی بنیاد پر شریف شہریوں کے خلاف نازیبا کاروائی کرنی پڑتی ہے، جو اس شعبہ کا منفی رخ ہے، مگر بنیادی مقاصد کے پیش نظر اس شعبہ کی ملازمت درست ہے، علاوہ ازیں غیبت و تجسس ہر حال میں ناجائز نہیں ہے، بلکہ بعض دفعہ کسی اہم ترین مقصد کے حصول کے لئے علماء نے غیبت و تجسس کی محدود اجازت دی ہے۔

بلکہ جنگی اور اجتماعی مفادات کے لئے فقہاء نے وقتی طور پر ناجائز حلیہ اختیار کرنے کو بھی جائز کہا ہے، علامہ ابن نجیم مصری تحریر فرماتے ہیں:

"ویکفر......بوضع قلنسوة المجوس علی رأسه علی الصحیح إلا لضرورة دفع الحر أو البرد وبشد الزنار فی وسطه إلا إذا فعل ذلک فی الحرب وطلیعة للمسلمین" (البحر الرائق باب المرتدین ۵/ ۱۲۳)۔

(اگر کوئی شخص اپنے سر پر مجوس والی ٹوپی پہن لے تو صحیح قول کے مطابق اس کو کافر قرار دیا جائے گا، الا یہ کہ سردی یا گرمی سے بچنے یا اسی طرح کی کسی اور ضرورت کے لئے کوئی ایسا کرے، یہی حکم زنار باندھنے کا بھی ہے، الا یہ کہ مسلمانوں کے لئے جاسوسی یا جنگی تدبیر کے طور پر ایسا کیا جائے تو گنجائش ہے)۔

۴- اسی بنیاد پر مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت اختیار کرنا بھی درست ہے، اگرچہ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون اسلامی اصولوں پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ قوانین شریعت اسلامیہ سے بھی متصادم ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کا رویہ پوری طرح منصفانہ نہیں ہے، لیکن اپنے اصل اور مجموعی مصالح کے تحت یہ ملازمت درست ہے، شریعت سے متصادم قوانین کی تعداد غیر متصادم قوانین کے مقابلے میں بہت کم ہے، علاوہ ازیں مخصوص مسائل کے لئے مسلم پرسنل لاء کا منظور شدہ آئین موجود ہے، اسی

طرح یہ بھی سچ ہے کہ اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی قابل لحاظ نمائندگی موجود نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے بحیثیت اجتماع زیادہ مضرت کا اندیشہ ہے، اس لئے دفع ضرر کے لئے بھی اس شعبہ میں مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے۔

۵- انکم ٹیکس کے محکمہ کا بھی یہی حال ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شرحیں ظالمانہ ہیں، کچھ کا خیال ہے کہ فلاحی مقاصد کے لئے اس کا استعمال صحیح طور پر نہیں ہوتا، بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلے میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے، ان مفاسد کے باوجود ملک کی معیشت کی بنیاد اس پر قائم ہے، ملک کی ترقی اس پر منحصر ہے، مفاسد اصلاح طلب ہیں، مگر ان کی بنا پر اس شعبہ کی افادیت و اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ مسلمانوں کو اس وسیع ذریعہ رزق سے محروم کیا جاسکتا ہے۔

بعض نجی ملازمتیں:

بعض ملازمتیں ایسی ہیں جن کا سرکاری ہونا ضروری نہیں لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں، مثلاً:

۶- بینک کے کاروبار کی اصل بنیاد سودی لین دین ہے، اس لئے اس میں کسی ذمہ دارانہ عہدہ کی ملازمت، یا حساب کتاب، لین دین، رقوم کی نقل و حمل وغیرہ کے شعبوں میں ملازمت عام حالات میں جائز نہیں، اس لئے کہ یہ سودی کاروبار کی کھلی اعانت ہے، جس کی صریح ممانعت آئی ہے (مسلم شریف باب الربا، روایت جابرؓ ۲/ ۲۷ وغیرہ)۔

البتہ ایسا شخص جس کے پاس بینک کی ملازمت کے سوا کوئی پاک ذریعہ رزق میسر نہ ہو، اور اس ملازمت کے ترک کردینے سے وہ اور اس کے زیر کفالت افراد سخت معاشی مشکلات سے دوچار ہوسکتے ہوں، ایسی حالت میں اس شخص کے لئے پاک رزق میسر آنے تک بادل ناخواستہ بینک کی ملازمت سے جڑے رہنے کی گنجائش ہے، لیکن لازم ہے کہ وہ شخص کسی دوسری جائز رزق کی تلاش میں فکرمند رہے، اور متبادل ذریعہ رزق ملتے ہی بینک کی ملازمت سے دستبردار

ہو جائے، فقہاء نے ضرورت و حاجت کے وقت حفظ جان کے لئے ممنوعات کی بقدر ضرورت اجازت دی ہے۔

البتہ بینک میں ایسا کام جس کا تعلق سودی لین دین سے نہ ہو بلکہ دوسرے امور سے ہو مثلاً بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، ایئر کنڈیشن کی مرمت، سیکورٹی کی خدمات، بینک کے مکان کی تعمیر، اپنا مکان بینک کے لئے کرایہ پر دینا وغیرہ، یہ صورتیں دور کے تعاون کے ذیل میں آتی ہیں جن سے بچنا آج کے حالات میں بہت مشکل ہے، اس لئے ان کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خاص طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس باب میں بہت لچک ہے (المبسوط ۱۶/۳۸) موجودہ حالات میں ابتلائے عام کی بنا پر امام صاحب کے قول پر فتوی دینا لوگوں کے لئے باعث سہولت ہوگا۔

۷- انشورنس کمپنی خالص ربا اور قمار پر مبنی ہے، اس لئے اس میں ملازمت کا بھی وہی حکم ہوگا جو بینک میں کام کا ہے، البتہ انشورنس کی جو صورتیں جائز نوعیت کی ہیں ان میں ملازمت بھی جائز ہونی چاہئے، مگر انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست نہیں ہوگا، یہ کھلم کھلا ربا و قمار میں مبتلا ہونا بلکہ اس کی دعوت دینا ہے، مجبور کن حالات میں حفظ جان کے لئے طبعی ناگواری کے ساتھ حرام رزق استعمال کرنے کی تو اجازت دی جاسکتی ہے، مگر گناہ کی دعوت و تشہیر کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی قرآن کریم میں معصیت پھیلانے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے (نور:۲۱، بقرہ:۱۶۸، آل عمران:۱۱۴، توبہ:۶۷)۔

۸- شراب کی کمپنی میں ملازمت جائز نہیں، اس لئے کہ شراب ام الخبائث ہے، اس کے اثرات دور تک پہنچتے ہیں، اسی لئے اس ذیل میں پورے دس لوگوں پر احادیث میں لعنت آئی ہے، اس لئے اس کا تعاون کرنا جائز نہیں، جائز رزق کی کوئی اور صورت تلاش کرنی چاہئے۔

وہ صورتیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہیں:

بعض صورتیں ایسی ہیں جو حلال کاروبار پر مبنی ہیں مگر ضمنی طور پر وہاں حرام کام بھی کئے

جاتے ہیں مثلاً:

۹- سپر مارکیٹ، جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں اوراس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ میں ملازمت جائز ہے، بشرطیکہ اس کا کام شراب یا اس جیسے کسی نا جائز حصے سے متعلق نہ ہو۔

۱۰- تدریس ایک معزز اوراہم ترین پیشہ ہے، اوراس کے لئے سرکاری وغیر سرکاری درسگاہوں میں ملازمت کرنا درست ہے بشرطیکہ جائے ملازمت پر کوئی شرعی قباحت موجود نہ ہو، مثلاً عورت ومرد کا مخلوط نظام تعلیم نہ ہو، مشرکانہ ماحول نہ ہووغیرہ، ورنہ ملازمت جائز نہ ہوگی، لیکن اس قباحت کے باوجوداگر کوئی ملازمت کرے تو اس سے حاصل شدہ کمائی حلال ہوگی، اس لئے کہ اجرت کا تعلق اس کی محنت وعمل سے ہے، اورقباحت کا تعلق خارج سے ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی معاملہ کی بنیا دنا جائز عقد پر ہواوراس سلسلے میں کی جانے والی محنت پر اجرت حاصل ہوتو اجارہ فاسد ہونے کے باوجود کمائی اس کے لئے جائز ہوگی:

”وان استأجر ها ليزني بها ثم أعطاها مهرها أو ماشرط لها لا باس بأخذه لانه إجارة فاسدة فيطيب له وان كان السبب حراما“ (البحر الرائق ۱۹/۸)۔

۱۱- ایک اہم پیشہ وکالت کا ہے، وکیل کا مقصد مظلوم کوانصاف دلانا اورظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے، یہ بہت پاک مقصد ہے، اورمسلمانوں کے لئے یہ پیشہ اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مظلوم کے مقابلے میں ظالم کا تعاون نہ ہو، کذب وفریب سے اس کا معاملہ پاک ہو، اور صرف حق کی خاطر اس پیشہ کواختیار کیا جائے۔

۱۲- انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج وطبابت ہے، اس شعبہ میں سرکاری اورغیر سرکاری ہاسپٹلوں میں ملازمت کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ان برائیوں سے حتی الامکان اپنے آپ کو محفوظ رکھے جوآج کل بعض طبی اداروں میں درآئی ہیں، مثلاً محض آمدنی بڑھانے کے لئے مختلف جانچ کے لئے مریضوں کومجبور کرنا، بلاضرورت آپریشن کیس بنانا، بلاضرورت مرد ڈاکٹر کوعورت

کے علاج کے لئے اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے علاج کے لئے مقرر کرنا وغیرہ۔

۱۳- ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے بڑھتے رجحان، اور مسافروں کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ دور کی ضرورت بن گئے ہیں، اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد معاوضہ لے کر قیام و طعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں جو شرعاً جائز نہیں ہیں: جیسے شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص و موسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان برائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے، بصورت دیگر ایسے ہوٹلوں میں کام کرے جو ان قباحتوں سے پاک ہو۔

☆☆☆

مختلف قسم کی ملازمتیں اوران کے شرعی احکام

مولانا محمد ظفر عالم ندوی☆

مختلف قسم کی ملازمتیں اوران کے شرعی احکام پر گفتگو کرنے سے قبل موجودہ ہندوستان اوراس میں بسنے والے مسلمانوں کے حالات اور مسائل کی طرف ہم اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر احکام شرعی کا صحیح انطباق اورتعین ہو سکے، ہم سب یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان اس وقت دارالاسلام نہیں ہے، اور نہ یہاں اسلامی قانون کو بالادستی حاصل ہے بلکہ یہاں کے قوانین اوران کو نافذ کرنے والے حکمراں اسلامی قوانین اوراسلامی سلطنت کے اصول اورڈھانچوں سے یکسر جدا ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمان اس وقت طرح طرح کے پیچیدہ مسائل اورسخت مشکلات سے دو چار ہیں، ان کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنے کے مواقع تو درکنار بلکہ طرح طرح کی رکاوٹیں خود حکومت اوراکثریتی طبقہ کی طرف سے مسلسل کھڑی کی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے انہیں اپنا دینی، ملی اورتہذیبی تشخص بچانا دشوار ہورہا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمان تعلیمی، معاشی، سیاسی، تجارتی اورروزگار کے دیگر تمام میدانوں میں دن بدن پچھڑے جارہے ہیں اوران کے مجموعی حالات کافی تشویشناک اور مایوس کن ہو چکے ہیں۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حالات جیسے بھی ہوں اسلامی عقیدے کے حامل انسان کے لئے دین وشریعت کا پابند ہو کر ہی زندگی گزارنا ضروری ہے، امام

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

ابو یوسفؒ نے فرمایا:"**المسلم ملتزم بأحکام الاسلام حیث ما کان**"(مسلمان جس مملکت اور جن حالات میں بھی رہتے ہوں انہیں احکام شرع کا پابند رہنا ہے)،مسلمانوں کی اصل شناخت بھی یہی ہے کہ زندگی کے کسی مرحلہ میں شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

البتہ ایسے وقت میں فقہاء اسلام کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ حالات کا جائزہ لے کر امت کے مسائل پر احکام کی ایسی تطبیق وتشریح کریں کہ ان کے لئے ان احکام پر چلنا اور ان کا پابند رہنا آسان ہو،اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اس جانب کھلی رہنمائی فرما کر ایک ٹھوس قانونی اساس بھی فراہم کر دیا ہے،اس کا فرمان ہے:"**لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا**" (سورۂ بقرہ) گویا حکیم مطلق نے فقہاء اسلام کے لئے امت کے مسائل حل کرنے کی ایک شاہ کلید دے دی ہے کہ ہر زمانہ میں امت کی حالت اور ان کی طاقت کے مطابق ان کو احکام کا پابند بنایا جائے،پھر اولین فقہاء کرام نے کتاب وسنت کی روشنی اور شریعت کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے اصول وقواعد مرتب فرمادیئے ہیں جن کی روشنی میں ہم ہر ملک اور ہر قسم کے حالات میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

اس تمہیدی کلام کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ موجودہ ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے کہ ہم سارے احکام من وعن دارالاسلام کے یہاں نافذ کرسکیں بلکہ فقہاء کے یہاں مختلف دور کے احکام ملتے ہیں جن میں حالات کے پیش نظر واضح فرق موجود ہیں۔

اس وقت مسلمان ہندوستان میں غیر مسلم اکثریت کے ساتھ اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں،اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کے ساتھ کافی امتیازی سلوک بھی برتے جارہے ہیں۔

اس پس منظر میں اگر مسلمانوں کو کوئی عہدہ اور ملازمت ملتی ہے تو خود ان کے لئے اور ان کے دینی بھائیوں کے لئے یہ بہت بڑا سہارا ہے،تاہم قرآنی اصول:"**تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" (مائدہ) پیش نظر رکھتے ہوئے انہیں زندگی کے میدان میں اترنا چاہئے،ان چند کلمات کے بعد اب جوابات ترتیب وار درج ذیل ہیں:

۱-الف: فوج کی ذمہ داری اصل ظالموں سے ملک کی حفاظت کرنا ہوتا ہے، اور اسی کا ان سے معاہدہ ہوا کرتا ہے اور کبھی کبھی ہنگامی حالات میں اندرون ملک میں شورشوں اور فسادات پر کنٹرول کا کام بھی لیا جاتا ہے، بلاشبہ یہ دونوں کام ایسے ہیں کہ شریعت اسلامی نہ صرف ان کی اجازت دیتی ہے، بلکہ اگر نیک نیتی کے ساتھ انسانیت کی خدمت اور ملک کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا جائے تو اسے کار ثواب بھی سمجھتی ہے۔

اس لئے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں کو فوج میں رہنا ملکی مفاد کے علاوہ خود مسلمانوں کے لئے مفید ہے، یہاں مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا درست اور کار ثواب ہے۔

اس مسئلہ میں ماضی قریب میں مفتی محمود صاحبؒ نے بہت ہی واضح انداز میں جواز کا فتوی دیا ہے:

سوال (۹۱۴۸) اپنے ملک ہندوستان میں فوج میں مسلمانوں کو ملازمت کرنا کیسا ہے؟ نیز جو مسلمان فوج میں بھرتی ہے اور جبکہ اپنے ملک ہندوستان کا کسی مسلم یا غیر مسلم ملک سے مقابلہ ہو جائے اور جنگ شروع ہو جائے اور یہ مسلم فوجی شخص اپنے ملک ہندوستان کی طرف سے جنگ میں ختم ہو جائے تو اس مسلم مرحوم فوجی کو درجہ شہادت کا مستحق سمجھا جائے گا یا نہیں؟

جواب: ظالموں سے ملک کی حفاظت کے لئے فوج میں ملازمت کرنا درست ہے، اگر کسی ظالم نے چڑھائی کردی اور یہ دفاع کرتا ہوا قتل ہو گیا تو ان شاء اللہ قتیل شہید ہوگا، "من قتل دون ماله ومن قتل دون دمه ومن قتل دون عرضه" ان سب کو شہید فرمایا گیا ہے۔

غلط کام کے لئے ملازمت کرنا اور لڑنا جائز نہیں اس پر شہادت کی امید رکھنا بھی غلط ہے شہادت تو کیا ملتی ہے بعض صورتوں میں ایمان کا سلامت رہنا بھی دشوار ہے (فتاوی محمودیہ ۱۵۰-۱۴۹)۔

اس فتوی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں کسی مسلمان کے لئے فوج کی

ملازمت کرنا درست ہے، البتہ صحیح طور پر جنگ کی تو اس کا اجر ملے گا اور اگر غلط طریقہ اختیار کیا تو بجائے ثواب کے عقاب کا مستحق ہوگا۔

ب- پولیس کی بھی ذمہ داری دراصل ملک کے اندر امن وامان قائم رکھنا اور ظلم وفساد دور کرنا ہے، ظاہر بات ہے ملک کے اندر امن وامان قائم رکھنے اور ظلم وفساد روکنے کی نیت سے جو مسلمان پولیس کی ملازمت کرے گا تو یہ ملازمت جائز اور وہ شخص ثواب کا مستحق ہوگا اس میں کوئی شک نہیں کہ پولیس کی زیادتیاں ہمارے ملک میں عام ہیں اور یہ زیادتیاں عموماً مسلمانوں کے ساتھ ہوا کرتی ہیں، اگر اس شعبہ میں فرض شناس مسلمانوں کی معتد بہ تعداد آجاتی ہے تو یہ صرف ملازمت ہی نہیں بلکہ ملک اور انسانیت کی خدمت کا بہترین میدان ہے۔

ج- جاسوسی اور مخبری اگر نیک جذبہ کے ساتھ ظالم ومظلوم کی شناخت کرنے، ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور جرائم کی روک تھام کے لئے کی جائے تو یہ بھی ایک بہتر فریضہ کی انجام دہی ہے، اس لئے اگر کوئی مسلمان "تعاون علی البر والتقوی" کے جذبہ سے مخبری اور انٹیلی جنس کی ملازمت کرے تو یہ درست ہے۔

دشمنوں کا حال معلوم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بعض غزوات کے موقع سے بعض صحابہ کرامؓ سے مخبری کا کام لیا ہے اس لئے صالح مقاصد کی خاطر اس کی اجازت ہوگی، البتہ اگر کوئی مسلمان غلط تجسس اور غیبت کا مرتکب ہوا تو اس کا گناہ یقیناً ہوگا اور عنداللہ مواخذہ بھی ہوگا تاہم اس کی ملازمت درست ہوگی۔

د- موجودہ ہندوستانی عدالتوں کے مسلمانوں کے تعلق سے جو رویے ہیں اور مسلمان اس ملک میں جن حالات سے گزر رہے ہیں اس پس منظر میں اگر کوئی مسلمان کسی عدالت میں عدل اور انصاف قائم کرنے کی نیت سے ملازمت اختیار کرتا یا جج کی کرسی تک پہنچتا ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہوگی اور یہ بھی "تعاونوا علی البر والتقوی" کے دائرہ میں آئے گی۔

ھ- انکم ٹیکس کی شرحیں بلاشبہ زیادہ ہوا کرتی ہیں عام طور پر لوگ اس کو جبر محسوس کرتے

ہیں، لیکن چونکہ حکومت اپنی ضروریات کی خاطر اورعوامی فلاح کی غرض سے لیتی ہے، اس لئے اس میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی ہے، شرحوں کا زیادہ ہونا یہ حکومت کی زیادتی تو تصور کی جائے گی لیکن اہم ضروریات کے پیش نظر یہ ٹیکس لیا جاتا ہے اس لئے اسمیں جواز کے بھی پہلو ہیں، لہذا اس محکمہ میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲- سود کی حرمت کتاب وسنت میں بہت ہی واضح الفاظ میں آئی ہے اللہ تعالی نے "**حرم الربا**" کہہ کر اس کی حرمت کی صراحت کر دی ہے، ساتھ ہی الٹی میٹم بھی دے دیا کہ جو باز نہیں آئے وہ خدا سے جنگ کے لئے تیار رہے، "**فأذنوا بحرب من الله**" حدیث نبوی میں اس کی سخت شناعت آئی ہے، ترمذی میں سود کھانے کھلانے والوں کے علاوہ اس کے گواہوں اور کاتبوں پر بھی لعنت آئی ہے، "**لعن رسول الله ﷺ أكل الربوا وموكله وشاهديه وكاتبه**" (ترمذی ار ۲۲۳ ابواب البیوع)۔

اس روایت میں کاتب پر لعنت کی صراحت ہونے کی وجہ سے علماء نے ان تمام لوگوں کی ملازمت کو نا جائز کہا ہے جو بنک میں حسابات کا کام کرتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر لوگ جو بینک کے کاروبار میں جس طرح بھی براہ راست تعاون کرتے ہیں ان کی ملازمت کو بھی نا جائز قرار دیا ہے اور آیت قرآنی "**ولا تعاونوا على الاثم والعدوان**" (مائدہ:۲) کے زمرہ میں شامل فرمایا ہے، لہذا بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایئر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے ہوئے بینک کی مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا وغیرہ بھی ممنوع ہوگا، اگر چہ یہ کام براہ راست تعاون کے زمرہ میں نہیں ہے، لیکن بالواسطہ بینک کا تعاون کر کے سودی لین دین ہی میں تعاون کرنا ہے، اس مسئلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب کی تحقیقی تحریر (جواہر الفقہ ۲؍۴۵۱ تا ۴۵۶) میں موجود ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مکان بینک کو بغیر علم کے کرایہ پر دیا گیا تو یہ نا جائز نہیں، لیکن علم کے باوجود دیا گیا تو یہ اجرت کراہت سے خالی نہیں،

بلکہ بینک کی ضرورت کے مطابق کمرے وغیرہ بنا کر دیا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

مفتی صاحب مرحوم لکھتے ہیں: اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ اجارہ پر لینے والا اس میں بینک بنائے گا تب تو بلا کراہت جائز ہے اور اگر علم ہے تو مکروہ ہے، البتہ کراہت تحریمی وتنزیہی کا معاملہ محل غور ہے، اگر یہ دیکھا جائے کہ بنانے والے نے بینک کی مناسبت سے کمرے بنوائے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تحریم ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ایسے کمرے صرف بینک کے لئے ہی نہیں دوسرے کاموں اور دفاتر کے لئے بنتے ہیں تو کراہت تنزیہ کہا جاسکتا ہے (جواہر الفقہ ۲/۴۵۶)۔

ب- انشورنس کمپنی کا کاروبار بنیادی طور پر سود اور قمار پر مبنی ہے، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کا اس پر واضح فیصلہ مستند اہل علم وفقہ اور ارباب افتاء کے دستخط کے ساتھ موجود ہے، البتہ سرکاری یا غیر سرکاری ملازموں کو جبری طور پر مجبوراً اس میں ملوث ہونا پڑتا ہے، وہ حرمت کے حکم سے یقیناً مستثنیٰ ہیں، اور اس کی گنجائش ہے تاہم اس طرح کی کمپنیوں میں ملازمت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی سود اور قمار کے معاملہ میں تعاون کرنا ہے جو "**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**" کے دائرہ میں ہے، اسی طرح انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ سود وقمار کے معاملہ میں تعاون کرنا ہے۔

ج- چونکہ شراب کی حرمت بھی آیت قرآنی میں صراحۃ ہے، اس لئے شراب کے کاروبار اور لین دین میں کسی طرح کا تعاون کرنا تعاون علی الاثم والعدوان ہے اور اس کی ملازمت بھی درست نہیں ہے، خواہ براہ راست تعاون والی ملازمت ہو یا بالواسطہ والی ملازمت، ترمذی کی روایت ہے: "**لعن رسول اللہ ﷺ فی الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وأكل ثمنها والمشتری لها والمشتری له**" (ترمذی ۱/ ۳۲۳)، یہ اور اس طرح کی دوسری روایتوں اور فقہی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ شراب کے کسی شعبہ میں ملازمت درست نہیں ہے، کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے۔

۳-الف: سپر مارکیٹ میں غالب کاروبار جائز اور مباح سے متعلق ہیں، اگر چہ اس کے ضمن میں قانونی مجبوری کی وجہ سے بعض ممنوع چیزیں بھی ہوتی ہیں، اس لئے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے اس طرح کے مارکیٹ میں ملازمت کرنا درست ہوگا۔

ب-عصری درسگاہوں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے وہاں تدریسی فریضہ انجام دینا خود انجام دینے والے کے تقوی پر مبنی ہے اگر ان کو لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی پڑھانے کی مجبوری ہے تو اپنے قلب و دماغ اور نظر کو کسی طرح کے گناہ کی پر چھائیوں سے محفوظ رکھتے ہوئے پڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، تاہم اگر ممکن ہو تو لڑکیوں کو پردے کے احکام پر عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے اور پردے کے ساتھ پڑھایا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، لیکن مجبوری میں کامل پردہ نہ کرنے والی طالبات کو پڑھانے میں اپنے کو محفوظ رکھتے ہوئے کوئی حرج نہیں ہے، یہی حکم لڑکیوں کے مخصوص اداروں کی تعلیم کا بھی ہے، خواتین اساتذہ پردہ کے ساتھ بالغ لڑکوں کو پڑھا سکتی ہیں، لیکن بے پردگی کے ساتھ اجازت نہ ہوگی اگر کوئی ادارہ بغیر پردہ کے پڑھانے پر مجبور کرے تو پھر وہاں ملازمت خواتین کے لئے درست نہ ہوگی اور آپ پر آیات حجاب کے احکام پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

ج-مسلمانوں کے لئے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے، البتہ وکیل کے اپنے عمل پر جواز اور عدم جواز کا حکم موقوف ہوگا، اگر وہ مظلوم کی مدد کر رہا ہے اور ظالم کو سزا دلوانے کی کوشش کر رہا ہے تو ان کی یہ کوشش درست اور ذریعہ اجر وثواب ہوگی لیکن اگر ظالم کو بری کرنے کی وکیل کوشش کرتا ہو تو شرعا یہ کوشش یا ظالم کی مدد نا جائز اور عند اللہ مواخذہ کا سبب بنے گا۔

د-طبابت کا پیشہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہے، اور اگر طبیب اچھی نیت اور خدمت خلق کے جذبہ سے علاج و معالجہ کر رہا ہو تو یہ باعث اجر وثواب ہے اگر محض روپئے کمانے اور ذخیرہ اندوزی کے جذبہ سے طبیب علاج کر رہا ہو تو یہ ممنوع اور قابل مواخذہ ہے، اسی طرح ہاسپٹلوں میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا درست ہے، لیکن وہاں بھی وہی شرعی حدود ہیں،

جو عام مقامات پر ہیں، طبیب کے لئے مریض کے قابل ستر حصہ کو بر بنائے ضرورت علاج دیکھنے کی اجازت ہوگی، بلاضرورت اس کی اجازت نہ ہوگی۔

ھ-ایسے ہوٹل جہاں شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام اور رقص وموسیقی کی سہولت اور بے پردہ سوئمنگ پول ہوں وہاں کسی مسلمان کے لئے ملازمت کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ کوئی ایسی ملازمت نہیں ہے جس کے بغیر بقاء حیات نہ ہو اور نہ ہی اس سے مسلمانوں کا دینی وملی مفاد وابستہ ہے، بلکہ ملازمت کے لئے ایسے متبادل ہوٹل یقیناً مل جائیں گے جہاں یہ مفاسد نہ ہوں، اس لئے جن ہوٹلوں میں منکرات ہوتے ہوں وہاں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

ملازمتوں کے اقسام واحکام

ڈاکٹر بہاءالدین ندوی☆

۱- فوج کی ملازمت کے بارے میں ہمارا ملاحظہ یہ ہے کہ چونکہ ہندوستان اسلامی ملک نہیں ہے، لہذا یہاں اسلام کا نظام نافذ نہیں کر سکتے، لیکن اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کا دفاع کرنے کا حق ہمیں ہے، اس لحاظ سے ایک آدمی فوج میں ملازم ہوسکتا ہے، بشرطیکہ غیر اسلامی عمل کا مرتکب نہ ہو، فقہاء لکھتے ہیں:

"یجوز للشخص دفع کل صائل مسلم وکافر مکلف وغیرہ علی معصوم من نفس أو طرف أو منفعة" (فتح المعین مع اعانۃ الطالبین ۴/ ۲۶۲)۔

۲- پولیس کی ملازمت کے بارے میں بھی غور طلب بات یہ ہے کہ پولیس کی ڈیوٹی فی الحقیقت کیا ہے، عام طور پر پولیس لوگ حکومت کے اوامر کو نافذ کرنے والے ہیں، اس لحاظ سے ایک پولیس کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فرصت ملتی ہے، لہذا اسلامی طور طریقہ پر عمل کرتے ہوئے پولیس میں کام کرنا جائز ہے۔

۳- مسلمانوں کی عدالت میں ملازمت صرف اس صورت میں جائز ہوسکتی ہے کہ وہ کسی بھی غیر اسلامی عمل کا مرتکب نہ ہو، مثلاً جھوٹ بولنا حرام ہے، لیکن توریہ کی حیثیت سے جھوٹ کو جواز بنا سکتے ہیں، اور کبھی کبھی جھوٹ بولنا جائز بھی ہوتا ہے، فقہاء لکھتے ہیں:

"الکذب حرام......وقد یجوز، کما لا یتم مقصود حرب واصلاح

☆ دار الہدی اسلامک یونیورسٹی، کیرالا۔

ذات البین و ارضاء زوجته" (فتح المعین)۔

۴- چونکہ بینک اصل میں سود کی جگہ ہے، لہٰذا بینک کی ملازمت بھی حرام ہے، حدیث میں ہے:

"لعن رسول الله ﷺ آکل الربا و مؤکله و کاتبه وشاهدیه"۔

امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"هذا تصریح بتحریم کتابة المبایعة بین المترابیین والشهادة علیهما وفیه تحریم الاعانة علی الباطل والله اعلم"۔

۵- بینک کی کمپیوٹر وغیرہ کی مرمت کرتے وقت تحقیق طلب بات یہ ہے کہ بینک اس کو اجرت کس رقم سے دیتا ہے، اگر سود کی رقم سے دیتا ہے تو حرام ہے، ورنہ حرام نہیں، کیونکہ ایک ایسے آدمی سے جس کے پاس حلال مال بھی ہے اور حرام بھی معاملہ کرنے کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں:

"ویکره معاملة من بیده حلال و حرام وان غلب الحرام الحلال، نعم ان علم بتحریم ما عقد به حرم وبطل" (فتح المعین)۔

۶- مرد ڈاکٹر عورت کو اور عورت ڈاکٹر مرد کو علاج کرنے کے لئے چند شرائط ہیں، فقہاء لکھتے ہیں:

"ویباحان أی المس والنظر لفصد وحجامة وعلاج للحاجة الی ذلک ولیکن ذلک بین یدی الرجل والمرأة بحضور محرم أو زوج، ویشترط أن لا توجد امرأة تعالج المرأة أو رجل یعالج الرجل وأن لا یکون ذمیا مع وجود مسلم" (شرح المنهاج للمحلی ۳/۲۱۲)۔

۷- ایک اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو تعلیم دینے کے بارے میں شافعی فقہاء لکھتے ہیں:

"ویباح النظر للوجه فقط لمعاملة وشهادة وتعلیم لأمرد وأنثی کما

صرح به السياق......وانما يظهر فيما يجب تعلمه وتعليمه كالفاتحة وما يتعين فيه ذلک من الصنائع المحتاج اليها بشرط فقد جنس ومحرم صالح وتعذره من وراء حجاب ووجود مانع خلوة أخذا مما مرفي العلاج" (تحفۃ المحتاج ۷/۲۴۲)۔

☆☆☆

حکومت کے بعض اداروں میں ملازمت کرنے کا شرعی حکم

مفتی عبداللہ کاوی☆

۱-الف: حکومت کا ایک شعبہ فوج ہے جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے، اس نئے زمانہ میں ٹکنالوجی آلات کی وسعت کی بناء پر اپنے وطن کی حفاظت کے لئے جب دوسرے ملک پر حملہ کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں اپنے مد مقابل کو پہچاننا بڑی مشقت کی بات ہے، ایسی صورت میں ظالم ومظلوم کی پہچان نہیں ہوسکتی اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے: "**وإذا أمر الأمير العسكر بشئ كان على العسكر أن يطيعوه في ذلک**" (تاتارخانیہ ۱۰۸/۴)۔

لیکن جہاں پر مسلمانوں اور ہندوؤں کی بستی الگ الگ ہو اور معلوم بھی ہو کہ ہندو ظالم ہیں اور مسلمان مظلوم ہیں پھر بھی اگر کمانڈر حکم دے کہ مسلمانوں کی بستی میں جاؤ اور جو ملے اسے پکڑ کر لاؤ اور اسے جیل خانہ میں بند کردو تو ایسی صورت میں کمانڈر کے حکم کو ماننا ضروری نہیں ہے کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: "**لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**" اگر مخلوق کی اطاعت کرنے میں خالق کی معصیت ہوتی ہو تو ایسی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اسی طریقہ سے تمام معصیت کی جگہوں میں کمانڈر کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

☆ دارالعلوم کنتھاریہ، بھروچ، گجرات۔

اسی طرح بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مد مقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے اگر چہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آجائے تو ایک مسلمان فوجی کو چاہئے کہ حتی الامکان لڑائی نہ کرے لیکن اگر مد مقابل حملہ کرتا ہے اور وہ رکتا نہیں ہے تو وطن کی حفاظت کے خاطر اس پر حملہ کرے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان اور ہندو میں جنگ ہوتی ہے تو ہندو مسلمان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو آگے کر دیتے ہیں تا کہ مسلمان حملہ نہ کریں لیکن اجتماعی مصلحت کے پیش نظر ہندوؤں کی نیت کرتے ہوئے ان پر حملہ کرے۔

ان تمام احکام کی پابندی کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے۔

ب۔ فوج ہی سے قریب دوسرا شعبہ پولیس کا ہے، جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن و امان کو قائم رکھنا ہے، پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، لیکن وہ مجبورا چلانی پڑتی ہے، اور حالات کو سازگار بنانے کے لئے چلانی پڑتی ہے، اور وہ بھی اپنے بڑے افسر کے حکم سے چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جب مجرم اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتا، لیکن جو شخص اپنے جرم کا اقرار کرلیتا ہے اس کو ایذا رسانی نہیں کرنی پڑتی ہے، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجرم واقعہ میں مجرم نہیں ہوتا ہے، پھر بھی زبردستی اس سے اقبال جرم کرایا جاتا ہے، یہ سراسر ظلم ہے، قیامت میں اس کا حساب لیا جائے گا۔

اور خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان بھی اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بدزبان اور ظلم و جور کا خوگر بن جاتا ہے، لہذا ایسی صورت میں مسلمان پولیس کو ایسے ساتھیوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے، البتہ شریعت کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کی مدد کرنے کے ارادے سے اس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے، بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

ج۔ حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس بھی ہوتا ہے، ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ اس شعبہ میں ملازمت کرتے ہیں، انہیں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات محض شبہ کی وجہ سے شریف شہریوں کے خلاف بھی ایسی کارروائی کی ضرورت پڑ جاتی ہے، ان حالات میں کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت کرسکتا ہے، جبکہ اس میں تجسس اور غیبت بھی کرنی پڑتی ہے مگر یہ تجسس اور غیبت ملک کی سلامتی اور امن وامان کی خاطر ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے، کیونکہ ایک جنگ کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دشمنوں میں تجسس کے لئے بھیجا تھا اور حضرت عمر فاروقؓ بھی ملک کے امن وامان کے خاطر تجسس کیا کرتے تھے، اور معارف القرآن میں ہے کہ مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں، بشرطیکہ وہ ضرورت اور مصلحت شرعاً معتبر ہو، جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کرسکے، خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی برائی اور عیب کرنے سے مقصد اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے کیا گیا ہو (معارف القرآن ۸/ ۱۲۳)، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک کی حفاظت اور امن وامان کو قائم رکھنے کے لئے اگر مخبر کو غیبت کرنی پڑے تو جائز ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شعبہ میں ملازمت کرنا جائز ہے۔

د۔ انصاف کی فراہمی ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور تنازعات کو طے کرنے کے لئے عدلیہ کا نظام قائم ہے اور ہر مہذب معاشرہ کے لئے اس نظام کا وجود ناگزیر ہے، عدالتیں بنیادی طور پر دستور کی تشریح اور تصفیہ طلب واقعات میں ان کی تطبیق کا کام کرتی ہیں اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون، کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی نہیں ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اگر کوئی مسلمان اس نیت سے اس میں نوکری کرے کہ میں مسلمانوں کی مدد کروں گا اور ان کی رہنمائی کروں گا ویسے ہی مسلمانوں کا کوئی حامی نہیں ہوتا ہے اور ہر طرح سے ان کے کیس

کوآگے بڑھنے نہیں دیا جاتا ہے، ان کو پھنسایا جاتا ہے تو اگر کوئی مسلمان کی مدد کے ارادے سے اس شعبہ میں نوکری کرے تو جائز ہے، فقہ کا قاعدہ ہے: الأمور بمقاصدہا، اس قاعدے کی رو سے بھی اس میں نوکری کرنا جائز ہے۔

ھ- کوئی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی، ٹیکس کی ایک صورت وہ ہے جسے انکم ٹیکس کہا جاتا ہے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئی ہیں وہ ظالمانہ ہیں، تو ایسی صورت میں حکومت کے ایسے محکمہ میں نوکری کرنا ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: **"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق"** (اللہ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی)، لیکن فقہ کا ایک دوسرا قاعدہ بھی ہے: **"الأمور بمقاصدها"** تو اگر کوئی مسلمان اس نیت سے اس میں نوکری کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور مسلمانوں سے جتنا ہوسکے گا کم ٹیکس وصول کرے گا اور ٹیکس سے بچنے کی صورتیں ان کو بتائے گا تو اس نیت سے اس محکمہ میں نوکری کرنا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے، لیکن ایک سوال یہ ہے کہ انکم ٹیکس کے لئے بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے تو اگر حکمراں عادل ہو اور ان کا مقصد عوامی فلاح پر پیسے خرچ کرنا ہے، اپنی عیش کوشی اور سہولتوں پر خرچ کرنا نہیں ہے تو عمومی فائدے کے تحت لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس کرنا صحیح ہے، لیکن اگر ان کا مقصد ضرر رساں ہے تو فقہ کا قاعدہ ہے: **"لا ضرر ولا ضرار"** تو اس قاعدے کی رو سے تجسس کرنا جائز نہیں ہے۔

۲-الف: بینک اصل میں سودی لین دین کا بنیادی طور پر کاروبار کرتا ہے، لیکن اگر ایک شخص ہبہ کا لین دین اور سودی حسابات کو نہ لکھتا ہو اور کوئی کام کرتا ہو، جیسے بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایئر کنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے ہوئے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، یہ تمام صورتیں سودی معاملات کے تعاون میں شمار نہیں کی جائے گی، اور اس نوعیت کی ملازمت جائز ہوگی، کیونکہ حضور علیہ السلام نے جو لعنت فرمائی ہے وہ سود

کے لینے والے، دینے والے، لکھنے والے، اور اس کے گواہان اور اس کا واسطہ بننے والے پر، "**عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ: أكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: هم سواء**" (بخاری)، اور مندرجہ بالا جو کام شمار کئے گئے ہیں وہ ان میں شامل نہیں ہیں، یہ چیزیں نفس عمارت کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہیں (کتاب الفتاوی ۵/ ۳۹۰)۔

ب–انشورنس کمپنی کا کاروبار ربا اور قمار پر مبنی ہے، البتہ انشورنس کی ایسی شکلیں جس میں واقعہ پیش نہ آنے کی صورت میں پالیسی ہولڈر کو رقم نہ ملتی ہو، جیسے میڈیکل انشورنس یا حادثہ انشورنس، یا جو انشورنس جبری نوعیت کا ہو، بعض اہل علم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن یہ اس صورت میں جبکہ کوئی شخص کسی کمپنی میں کام کرتا ہے اور حکومت کے قانون کی وجہ سے مجبور ہے اور انشورنس کروانا ضروری ہے تو ایسے حالات میں وہ انشورنس تو کروائے لیکن جو رقم اس کو ملے گی تو جتنی رقم اس نے جمع کی ہے اتنی مقدار تو لے لے یہ اس کے لئے جائز ہے اور جو زائد ہے اس کو صدقہ کردینا واجب ہے۔

انشورنس کمپنی میں ملازمت جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ قمار اور ربا پر مبنی ہے، انشورنس کی تمام صورتوں کے لئے ایک ہی حکم ہے، اس لئے کہ اس میں ربا اور قمار ہے، لیکن بعض حالات میں جائز ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: "**المشقة تجلب التيسير، الضرورات تبيح المحظورات**"، ان دو قاعدوں کی رو سے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ایسی جگہ دوکان و مکان ہے جہاں پر فسادات ہوتے رہتے ہیں اور جان و مال کا خطرہ رہتا ہے تو ایسی صورت میں فقہاء کرام نے انشورنس کو جائز قرار دیا ہے، لیکن جتنا اس کو نقصان ہوا ہے اسی کے بقدر رقم لینا جائز ہے، ہاں مگر اس کو لیتے وقت کراہت کا اظہار بھی کرے، کیونکہ اصل میں یہ سود اور قمار ہے، البتہ اس کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے، اور تعاون علی الاثم جائز نہیں ہے۔

ج– شراب کی کمپنی میں خرید و فروخت اور شراب کی بوتل بنانا اور حساب کتاب یا شراب کی

کمپنی کو وہ اجزاء پیش کرنا جن سے شراب بنائی جاتی ہے یہ تمام صورتیں جائز نہیں ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت ہے: **"ولاتعاونوا على الاثم والعدوان"** اور ایک دوسری آیت ہے: **"انما الخمروالميسروالأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان"**، ان دو آیات کی بناء پر شراب کی خرید وفروخت کرنا حرام ہے اور جو چیز اس کے معاون ومددگار بنے وہ بھی حرام ہے، ہاں ایسی چیزیں جن سے شراب بھی بنتی ہو اور دوسری چیزیں بھی بنتی ہوں تو ان چیزوں کا کمپنی کو بیچنا حرام نہیں ہے، ان مختلف کاموں میں ملازمت کا حکم بھی یکساں رہے گا کیونکہ یہ تمام کام تعاون علی الاثم میں داخل ہے۔

۳-الف: سپر مارکیٹ جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں اور اس میں ایک گوشہ شراب کا بھی ہے تو ایسے سپر مارکیٹ میں نوکری کرنا جائز ہے، البتہ شراب کے اس گوشہ میں نوکری کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: **"الضرورات تبيح المحظورات، الضرر يزال"** اگر صرف شراب کی وجہ سے سپر مارکیٹ میں نوکری کرنے کو ناجائز قرار دیا جائے تو ایسا کرنے میں حرج لازم آئے گا اور اس کی وجہ سے مسلمان نوکری سے محروم ہو جائیں گے، کیونکہ اس زمانہ میں اکثر جگہ سپر مارکیٹ بنائے جا رہے ہیں، اگر نوکری کو ناجائز قرار دیا جائے تو ایک بڑا طبقہ مسلمانوں کا نوکری سے محروم ہو جائے گا، اس لئے اوپر جو قاعدہ بیان کیا گیا اس کی رو سے مسلمانوں کا سپر مارکیٹ میں نوکری کرنا جائز ہے۔

ب- تدریس ایک معزز پیشہ ہے جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے، لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے، اور استاذ کو بعض اس طرح تدریس کا فریضہ انجام دینا پڑتا ہے کہ اس کے مخاطب لڑکے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اسی طرح لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی کام کرتے ہیں، اور لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ بھی کام کرتی ہیں تو ایسی صورت میں اگر لڑکے لڑکیاں بالغ ہیں اور دونوں ایک ساتھ ہوں تو ایسی صورت میں مرد اساتذہ اور خاتون اساتذہ دونوں کا پڑھانا درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی

صورت میں دونوں طرف سے بے پردگی ہوگی، اور صرف لڑکیوں کو مرد اساتذہ کا پڑھانا اور صرف لڑکوں کو خاتون اساتذہ کا پڑھانا درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں بھی بے پردگی ہوگی جبکہ قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا:

"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم، وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن يا أيها النبي قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلا بيبهن"، ان آیات میں اللہ نے پردے کے احکام کو نازل فرمایا ہے، اور عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اگر اس طرح کی مخلوط تعلیم ہو تو اس سے بہت سے فواحش وجود میں آئیں گے اور تعلیم کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

لیکن اگر لڑکے لڑکیاں نابالغ ہوں تو ان کو پڑھانے میں کوئی حرج نہیں، اور اسی طریقہ سے اگر لڑکیاں پردے میں ہوں تو مردوں کا ان کو پڑھانا درست ہے، اور خاتون اساتذہ پردے کے ساتھ ہوں تو ان کا بالغ لڑکوں کو پڑھانا درست ہے، اور اسی طریقہ سے اس وقت پڑھانا درست ہے جب فواحش کا اندیشہ نہ ہو اور اجنبی مرد و عورت کی خلوت نہ ہو اور بلا ضرورت بات چیت نہ ہو، اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو حرج لازم آئے گا، کیونکہ ہندوستان میں مخلوط تعلیم کا نظام عام ہو چکا ہے، اس سے احتراز ممکن نہیں ہے۔

ہاں مگر ہمارے امراء کو چاہئے کہ جداگانہ تعلیم کا نظام عام کرے کیونکہ مخلوط تعلیم کے جو نقصانات ہیں وہ بالکل ظاہر و باہر ہے۔

ب- ایک اہم پیشہ وکالت کا ہے، وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہوتا ہے، مسلمانوں کے اپنے اجتماعی اور انفرادی مسائل کے لئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے، اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی کمی محسوس کی جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے اکثر وکلاء کے یہاں ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا بلکہ بہت سی دفعہ وہ مظلوم کو انصاف سے محروم کر دیتا ہے، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات وکلاء اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ

کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، تو اس طرح کی وکالت کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: "**الظلم ظلمات یوم القیامة**" ظلم قیامت میں اندھیروں میں ہوگا تو جو شخص ظالم کی مدد کرے گا تو وہ "تعاون علی الاثم" میں داخل ہوگا، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر وکلاء اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، تو اس طرح کی وکالت کرنا جس سے مظلوم کو اپنا حق نہ ملے اور ساتھ ساتھ جو ظالم ہے وہ جھوٹ بولے اور وکیل بھی انصاف سے کام نہ لے تو اس طرح کی وکالت بے انصافی ہوگی، اور جھوٹ کے متعلق حدیث میں آیا ہے: "**الصدق ینجی والکذب یھلک**" آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق اگر وکیل اپنے مؤکل کو جھوٹ بولنے کی تربیت دے تو یہ بھی ایک طرح کی ہلاکت ہے۔

لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے اس دور میں مسلمان وکلاء کا ہونا بہت ضروری ہے، اس لئے کہ آج کے زمانہ میں ہم نگاہ اٹھاتے ہیں تو مسلمان کا کوئی حامی اور مددگار نہیں ملتا ہے، مسلمانوں کو طرح طرح کے مقدموں میں پھنسایا جاتا ہے، اور انہیں قید خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے اور ان کی آواز سننے والا کوئی نہیں ہوتا، اگر کوئی شخص شرعی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے مدد کے ارادہ سے اگر کوئی وکیل بنتا ہے تو اس کا وکیل بننا ثواب سے خالی نہیں، فقہ کا قاعدہ ہے: "**الأمور بمقاصدھا**" تو اس نیک نیتی کے ارادہ سے وکیل بننا جائز ہے۔

د- انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج اور پیشۂ طبابت ہے، لیکن بدقسمتی سے اس شعبہ میں بعض برائیاں درآئی ہیں، جیسے آپریشن مجبوری کی حالت میں کیا جانا چاہئے، لیکن ہاسپٹل کی انتظامیہ ڈاکٹروں کو تاکید کرتی ہے کہ وہ ہر ماہ کم سے کم اتنی مقدار میں آپریشن یا ٹسٹ لکھے؛ تاکہ ہاسپٹل کی اور اس کی لیبارٹری کی آمدنی بڑھ سکے؛ تو اس طریقہ سے کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ ایسا کرنا مریض کے ساتھ ایک قسم کا دھوکہ ہے، اور ایک طریقہ سے جبرا مال وصول کرنا ہے، لہذا اس طریقہ سے آپریشن یا ٹسٹ لکھنا اور اپنی لیبارٹری کی آمدنی بڑھانا جائز نہیں ہے،

کیونکہ یہ سب کچھ مریض کو دھوکہ میں رکھ کر کیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:"من غشنا فلیس منا"، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اس حدیث کے تحت داخل ہیں، اسی طرح سرکاری ہاسپٹلوں کے علاوہ پرائیویٹ ہاسپٹلوں میں بھی مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہے جس کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے ایک دوسرے کا ستر دیکھنے سے منع فرمایا ہے، اور ستر کو دیکھنا حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو، لیکن جہاں پر کسی خاص مرض کا خاص ڈاکٹر مرد ہی ہو اور عورت نہ ہو تو ایسی صورت میں مرد ڈاکٹر کو مریض خاتون کا ستر دیکھنا پڑے تو گنجائش ہے، کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے:"الضرورات تبیح المحظورات" تو اس قاعدہ کے تحت فقہاء کرام نے اجازت دی ہے، اسی طرح اگر کوئی ماہر ڈاکٹر خاتون ہو اور اس کے علاوہ نہ ہو تو ایسی صورت میں خاتون ڈاکٹر کو مرد کا ستر دیکھنا پڑے تو گنجائش ہے، اور ایسے اسپتال میں ملازمت کرنے کی گنجائش ہے، اور ملازمین کے لئے کچھ شرعی حدود ہیں وہ یہ کہ غیر محرموں کا آپس میں اختلاط نہ ہو، تنہائی نہ ہو، اسی طریقہ سے پردہ کا برابر اہتمام کیا جاوے اور بلاضرورت کے آپس میں باتیں نہ کریں ان شرعی حدود کی رعایت ملازمین پر لازم ہوں گی۔

ھ- ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لیکر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں، جو شرعاً جائز نہیں ہیں، جیسے: شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ، ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہوٹل کا جو اصل مقصد ہے وہ فوت ہو رہا ہے اور جو چیزیں ناجائز تھیں ان کو اصل مقصد بنالیا ہے، اگر حرام چیزوں کی فراہمی کا تعلق براہ راست ہو تو وہ بدرجہ اولی ناجائز ہیں، اگر براہ راست تعلق نہ ہو تو وہ ولاتعاونوا علی الاثم کے تحت

ناجائز ہیں۔

ہاں مگر وہ ہوٹلیں جن میں غیر شرعی چیزوں کا انتظام نہ ہو، شرعی امور کی رعایت کی جاتی ہو تو ایسی ہوٹلیں چلانا جائز ہے۔

☆☆☆

مختلف محکموں میں ملازمتوں کے شرعی احکام

مفتی رضوان الحسن مظاہری ☆

۱-(الف) شعبہ فوج:

ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ریاست ہونے کے لحاظ سے اس ملک کے کلیدی عہدوں پر فائز ہونا جیسے فوج کا محکمہ ہے یا پولیس ہے یا پارلیمنٹ یا عدلیہ کا عہدہ ہے وغیرہ وغیرہ یہ تمام شعبے ایسے ہیں جہاں بعض دفعہ نہیں بلکہ اکثر اور ہمیشہ اسے اسلامی قانون اور منصوص احکام کے خلاف فیصلوں میں شریک ہونا اور اس کی تنفیذ کا ذریعہ بننا پڑتا ہے، لہذا اصولی طور پر یہ بات جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ کسی گنہگارانہ اور خلاف شرع بات کا اور اس کے نفاذ وترویج کا ذریعہ ہے، مگر اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایسی ملازمتوں سے یکسر کنارہ کش اور سبکدوش ہوجائیں تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ اسلام کے بچے کھچے آثار اور مسلمانوں کے دینی تہذیب اور بنیادی مفادات کا تحفظ دشوار سے دشوار ترین ہوجائے گا اور مسلمان خاص طور سے ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے مفلوج، تہذیبی اور مذہبی لحاظ سے مجبور اور اچھوت سے اچھوت ترین شہری بن کر رہ جائیں گے جس کا سماج اور معاشرے میں رہنا مشکل سے مشکل ترین ہوجائے گا۔لوگ مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ اسلام کو بھی بدنام کریں گے اس لئے اس عظیم تر مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے عہدوں کو ضرور بالضرور قبول کیا جائے گا بلکہ مصلحتاً مسلمانوں کو ان کے حصول کی سعی کرنی چاہئے، ہاں مگر دل میں غیر اسلامی نظام کی طرف سے ایک چبھن ہو، اس میں

☆ مدرسہ کرن-مہاراشٹرا۔

بے اطمینانی اور اسلام کی بالاتری کا احساس ہمیشہ دل میں تازہ رہنا چاہئے اور موجودہ حالات کو ایک مجبوری کے طور پر گوارہ کرتے رہنا چاہئے اس کی دلیل حضرت یوسف علیہ السلام کا فرعون مصر کے خزانے کی وزارت کی ذمہ داری قبول کرنا بلکہ اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا ہے قرآن کہتا ہے:

"اجعلني على خزائن الأرض إني حفيظ عليم" (سورہ یوسف:۲)۔

(مجھے مقرر کر و زمین کی پیداواروں پر میں نگرانی کرنے والا اور علم والا ہوں)۔

ج- حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری کا اور انٹلیجنس بھی ہوتا ہے الخ۔ کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت درست ہے؟

جواب: جس نوکری یا ملازمت میں پابندی اجراء احکام غیر شرعیہ اور اجراء احکام ظلم وغیرہ کی ہوں اور اس میں اکثر اوقات جھوٹ اور غیبت کا سہارا لینا پڑتا ہو تو مسلمانوں کے لئے ایسی نوکری جائز نہیں ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون" (اور جو لوگ ان کی اطاعت کریں اور خلاف شرع احکام جاری کریں وہ ظالم ہیں)۔

۵- عدالتوں میں ملازمت: اس سوال کا جواب راقم کے سوال نمبر (الف) کے جواب کے ضمن میں گذر چکا ہے۔

(ھ) کوئی بھی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی ہے، تو کیا انکم ٹیکس کے پیشوں میں مسلمان ملازمت کر سکتے ہیں؟

جواب: ٹیکس جو حکومت عوام سے وصول کرتی ہے دو طرح کے ہیں: بعض تو ان میں منصفانہ ہیں اور خود اسلام میں ان کی گنجائش ہے۔ مثلاً پانی، روشنی، سڑک، لائبریری، وغیرہ کے سہولتوں کے بدلے میں بلدیہ جو ٹیکس لیا کرتی ہے وہ اس کا فائدہ محسوس طور پر ہماری طرف لوٹا دی جاتی ہے، دوسرے قسم کی ٹیکس ایسے ہیں جن کو غیر منصفانہ اور ناواجبی کہا جاتا ہے جیسے انکم ٹیکس ہے یہ شرعی اعتبار سے غیر منصفانہ ہونے کے علاوہ اس قسم کے ٹیکس غیر معقول بھی ہیں کہ ایک شخص

اپنے گاڑھے پیسے سے جو کچھ حاصل کرے حکومت جبراً اس سے اس کی کمائی کی ٹیکس وصول کرے یہ ظلم ہے، اس لئے انکم ٹیکس کے شعبوں میں ملازمت بھی تعاون علی الظلم ہوگا، اس لئے کہ ایک ہے گناہ کرنا اور گناہ کے کام میں اعانت اور تعاون کرنا دونوں ناجائز ہے، یہ تو اصل حکم ہے، لیکن ایسے شخص کے لئے جو معاشی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو کوئی دوسری ذریعہ معاش حاصل نہ ہو اور وہ اگر ملازمت ترک کردے تو فاقہ کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے بہتر ہے کہ موجودہ ملازمت پر قانع ہونے کی بجائے کوئی دوسرا بہتر اور پاک ذریعہ معاش کو خوب تلاش کرتا رہے، موجودہ ملازمت سے دل میں کراہت محسوس کرے، اور جب تک متبادل نظم نہ ہو جائے ایک مجبوری کے طور سے کرتے رہے (جدید فقہی مسائل)۔

۲- ایسی چیزوں کی ملازمت جائز نہیں ہے جو معصیت اور گناہ ہوں، اس لئے کہ جس طرح گناہ کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح گناہ کے لئے سبب اور ذریعہ بننا اور اس میں تعاون بھی ناجائز ہے، اور جو جس درجہ کا گناہ ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ کا گناہ ہوگا چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں: **لایجوز الاستیجار علی شئ من الغنا والنوح والمزامیر ولا اجرلھم** (فتاویٰ عالمگیری ۴/۴۴۹)۔ مزامیر، نوحہ اور گانے بجانے وغیرہ کے کاموں میں کسی کو اجیر رکھنا درست نہیں ہے اور اجرت کے حقدار بھی نہیں ہوتے، چنانچہ سود میں خود ملوث ہونا اور مبتلا ہونا ہی صرف گناہ نہیں ہے بلکہ اس کے کاروبار میں مدد و معاون ہونا بھی معصیت ہے، یوں تو تمام ہی گناہ کے کاموں میں اعانت ناپسندیدہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"لاتعاونوا علی الاثم والعدوان"** لیکن خصوصیت سے سود کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: **"آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء"** (صحیح مسلم عن جابر ۲/۲۴ باب الربوا) رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے اور اس کے کاتب نیز گواہ سب پر لعنت کی ہے۔ اور فرمایا: سبھی برابر ہیں، یہاں سود کے لکھنے والوں اور گواہوں پر حضور ﷺ کی لعنت سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ بینک کی ایسی ملازمت جس میں آدمی کسی ذمہ دارانہ عہدے پر فائز ہو یا سودی معاملات لکھنے پڑتے ہوں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی حیثیت ربوا کے کاتبین اور گواہوں کی ہوگی اور ان کو حضور ﷺ نے

نہ صرف یہ کہ ملعون قرار دیا ہے بلکہ سود خوروں کے مساوی قرار دیا ہے ہاں ایسی ملازمتیں یا ایسی ذمہ داریاں جن کا تعلق براہ راست سودی کاروبار سے نہ ہوں بلکہ وہ بینک کے دوسرے کام یا اس کی حفاظت پر ملازم ہوں تو اس ملازمت کو جاری رکھنا یا ایسی ملازمت کا حاصل کرنا جائز ہوگا، لہذا بینک میں کمپیوٹر کی مرمت یا بینک کے ایر کنڈیشن کی مرمت کی اجازت ہوگی (المستفاد جدید فقہی مسائل)۔

البتہ بینک کے لئے مکان کا کرایہ پر دینا فقہاء نے منع کیا ہے ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل، بینک کا ایک سودی کاروبار ہے اگر پہلے سے مقصد معلوم ہو تو خاص اس مقصد کے لئے مکان کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا، اس لئے اس صورت کا تعاون بھی معصیت ہے ہاں اگر یوں ہی کرایہ پر مکان لے لیا اور بعد میں اس کو بینک میں تبدیل کر دیا تو اب اس صورت میں کرایہ دینے والے پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

مسلمان ذمی کو کوئی مکان رہائش کے لئے دے تو اس میں مضائقہ نہیں پھر اگر وہ اس میں شراب پیئے یا صلیب کی پرستش کرے یا سور داخل کرے تو مسلمان کو ان کا کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ اس نے اس مقصد کے لئے نہیں دیا ہے، گناہ کرایہ دار کا عمل ہے اور اس کے اس عمل میں صاحب مکان کے ارادے کو کوئی داخل نہیں اس لئے اس پر کوئی گناہ نہیں (مبسوط ۱۶/ ۲۰۹)، لیکن بعض فقہائے کرام کے اقوال سے بینک کاری کے لئے مکان کو کرایہ پر دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے، مگر شریعت کا مزاج اسے قبول کرتا نظر نہیں آرہا ہے (جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۱۰)۔

ب: انشورنس کی صورت حال اور اس کی پالیسیوں میں اس قدر تنوع پیدا ہو چکا ہے اور آئے دن اس کی ایسی نئی نئی شکلیں پیدا کی جارہی ہیں کہ ان تمام صورتوں کا احاطہ دشوار ہے، ان میں سب سے زیادہ اہم اور مروج (ایل آئی سی) تھی لائف انشورنس (Life Insurance) اور املاک کا انشورنس ہے اس میں انشورنس کمپنی اور انشورنس کرانے والے کے درمیان ایک مخصوص مدت کا معاہدہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں وہ اپنی رقم بالاقساط کمپنی کو ادا کرے گا، یہ انشورنس کبھی املاک کا ہوتا ہے مثلاً کارخانہ اور اسی طرح دکان وغیرہ کا، اگر لائف انشورنس کرایا گیا اور مدت

معاہدہ کی تکمیل سے پہلے ہی اس شخص کا انتقال ہوگیا، یا کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو چاہے اس نے چند ہی قسطیں کیوں نہ دی ہوں اس پوری رقم کا وہ حقدار ہوتا ہے، اسی طرح اگر وہ املاک ضائع ہوگئیں تو کمپنی اس کی تلافی کی ذمہ داری قبول کرتی ہے اور اگر اس نے معاہدہ کے مطابق پوری رقم ادا کردی اور وہ خود بیمہ کردہ محفوظ رہا تو اب اصل رقم منافع کے ساتھ واپس ملتی ہے جس کو بونس سے موسوم کیا جاتا ہے، ان تمام صورتوں میں بنیادی طور پر دو مفاسد پائے جاتے ہیں، ایک ربوا دوسرے قمار، ربوا تو ہر صورت میں ہے، اس لئے کہ اس جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہے، اور منافع گویا اس مہلت کا معاوضہ ہے۔ جو قرض کی واپسی کے لئے دی گئی ہے، اسی کا نام ربوا ہے، جو لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سود صرف تجارت میں ہوتا ہے قرض میں نہیں ہوتا ہے وہ بدترین قسم کی تحریف میں مبتلا ہیں۔

البتہ ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر قریب قریب علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے جان و مال کا انشورنس کرانا جائز ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ انشورنس کمپنی کی ملازمت کرنا یا انشورنس کمپنی کی ایجنسی لینا یا اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا اصول تو یہی ہے کہ جو چیز ازراہ ضرورت جائز قرار دی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے۔

ج- جس طرح خود کسی ناجائز اور خلاف شرع کام کرنا درست نہیں۔ اسی طرح ایسے کاموں میں ملازمت اور تعاون درست نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ شراب پینے والے کی طرح شراب نچوڑنے والے، شراب پینے والے، شراب اٹھانے والے اور وہ جس کے لئے اٹھا کر لے جائی جائے، پلانے والے اس کی فروخت کرنے والے، اس کی قیمت کھانے والے، خریدنے والے اور جس کے لئے خریدی جائے، ان سب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے (دیکھئے ابن ماجہ باب لعنۃ الخمر علی عشرۃ اوجہ رقم الحدیث ۳۳۸۰)، اس لئے ایسی جگہوں پر ملازمت جائز نہیں ہے۔ محدثین کا رجحان یہ ہے کہ شراب بنانے والے شخص سے انگور وغیرہ کا شیرہ بیچنا ناجائز ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے شراب کے لئے رس نچوڑنے والے کو بھی ملعون قرار دیا ہے (ابوداؤد ۲/ ۵۱۷)۔

فقہائے احناف کے یہاں اس مسئلہ میں اگر شراب بنانے والے کوشراب بنانے کی منشا سے انگور یا اور کسی پھل کا رس فراہم کیا جائے تو جائز نہیں ہے اور اگر نفس تجارت کی غرض سے ہوتو جائز ہے (الاشباہ والنظائر)۔

۳-بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں کاروبار کا اصل مقصد حرام کرنا نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر وہاں کام بھی کئے جاتے ہیں جیسے:

الف: سپر مارکیٹ ہے جس میں زندگی کے مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے ایسے سپر مارکیٹ میں ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: وہ سپر مارکیٹ جس کا آج کل بہت رجحان بڑھ گیا ہے ایسے مارکیٹ تقریباً ہر بڑے شہر میں ایک زینت کے طور پر بنایا جارہا ہے، جہاں زندگی کے ہر ضروریات کی چیزیں فراہم ہوتی ہیں، جس میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو حرام ہیں، ایسے مارکیٹ میں ملازمت کرنا کچھ تفصیل کے ساتھ جائز ہے:

الف: ملازمت کرنے والا شخص بالواسطہ یا بلاواسطہ اس حرام کام میں مشغول نہ ہوں۔

ب: ملازمت کرنے والا شخص اس حرام کام کی تشہیر نہ کرتا ہو۔

ج: وہ خود اس کی حرام کاموں میں مددگار رہوں۔

اس لئے کہ ملازمت ایسے کاموں میں تعاون علی الاثم ہے، جو نا جائز ہے اور اگر دوسرے حلال کاموں میں رہکر اپنے آپ کو اس سے بچالے تو ملازمت درست ہے۔

ب: تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے موجودہ دنوں میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے الخ

جواب: تدریس واقعی ایک معزز پیشہ ہے اور رہے گا جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہی نہیں بلکہ انسانی شخصیت کی تعمیر کے لئے ضروری اور لازمی ہے جو انسانی ارتقا اور اس کو بلندی تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے جس کو اسلام نے بہت سراہا ہے اور اس کو حاصل

کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی اور درس وتدریس دینے والے کو خیر الناس کے لقب سے نوازا ہے، بدقسمتی سے اس شعبہ میں جدت پسندی کی ایک نہیں کئی برائیاں شامل ہیں جو مغربی مما لک کی غلامی کی ایک علامت بن گئی ہے، وہ ہے مخلوط تعلیمی نظام جہاں کردار کے بجائے کردارکشی کی تعلیم، اخلاقیات کے بجائے غیر اخلاقی تعلیم تعمیر کے بجائے تخریب وغیرہ وغیرہ یہ سب مخلوط تعلیم کا دین ہے۔بہر حال ان حالات میں اپنے آپ کو برائی سے بچا کر امانت داری سے کام کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھاتے رہے، مثلاً لڑکیوں کو تعلیم دیتے ہوئے بدکاری سے بچے، خود ان لڑکیوں کو اس کی تعلیم دے وغیرہ وغیرہ، جو ملازمہ ہیں ان سے بھی حد درجہ غیر محتاط نہ ہوں، ان ذمہ داریوں میں تو ملازمت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ج: ایک اہم ہمیشہ وکالت کا ہے وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانا ہوتا ہے۔

جواب: وکالت کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہونچانا ہے جس میں اپنے موکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا ہوتا ہے اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ جھوٹ کو حقیقت میں تبدیل کرنے کی بھرپور کوشش ہوتی ہے اور حقیقت کو جھوٹ میں تبدیل کرنے کی کوشش ہوتی ہے اور بدقسمتی سے اکثر وکلاء کے یہاں ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ بہت سی مرتبہ مظلوم کو انصاف سے محروم ہونا پڑتا ہے، اس لئے اکثر فقہاء نہیں بلکہ تمام فتوؤں کی کتابوں میں اس کے ناجائز ہونے کے فتوے دیئے گئے ہیں اور اس کی اجرت کو حرام اجرت سے موسوم کیا گیا ہے، حتی کہ ان کے یہاں کھانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔(دیکھئے احسن الفتاوی ۷/ ۳۱۱، فتاوی رحیمیہ، فتاوی محمودیہ)۔

لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی ہمارے سامنے ہونے چاہئے کہ اس دور میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی تمام مسائل میں وکیل کی ضرورت ہے، اس لئے کہ کوئی مظلوم اپنی فریاد لیکر خود کورٹ میں جج کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا ہے، جب تک کہ کسی وکیل کو اپنا نائب نہ بنائے۔

ہاں رہی بات جھوٹ کی تو اس کی تصریح فقہاء کی تحریروں سے ملتی ہے کہ اپنا حق

وصول کرنے کے لئے کئی موقع پر جھوٹ کی اجازت دی جاتی ہے۔

شامی کی عبارت ہے جو دفع ظلم اور جلب مصلحت کے لئے لکھی ہے:

اپنے حق کو حاصل کرنے اور اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔مگر یہاں جھوٹ سے مراد تعریض ہے، کیوں کہ عین جھوٹ تو حرام ہے یہی بات حق ہے اور علامہ شامیؒ حاشیہ میں لکھتے ہیں: جاننا چاہئے کہ کبھی جھوٹ بولنا مباح ہوتا ہے، کبھی واجب ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں ایک ضابطہ ہے، جیسا کہ تبیین المحارم وغیرہ میں ہے، جس کو احیاء العلوم سے نقل کیا ہے کہ ہر ایسا محمود مقصود جس کا حصول سچ اور جھوٹ دونوں طرح ممکن ہو تو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ وہ مقصود حاصل کیا جا سکتا ہو تو اب اگر وہ مقصود مباح ہے تو جھوٹ بولنا بھی مباح ہوگا اور اگر وہ مقصود واجب ہے تو اب وہاں جھوٹ بولنا بھی واجب اور ضروری ہوگا الخ (ردالمحتار ۶/۲۷)۔

شامی کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تعریض بلکہ کذب صریح بھی خاص خاص صورتوں میں جائز ہے، ان عبارتوں کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حقوق واجبہ کو حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بھی مباح ہے اور کبھی جھوٹ بولنا بھی واجب ہوتا ہے، اس لئے راقم التحریر اس سے متعلق یہ ضرور کہنا چاہتا ہے کہ پیشہ وکالت جس کی آج مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی دونوں طور سے ضرورت ہے، سنجیدگی سے سوچ کر فتوی دینا چاہئے اور اس پیشہ کو مطلق حرام نہ کیا جائے، البتہ ضروری منکرات سے بچنے کی تلقین کی جائے اور کچھ شرائط کے ساتھ اس کے جواز کا فتوی ہونے چاہئے۔

د-انسان کے وجود کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ وہ خود ایک امانت ہے اس کے لئے اپنے جسم میں وہی تصرف جائز اور درست ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے آدمی اپنے منشا ومزاج کے مطابق خود اپنے جسم کو نقصان پہنچانے یا اس میں تغیر وتبدل کرنے کا بھی مجاز نہیں، اپنے آپ کی حفاظت اس کا فریضہ ہے، فن طب چوں کہ ایک ایسا فن ہے جو خالق تعالی کے اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔

چنانچہ اطباء چوں کہ صحت انسانی کی حفاظت جیسا اہم فرض اور عظیم انسانی خدمت انجام دیتے ہیں، اس لئے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت نازک ہیں، ہمدردی وبہی خواہی، صبر وحلم، بردباری، شخصی کمزوریوں اور دوسروں کی حفاظت اجتماعی مفادات کا خیال اور اپنے فن میں بصیرت مندی وحاضر دماغی، خدمت خلق کا جذبہ اور شریعت کی قائم کی ہوئی حدود پر استقامت اس راہ کے مسافر کے لئے متاع اولین کا درجہ رکھتے ہیں۔خواتین کے لئے جہاں تک ممکن ہوں وہ خواتین ڈاکٹروں سے ہی اپنا علاج کرائیں تاکہ پردہ کی زیادہ سے زیادہ رعایت ہو اور اگر کوئی خاتون ماہر ڈاکٹر نہ ہو تو بدرجہ مجبوری مرد ڈاکٹروں سے اپنا علاج کراسکتی ہے اور اگر ستر کا مسئلہ ہو تو خواتین اپنے عضو کے اتنے ہی حصہ کو کھولے جس سے کام چل سکے، اس لئے کہ فقہا نے بہ حالت مجبوری بغرض علاج اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا مرد کے لئے بھی ضرورت کیوجہ سے عورت کے صرف اس حصہ کا دیکھنا درست ہوگا جس کا علاج مطلوب ہے، نیز یہی حکم آپریشن کا ہے، ڈاکٹر صرف مریض کے اس حصہ کو کھولے جس کا آپریشن کرنا ہے۔اس سے زیادہ درست نہیں۔ ملازمت کرنے والے ملازمین کے لئے بھی یہی ضروری ہے، بلاضرورت کسی کی ستر وغیرہ کو نہ دیکھے، چوں کہ یہ مجبوری کی حالت ہے، لہٰذا مجبوری کی بنا پر کرسکتے ہیں، **الضرورات تبیح المحظورات** جس قدر ضرورت ہو اس کی اجازت ہے۔

ھ: ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ہوٹل موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، کیا ایسے ہوٹلوں میں جہاں غیر شرعی امور بھی انجام دیئے جاتے ہیں، ایسے ہوٹلوں کی ملازمت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اصل میں ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لے کر سہولتوں کی فراہمی ہے، آنے والے مسافروں کے لئے جو ایک خدمت خلق ہے بلاتفریق قیام وطعام کی سہولت، لیکن ملازمت کرتے وقت یہ خیال رکھنا ضروری اور لازمی ہے کہ مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی

نہ ہو جائے، اس لئے یاد رہے کہ جس طرح کسی ناجائز اور خلاف شرع کام کرنا درست نہیں اسی طرح ایسے کاموں میں ملازمت بھی جس میں براہ راست غیر شرعی کاموں سے تعلق ہو یا براہ راست تعلق تو نہ ہو مگر اس میں معاون ہو حرام ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب سے متعلق کئی لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، اس لئے ایسے ہوٹلوں کی ملازمت یا قحبہ خانوں کی ملازمت درست نہیں ہے، ہاں البتہ ایسی ملازمت کی جاسکتی ہے جہاں براہ راست اس کاروبار سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، جیسے ہوٹل کی عمارت کی نگرانی یا ہوٹل کی مرمت وغیرہ۔

☆☆☆

مختلف ملازمتوں کے شرعی احکام

مولانا محمد قمر عالم قاسمی

۱-فوج و پولیس کی ملازمت فی نفسہ جائز ہے، البتہ ملازم بننے کے بعد ظلم کرنا جائز نہیں اور ظلم میں اپنے کمانڈر و پولیس کے اعلیٰ افسر کی اطاعت ضروری نہیں، " **لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**"۔

۲-انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لئے عدالتوں میں ملازمت کرنا جائز ہے۔

۳-انکم ٹیکس کے شعبوں میں بھی مسلمان ملازمت کرسکتا ہے۔

۴-مسلمان وکالت کے پیشہ کو اختیار کرسکتا ہے، وکیل اگر جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرے تو یہ اس کا ذاتی عمل ہے اور کسی کے ذاتی عمل سے وکالت کے پیشے میں قباحت نہیں آئے گی وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اور آخرت میں اس سے مواخذہ ہوگا۔

۵-ہوٹلوں میں ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے جبکہ حرام چیزوں کی فراہمی سے براہِ راست اس کا تعلق نہ ہو اور حرام چیزوں کی فراہمی جیسے شراب وخنزیر وغیرہ کا تعلق اس ملازم سے ہو تو ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

"**لأن النبي ﷺ لعن في الخمر عشرة وعد منها حاملها**" (فتاویٰ شامی ج:۵، ص:۳۴۵)۔

۶-عورتوں کے لیے بالغ لڑکوں کو باقاعدہ درس وتدریس کے طور پر پڑھانا جائز نہیں

ہے کبھی بھی فتنہ ہوسکتا ہے، اسی طرح مرد کے لئے بالغ لڑکیوں کو پڑھانا جائز نہیں اس میں بھی فتنہ اور برائی میں ابتلاء کا قوی امکان ہے۔ نیز بالغ لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم شرعاً جائز نہیں، اس لیے کہ کبھی بھی لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان ناجائز تعلقات پیدا ہوجانے کا خطرہ موجود ہے، (جیسا کہ آئے دن اس طرح کے اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں مشاہدہ ہورہا ہے)، لہٰذا موجودہ دور میں مخلوط تعلیمی نظام کا غلبہ ہوجانے کی وجہ سے ناجائز چیز جائز نہ ہوگی، کیوں کہ خلاف شرع رواج کا شریعت وسنت میں اور قرآن وحدیث میں کوئی اعتبار نہیں ہے کما قال تعالیٰ فی کلامہ المجید:

"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم إلى قوله: وقل للمؤمنت يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن (سورۃ النور آیت:۳۰-۳۱)وقال تعالىٰ: وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الأولى (سورہ الاحزاب:۳۳)۔عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله وسلم: إن الشيطان يجرى من الانسان مجرى الدم متفق عليه (مشکوۃ:۸،باب الوسوسہ)۔

وقال النبی ﷺ: النظر سهم مسموم من سهام ابليس (مستدرک حاکم ۴/۳۱۴)۔وقال النبی ﷺ:المرأة عورة فإذا خرجها استشرفها الشيطان اور صاحب رسم المفتی نے لکھا ہے:"العمل بالعرف مالم يخالف الشريعة" (رسم المفتی:۹۸)۔

☆☆☆

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

مولانا عبدالتواب اناوی

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله وأصحابه أجمعين. اما بعد!

فقال الله تبارک وتعالیٰ: تعاونوا على البر والتقوى ولاتعاونوا على الاثم والعدوان (المائدۃ)۔

(تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو اور ظلم و زیادتی اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو)۔

وقال تعالیٰ: ''الذی قدر فھدی''(الأعلیٰ)(وہ ذات جس نے مقدر ٹھہرایا پھر راہ دکھلائی)۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ انسانی ضروریات کی تکمیل اس طرح فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے ذہن و دماغ میں نظام دنیا کی الگ الگ ضروریات اور اس کے الگ الگ کاموں کی طلب پیدا فرما دیتے ہیں پھر مطلوب تک رسائی کے راستے بھی پیدا فرما دیتے ہیں جس سے دنیا کا ہر چھوٹا، بڑا کام اور ہر نفیس وخسیس پیشے نیز چھوٹے بڑے عہدے لوگ اپنی چاہت سے قبول کرتے ہیں اور خوشی کے ساتھ اس پر کاربند رہتے ہیں۔

پھر تعاون کی دو قسمیں ہیں: (۱) تعاون علی الخیر (۲) تعاون علی المعصیۃ، تعاون علی الخیر، بہر حال مطلوب ہے اور تعاون علی المعصیۃ گناہ ہے۔

پھر تعاون علی الخیر کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) تعاون بالعوض (۲) تعاون بلا عوض۔
تعاون بالعوض کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے ایک قسم ''اجارۃ'' ہے۔

اجارہ کی تعریف:

هي عقد على المنافع بعوض (اجارہ ایسا عقد ہے جو صرف نفع پر عوض کو مشروع کرتا ہے) (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الاجارۃ، ۴/ ۴۰۹۔ دیوبند)۔

اجارہ عوض کے بدلے نفع کے مالک ہونے کا نام ہے (ردالمحتار ۹/ ۶ دیوبند)۔

''**الاجارة عقد يرد على المنافع بعوض لأن الإجارة في اللغة بيع المنافع**'' (اجارہ نفع پر عوض لینے کے لئے مشروع ہے، کیونکہ لغت میں اجارہ منفعت کو بیچنے کا ہی نام ہے) (ہدایہ، کتاب الاجارۃ ۳/ ۲۹۳)۔

مذکورہ عبارات دال ہیں اس بات پر کہ اجارہ کسی شئ سے مستفاد ہونے والے نفع کو مبیع تصور کرتے ہوئے مستاجر سے ثمن حاصل کرنا خواہ وہ شئ جس سے حاصل ہونے والے نفع پر اجارہ کیا جا رہا ہے جاندار ہو جیسے، انسان، جانور، یا غیر جاندار ہو جیسے گھر، دکان، زمین اور دنیا کے تمام ساز و سامان۔

اجرۃ علی العمل کی چار صورتیں ہیں: (۱) الاجرۃ معلوم والعمل معلوم (۲) الاجرۃ معلوم والعمل مجہول (۳) العمل معلوم والاجرۃ مجہول (۴) الاجرۃ مجہول والعمل مجہول۔

فقہاء کرام نے اول اور ثانی کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ عمل بھی جائز ہو۔ ثالث کو اجارۃ فاسدہ اور رابع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ یعنی اجرت معلوم ہو، عمل معلوم ہو اور عمل جائز ہو تو اجارہ کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے اور ضرورۃ معاشرہ کے حق میں مطلوب بھی، اجرت معلوم عمل مجہول، فقہاء اس کو جائز کہتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ عمل مجہول عمل جائز بھی ہو۔

پھر عمل معلوم اور عمل مجہول کی دو صورتیں ہوں گی: (۱) عمل جائز، عمل ناجائز پر غالب ہوگا (۲) عمل ناجائز، عمل جائز پر غالب ہوگا۔ الاعتبار للغالب۔

اگر ناجائز عمل، جائز عمل پر غالب ہے تو اجارہ کی یہ صورت بالاتفاق علماءعظام کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ اگر ناجائز عمل پر جائز عمل غالب ہے تو فقہاء کے یہاں اس صورت میں اختلاف ہے، امام صاحب یعنی امام ابوحنیفہؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور صاحبین ناجائز۔

ملازمت خواہ کسی نوع کی ہو اجرۃ علی العمل کے ہی زمرہ میں ہے، لہٰذا مذکورہ صورتوں کے اعتبار سے ملازمت کی بھی صورتیں جداگانہ ہوں گی اور جس ملازمت کی شکل، مذکورہ صورتوں میں سے جس صورت کی ہم شکل ہوگی یا اس کے مشابہ ہوگی اس پر اسی صورت کا حکم جاری کیا جائیگا۔

الف–فوج:

یہ ایک حقیقت ہے کہ فوج کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور بسا اوقات اندرون ملک امن وامان کا قائم رکھنا ہے۔ جیسا کہ سوال نامہ میں بھی درج ہے، اور یہ بات تمام ملکوں کے ساتھ عام ہے خواہ ملک میں حکومت اسلامیہ ہو یا غیر اسلامیہ، ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور اندرون ملک امن وامان کی بحالی کا کام فوج سے لیا جاتا ہے اور یہ موجودہ دور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسلام سے قبل اور ابتداء اسلام میں بھی یہ صورت موجود تھی۔

رہی بات یہ کہ بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے تو یہ صورتیں کبھی کبھار واقع ہوتی ہیں جن کی مقدار اصل کام کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے۔

فوجی اپنے وار میں کمانڈر کے حکم کا تابع ہوتا ہے اور کمانڈر ملک کی سرحدوں کو محفوظ اور اندرون ملک فساد کو ختم کرکے امن کے قیام کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور یہ ذمہ داری ملک کی تعمیر اور حفاظت کا حصہ ہے۔ اسلام نے بھی ملک کی تعمیر وترقی اور اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے جس کی ایک نوع ملک کی سرحدوں پر فوج کے دستوں کا قیام ہے۔

دوسری طرف ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر فوج میں مسلمان شامل نہ ہوں تو یقینی طور پر وہ

فوج مسلمانوں کے حق میں نقصاندہ ثابت ہوگی نیز مسلمان معاشی لحاظ سے ایک بڑے ذریعہ معاش سے محروم ہوں گے جو مسلم معاشرہ کو تنزلی کی طرف لے جائے گا۔

لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ مسلمانوں کا فوج میں حصہ نہ لینا یقینی طور پر مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث ہوگا۔ اولاً: مسلم معاشرہ میں معیشت کی تنگی اور وسائل معیشت محدود کردینے کے مترادف ہوگا، ثانیاً: غیر مسلم افواج مسلمانوں پر ظلم وجور کی انتہاء کردینگی اور مسلمان اس طرح مظلومیت کے ایک بڑے غار میں محبوس ہو کر رہ جائیں گے، جبکہ یہ بات واضح ہے کہ اگر مسلمان فوج میں حصہ لیں تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو کبھی اپنے ہی بھائی پر وار کرنے کا موقع آئے چنانچہ سوال نامہ میں بھی یہی مذکور ہوا ہے کہ بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے، یا فوج کو ظالم مظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا تابع ہوتا ہے، اگرچہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ صرف شک وشبہات کے درجہ کی چیز ہے اور ضابطہ ہے ''الاحکام لاتتغیر من الشبہات'' شک وشبہات سے احکامات میں تبدیلی واقع نہیں کی جاتی، چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: **ویکرہ بیع السلاح فی أیام الفتنۃ۔ معناہ ممن یعرف أنہ من أھل الفتنۃ لأنہ تسبب إلی المعصیۃ۔ وإن کان لایعرف أنہ من أھل الفتنۃ فلایکرہ بالشک** (ہدایہ ۴/ ۴۵۶) یعنی ایام فتنہ میں اس شخص کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ شخص فتنہ گروں میں سے ہے اور جس کے بارے میں یہ وضاحت نہ ہو اس سے اسلحہ فروخت کرنا ایام فتنہ میں مکروہ نہیں ہے۔

اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کو شعبہ فوج میں ملازمت کرنا جبکہ وہ اس بات کا مکمل خیال رکھیں کہ ان مذکورہ خفیہ امور میں سے کسی امر کے وقوع کے وقت اپنی ممکنہ حد تک احتراز کا پہلو غالب رکھیں گے تو جواز کو مشروع ہونا چاہئے۔

ب-پولیس:

شعبۂ پولیس میں مسلمانوں کو ملازمت کرنا بھی تقریباً اسی حکم کا متقاضی ہے جو حکم فوج میں مسلمانوں کی ملازمت کا ہے، کیونکہ احکام تقریباً یکساں ہیں، البتہ مسلمان پولیس ملازم کو چاہئے کہ بدزبانی اور بدکلامی نیز شرعی احکام کی پامالی سے احتراز کرے، ورنہ یہ امر یقینی ہے کہ غیر مسلم پولیس مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور انہیں ظلم وجور کا تختۂ مشق بنالے گی اور کوئی مسلمان پولیس کی ظالمانہ گرفت سے باہر نہ ہوگا، نیز مسلمانوں کو اگر پولیس محکمہ میں ملازمت کرنے کا جواز فراہم کیا جائے تو دیگر مسلمانوں کو اپنے باہمی معاملات نزاعیہ میں عدل وانصاف کی توقع بھی ہوسکتی ہے، کیونکہ ضابطہ ہے: "الجنس یمیل الی الجنس" کہ جنس جنس کی طرف مائل ہوا کرتی ہے، لہٰذا اگر مسلمان احکام شرعیہ کی ادائیگی اور منہیات شرع سے احتراز کرتے ہوئے پولیس ملازمت اختیار کرنے کا خواستگار ہے تو ارباب افتاء کو اسے ملازمت کی اجازت دیدینی چاہئے۔

ج-مخبری:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: "ولا یغتب بعضکم بعضا" (یعنی تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے)۔

نیز اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "الغیبۃ اشد من الزنا" (غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے)۔

قرآن وحدیث میں غیبت کو بہت ہی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے، بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ غیبت کرنا اپنے مردار بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف ہے، چنانچہ بے شمار حدیثیں اس باب میں موجود ہیں۔

لیکن کیا شعبۂ مخبری میں جو تجسس اور غیبت کا ارتکاب ہوتا ہے یہ اور یونہی عوام الناس میں جو غیبت اور تجسس پھیلا ہوا ہے، دونوں کا ایک ہی حکم ہے! اگر دونوں کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھا جائے تو دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔

غیبت کے دو اہم پہلو ہیں:

(۱) کسی آدمی کی برائی (بری عادت وغیرہ) لوگوں پر ظاہر کرنا اس مقصد کے تحت کہ سماج میں اس کی بے عزتی ہو، کسی کے سامنے جانے میں اس کو شرمندگی ہو، اس کا وقار گھٹ جائے، شریعت نے اسی کو حرام کہا ہے اور در حقیقت اسی کا نام غیبت ہے۔

(۲) کسی آدمی کی برائی (یعنی بری عادت وغیرہ) لوگوں پر یا عدلیہ محکمہ پر ظاہر کرنا اس مقصد کے تحت کہ اس کی اصلاح ہو جائے اور معاشرہ میں فساد پڑنے سے بچ جائے اور مجرم کو سزا مل جائے اور لوگ اس کی سزا کو دیکھ کر یا سن کر عبرت پکڑیں تو اسلام نے اس تجسس کو غیبت کا حکم نہیں دیا بلکہ ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، مثلاً ایک آدمی چوری کرتا ہے جس کے چوری کرنے کا علم کسی پر ظاہر نہیں ہوتا، ایک آدمی نے اسے دیکھ لیا لیکن وہ اسے چوری سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو اسلام کا حکم ہے کہ وہ یہ خبر عدلیہ تک پہنچائے تاکہ عدلیہ اسے پکڑ کر سزا دے اور تمام معاشرہ اس سے عبرت پکڑے، نیز معاشرہ میں کوئی فساد پڑ گیا لیکن فسادی کا پتہ نہیں چلتا تو اس کے پکڑنے کے لئے اور پکڑ کر سزا دیکر معاشرہ کو فساد سے بچانے کے لئے مجرم کی نظروں سے چھپ کر مجرم کو پکڑنے کی اسلام نے بھی اجازت دی ہے اور اسی کا نام تجسس ہے جس کے لئے آج باضابطہ ملکی سطح پر شعبہ جات قائم ہیں تو اگر اس شعبہ میں مسلمان ملازمت نہ کریں تو یہ امر یقینی ہے کہ غیر مسلم مخبر اور تجسس بے گناہ مسلمانوں کو ناحق مجرم بنا کر ظلم و جور کا کھلا مظاہرہ کریں گے اور مسلمانوں کو ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنا پڑے گی، نیز اگر مسلمان بھی اس شعبہ میں ملازم ہوں گے تو اس صورت میں بہت سے مسلمان ظلم و جور سے بچ سکتے ہیں اور اگر کوئی ناحق پھنس بھی گیا تو تفتیشی حالات میں کچھ رعایت روا رکھنے کی توقع بھی کی جاسکتی ہے، اس لئے حصول منفعت اور سدا للضرر مسلمانوں کے حق میں اس شعبہ میں بھی ملازمت کرنے کی گنجائش بلکہ اجازت ہونی چاہئے۔

د-عدالت:

شریعت اسلامیہ عوام الناس میں پھیلے نزاعی معاملات کے فیصلوں کے لئے جگہ جگہ

نظام عدالت اوران میں فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کرتی ہے اورقرآن وحدیث کی روشنی میں باہمی نزاع کودور کرتی ہےاورمسلمان خدا کےفرمان "فان تنازعتم فی شئ فردوہ إلی اللہ" کےتحت ان صادرشدہ فیصلوں کوبسروچشم قبول کرتے ہیں۔

لیکن کیاغیرمسلم حکومت کی عدالتوں میں بھی یہ تصورممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ غیرمسلم حکومت میں جوعدلیہ قائم ہیں ان کوانصاف کے لئے اسلامی اصول واحکام کی پاسداری ضروری نہیں، البتہ اتناتو کہاجاسکتا ہے کہ عدلیہ کوقائم ہی اس لئے کیا جاتا ہے کہ مظلوم کومظلومیت سے نکالا جائے اور ظالم کوسزا دی جائے اورمحروم الحق کوحق دلایا جائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ انصاف اورفیصلہ احکام اسلام کے مطابق ہو۔غیرمسلم عدالتوں میں بہت سے فیصلے ان قوانین پر بھی ہوتے ہیں جوقانون اسلام کے مغائراورمتصادم ہیں،لیکن عدلیہ کےتمام قوانین احکام اسلام کے خلاف ہوں ایسابھی نہیں بلکہ کچھ قوانین عدلیہ قوانین اسلام کے موافق ہیں اورکچھ مخالف بلکہ اکثرموافق ہیں اوربعض غیرموافق اورجمہوریت کے غیرمسلم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہیں کہ ان غیرموافق اسلامی قوانین کواسلامی قوانین کے موافق تبدیل کردیں۔اب مسلمانوں کے حق میں یہ رہ گیا کہ یا تووہ موجودہ اسی نظام کےتحت ملازمت کریں یااپنے گھر بیٹھیں۔

دوسرا پہلو:

اگرمسلمان نظام عدالت میں ملازمت نہ کریں اوراس بناپر کہ عدالت میں چونکہ بہت سے اصول وقوانین اسلامی قوانین کے مغائر ہیں لہٰذا مسلمانوں کے لئے ایسی عدلیہ میں ملازمت درست نہیں ہےاورایسی ملازمت سے دست برداری اختیار کرلیں،تواس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عدلیہ شاید ہی کوئی فیصلہ حق وانصاف پر کرےاورکچھ بعید نہیں کہ جوقوانین ابھی تک احکام اسلام کے موافق ہیں ان کوبھی اپنے دستورسے خارج کردیں اورپھرمسلمانوں کا کوئی ایک بھی فیصلہ حق پر نہ ہوبلکہ وہ ہراعتبار سے ظلم واستبداد کا شکارہوجائیں۔

اس تناظر میں اگر مسلمانوں کو عدلیہ میں ملازمت کی اجازت دیدی جائے تو یہ امر متوقع ہے کہ عدالت کے دستور میں جو قوانین اصول شریعت کے موافق ہیں کم از کم ان میں تبدیلی متصور نہیں ہوگی، نیز عدالت میں جو فیصلے غیر مسلم ملازمین مسلمانوں کے حق میں ناحق کرنا چاہیں گے مسلمان ملازمین کی موجودگی میں وہ ایسا نہ کرسکیں گے۔ نیز مسلم معاشرہ کا معاشی پہلو بھی اس سے وابستہ ہے یہ وہ نقاط ہیں جن کے پیش نظر ''**الضرر یزال**'' اور ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' کے قاعدے سے نظام عدلیہ میں بھی مسلمانوں کو ملازمت کی اجازت ہونی چاہئے۔

۵- انکم ٹیکس:

یہ بات اپنی جگہ پر بالکل درست اور مسلم ہے کہ کوئی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی خواہ حکومت اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہر کسی کے یہاں ٹیکس اور خراج کی صورت رہی ہے خواہ اس کی شرحیں کچھ رہی ہوں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی بہت سے ٹیکس حکومت کی طرف سے نافذ کئے گئے ہیں، انہیں میں سے ایک انکم ٹیکس ہے یہاں پر بھی دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) انکم ٹیکس حکومت کا نافذ کردہ ہے جس کو ہمیں بہرصورت ادا کرنا ہوگا، (۲) انکم ٹیکس کے محکمہ میں غیر مسلم ملازمین ظلماً مسلمانوں کی انکم سے زیادہ انکم ٹیکس نافذ کرسکتے ہیں اور وہ مسلمان جو واقعتہً انکم ٹیکس سے قانونی طور پر بچے ہوتے ہیں کسی نہ کسی طرح یہ ظلم ان پر بھی روا سمجھا جاسکتا ہے جو ظلم پر ظلم ہوگا، نیز اگر اس محکمہ میں مسلمان بھی ملازم ہوں گے تو اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ مسلمانوں پر قانوناً ہی سہی بقدر منفعت ٹیکس لاگو کیا جائے گا نیز وہ مسلمان جو قانوناً انکم ٹیکس کے زمرہ میں نہیں آتے وہ اس ظلم سے بچے رہیں گے، اس لحاظ سے اگر دفع ظلم اور دفع حرج کے حوالے سے مسلمانوں کو شعبہ انکم ٹیکس میں ملازمت کی اجازت ہوجائے تو مسلم معاشرہ کا یقیناً نفع آور ہی سودا ہوگا۔

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

آپ کو اپنی جائز ملازمت میں کچھ ایسا کام بھی کرنا پڑتا ہے جس کی شرعا اجازت نہیں، تو جائز کام کے مقابلہ میں اگر دوسرا کام کم ہے تو اپنی ملازمت ترک نہ کریں (فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۴۰۱)۔

الف۔ بینک: بینک اصولی درجہ میں سودی لین دین کا کاروبار کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: "یاایھاالذین آمنو الاتاکلوا الربا" (اے ایمان والوں سود مت کھاؤ)، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا سود لینا، سود دینا، سودی حساب وکتاب لکھنا، سود پر گواہ بننا یا دیگر صورتوں سے سود کو فروغ دینا اس کا تعاون کرنا یہ سب حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے "احل اللہ البیع وحرم الربا" میں حرمت ربا کا اعلان کردیا ہے جو اس کے تمام متعلقات کو بھی شامل ہے، اس لحاظ سے بینک کے بنیادی کاموں میں تو ملازمت جائز نہ ہوگی کیوں کہ بینک کے جو بنیادی کام ہیں اس کی حرمت پر نص قطعی موجود ہے، البتہ بینک کے غیر بنیادی کام مثلا بینک کی صفائی، اس میں موجود برقی نظام کی مرمت، اس کی رنگائی پتائی، اس کی حفاظت، اس کیلئے مکان کی تعمیر یا اس کے لئے دیئے گئے مکان کی اجرت وغیرہ، ظاہر ہے کہ اس کا تعلق نہ سودی لین دین سے ہے اور نہ سودی معاملات میں بظاہر انکا کوئی تعاون ہے، لیکن درحقیقت ان سب کا تعاون کسی نہ کسی درجہ میں بینک کو پہونچتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے اداروں میں ملازمت کرنا جائز ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ درپردہ یہ تعاون علی الربا ہی ہے، اس لئے ان کی اجرت عمل جائز نہ ہوگی، چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"إذا استاجر الذمی من المسلم بیتا لیبیع فیه الخمر جاز عند ابی حنیفة خلافا لهما" (ہندیہ کتاب الاجارۃ ۴/ ۴۹۴، دیوبند)۔

ایک کافر نے مسلمان سے شراب بیچنے کے لئے ایک گھر کرایہ پر لیا۔ امام صاحب کے نزدیک یہ اجارہ جائز اور صاحبین ناجائز کہتے ہیں: "ولو آجر نفسه لیعمل فی الکنیسة

ویعمرها لاباس به لأنه لامعصیة فی عین العمل" (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع ۹/۴۷۷)۔

ب: انشورنس

انشورنس کمپنی کا کاروبار ربا اور قمار پر مبنی ہے جس کی حرمت قطعی ہے اور انشورنس کے کسی بھی شعبہ میں ملازمت تعاون علی المعصیت ہے، اس کی تمام صورتوں کا حکم یکساں ہے، انشورنس کمپنی کی ملازمت مطلقا جائز نہیں خواہ ایجنٹ کی حیثیت سے ہو یا کسی اور طرح سب ناجائز ہے۔

ج-شراب:

قرآنی آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر کہی جاسکتی ہے کہ شراب کی کمپنی میں شراب سے متعلق جتنے بھی کام ہیں وہ سب ملعون ہیں، ان میں سے کسی ایک کام کی بھی شرعا اجازت نہیں ہے، البتہ کمپنی کو بوتل بنا کر دینا اگر وہ بوتل مخصوص ہیں شراب کے لئے کسی اور کام میں صرف نہیں ہوتیں تو انکا یہ عمل نا درست معلوم ہوتا ہے ورنہ نہیں، نیز حساب وکتاب لکھنا اور کمپنی کو وہ اجزا فراہم کرنا جس سے شراب بھی بنائی جاتی ہے کسی حد تک گنجائش طلب ضرور ہے، اسی طرح کمپنی کے ان کاموں میں ملازمت کرنا جن کا براہ راست شراب سے تعلق نہیں ہے جائز ہونا چاہئے۔

الف-سپر مارکیٹ:

سپر مارکیٹ میں اکثر اشیاء پاک اور جائز ہوتی ہیں اور انہیں کی اکثر خرید فروخت ہوتی ہے اگر صرف اتنا ہی ہے تو ملازمت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن چونکہ اس میں ایک گوشہ شراب کی بھی خرید فروخت کا ہے تو ملازمت میں شبہ ہوگیا اس شبہ کی وجہ سے حکم یہ ہوگا کہ اگر تمام ملازمین پر ضروری ہے کہ وہ مارکیٹ کی تمام اشیاء کے ساتھ شراب بھی فروخت کریں یا خرید کرلائیں تب تو

ملازمت درست نہ ہوگی اور اگر یہ قید نہ ہو بلکہ اگر کوئی ملازم اپنے آپ کو شراب سے بچانا چاہے تو بچا سکتا ہو تو شراب سے احتراز کرتے ہوئے سپر مارکیٹ کی ملازمت درست قرار دیا جانا چاہئے۔

ب۔جس ادارے میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے حجاب کی کوئی قید نہیں ہے خواہ یہ صورت استاد اور استانیوں کے درمیان ہو یا طلبہ اور طالبات کے درمیان بے پردگی جائز نہیں ہے، البتہ جہاں تک ملازمت کا مسئلہ ہے وہ اجرت علی العمل ہے اور عمل جائز ہے، اس لئے ملازمت جائز ہوگی، البتہ جس درجہ میں بے پردگی ہوگی اس درجہ کا گناہ بھی ہوگا لیکن اجرت جائز ہوگی۔

ج۔وکالت کے پیشہ میں اصلا کوئی قباحت نہیں وکیل خود اپنے طور پر اس میں جھوٹ بول کر یا دوسرے محرمات اختیار کر کے خرابی پیدا کرتا ہے، اگر کوئی وکیل محرمات اختیار نہ کرے بلکہ سچائی کے ساتھ وکالت کرے تو اس کی وکالت مسترد نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی حیثیت میں اضافہ ہوگا اور اسے اصول پسند اور حقیقت پسند وکیل کہا جائے گا، اس لئے مسلمان اگر وکالت کا پیشہ مسلمانوں کو ان کے حقوق دلانے اور عدل وانصاف کے فروغ کے لئے کرتا ہے تو اسے جائز کہا جائے گا۔

د۔جن ہاسپٹلوں میں اپنی آمدنی میں اضافہ کی غرض سے آپریشن کی ضرورت نہ ہونے والے مریضوں کے بھی آپریشن کرتے ہیں نیز مرض سمجھنے کے باوجود ٹیسٹ لکھتے ہیں یہ کھلا ہوا ظلم ہے اور دوسروں کے مال سے جبرا اپنا پیٹ بھرنا ہے جو شرعا حرام ہے۔اسی طرح مرد کو عورت کا قابل ستر حصہ کے آپریشن کرنے اور عورتوں کو مردوں کے قابل ستر حصہ کے آپریشن کرنے پر مجبور کرنا یہ بھی ہاسپٹل انتظامیہ کا کھلا ہوا ظلم ہے جس کی شرعا اجازت نہیں ہے۔رہا ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کا حکم تو اگر ملازم کے سپرد مذکورہ ظالمانہ کام نہ ہوں بلکہ دوسرے جائز کام ہوں تو ملازمت جائز ہونی چاہئے۔

ھ۔سیر وسیاحت کے لئے ہوٹل یقینا ایک لازمی ضرورت ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور ہوٹلوں میں جو ناجائز امور انجام پا رہے ہیں وہ حرام ہیں رہی ملازمت، تو اگر انہیں

ناجائز امور کی ملازمت ہے تو مطلقا حرام ہے اور اگر جائز امور سے ملازم کا کوئی تعلق نہیں تو ملازمت بلا کراہت درست ہوگی اور اگر ملازمت اصلا جائز امر کی ہے لیکن کچھ کام ناجائز بھی کرنا پڑے تو ملازمت جائز ہوگی، لیکن ناجائز امور کے کرنے کا گناہ ہوگا اور اگر جائز امور کی مقدار ناجائز امور سے گھٹ جائے تو ملازمت ناجائز قرار دی جائے گی۔

☆☆☆

مختلف قسم کی ملازمت سے متعلق شرعی احکام

مولانا محمد منصف بدایونی ☆

۱-الف، ب: فوج اور پولیس دونوں کا بنیادی مقصد امن وامان کا قیام، ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا ہے علاوہ ازیں اس شعبہ میں مسلمان کا ہونا یقیناً مسلمانوں کے لئے مفید اور ظلم و زیادتی سے بچنے میں معین ہے، اب رہا کہ فوج یا پولیس کو کبھی تحقیق کئے بغیر کمانڈر کے حکم پر گولی چلانی پڑتی ہے اس میں اگر مسلمان یہ ارادہ کرلے کہ فسادیوں اور ظالموں کو دفع کرنے کے لئے میں یہ گولی چلا رہا ہوں تو "**الامور بمقاصدها**" (الاشباہ والنظائر ص ۵۳) کے تحت اس کی اجازت ہے، اس قاعدہ کے تحت ایک جزئیہ بھی نقل کیا ہے "**الکافر اذا تترس بمسلم الخ**" کہ کافر اگر کسی مسلمان کو ڈھال بنالے تو کافر کو قتل کرنے کے ارادہ سے قتل کرنا جائز ہے اور پولیس کا بدزبان ہونا یا ظالم بن جانا یہ ان کی کوئی مجبوری نہیں ہے، حتی الامکان اس سے بچنا لازم ہے اور اگر یہ ان کی مجبوری ہو یا کہیں کسی موقع پر اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے اس ضرر خاص کو برداشت کیا جاسکتا ہے، قاعدہ ہے: "**یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام وعلیه فروع کثیرۃ منها الحجر علی الطبیب الجاهل والمفتی الماجن دفعا للضرر العام**" (الاشباہ والنظائر ص ۱۴۳)۔

لہذا ان دونوں محکموں میں ملازمت کی اجازت ہوگی۔

ج- مخبری اور تجسس اگر ضرر سے بچنے، جرائم کو روکنے اور حق والے کو اس کا حق دلانے کے

☆ استاذ الحدیث والافتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد، امروہہ اتر پردیش۔

لئے کیا جائے تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے (ابوداؤد باب فی الرجل یبتاسر ۲/ ۲۶۰) پر روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر دس صحابہ کو جاسوسی کے لئے بھیجا تھا اور حضرت عاصم بن ثابت کو ان پر امیر مقرر فرمایا تھا، اسی طرح بنو قریظہ کی جاسوسی کے لئے حضرت زبیرؓ کو بھیجا تھا (بخاری ۱/ ۵۲۷)، جاسوسی کے دوران جھوٹ اور غیبت کے بغیر کام چلتا ہو تو ہرگز غیبت نہ کرے اور نہ جھوٹ بولے، امن وامان کے قیام اور دفع جرائم کے مقصد سے اگر جھوٹ بولے یا غیبت کرے تو اس کی اجازت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس ویقول خیرا وینمی خیرا**" (متفق علیہ مشکوۃ ص ۴۱۲)۔

د- خلاف شریعت فیصلہ کرنا یا اس کے نفاذ وترویج کا ذریعہ بننا ظاہر بات ہے کہ ناجائز ہے، لیکن ہندوستان جیسے ملک میں (جس کا نظام جمہوری ہے) یہ کہہ کر کہ اس کا نظام عدل قرآن وسنت کے موافق نہیں ہے یا قرآن وسنت سے متصادم ہے مسلمان اگر دور ہو جائیں تو حکومت کا رویہ تو پہلے سے ہی مسلمانوں کے تئیں منصفانہ نہیں ہے، ایسی شکل میں مسلمانوں کی مظلومیت کا بڑھ جانا امر یقینی ہے، اس لئے مقصد اگر عدل وانصاف کے ساتھ صحیح فیصلے کرنا اور حق والے کو حق دلانا ہو تو اس محکمہ کی ملازمت جائز ہوگی بلکہ اس میں کوشاں رہنا چاہئے تا کہ مسلمانوں کی مظلومیت کم سے کم کی جا سکے۔

اس کی نظیر حضرت یوسف علیہ السلام کا امانت و دیانت کے ارادہ سے غیر اسلامی حکومت میں عہدے کا مطالبہ ہے، اگر کوئی شخص عدل کے ساتھ کسی کام کو انجام دینے کی امید رکھتا ہو تو اس کے لئے اس کام کو قبول کرنا باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے تا کہ ظلم سے حفاظت ہو سکے۔

"**ویوجر من قام بتوزیعها بالعدل......لانه لو ترک توزیعها الی الظالم ربما یحمل بعضهم مالایطیق فیصیر ظلما علی ظلم ففی قیام العارف بتوزیعها بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجر**" (رد المحتار کتاب الزکوۃ قبیل باب المصرف)۔

(وہ شخص جو عدل کے ساتھ اس کو تقسیم کرے وہ اجر کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ اگر اس کی تقسیم ظالم کے سپرد کردی جائے تو بسا اوقات وہ بعض لوگوں پر ان کی طاقت سے زیادہ لازم کرے گا تو یہ ظلم ہوجائے گا، لہذا عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کی ذمہ داری قبول کرنے میں ظلم کو کم کرنا ہے اس لئے اس کو اجر دیا جائے گا)۔

ھ- انکم ٹیکس ایک ظالمانہ اور غیر معقول ٹیکس ہے جس کی شریعت اسلامیہ اجازت نہیں دیتی ایک شخص خون پسینہ سے کماتا ہے اور بسا اوقات اس پر ساٹھ ستر فیصد سے بھی زیادہ ٹیکس لگادیا جاتا ہے، جو سراسر ظلم ہے، اور ارشاد باری تعالی ہے:"**ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان**" (مائدہ:۲) (کہ تم گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو)۔

۲-الف: بینک میں بنیادی طور پر سودی کاروبار ہوتا ہے اور سود کے بارے میں حضور علیہ السلام نے چند لوگوں پر لعنت فرمائی ہے،"**عن جابرؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال: هم سواء**" (صحیح مسلم ۲/۲۷) (اللہ کے رسول ﷺ نے سود کھانے والے (لینے والے) اور کھلانے والے (دینے والے) اور سود کا معاملہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے)، حدیث مذکور میں اللہ کے رسول ﷺ نے کاتب اور شاہدین کو گناہ میں سود خور کے مساوی قرار دیا ہے۔

نیز بینک میں دو طرح کے اعمال ہوتے ہیں: ۱- وہ اعمال جو سود کے معاملہ میں مدد ومعاون ہوں، ۲- وہ اعمال جن کا تعلق سود کے معاملہ سے نہ ہو پہلے اعمال کی ملازمت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، اور دوسرے قسم کے اعمال مثلاً کمپیوٹر، ایئر کنڈیشن کی مرمت یا ان کے علاوہ وہ تمام اعمال جن کا تعلق سودی معاملہ سے نہ ہو ان کی ملازمت جائز ہوگی، بشرطیکہ اس بینک کا اصل سرمایہ سودی رقم سے زیادہ ہو کیونکہ بینک کی ملازمت دو وجہوں سے حرام ہے: ۱-"**تعاون علی الاثم**" ۲-"**اخذ الاجرة من المال الحرام**"، تو اگر بینک کا اصل سرمایہ سودی رقم سے زیادہ نہ ہوا تو دوسری قسم کے اعمال کی ملازمت بھی جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ اس میں دوسری وجہ

"اخذ الاجوة من المال الحرام" پائی جارہی ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے:

"ومن هنا ظهران التوظف في البنوک الربوية لا يجوز فان کان عمل المؤظف في البنک ما يعين على الربا کالکتابة أو الحساب فذلک حرام لوجهين؛ الأول إعانة على المعصية، والثاني، اخذ الاجرة من المال الحرام فان معظم دخل البنوک حرام مستجلب بالربا وأما اذا کان العمل لا علاقة له بالربا فانه حرام للوجه الثاني فحسب فاذا وجدبنک معظم دخله حلال جاز فيها التوظف للنوع الثاني من الأعمال" (تکملہ فتح الملہم ۱/۵۷۵)۔

مکان بینک کو کرایہ پر دینا:

بالقصد والارادہ مکان بینک کو کرایہ پر دینا نا جائز ہے اس لئے کہ یہ تعاون علی الاثم ہے اور اگر پہلے مطلق ایک شخص کو مکان کرایہ پر دیا ہو بعد میں وہ شخص اس میں بینک کا کام شروع کردے یعنی سودی کاروبار شروع کردے تو اس کا گناہ مالک مکان کو نہیں ہوگا۔

"ولابأس بان يؤاجر المسلم دارامن الذمي ليسکنها فان شرب فيها الخمر أو عبدفيها الصليب أو دخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم اثم في شئ من ذلک، لأنه لايواجرها لذلک فالمعصية في فعل المستاجر وفعله دون قصد رب الدارفلا اثم على رب الدار في ذلک" (مبسوط ۶/۳۹ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع السعادۃ بجوار محافظہ مصر)۔

ب- انشورنس کمپنی کا کاروبار ربوا اور قمار پر مبنی ہوتا ہے اور ان دونوں کی حرمت منصوص علیہ ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "احل الله البيع وحرم الربو" وغير ذلک من الآيات والاحاديث الشريفه"۔

اور قمار کہتے ہیں کہ جانبین سے مال ہو اور مال کی ملکیت کو کسی ایسے امر پر معلق کرنا جس

کا وجود وعدم دونوں کا احتمال ہو اور وجود وعدم کی صورت میں جانبین میں سے کوئی ایک اس کا مالک بن جائے،"عرفوه بانه تعليق الملک على الخطر والمال في الجانبين" (التعریفات الفقہیہ/ص ۴۳۴) قمار کی حرمت بھی منصوص علیہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه"(سورۂ مائدہ:۹۰)۔

اس لئے انشورنس (جان کا ہو یا مال کا) اصل حکم یہ ہے کہ وہ ناجائز ہے، البتہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ فرقہ پرست عناصر منصوبہ بند طریقہ سے مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور حکومت کی ان کو پشت پناہی ہوتی ہے یا حکومت محض خاموش تماشائی بنی رہتی ہے، حالانکہ جان و مال کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

ان مخصوص حالات میں وہ مقام جہاں ہر وقت جان و مال کو خطرہ لاحق ہو وہاں انشورنس کی اجازت ہوگی، نیز جان کے مقابلہ میں املاک کو خطرہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے اس میں گنجائش بھی زیادہ ہوگی، "الضرورات تبيح المحظورات" (الاشباہ والنظائر/ص ۱۴) کے تحت یہ اجازت ہے۔

ہاں جہاں یہ ضرورت نہیں پائی جائے گی یعنی جن مقامات پر جان و مال کو خطرات لاحق نہ ہوں وہاں اس کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

اسی طرح یہ ضرورت انشورنس کمپنی میں ملازمت کے بغیر پوری ہوجاتی ہے تو اس میں ملازمت یا ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ ضرورت کو بقدر ضرورت ہی مانا جاتا ہے:"ما ابيح للضرورة يتقدر بقدرها" (الاشباہ والنظائر/ص ۱۴)۔

ج-شراب کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے کئی لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، "قال رسول الله ﷺ: لعن الله الخمر وشاربها وساقيها بائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة اليه"، حدیث شریف شراب سے متعلق کسی بھی طرح کے تعاون کے ناجائز ہونے پر دلالت کررہی ہے، مزید اللہ تعالی کا ارشاد پاک ہے:"انما

الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ" (سورۂ مائدہ/۹۰) کہ شراب اور جوا اور بت اور تیر گندگی ہے، شیطانی کام ہیں، لہذا ان سے بچو۔

معلوم ہوا کہ شراب کی کمپنی ہی اگر بوتل وغیرہ بناتی ہے تو اس کا مقصد ہی شراب کے لئے بوتل تیار کرنا ہے۔

البتہ اگر بوتل دوسری کمپنی تیار کرتی ہے، وہ شراب کی کمپنی کے ہاتھ فروخت کرے یا شراب کے اجزاء شراب بنانے والی کمپنی کے ہاتھ فروخت کئے جائیں اور شراب میں تعاون کرنا مقصد نہ ہو بلکہ مقصد صرف تجارت ہو، اسی طرح حساب وکتاب لکھنے میں صرف مقصد حساب و کتاب کی درستگی ہو، ایسے کاموں کی ملازمت امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن صاحبین نے ان کو بھی مکروہ کہا ہے، وحاملہا کے تحت شیخ گنگوہیؒ نے لکھا ہے: "**ان المراد الحامل للشرب فالاجیر الحمال لذمی لاید خل فیه الخ**" (بذل المجہود ۱۱/۲۰۸، مطبع البحوث اعظم گڑھ)، "**ومن حمل الذمی خمرا فانه یطیب له الاجر عند ابی حنیفة وقال ابویوسف و محمدؒ: یکرہ ذلک کله الخ**" (ہدایہ ۴/۴۷۳ کتاب الکراہیۃ) اور الاشباہ والنظائر (۱۱۳)، الفن الاول پر ہے "**ان بیع العصیر ممن یتخذہ خمرا ان قصدبه التجارۃ فلا یحرم وان قصد به لاجل التخمیر حرم و کذا غرس الکرم علی ھذا**" اور یہ جزئیہ "**الامور بمقاصدھا**" کے تحت ہے، معلوم ہوا کہ ان کاموں کی حلت وحرمت میں ارادہ کو دخل ہے اگر یہ کام شراب کی کمپنی میں ہی کئے جائیں تو شراب میں تعاون کے علاوہ دوسرا مقصد نظر نہیں آتا اور یہ تعاون علی الاثم ہے، لہذا شراب کی کمپنی کے تحت ان کاموں کی ملازمت نا جائز ہوگی۔

نیز مذکورہ کاموں کی اجازت شراب کی کمپنی سے باہر رہتے ہوئے ہوگی، تاہم احتیاط صاحبین کے قول میں ہے، اور قاعدہ بھی ہے: "**اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام**" کہ حلال اور حرام جب دونوں جمع ہو جائیں تو غلبہ حرام کو دیا جائے گا (الاشباہ والنظائر ص ۱۷۰)۔

۳-الف: سپر مارکیٹ کے ملازم کا شراب کے گوشہ سے لین دین کا کوئی تعلق نہ ہو یا اگر ہو تو صرف حمالی (یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے) کا ہو "**ومن حمل الذمي خمرا فانه يطيب له الاجر عند ابی حنيفة الخ**" (ہدایہ ۴/ ۴۷۳) تو اس کی ملازمت جائز ہے خاص اس گوشہ کی ملازمت جائز نہ ہوگی۔

ب- مرد اساتذہ کے لئے لڑکیوں کو تعلیم دینا اور خواتین استانیوں کے لئے لڑکوں کو تعلیم دینا مندرجہ ذیل شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱- پردہ شرعی کی مکمل رعایت ہو، یعنی عورت کے مکمل بدن کے ساتھ چہرہ پر بھی نقاب ہو، ارشاد باری تعالی ہے: "**قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم**" (سورۂ نور:۳۰)، **وقال تعالى:** "**قل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن**" (سورۂ نور:۳۱)۔

۲- لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ نہ بیٹھیں بلکہ بیچ میں پردہ حائل ہو۔

۳- اگر دنیاوی اعلی تعلیم دی جارہی ہو تو اس میں مخرب اخلاق یا اسلامی عقائد پر مضر اثرات ڈالنے والا کوئی مضمون نہ پڑھایا جائے۔

لیکن اسکولوں اور کالجوں کا مروجہ طریقہ تعلیم حدود شرعی اور حدود اخلاق دونوں سے متجاوز ہے، اور کورس میں کچھ ایسے مضامین بھی شامل ہیں جو اسلامی عقائد و اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس مروجہ طریقہ پر تعلیم دینا شرعا جائز نہ ہوگا۔

"**وسئل رحمه الله ما حكم تعليم النساء الكتابة......فأجاب......ان النبي ﷺ قال: لا تنزلوهن في الغرف ولا تعلموهن الكتابة يعني النساء......وحينئذ فيكون فيه اشارة الى علة النهي عن الكتابة وهي ان اذا تعلمتها توصلت بها الى اغراض فاسدة و امكن توصل الفسقة اليها على وجه اسرع وابلغ واخدع من توصلهم اليها بدون ذلك**" (الفتاوی الحدیثیہ/ص ۱۱۹ مطلب یکرہ تعلیم النساء الکتابۃ قدیمی بحوالہ فتاوی محمودیہ ۳/ ۴۷۵ مکتبۃ الجلیل)۔

ج- وکالت کا پیشہ ایک اچھا پیشہ ہے اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ وکیل کا مقصد انصاف دلانا، ظالم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانا ہے اگر وکیل اپنے مؤکل کو اس کے واقعی حق کو دلانے کے لئے جھوٹ سکھائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس ویقول خیرا وینمی خیرا"** (مشکوٰۃ المصابیح/ص ۴۱۲)۔

ظالم کے لئے وکالت کرنا اور حق والے کو حق سے محروم کرنے کے لئے وکالت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، **"ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان"**۔

د- انسان اشرف المخلوقات ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو مکرم ومحترم بنایا ہے، ارشاد خداوندی ہے: **"ولقد کرمنا بنی آدم "** (بنی اسرائیل/ص ۷۰)، **وقال تعالی: "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"** (سورۂ تین/۴)۔

بلکہ حدیث شریف میں تو مردہ انسان کو بھی توڑنے، زندہ انسان کی ہڈیوں کو توڑنے کے مانند قرار دیا ہے، یعنی گناہ ہے، **"کسر عظم المسلم میتا ککسرہ وھو حی قال مالک: تعنی فی الاثم"** (مؤطا امام مالک/ص ۸۳ باب ماجاء فی الاختفاء وھو النبش مطبع یاسر ندیم اینڈ کمپنی) اور فقہاء کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ آدمی کا بدن مکرم ہے چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے بلاضرورت و بلاوجہ آپریشن کرنا جائز نہیں، بلکہ مریض کو یہ جتانا کہ آپریشن ضروری ہے مریض کو دھوکا دینا ہے اور دھوکا دینا بھی جائز نہیں۔

مرد ڈاکٹر خواتین کے قابل ستر حصہ کا علاج نہ کریں اور نہ ہی خاتون ڈاکٹر مردوں کے قابل ستر مقام کا علاج کرے۔

خواتین کے علاج کے لئے خاتون ڈاکٹر اور مردوں کے علاج کے لئے مرد ڈاکٹر اگر مہیا نہ ہوں تو ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہوگی۔

لیکن محل مرض کےعلاوہ دوسرے مقام کوکھولنا اوردیکھنا جائز نہیں ہوگا، یعنی جن اعضاء کو کھولےبغیر کام چل سکتا ہوتو ان کو ہرگز نہ کھولا جائے، اس لئے کہ ضرورت کوبقدرضرورت ہی ماناجاتا ہے،"**ويحرم النظر الى العورة إلاعند الضرورة كالطبيب والخاتن......ولايتجاوز قدر الضرورة وفي التبيين وينبغي للطبيب ان يعلم امرأة اذا كان المريض امرأة ان امكن لان نظر الجنس الى الجنس اخف وان لم يمكن يستر كل عضو منها سوى موضع المرض......لان مايثبت للضرورة يتقدر بقدرها**" (مجمع الانہر مع شرح ملتقی الابحر ۴/۹۹،۲۰۰ مکتبہ فقیہ الامت، تبیین الحقائق ۷/۴۰ زکریا بک ڈپو، شامی ۹/۵۳۳ زکریا) مذکورہ تفصیل کے ساتھ ہسپتالوں میں ملازمت جائز ہوگی۔

لیکن جن ہسپتالوں میں بلاضرورت آپریشن اور بلاوجہ ٹسٹ کرائے جاتے ہوں اور اسی طرح بلاضرورت مردڈاکٹروں سے خواتین کے قابل سترجسم کا علاج اورخاتون ڈاکٹروں سے مردوں کے قابل سترحصہ کا علاج کرایا جائے اوران کواس پرمجبور کیا جائے ان میں ملازمت جائز نہ ہوگی۔

ھ-مسافروں کی سہولت کے لئے اعلی قسم کے ہوٹل جن میں قیام و طعام کی تمام تر سہولیات مہیا ہوں یہاں تک توضرورت سمجھ میں آتی ہے لیکن شراب اورحرام غذاؤں کی فراہمی اوررقص وموسیقی کی سہولت ضرورت میں داخل نہیں ہے، لہذا ملازم کا اگران سے براہ راست تعلق ہوتواس کی ملازمت کی حرمت میں توکوئی شک ہے ہی نہیں، البتہ وہ ملازمت جس کا تعلق مذکورہ حرام اشیاء کی فراہمی اوراس میں تعاون سے نہ ہونیز ملازم کے اس ماحول میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہوتووہ ملازمت جائز ہوگی۔

"**فقدجاء في رواية الديلمي عن معاذ: اتقوا الدنيا واتقوا النساء فان ابليس طلاع رصاد" الحديث** (مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح الفصل الاول ۶/۲۴۳)۔

☆☆☆

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

مختلف النوع ملازمتیں اور ان کے شرعی احکام

مولانا الیاس نعمانی:

مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ فوج میں ملازمت سے متعلق ہے، عرض مسئلہ اور تلخیص مقالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مقالہ نگار تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ فوج کی ملازمت میں چونکہ ایک فوجی کو ظلم کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کا اصل حکم تو حرمت ہے لیکن ان حضرات نے دو بنیادوں کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے، ایک بنیاد تو یہ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی شمولیت، امت مسلمہ کی حفاظت کا ذریعہ بنے گی، یہ ایک اجتماعی مصلحت ہوئی، اور دوسری وجہ ان حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس سے اقتصادی منفعت حاصل ہوگی، جس کو انفرادی مصلحت سے بھی شاید تعبیر کر سکتے ہیں، ان حضرات کے ان دلائل پر یا یہ جو وجوہ جواز بیان کر رہے ہیں اس پر ذرا سا غور کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ کیا عام فوجی کو کسی مصلحت کے حصول کا اختیار بھی ہوتا ہے، آج کل کی جو فوجیں ہیں اس میں عام فوجی کی مثال مردہ بدست زندہ کی ہے، وہ اپنے اوپر کا ایسا تابع اور مجبور رہوتا ہے کہ وہ خود کسی بھی فیصلہ میں مختار نہیں ہوتا، اور یہاں تک کہ اس کو اپنے اوپر کے فیصلے سے اختلاف کے نتیجے میں بسا اوقات بغاوت کے مقدمہ کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، جس کا مقدمہ فوجی عدالت میں چلتا ہے اور اس کی سزا قتل ہے، فوجی عدالت میں۔

دوسری بات یہ کہ جو دوسری وجہ بیان کی گئی ہے وہ اقتصادی منفعت ہے، شاید اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اگر کسی فرد کے لئے صورت حال وہ نہ ہو کہ جس میں ضرورت شرعیہ کی سی کیفیت ہو تو کیا کوئی اقتصادی منفعت کسی حرام کام کے لئے وجہ جواز بن سکتی

ہے، خیال رہے کہ میں نے یہ دونوں باتیں صرف اس لئے عرض کی ہیں کہ عام طور پر مقالہ نگار کی جو رائیں ذکر کی گئی ہیں ان سے ایسا تاثر ملتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اگرچہ حقیقت میں یہ ظلم ہے لیکن یہ اس کے لئے وجہ جواز ہے۔

ایک اور بات عرض کرنی ہے، بہت مختصر الفاظ میں کہ ہمارے یہاں جو مقالہ نگاروں کی رائیں آئیں ان میں ظلم کو تعبیر کیا گیا ہے ہم مذہب سے قتال پر، شاید یہ ذرا غیر محتاط تعبیر ہے، محتاط تعبیر میں ظلم کو مطلق ہونا چاہئے، خواہ وہ ہم مذہب پر ہو یا غیر مذہب والے پر ہو، وہ یکساں طور پر حرام ہے۔

مولانا شاہد علی قاسمی:

اکثر مقالہ نگار نے عدالت کی ملازمت کو جائز قرار دیا ہے، میرے خیال میں بھی عدالت کی ملازمت تو جائز ہوگی، لیکن ایک وضاحت یہ مطلوب ہے کہ اگر مسلمان جج کے سامنے زیر تصفیہ مسئلہ کا حکم شریعت کے حکم سے بالکل متصادم ہو، تو مسلم جج کو کیا کرنا چاہئے، کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ ایسے معاملہ کی ابتدائی کاروائی میں شریک رہے، لیکن جب فیصلہ کا وقت آئے تو وہ دوسرے جج کے حوالہ کردے، تاکہ مسلم جج بالکلیہ حرام کا مرتکب نہ ہو۔

مولانا مفتی محمد شاہ منذر:

سوال نمبر ا کے متعلق عرض کرنا ہے کہ فوج میں نوکری کرنے کے متعلق کہا گیا ہے کہ جائز ہے، چونکہ ہندوستان کے اندر تمام کام رشوت سے کئے جاتے ہیں، رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، تو فوج میں جو ملازمت کی جاتی ہے مشاہدہ یہ ہے کہ رشوت میں خطیر رقم دے کر ملازمت کی جاتی ہے تو رشوت میں رقم دے کر اس طرح کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟ چونکہ رشوت دینا تعاون علی المعصیۃ ہے، تو تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے فوج میں نوکری کرنا ناجائز ہونا چاہئے۔

مولانا جنید پالنپوری:

شعبہ انکم ٹیکس کے اندر بعض حضرات نے اس کی ملازمت کو مطلقا جائز قرار دیا ہے، جبکہ عامۃ فقہاء کرام نے اس کو صراحۃ ظلم سے تعبیر کیا ہے کہ انکم ٹیکس کو وصول کرنا ظلم ہے، لہذا اس کی اجازت کیسے درست ہوسکتی ہے؟ ''**ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**'' کے بھی خلاف ہے، ''**ولا تجسسوا**'' کے بھی خلاف ہے، ''**ولا تجوز أجوۃ......**'' کے عین مترادف، لہذا اس کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

مفتی زاہد علی خاں:

عدالت کے بارے میں جو بات فرمائی گئی ہے، دستور ہند کے مطابق ذیلی عدالتیں تو دستور کی پابند ہیں اور ساتھ ساتھ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے فیصلوں کی بھی پابند ہیں، پھر بھی ان کو کچھ نہ کچھ اختیارات ہوتے ہیں جن کا وہ استعمال کرکے اور کسی حد تک وہ فیصلے کرسکتے ہیں، لیکن ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اس کو بہت زیادہ آزادی ہوتی ہے، حتی کہ وہ دستور میں جو دی ہوئی بعض چیزیں ہیں اس کے خلاف بھی بسا اوقات فیصلہ کرتے ہیں، اور اس کی قانونی حیثیت ہوتی ہے، اس اعتبار سے مطلقا عدالت کی ملازمت یا جج وغیرہ بننے کو یکساں قرار دینا یہ درست نہیں ہوگا، البتہ بعض مسلمان ججوں نے خود جو دی ہوئی چیزیں ہیں قانونی طور پر مثلاً ہمارے یہاں قانون جو ہے دستوری طور پر ہمارے یہاں فنڈامنٹل رائٹ جو کہلاتا ہے یعنی جس کو بنیادی حقوق کہتے ہیں اس کی حیثیت دستور میں دی ہوئی چیزوں سے برتر قرار دی جاتی ہے قانونا، لیکن مذہب کے بارے میں شرط یہ لگائی گئی ہے کہ وہ مذہب کا لازمی حصہ ہو، اب ایک مسلمان جج صاحب نے غیر مسلم جج کے ساتھ ایک مسلمان کی دو شادیاں ایک بہن پہلے سے تھی اور دوسری بہن سے اور شادی کرلی اس کے باوجود انہوں نے یہ فیصلہ کردیا کہ چونکہ اسلام اجازت دیتا ہے ایک سے زائد شادی کرنے کی مرد کو، لہذا دونوں شادی درست ہے، اس شخص کا یہ فیصلہ نہ یہ کہ صرف دستور کے بھی خلاف ہے، اسلام کے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ اس میں

"أن تجمعوا بين الأختين" ہے، یعنی اسلام کا ایک لازمی امتیاز یہ ہے کہ اسلام نے جمع بین الزوجات کے باوجود یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس طرح کے اس کے محرمین اس کے درمیان جمع نہ ہوں، بالخصوص بہنوں کے بارے میں صراحت کی ہے، تو اس کی غلطی دستور پر ڈالنا یا عدالت پر ڈالنا زیادتی ہوگی۔

دوسری بڑی اہم بات یہ ہے اس کے علاوہ کہ فوج کے سلسلہ میں بھی یہی بات ہے کہ نفاذ کا سارا اختیار دستوری طور پر جو آتا ہے، جو ہاؤس اسٹیشن آفیسر ہوتا ہے یعنی SHO اس پر آتا ہے، باقی افسران اس کو پابند کرتے ہیں کہ وہ اس کے مطابق چلے، جو ان کو باقاعدہ پولیس ایکٹ کے قانون کے تحت پابند بنایا جاتا ہے، وہ براہ راست اس میں مداخلت نہیں کرسکتے، جب تک صریح کوئی ظلم نہ دکھائی دے، ورنہ بڑے افسر اس میں مداخلت نہیں کرسکتے، اس کو آرڈر دیتے ہیں، لہذا اس کو بھی یکساں قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب ہم نے دستور پر دستخط کئے تو ہم دستور کے شریک ہوگئے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دستور کی عام دفعات، اسلام کے جو قانون عدل وانصاف ہے اس سے ٹکراتی نہیں ہے، لہذا اس کو مطلقاً نادرست قرار دینا اور ظلم قرار دینا فوج کی ملازمت کے مقابلہ میں خاصہ مختلف ہوگا۔

تیسری بات یہ کہ پولیس کی ملازمتیں بھی دو طرح کی ہیں ایک وہ جو براہ راست عوام سے متعلق ہوتے ہیں دوسرے وہ جو ریزرو لوگ رہتے ہیں صرف حالات کے خراب ہونے پر یا الیکشن اور ہنگامی حالات میں ان کو استعمال کیا جاتا ہے تو اس پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

بینک کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ اس میں غیر مسلموں کے لئے چونکہ سود کا حکم اسلام کے جو فروعی احکام ہیں، امام صاحب کا واضح قول ہے، امام شافعیؒ کی رائے مختلف ہے، وہ غیر مسلموں پر نہیں لگائی جاسکتی تو جن کے مذہب میں سود لینے کی ممانعت نہیں تو یہ طریقہ ظالمانہ ہے، یہاں کا نہ کہ اصلا سود کا نظام، چنانچہ...... ممالک کے اندر عام طور پر تین فیصد وہ سود دیتے ہیں اور سوا تین فیصد لیتے ہیں یا سوا تین فیصد دیتے ہیں، ساڑھے تین فیصد دیتے ہیں، اس کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے، صرف چوتھائی فیصد کے اندر سارا نظام چلاتے ہیں، اور جب ہم

عاملین کو اجازت دیتے ہیں اسلام میں کہ باوجود یہ کہ وہ مستحق زکوۃ ہو لیکن چونکہ وہ اس کے اندر ملازمت کا حصہ ہیں اس اعتبار سے ہم غیر مسلموں سے ان کے حقوق چھیننے کی بات نہیں کر سکتے، ہم کو کوئی ایسا نظام پیش کرنا چاہئے کہ ہم اسے بدل سکیں، اور وہ متبادل ہمارا نظام ہو، لیکن اگر مسلمان کہیں مجبور ہیں تو ان کو اس کی بنیاد پر کہ وہ بالکل تعاون اس کے اندر کر رہے ہیں اور وہ استحصال و استغلال کے اندر آتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کو استحصال اور استغلال وہاں قرار دیا جاسکتا ہے، جہاں ہماری حیثیت بہت برائے نام ہے اور ہم اس سے ہٹ جائیں، تو ہمارے لئے خود ملازمتوں کے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ نے عاملین زکوۃ اور عاملین ربوا کو بالکل ایک درجہ میں رکھ دیا، ہندوستان کا جو بینکنگ قانون ہے اس میں بینک کو براہ راست بزنس کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی لئے تو یہاں اسلامک بینکنگ کے قائم کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، بہر حال بہت چشم کشا بحث کی آپ نے۔

مفتی محمد ساجد:

شراب فیکٹری میں جو ملازمت کرنے سے متعلق سوال آیا ہے اس میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جو گاڑیاں شراب ڈھوتی ہیں ان کے ڈرائیور اور خلاصی کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ کیا مالک کی تابعداری کرتے ہوئے وہ اپنی گاڑیوں سے شراب وغیرہ ڈھو سکتے ہیں، یا وہ غلہ جن کے ذریعہ سے شراب بنائی جاتی ہے ان کو فیکٹری تک پہنچا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ آئی تھی کہ شراب کمپنی شراب کے علاوہ کوئی اور چیز بناتی ہے سر کہ وغیرہ تو اس کے اندر بوتلیں وغیرہ پہنچانا کیا اس کے اجزاء وغیرہ کے پہنچانے کی اجازت ہوگی اس سے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ "للأکثر حکم الکل" کے تحت زیادہ تر یہ فیکٹریاں جو شراب بناتی ہیں اگر اس طرح کی اجازت دے دی گئی کہ وہ کچھ اجزاء اور بھی بنائے تو پھر اس طرح کے

تھوڑے بہت کاموں کو شروع کر کے اور مزید شراب بنانے کو تقویت ملے گی، اس کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی:

ملازمتوں کے تعلق سے جو سوال آیا ہے اس میں شاید میں سمجھتا ہوں کہ یہ گوشہ نہیں آیا ہے یا غالباً میں سن نہیں سکا، ملازمتیں کمپنیوں میں جو ہوتی ہیں یا سرکاری اداروں میں جو ملازمتیں ہوتی ہیں ان کے تعلق سے بہت سی باتیں آئی ہیں، ایک چیز جس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور عملی طور پر بہت زیادہ کہ حجامت بنانے کے پیشہ سے ہندوستان میں مسلمان ہی زیادہ تر جڑے ہیں، تو اگر کوئی آدمی دوسرے کی دوکان پر کام کرتا ہے خود اس کے لئے اس کی اجرت کا کیا حکم ہوگا؟ اسی طریقہ سے اگر کسی کی دوکان ہے تو اس میں بال اور داڑھی بنانے دونوں کی جو اجرت ہوتی ہے وہ ایک ساتھ رکھی جاتی ہے اب اگر وہ کسی دینی کام میں تعاون کرنا چاہے تو آیا اس کا تعاون فی نفسہ جائز ہے یا ناجائز ہے، یہ تو ایک دوسرا سوال ہے لیکن بہرحال اگر ملازمت کے تعلق سے غور کرلیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ مناسب ہوگا۔

مولانا محمد خالد حسین نیموی:

خواتین کی ملازمت برائے تدریس کے حوالہ سے عرض ہے کہ اسلام نے استثنائی حالت کو چھوڑ کر عورت پر سرے سے کوئی معاشی بوجھ نہیں ڈالا ہے اور موجودہ زمانے میں یونیورسٹیوں کالجوں اور اسکولوں میں بے حجابی، عریانیت اور فیشن پرستی کے جس خطرناک صورت حال کا ماحول ہے اس کے پیش نظر خواتین کی ملازمت بے شمار معاشرتی برائیوں کو جنم دے گی، لہذا عملی طور پر ناممکن شرطیں عائد کر کے اس ملازمت کی اجازت دینا مناسب نہیں ہے، حالانکہ اس عنوان پر باضابطہ سمینار کا انعقاد ہو چکا ہے، لیکن بحث کی مزید ضرورت ہے اس لئے کہ کوایجوکیشن کے تباہ کن اثرات پورے معاشرہ کو تباہ کر رہے ہیں، اسی مسئلہ کا شاخسانہ ہمارے سامنے جداگانہ خاندانی نظام کا مسئلہ بھی سر ابھار رہا ہے کہ نام نہاد فیشن پرست خواتین بزرگوں کا احترام یا ان سے

مزاج کی ہم آہنگی کو برداشت نہیں کر پاتی ہیں، سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ مرد حضرات خواتین سے کیوں ملازمت کروانا چاہتے ہیں، اوران میں سے بعض حضرات اس کے جواز کے لئے راہیں تلاش کررہے ہیں ضرورت کی بنیاد پر، حالانکہ یہ بنیاد ہی مخدوش ہے، اس پر بھی غور کیا جانا چاہئے۔

مولانا مفتی محمد مقصود فرقانی:

جیسا کہ ابھی دو حضرات نے فرمایا کہ شراب لے جانے کا مسئلہ اور رجام کے تعلق سے، تو مولانا نے فرمایا کہ کتابوں کے اندر حضرات امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ ،امام محمدؒ کے درمیان یہ مسئلہ تفصیل سے فتح القدیر اور شامی وغیرہ کے اندر مذکور ہے،تعاون علی الاثم کا مسئلہ ہے،بعض حضرات نے اس کو تعاون علی الاثم مانا ہے اور بعض حضرات نے اس کو نہیں مانا ہے،حجام کا مسئلہ القواعد الفقہیہ کے اندر یہ ہے کہ اس کا تعلق مباشر کی طرف ہو یا مسبب کی طرف یہ بھی اس میں مذکور ہے،صرف اتنی بات میں عرض کردوں کہ آج کے تعلق سے بعض ہمارے علماء حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کمزور ہے اس لئے اگر بینک میں وہ مسلمان جن کی اقتصادی حالت کمزور ہے ملازمت کریں تو کچھ گنجائش ہے بعض مفتیان کرام کا یہ تصور ہے، حالانکہ جیسا کہ ابھی آپ حضرات نے سنا کہ شریعت مطہرہ نے جو سود کے لکھنے والے پر، گواہی دینے والے پر، کھانے والے، کھلانے والے پر جو تاکید اور اس پر وعید کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے تو ہاں یا نا کا جواب ہونا چاہئے، کہ آخر بینک وغیرہ جہاں سودی کاروبار ہوتے ہیں مسلمانوں کو ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں اب اس میں تاویلات یا پہلوؤں کی گنجائش نکالنا، تو اس تاکید اور وعید کے پیش نظر ہماری اکیڈمی کو یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔

مولانا محمد سعید قاسمی:

مجھے جن دو باتوں پر کچھ کہنا تھا وہ مولانا شاہد اور مولانا ساجد صاحبان نے کہہ دی ہیں اس لئے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

مولانا محمد منصف بدایونی:

مجھے بھی دو باتیں عرض کرنی ہیں: ایک تو فوج اور پولس کے تعلق سے کہ چونکہ ان کا بنیادی کام امن و امان بحال کرنا، ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا ہوتا ہے، اس لئے الأمور بمقاصد ہا کے تحت اس کی اجازت تو بہر حال ہونی چاہئے، رہا اقتصادی معاملہ تو وہ ثانوی درجہ ہے، اس کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، اور دوسری چیز انکم ٹیکس سے متعلق ہے کہ انکم ٹیکس جب ایک سراسر ظلم ہے اور اس کی شرحیں بھی پہلے سے متعین ہیں کم وبیش تو ہوسکتی ہیں لیکن بہر حال متعین ہے تو پھر اس محکمہ میں ملازمت کی اجازت زیر غور رہنی چاہئے۔

مولانا ظفر الاسلام صدیقی:

مجھے سوال نمبر ۳ سے متعلق ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ جو مخلوط اور غیر مخلوط دونوں تعلیم سے وابستہ ہے، وہ یہ کہ کبھی کبھی بچوں کو امراض لاحق ہوتے ہیں تو انہیں وہ دوا یہ کہہ کر دی جاتی ہے کہ اسے اللہ کا نام لے کر کھالو اور اس دوا کی ڈیٹ ایکسپائر ہوتی ہے، جب فائدہ نہیں ہوتا تو دوسری بات یہ کہہ کر دی جاتی ہے کہ وشنو کا نام لے کر کھالو اور وہ دوا سودمند ہوجاتی ہے کیونکہ اس کی ڈیٹ ایکسپائر نہیں ہوتی، جب فائدہ ہوجاتا ہے تو ان بچوں کو اسلام کی بابت شک وشبہ ہوتا ہے، پھر اس طرح کے مسائل جن کی میں نے ایک مثال دی ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا اشرف عباس قاسمی:

عارض محترم نے جو عرض پیش کیا ہے،......اور اس کی دلیل کے طور پر اسے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ہم عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں تو اس سے جو سودی نظام ہے اس نظام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ظاہر ہے سود کے سلسلہ میں جو آیات اور احادیث ہیں اس کی حرمت بالکل منصوص ہے اور بینک میں بہت سے عہدے ایسے ہیں کہ جن پر ان حرمتوں کی تطبیق میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی ہے، اس لئے اور علت جس کو ذکر کیا گیا ہے اس کو علت ماننا بھی محل نظر ہے، یہاں بینک کی

ملازمت کے عدم جواز کا جو لوگ فتوی دیتے ہیں وہ اس وجہ سے نہیں کہ ہمارے اس فیصلہ کی وجہ سے سودی نظام ہی دنیا سے ختم ہوجائے گا، یہ مقصد نہیں ہے دوسرے نصوص ہمارے پیش نظر رہے اور ایک ایسے وقت میں جبکہ سودی نظام کی تباہ کاریاں دنیا کے سامنے آرہی ہیں، اور اسلامک بینکنگ کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا ہے، اس لئے ہمیں ہر طرح سے کسی بھی سودی نظام سے وابستہ......۔

مولانا خورشید انور اعظمی:

بہت سی ملازمتوں میں جزئی یا کلی بہت ساری قباحتیں ہیں لیکن ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ آج جو صورت حال ہے ان ملازمتوں میں ہماری موجودگی کا، اسلامی ذہن، اسلامی فکر، اور اسلامی سوچ کے لوگ اس میں موجود رہیں تا کہ صحیح وکالت کرسکیں اسلامی ذہن وفکر کی، بہت سے مواقع ایسے بھی پیش آتے ہیں کہ ہماری صحیح ترجمانی نہ ہونے کی وجہ سے وہاں پر صحیح بات نہیں ہو پاتی، دوسرا مسئلہ کے بارے میں میں چاہوں گا کہ یہاں پر موجود اصحاب فقہ وافتاء کے سامنے اس کی وضاحت ہوجائے کہ انکم ٹیکس کو ظالمانہ ٹیکس کہا جاتا ہے، ٹیکس جو حکومتیں لگاتی ہیں، وہ اپنے نظام کو چلانے کے لئے لگاتی ہیں، تجارت کے تعلق سے بھی حکومت کے بہت سارے تعاون ہوتے ہیں، تو کیا ان سارے تعاون کے باوجود حمل ونقل کے ذرائع اور دوسرے بہت سے تعاون ہوتے ہیں تو ایسے موقع پر اس انکم ٹیکس کو ظالمانہ ٹیکس کہنے کی جو بنیادیں ہیں اگر اسکی وضاحت بھی سامنے آجائے تو میرا خیال ہے کہ بہتر ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ تو آپ نے بہت مشکل سوال کردیا، اس کی وضاحت تو آدمی کو پھنسا دے گی، ہمارے یہاں ارباب افتاء کی کتابوں میں موجود ہے کہ رفاہی ضرورتوں کے ٹیکس لگانے کی اجازت ہے، لیکن ہمارے یہاں جو حدود ہیں اس کی وہ بہت زیادہ ہیں، اور پھر جن مصارف میں خرچ کئے جاتے ہیں اس کو تو دیکھئے، میں نے دو سال پہلے یہ سنا تھا کہ ہماری پارلیمنٹ جب چلتی تو

اس کے فی منٹ کا خرچہ ایک کروڑ روپئے کا ہے، مجموعی خرچ جو ہوتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اور یہ دیکھیں کہ ماشاء اللہ کتنی نفیس بحثیں ہوتی ہیں، کس تہذیب اور شائستگی کے ساتھ لوگ ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ آزماتے ہیں تو یہ اس بنیاد پر کہا جاتا ہے، جو شرح ہمارے یہاں انکم ٹیکس کی ہے تقریباً وہی شرحیں مغربی ملکوں میں بھی ہیں، برطانیہ، امریکہ وغیرہ، لیکن ان مغربی ممالک میں حکومت کی ذمہ داری یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ بے روزگاروں کو روزگار دے ورنہ وظیفہ روزگار دے، ہر آدمی کے لئے مکان فراہم کرے، یہاں تک کہ بعض جگہ اگر مکان حکومت نے فراہم نہیں کیا تو کرایہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے، بیماروں کے علاج کا نظم کرے، ہماری حکومت کا مسئلہ یہ ہے کہ ٹیکس لیتی ہے مغربی ممالک کے طرز پر، لیکن جو سہولتیں وہ ممالک اپنے یہاں فراہم کررہے ہیں اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتی ہے، جن حضرات نے اس ٹیکس کو ظالمانہ ٹیکس کہا ہے وہ میں سمجھتا ہوں کہ اس معنی میں کہا ہے۔

مولانا محمد عمر عابدین قاسمی:

ایک مقالہ نگار نے مخلوط تعلیم کے سلسلہ میں قرآن کریم کی آیت "وقرن فی بیوتکن" سے استدلال کیا، لیکن وجہ استدلال انہوں نے بیان نہیں کیا، حالانکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سرے سے ان کی تعلیم ہی درست نہ ہو، تو وجہ استدلال کو تو ضرور ذکر کرنا چاہئے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ابھی آپ واقف ہیں کہ پوری دنیا معاشی بحران کا شکار رہے اور لاکھوں لوگ بے روزگار ہو چکے ہیں، اور مقاصد شرعیہ میں خود مقصد ہے حفظ جان و مال، تو اس سلسلہ میں ہمیں سد ذریعہ کا جو چوتھا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں کثرت اور اکثریت والے مسئلہ میں جو یسر کا پہلو ہے اسے اگر اختیار کیا جائے تو کیا یہ قومی و ملی سطح پر مفید ہوگی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں جب قحط پڑا تھا اس موقع پر کچھ اجتہادی فیصلے کئے تھے، تو اس قحط کے دور سے متاثر ہو کر آج کے حالات میں بھی اسی طرح کی سنتوں اور صحابہ کے عمل کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا مناسب ہوگا۔

اور ایک بات یہ کہ جن احادیث سے یہاں عام طور پر استدلال کیا جاتا ہے چونکہ یہ سب علماء اور اہل تحقیق ہیں تو خوب اس کی صحت کے بارے میں غور کر لینا چاہئے، مثال کے طور پر "حب الوطن من الإیمان" تمام محدثین جن کا اعتبار کیا جاتا ہے جرح وتعدیل میں اور احادیث کی تصحیح وتوثیق میں وہ سب اس کے عدم صحت کے قائل ہیں، کسی نے اس کو مرفوع تسلیم نہیں کیا ہے تو اس طرح کی احادیث اگر اس سے علماء وفقہاء استدلال کریں جبکہ علامہ عبد الحیٔ لکھنویؒ نے اور حافظ ابن حجر اور تمام محدثین نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتابوں سے اگر حدیث نقل کریں تو اس میں اس کا حکم ذکر کرنا ضروری ہے، تو ان چیزوں کا ملاحظہ رکھا جانا چاہئے، کیونکہ ان ہی پر آپ کی تجاویز مبنی ہوتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ قاسمی:

"وقرن في بیوتکن" کی عبارۃ النص سے تو اختلاط کی ممانعت شاید ثابت نہ ہو لیکن اشارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان کو کیوں استقرار فی البیوت کا حکم دیا گیا۔

مولانا عمر عابدین قاسمی:

میرا مقصد اختلاط کی طرف اشارہ نہیں ہے، مقالہ نگار نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اختلاط منع ہے، لیکن اس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے، آیت کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ نکلے ہی نہیں گھر سے، پھر تعلیم بھی درست نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

نہیں مقصد یہ ہے نہ کہ نکلنے کی ممانعت دوسرے نصوص کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نکلنے کی ممانعت بمواقع فتنہ ہے اور فتنہ کی ایک شکل اختلاط بھی ہے تو گویا اس آیت کے اشارۃ النص میں یہ بات بھی داخل ہے۔

☆☆☆